قطعات

عربی و رباعیات و نظم اردو

مولوی احسان علی خان احسان شاہجہانپوری

متعلق

اجلاس چہارم محمدن ایجوکیشنل کانگریس

منعقدہ

بمقام علی گڑھ

مطبع مفید عام آگرہ میں طبع ہوا

وما من جهل آدبهم لدينا — وما فينا العقول ولا الذكا
أُبيّن حالهم والقلب كئيب — محا صبري ولم يبق العزا
وغفلتنا تزايد كل يوم — ولا لا تشد كربتنا انها
فكم من مسرف فينا بمال — يفيد ولا يُعدّ هو السخا
وكم من شارب كاسات خمر — فليس لهم من الله الحيا
يُفيد لنا الوفاق بكل امر — ولا يجدى التاوّه والبكا
فسيّد قومنا هادٍ بصدق — فيجب به الوفاق والاهتدا
هو الحبر الا ريب طبيب داءٍ — وفى انفاسه الازكى الهوا
فان لم نعتبر بالنصح منه — على سمع لنا كان الغطا
بنى دار العلوم بكل سعى — كما فى المكرمات له البنا
مُصيبٌ رايه فى كُلِّ خطب — اجَلّ ولا يرى فيه الخطا
وملءُ فواده رفقٌ ولطفٌ — وطبع الصدق فيه والصفا
ومن شيم الكرام له كثيرٌ — فاحصاء مدائحه هجا
فكان لمُسلمى هند المساكى — نَ عونا للكروب لهم كفا
بفضل الله انّا قد رزقنا — فهذا من دعاى والرجا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قطعات

مجلس طیب مع التدبیر　　کل قلب یؤثر التقریر
جاء نصحاء قومنا فیہ　　سعیہم ہٰہنا ہو التصویر

قطعہ ثانی

نجم علم اضاء للتعلیم　　ذہب الجہل جاءنا التفہیم
سید القوم ہٰہنا موجود　　خببوا خببوا مع التعظیم!

قطعہ ثالث

ان ہذا الزمان ضیع فیہ　　درس علم من العلوم بدایہ
الامیر الکبیر ذو الشوکۃ　　سید القوم فخر کل وجیہ
جمع الناس شفقۃ رحما　　ینصح الکل یفعل التنبیہ
...وا اسمعوا اوامرہ　　یصلح الحال ینتفی التکریہ
...طلبوا العلم ایہا الحضار　　موجب النفع بالغ التنزیہ
...موا العلم کائنا ما کان　　سیما للمعاش یا اہلیہ
...موا القلب جانب التعلیم　　اقبلوا اقبلوا بلا توجیہ
خیرکم فیہ خیر دنیاکم　　لو ترکتم فرجلکم فی التیہ
لیس الا انتفاع خلق اللہ　　قصدنا من کلامنا ما فیہ

رُباعیات

در ماندہ ہیں مفلس امراء ہیں غافل
بے چارے مسلماں ہیں اکثر جاہل
احساںؔ اب اس قول کی مصداق ہے قوم
لکھے نہ پڑھے نام محمدؐ فاضل

دیگر

امراض جہالت کے معالج وہ کہاں
اچھا ہو کسی طرح یہ فالج وہ کہاں
ڈھونڈ ہار نظر آتے ہیں دارالتعلیم
اسپین کے بغداد کے کالج وہ کہاں

دیگر

تہذیب نہ حاصل ہو تو حرفت معلوم
اخلاق نہ شامل ہو تو عزت معلوم
یک پیر جواں بخت کا سچ ہے یہ قول
تعلیم نہ کامل ہو تو دولت معلوم

دیگر

غفلت جو بڑھی باعث ادبار ہوئی
تعلیم گھٹی عقل بھی بے کار ہوئی!
سیّد نے بہت دھوم کی بن کر ہمدرد
سب جاگے مگر قوم نہ بیدار ہوئی

دیگر

یارب تو ہمیں علم دے جاہ دفر دے
تہذیب دے اخلاق دے مال و زر دے
اوروں کی طرح جملہ مسلمانوں کو
تعلیم کی جانب متوجہ کر دے

قصیدۂ قومی

فت بڑھی تو دور ہوا سب وقار قوم
تہذیب کا پتا ہے نہ اخلاق کا نشاں
افسوس دوسرے کی نہیں ایک کو خبر
پرے ہوئی ہے مثل فلک پست ہمتی
عالم میں خاک جہل اڑی ہے ستم ہوا
دیکھے کوئی اٹھا کے تواریخ سابقہ
نہ ہے غرض نہ تمدّن کا ہے خیال
ت نے پیش ولیس سے جو گھیرا ہے رات دن
پیدا ہوئی ہیں خلق میں نااتفاقیاں
افسوس اہل قوم کو یہ بھی خبر نہیں
...کے وہ مدرسے ویران ہو گئے
صنعت کا کچھ خیال نہ حرفت کی کوئی فکر
شوق شراب ناب و تمنائے بزم رقص
...گے مگر نہ بڑھائیں گے حوصلہ
...زندہ ہے نہ ہے یاروں جو لیں خبر
...کی یاد آتی ہیں علمی ترقیاں !
...سنبھال سکتے ہیں ہم بگڑے کام کو
...نے والو جاگ کے ہشیار ہو رہو
...قدم طلب علم کے لئے
...اور ہو گئے کیا دور جہل سے

رکھا نفاق نے نہ ذرا اعتبار قوم
لوٹی خزاں جہل نے کیا کیا بہار قوم
آشوب حشر کیوں نہ بنے روزگار قوم
محتاج ہوتے جاتے ہیں ناکردہ کار قوم
بے آب ہو گیا گہر آب دار قوم
غیروں کا علم کب سے ہوا ننگ و عار قوم
افسوس کیا تباہ ہؤا کاروبار قوم
نکبت بھی ہمقدم ہے یمین و یسار قوم
اٹھ جائے گا زمانے سے اب اعتبار قوم
غیروں نے ہم سے چھین لیا ہے وقار قوم
مٹی کے ڈھیر رہ گئے بس یادگار قوم
غفلت نے کیا خراب کیا روزگار قوم
یہ صبح و شام ہے تو وہ لیل و نہار قوم
یہ رہ گئی ہے زندگی مستعار قوم !
منجدھار میں ہے کشتی عزّ و وقار قوم
چرخ کمال پر تھا مہ اقتدار قوم
جب اپنے حال پر بھی نہ ہو اختیار قوم
دشمن یہ چاہتے ہیں کہ کھیلیں شکار قوم
گویا بچھے ہیں خار سر رہ گزار قوم
سب جانتے ہیں ملک عرب ہے دیار قوم

زندہ دلی کو آگئی فی الحال جب اجل
سیدکی ذات پاک بنی سوگوار قوم

اے اہل قوم میر جواں بخت کی سنو ق
بنگالیوں کے دل میں جما ہے غبار قوم

وہ کانگریس کہتے ہیں سب جس کو نیشنل
کھونے کو ہے ترقی عزّ و وقار قوم

بے وجہ کا کسی سے تعصب کسی سے بغض
عالم میں رہ گیا ہے یہی اب شعار قوم

ایسی چلی ہوا کے مخالف جہان میں
مٹی میں مل گیا چمن روزگار قوم

یک وقت یہ ہے جانتے ہیں ہم کو سب ذلیل
یک وقت وہ تھا کرتے تھے سب اقتدار قوم

کم ہمتی نے ہم کو بنایا ہے مردہ دل
سو دقتوں میں کیوں نہ رہے حال زار قوم

اسپین و مصر و دیلم و بغداد و روم و شام
ہر سُو بلند تھا علَم افتخار قوم

بے وقعتی کا حال یہاں تک پہنچ گیا
ہنستے ہیں دیکھ دیکھ کے سب انتشار قوم

نزدیک ہے کہ صرصرِ ادبار لے اڑے
پتے سے بھی کہیں ہے سُبک اعتبار قوم

نادانی و عناد و تعصب نفاق و جہل
یہ پانچ کانٹے کھوئیں گے ساری بہار قوم

شکریہ اس کا چاہیئے احسان اب ضرور
جو آج کل زمانے میں ہے غمگسار قوم

سید سا آج کون ہے خدمت گزار قوم
کیوں کر کہوں نہ تاج سرِ افتخار قوم!

کیا کیا ہمارے واسطے کیں تو نے کوششیں
اللہ خوش رکھے تجھے اے نامدار قوم!

پنجاب میں جو ہوتی ہیں علمی کمیٹیاں
یہ تیرے ہی سبب سے ہیں ہر و قار قوم

نزدیک ہے کہ پھر بھی ترے آب سعی سے
سرسبز جلد ہو چمن روزگار قوم!

اس فکر کے سوا نہیں تجھ کو کچھ اور فکر
تعلیم ہو عزیز بڑھے اعتبار قوم

ہم سو رہے ہیں ایک ہی کروٹ سے بیخبر
ہم کو جگا رہا ہے تو اے غمگسار قوم

ایسا ملے گا ناصح مشفق ہمیں کہاں
عمر عزیز اپنی جو کردے نثار قوم

تعلیم کی طرف متوجہ کیا ہمیں
دیکھا بہت خراب جو انجام کار قوم

بھولے ہوئے تھے یاد دلائی ہمیں یہ بات
کسبِ کمال ہے سبب اقتدار قوم

شُورے دئے طریقۂ تحصیل علم کے
یہ کانگریس خلق میں ہے یادگارِ قوم

محمود سا عقیل و خوش اطوار جانشیں
چھوڑے گا تو جہاں میں اے افتخار قوم

بیشک پکارے جائیں گے ہم تیرے بعد بھی
ہوتی رہے گی پرسشِ احوال زار قوم

...ان بے کماں کی اس وقت کی دعا — دعا مقبول کرے اے مرے پروردگار قوم
...م اُچھالے دامن کسب علوم میں — تیرے سوا نہیں ہے کوئی پردہ دار قوم
...ب ہمارا رایتِ اسلام کر بلند — گو ملک ہند میں ہے بہت کم شمار قوم
...ل کے دوڑیں کوچۂ تعلیم کی طرف — دیکھیں نہ اپنی آنکھ سے ہم انتشار قوم
...تعلیم کی پکار علیگڑھ کا مدرسہ — مطلب میں کامیاب ہوا اے کردگارِ قوم
...شہر و ہر دیار میں قائم ہوں مدرسے — ہم دیکھیں علم و فضل کو زیب کنار قوم
...سال دھوم دھام سے یہ کانگریس ہو — ہوتی رہے ترقی عزّ و وقار قوم

...سید رہیں جہاں میں زندہ بہت دنوں
حُسّاد پائمال ہوں بن جائیں کار قوم

مضمون

پیش کردہ حاجی محمد اسمٰعیل خاں صاحب رئیس دتاولی

ضلع علیگڑھ

متعلق

اجلاس چہارم محمڈن ایجوکیشنل کانگریس

منعقدہ

بمقام علی گڑھ

در مطبع مفید عام آگرہ طبع شد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مضمون پیش کردہ حاجی محمد اسمٰعیل خان صاحب رئیس دتاولی

اگرچہ ایسے اہل علم اور عقلاء کے جلسہ میں گفتگو کرنے کی مجھ کو لیاقت نہیں ہے، مگر چونکہ یہ جلسہ مسلمانوں کی ترقی پر بحث اور غور کرنے کے واسطے جمع ہوا ہے۔ اس واسطے میں ایک اپنا ایسا خیال ظاہر کرنا چاہتا ہوں، جو کہ اس وقت سے میرے ذہن میں ہے۔ اور جس کو میں اپنے نزدیک مسلمانوں کے حق میں مفید جانتا ہوں۔

صاحبو! گو یہ زمانہ ہمارے واسطے ایسی ترقی کا نہیں ہے، جس کو ہم ترقی کی معراج کہہ سکیں۔ لیکن اس میں شک نہیں، کہ ہم لوگ کچھ نہ کچھ علمی ترقی کر رہے ہیں۔ اس طرف میں دیکھتا ہوں کہ مسلمان دینوی ترقی حاصل کرنی چاہتے ہیں۔ اور اس واسطے دینوی علوم میں روز بروز مصروفیت بڑھاتے جاتے ہیں۔ دوسری طرف مسلمانوں کا ایک گروہ علوم دینی کے پڑھانے اور حاصل کرانے کی طرف کوشش کر رہا ہے۔ گو علوم دینی کی جو اس زمانہ میں ترقی ہونی چاہیئے، وہ نہیں ہے۔ مگر تاہم خوش نصیبی سے مذہبی خیالات کی ترقی کے سامان موجود ہیں۔

اے صاحبو! مجھ کو یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے، کہ زید اور عمر صرف ایک ایک علم میں جدی جدی ترقی کر رہے ہیں۔ زید جس طرح علوم دینی سے ناواقف محض یا قریب ناواقف کے ہے، اسی طرح عمر جو ایک عالم وقت تو ہے مگر علوم دینوی سے بالکل ناواقف ہے۔ پس جس وقت میں کہ ہم کو ایک دل ہو جانے کی ضرورت ہے یہ ہو رہا ہے کہ مسلمان دو گروہ ہوئے جاتے ہیں۔ ایک وہ جو دین کی بہت کم پرواہ کرتا ہے،

اور دوسرا وہ جو دنیا اور اہل دنیا کو برا کہتا ہے۔ مگر خود اسی دنیا میں بری طرح بتلا ہے۔

میرا یہ اعتقاد نہیں ہے کہ کل افراد ایسے ہو سکتے ہیں جو علوم دینی اور دنیوی سے واقفیت رکھتے ہوں۔ میں اس کو محال جانتا ہوں۔ مگر ایک ایسا گروہ ضرور پیدا ہو سکتا ہے کہ جو علماء دینی اور دنیوی کے سلسلہ کے ملا دینے کو کڑی کا کام دے۔ اور اس کڑی کے سبب سے جو جدائی کہ دونوں گروہوں میں ہے وہ مبدل بہ اتحاد ہو جائے گی۔

یہ گروہ علماء علوم دنیوی کو بتا اور سمجھا سکے گا، کہ بغیر مذہب کی عزت کئے اور بغیر مذہب کی ضرورت کے کوئی سوسائٹی اور گروہ نہ بن سکتا ہے اور نہ قائم رہ سکتا ہے۔ اور نہ وہ خوشی اور ترقی جو متحدہ سوسائٹی کی حالت میں ہر فرد کو ہوتی ہے، ان کو حاصل ہو سکتی ہے۔ اور یہ گروہ علمائے دین کو سمجھا سکے گا کہ زہد کے وہمی معنی قرار دے کر اہل دنیا سے نفرت نہیں کرنا چاہیے۔ گروہ اہل دنیا و اہل ثروت اسلام کا ضروری رکن ہے غرضیکہ یہ گروہ دونوں کی نفرتوں کو کم کرے گا۔ اور ان میں اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کرے گا۔

اے صاحبو! میرے نزدیک مذہب اسلام کی حقانیت بمقابلہ کُل دوسرے معلوم مذہبوں کے زیادہ تر ثابت ہے۔ اور چونکہ میں خود ایک مسلمان ہوں اور جن سے کہ میں مخاطب ہوں وہ بھی سب مسلمان ہیں اس وجہ سے میں اپنے اس دعوے کی کوئی دلیل بیان نہیں کروں گا۔ لیکن ہر زمانہ میں ایک گروہ علماء ... کا ایسا ہوتا آیا ہے کہ جس نے مخالفین کے سامنے مذہب اسلام کی سچائی کو بیان کیا ہے۔ اور یہ گروہ جس زمانہ میں رہا اس زمانہ کے تمام ضروری علوم سے بقدر کفایت کے واقف تھا۔ اور اگرچہ اب بھی ایسے علماء موجود ہیں جو مذہبی وعظ کے ذریعہ سے گمراہوں کو ہدایت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر غالباً آپ سب صاحبوں میں سے ایک بھی کسی ایسے مولوی صاحب کا نام بتا سکیں گے جو کہ فلسفہ جدیدہ اور علوم مغربی سے کما حقہ واقف ہوں۔ پس ایسے علماء کسی طرح بھی اُن اعتراضات کا جواب نہیں دے سکیں گے۔ جو از روئے علوم جدیدہ کسی اسلامی مسئلہ پر پیش کیا جائے۔

علاوہ ازیں اے صاحبو! آپ لوگوں کا خیال ہوا ہو، یا نہ ہوا ہو، مگر میں نے اپنے مختلف خیالات اور تجربوں سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مذہب اسلام اور مسلمانوں کی ترقی کے واسطے یہ لازمی امر ہے کہ علماء یورپ، امریکہ، آسٹریلیا میں جا کر وعظ کہیں۔ اور مجھ کو ذرا بھی شک نہیں ہے کہ ان وعظوں سے بہت فائدہ ہوگا۔ یورپ اور امریکہ میں ایک بڑا گروہ پکے اور نہایت کار آمد مسلمانوں کا مہیا ہو جاوے گا جس کی وجہ سے ہم اس مرتبہ کو بہت آسانی سے حاصل کر سکیں گے۔ جس کی اس صدی ...

...ت ہے۔
...ہب اسلام کی بابت اب تک ایک بری ناواقفیت موجود ہے۔جس کو آپ اس حکایت سے اندازہ کر سکتے
...میں ابھی بیان کردوں گا۔"
...ت یا آٹھ مہینے کا عرصہ ہوا کہ بمبئی میں ایک معزز یورپین جنٹلمین نے جو میرا دوست ہے مجھ سے کہا
...ایک یورپین دوست نے کہا ہے کہ مکے میں محمد صاحب کا تابوت ادھر لٹک رہا ہے۔ اور اسی
...مسلمان اس کی پرستش کرتے ہیں۔ اور اوسکی ادھر لٹکنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ تابوت لوہے کا
...ہر طرف کی مقناطیسی قوت سے درمیان میں معلق ہے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں نے ان دوست
...ردیا ہے، کہ ہمارا ایک مسلمان دوست مکہ ہمیشہ جاتا ہے، ہم اس سے اس بات کی تحقیق
...ی نم کو لکھیں گے۔

...ہمارے حضرات یورپ میں بے حد ایسے لوگ موجود ہیں، جو مذہب اسلام کی حقیقت سے یا تو ناواقف
...مخالفین نے اپنی طبعی رنگ آمیزی سے مذہب اسلام کے نورانی چہرہ کو بگاڑ کر لوگوں کو دکھلایا ہے
...س رنگ آمیزی کے یورپ کے بہت سے علمار کو مذہب اسلام کی خوبیوں اور صداقت کو تسلیم
...ہے۔جن کی تصانیف کو آپ صاحبوں نے ملاحظہ کیا ہوگا۔
...ٹرکی کے علمار اشاعت مذہب کی طرف کچھ کوشش نہیں کرتے۔ باوجود اس کے میزان نامی ایک
...اخبار جو قسطنطنیہ میں چھاپا جاتا ہے۔ اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر ہفتہ میں ایک فہرست
...ں کی چھاپتا ہے، جو مذہب عیسوی یا یہودی مذہب کو ترک کر کے اس ہفتہ میں مشرف با سلام ثابت
...ہوں۔ اسی اخبار سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ ترکی سلطنت میں دائرہ اسلام میں داخل ہونے
...شخص کو اسلام لانے کی اجازت ہونے کے واسطے وزیر صیغہ خارجیہ کو درخواست دینی ہوتی ہے
...ت اس بات کی تحقیقات کے بعد کہ اسلام لانے کے واسطے کسی شخص نے اس کو مجبور تو نہیں کیا،
...عطا کی جاتی ہے۔
...ان دو مثالوں کے سننے سے اور اُس پر غور کرنے سے غالباً آپ سب صاحب خود یہ نتیجہ نکالیں
...اگر ہم عیسائی دنیا میں مذہب اسلام کا وعظ کہہ سکیں تو ضرور ہم کو ایک بڑی فتح حاصل ہوگی۔ اور
...علم اشخاص کے ذی علم اشخاص کو اسلامی سوسائیٹی میں زیادہ داخل کرلیں گے۔
...ہمارے صاحبو! علمار کا ایک ایسا گروہ پیدا کرنا جو علوم دینی اور علوم مغربی کا جامع ہو، کوئی سہل
...نہیں ہے۔ اس کے واسطے ہمت کی اور اولوالعزمی کی سب سے اوّل ضرورت ہے۔ انسان کیواسطے

سب سے اول پیٹ پالنے کی ضرورت ہے۔ بس کہ اس نئے گروہ کے واسطے کچھ کھانے کا بندوبست ہونا چاہیئے۔

میری رائے میں اس نئے گروہ کی تعلیم کے واسطے نہ کسی کالج کے بنانے کی ضرورت ہے، اور نہ مدرسہ کی۔ بلکہ موجودہ کالج اور مدرسے ہمارے مقاصد کے پورا کرنے کے واسطے کافی ہیں۔ صرف ضرورت اسبات کی ہو گی۔ کہ اس گروہ کی تعلیم کے مصارف کا کچھ بندوبست کریں۔ اور اشخاص کو دوامی پنشن دے سکیں۔ اور اس گروہ علما کے واسطے ایک بہت ہی بڑا کتب خانہ ہو جس میں عربی و فارسی کی کل وہ کتابیں جمع ہوں، جو کہ دنیا میں مل سکتی ہیں۔ اور نیز انگریزی کتابوں کا ایک ہی بڑا ذخیرہ ہو۔ علاوہ اس کے سنسکرت زبان کی تمام وہ کتابیں جو کہ جمع کرنی ہوں گی مل سکتی ہیں۔

ان مقاصد کے پورا کرنے کے واسطے میری رائے میں کم سے کم ایک کروڑ روپیہ کی ضرورت ہے کی تعداد کے سننے سے غالباً بہت سے لوگ مایوس ہو گئے ہوں گے۔ لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ مایوس نہیں بے شک ایک ساتھ ایک کروڑ روپیہ جمع نہیں کر سکتے۔ لیکن ہم ایسا کر سکتے ہیں کہ ابتدائی کام شروع جاوے۔ میرے خیال میں چندہ وصول کرنے کا نہایت سہل طریقہ آیا ہے۔ جس کو میں ابھی عرض جس کی نسبت میں یہ چاہتا ہوں کہ ضرور تجربہ کیا جاوے۔

ہندوستان کے اندر پانچ کروڑ مسلمان ہیں۔ ان پانچ کروڑ میں سے صرف دو کروڑ مسلمانوں فی کس ایک آنہ وصول کیا جائے تو ساڑھے بارہ لاکھ روپیہ جمع ہو سکتا ہے۔ چند لوگ اس کے محنت گوارا کریں۔ تو دو تین برس اس میں صرف ہوں گے۔ محنت صرف یہ ہو گی کہ ہر ہر ضلع بلکہ میں پھرنا پڑے گا۔

چندہ وصول کرنے میں یہ بھی التزام رکھا جائے کہ کسی شخص سے کسی حالت میں دس روپے چندہ وصول نہ کیا جائے۔

اگر ساڑھے بارہ لاکھ روپیہ جمع ہو جاوے اور اس کے پرامیسری نوٹ خرید لیے جاویں تو فی صدی چار روپیہ پچاس ہزار روپیہ سال کی آمدنی ہو جاوے گی۔ جو کام شروع کرنے کے کافی سرمایہ ہو گا۔

میری یہ رائے ہے کہ اس فنڈ کے واسطے جس قدر روپیہ وصول ہوتا جاوے محفوظ کرتے جائیں۔ یعنی اصل سرمایہ میں سے کچھ خرچ نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ اس کی آمدنی صرف ہو۔

ہیں آپ ایک نئے گروہ علماء کے علم کی مقدار اُس کی پنشنوں کی مقدار کی بابت کچھ عرض کرنا
...میرے نزدیک ان علماء میں دو درجہ کے عالم ہوں۔ ایک وہ جو کہ علم دینی میں پورے محدث
...تبحر ہوں۔ اور علوم دنیا میں ولایت میں جاکر سب سے زیادہ اور بڑی ڈگری حاصل کی ہو، جو اس
...مل سکتی ہے۔ دوسرے وہ کہ جو علم دین میں پورے محدث اور فقیہہ ہوں۔ اور علوم انگریزی میں
...کے اندر جو سب سے اونچی ڈگری ہے وہ اُن کو ملی ہو۔ علاوہ ازیں ان میں سے بعض ایسے
...ہیں جو سنسکرت کے بھی عالم ہوں۔ اور بعضوں کو جرمنی اور فرنچ زبان میں کامل دستگاہ ہو،
...لوگوں کو علی قدر مراتب مادام الحیات پنشن ملنی چاہیئے۔ جس کی تعداد سو روپیہ ماہواری سے
...سو روپیہ ماہواری یا اُس سے زائد ہوں۔ لیکن پنشن دیتے وقت ایک معاہدہ اس سے ہونا
...یہ لوگ اپنی زندگی مذہب اسلام کے وعظ اور اسلام اور مسلمانوں کی ترقی میں بسر کریں گے۔ اور
...ثابت ہو کہ وہ اپنے فرض منصبی کو انجام نہیں دیتے۔ تو اُن کی پنشن بند کر دی جائے۔

...صاحبو! میں نے اپنے بیان کو بطور ابتدائی بیان کے نہایت مختصر طور پر عرض کیا ہے۔ اور میں
...میرے ان خیالات کا اسی اجلاس میں کچھ فیصلہ کر دیا جائے۔ بلکہ میری یہ خواہش ہے کہ محمڈن
...کانگریس کے آئندہ اجلاس تک اس میری گذارش پر بذریعہ اخبارات کے خوب مباحثہ ہونا چاہیئے
...اور پرائیویٹ جلسوں میں اس کے ہر پہلو پر غور کیا جائے۔

...نہایت مفید بات ہو گی کہ جو اخبار اس امر پر کوئی بحث چھاپے اس کا وہ پرچہ میرے پاس
...بھیجے اور نیز اہل ملک اپنی رائے سے بذریعہ خطوط کے مجھ کو آگاہ فرمائیں۔
...اس بات کا نہایت فخر اور خوشی سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں ایسے اخبارات اور خطوط کو ایک جگہ
...کروں گا، اور اُس کا خلاصہ اس کانگریس کے آئندہ اجلاس میں پیش کروں گا۔

...صاحبو! میں آپ کی اس تکلیف گوارا فرمانے کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور صرف اس قدر اور التماس
...کہ میرے یہ خیالات فراموش کرنے کے لائق نہیں ہیں، اگر ہم ایسا کر سکے جیسا کہ میں نے
...تو ہم ایسے دینی اور دنیوی برکتیں سہل الاصول طریقہ سے حاصل کر سکیں گے۔ جس کی کہ ہم کو
...اور جس کے حاصل کرنے کا اس سے زیادہ سہل طریقہ نہیں ہے۔ فقط

خطبۂ صدارت

اجلاس یازدہم

آل انڈیا مسلم لیگ منعقدہ دارالسلطنت دہلی

جو

بل مولوی فضل الحق صاحب، اے، ایل، ایل، بی وکیل ہائیکورٹ کلکتہ

ممبر قانونی کونسل بنگال نے ۳۰ر دسمبر ۱۹۱۸ء

کو پڑھا

مطبوعہ جے اینڈ سنز پریس دہلی

ستقبالی کمیٹی مسلم لیگ دہلی نے شائع کیا

۷۸۶

برادران اراکین مسلم لیگ و دیگر معززین!

آپ نے براہ کرم میری مانند ایک عام شخص کو براعظم ہند کے ایک گوشہ سے طلب کیا ہے۔ تاکہ وہ ایک ایسے اجلاس کی کارروائیوں میں صدارت کی ذمہ داری اٹھائے۔ جو اسلامی سیاسیات کے بہترین نمائندوں پر مشتمل ہے۔ جو ان کے خیالات اور تمناؤں کو ظاہر کرنے والا ہے۔ جو موجودہ نسل کی طبائع میں ڈھل ڈھل کر قومیت ہند کی ترقی و بہبودی کی نہایت اعلیٰ صورت اختیار کر رہی ہیں۔ جو عزت آپ نے اپنے ایک گمنام و ناچیز رفیق کو عطا کی ہے اس کی حد و انتہا نہیں اور اس پر میرے دل میں انتہا درجہ کی شکر گزاری کا جوش پیدا ہوتا ہے۔ لیکن ذمہ داری بھی اس عزت کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ خاص کر موجودہ وقت میں جبکہ وہ کالے کالے ڈراؤنے بادل جو دنیائے اسلام کے مطلع سیاسی پر رجوع کر رہے تھے آخر کار فضاء میں چھا گئے ہیں اور تمام اقطاع عالم میں ہمارے برادران اسلام کے سروں پر پھٹنے اور برسنے کو تیار ہیں۔ ہماری قوم کی تاریخ میں یہ ایک نہایت نازک موقعہ ہے۔ اور اس وقت میں مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت لاثانی مشکلات سے لبریز ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ اپنی شفقت و عنایت سے مجھے اس جلسہ کی کارروائیاں ایسے طریقہ پر جاری کرنے میں مدد دیں گے۔ جو اس عظیم الشان مجلس کے شایان شان ہو جس سے ہم سب کا تعلق ہے شایاں ہوں۔ اور مسلمانان ہندوستان کی سرگرمیوں کو ترقی پذیر اور باقاعدہ نشوونما کے ساتھ عمل میں آگے بڑھانے کی جو شاندار روایات اس مجلس سے وابستہ ہیں ان کے موافق ہوں۔

جنگ کے متعلق مسلمانوں کے اندیشے:-

برادران! ہم آج ایسے حالات و واقعات کے ماتحت یہاں جمع ہوئے ہیں جو پچھلے چار سال کے حالات و واقعات سے بالکل مختلف ہیں۔ ان برسوں میں موت، اپنا بھیانک سایہ ساری دنیا کے کروڑوں گھروں پر ڈال رہی تھی۔ مگر اب توپوں کی گرج اور تلواروں کی کھڑکھڑاہٹ موقوف ہوگئی ہے۔ اور ہم سب ایک مستقل اور پائدار امن کا انتظار کر رہے ہیں۔ جو اس ناتوان دنیا کو ان نقصانات و صدمات کی تلافی کا موقعہ بہم پہنچائے۔ جو انسانوں اور حیوانوں کی جانوں کی تباہی و بربادی کی شکل میں پچھلی مہیب جنگ میں پہنچے ہیں۔ لیکن صلح کی دہلی ہنوز دور ہے۔ اور اس کی پیش گوئی بھی مشکل ہے

کہ اقوام یورپ کا باہمی حسد و رقابت کس طرح ایک حقیقی و موثر امن کی ضروریات کو پورا ہونے دے گی۔ مسلمانوں کے لیئے ساری دنیا میں موجودہ ایام نہایت تشویش انگیز ہیں۔ جنگ جو اتحادیوں کے لیے ایسی مسرت و شادمانی کے سامان لائی ہوئی ہے، وہ بدقسمتی سے مسلمانوں کی طبائع کے لیے نہایت گہرے افکار اپنے ساتھ لائی ہے۔ دنیا کی اسلامی مملکتیں یورپ کی مسیحی طاقتوں کی جوع الارض کی شکار ہوئیں۔ باوجودیکہ وہ طاقتیں چھوٹی چھوٹی قوموں کی آزادی کے تحفظ کی بابت ایسے لمبے چوڑے دعوے کرتی رہتی ہیں۔ مراکو، تونس، الجزائر اور مصر تک سب ملک کمزوروں پر ظلم کی بے وجہ دست برد کے غم انگیز افسانے سنا رہے ہیں۔ ابھی کل ہی کا ذکر ہے کہ ایران کا گلا گھونٹ جانے سے ساری اسلامی دنیا میں ہول پیدا ہوا تھا۔ اور اب یورپ کی مسیحی طاقتیں ٹرکی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے پر تلی نظر آتی ہیں۔ ہم مسلمانان ہند کے لیے ٹرکی کی قسمت نہایت گہری فکرمندی کا موجب ہے۔ کیونکہ اس سے خلافت اور اماکن مقدسہ اسلامیہ کی نگہداشت کا مسئلہ مضبوطی کے ساتھ وابستہ ہے۔ ہم سے اکثر کہا جاتا ہے کہ انگلستان کے ہاں دنیا کی ہر مسلمان طاقت سے زیادہ اسلامی رعایا موجود ہے۔ لیکن زندہ نسل کی یادگار میں اکثر دفعہ انگلستان کے ذمہ دار وزرار تاج نے حضور شہنشاہ معظم کی کروڑوں مسلمان رعایا ہند کے جذبات و حسیات سے سراسر بے پروائی کا اظہار کیا ہے۔ برطانوی تدبر و سیاست کے سابق کارناموں کو ہم طاق نسیان پر رکھ دینے کو تیار ہیں۔ لیکن برطانوی مدبرین کو یاد دلانے کا اب وقت آگیا ہے۔ کہ یہ تاریخ کی تعلیم اور ملک داری کے اصول کے خلاف ہے۔ کہ رعایا کے لوگوں کی وفاداری پر بار بار بھاری بوجھ ڈالا جائے۔ یہ ہندوستانی نہیں بلکہ ایک انگریزی شل ہے۔ کہ آخری پھاؤنٹ کی کمر توڑ دیتا ہے۔ اور خواہ مسلمانان ہند اس شل کے اونٹ سے بھی زیادہ طاقت برداشت کا معجزہ دکھا سکتے ہوں، لیکن ہمارے حکام کو یاد رکھنا چاہیئے کہ بعض ایسے لمحے بھی ہوتے ہیں جبکہ فطرت وفاداری کی قربان گاہ پر مسلسل اور کبھی نہ ختم ہونے بھینٹ چڑھنے سے تنگ آجاتی ہے۔ اس امر واقعہ کو ظاہر کرنے کے لیے بہت کم استدلال کی ضرورت ہے۔ کہ دنیا بھر میں اسلام کی فوجی طاقتوں کا عملی انہدام ہندوستانی مسلمانوں تک کے قلوب پر گہرا اثر ڈالے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس لیے یہ نہایت افسوس کی بات ہے کہ آئندہ مجلس صلح میں مسلمانان ہند بالکل بلا نیابت رہیں گے۔ اور حضور شہنشاہ معظم کی سات کروڑ ہندوستانی رعایا کے جذبات و محسوسات پر اثر ڈالنے والے مسائل کی بابت نہایت اہم فیصلے ان کے فوائد کی واجبی نمائندگی ہوئے بغیر کیئے جائیں گے۔ ذمہ دار برطانوی وزراء نے حال میں جو تقریریں کی ہیں وہ بھی مشکل سے طمانیت بخش کہی جاسکتی ہیں۔ چند ہی روز قبل لارڈ رابرٹ سیسل نے پارلیمنٹ میں بیان کیا کہ ٹرکی نے خود کو ماتحت اقوام پر حکومت کرنے کے سراسر ناقابل ظاہر کیا ہے۔ اور لارڈ موصوف نے اس کا صاف اشارہ کیا ہے، کہ اتحادی ٹرکی سے کیا سلوک کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

جہاں تک ماتحت اقوام پر ٹرکی کے حکومت کرنے کی ناقابلیت کا تعلق ہے میں صرف گبن، [illegible]

...دان کے نامور اور ممتاز مستشرقین مارگولیتھ و مار ماڈیوک پکتھال کی ان تحریروں کا حوالہ دینا چاہتا ہوں۔ جن میں
...حترام فاضلوں نے مستند تاریخی شہادتوں کی بنا پر اس کا اعتراف کیا ہے۔ کہ مشرق قریبہ اور مشرق وسطیٰ کے
...یسی فرقے صرف ترکوں کے زیرِ حمایت رہنے کے باعث اپنی ہستی کو برقرار رکھ سکے ہیں۔ پچھلی جنگ بلقان کے
...یام میں جب مقام مونٹ ایتھوس کی حکومت کا سوال درپیش تھا۔ تو اس وقت انگلستان کے رسائل و اخبارات
...یں کو حوالہ دیا گیا تھا۔ کہ کس طرح مقدس راہبوں کی ایک جماعت اس کوہستانی مقام پر ترکوں کے زیرِ حفاظت امن و
...ے ساتھ زہد و اتقا کی وہ زندگی صدیوں سے بسر کر رہی ہے۔ جس کی ان کے ہم مذہب و دیگر مسیحی فرقے محض جزوی
...ن عقائد کے باعث اپنی علمداری میں اُن کو اجازت نہ دیتے تھے۔ اور سخت سے سخت اذیتیں پہنچانے پر تیار
...رہتے تھے۔ مشہور مورخین صاف الفاظ میں اس کو تسلیم کر چکے ہیں کہ علاقۂ بلقان میں دو صدی قبل تک رومائی و یونانی
...کلیسا کے پیروں میں مخالفت و عداوت باہمی کا جو طوفانِ عظیم برپا رہا وہ یونانی سربی و بلغاری قوموں کی بیخ کنی کے
...لئے کافی ہوتا...... اگر ترکی سیادت ان کو اپنی حدود کے اندر محدود رہنے اور دوسرے مسیحی فرقوں کے ساتھ رواداری
...پر مجبور نہ کرتی۔ ابھی کل کی بات ہے کہ یہودی روس میں سے سخت بے دردی کے ساتھ خارج کئے گئے۔ اور
...ترکی علاقہ میں پناہ ملی۔ لیکن تاریخ چھ سات صدیوں سے یورپ میں اسی طرح اپنے آپ کو دہراتی رہی ہے۔ اور
...یہ لوگ مختلف مسیحی ممالک سے خارج ہونے کے بعد انہیں ترکوں کے زیرِ سایہ آزادی کے ساتھ اپنی دولت دنیوی
...حاصل کرنے اور دینوی مراسم بجالانے کا موقعہ پاتے رہے ہیں۔ جن کو آج ماتحت اقوام پر حکومت کرنے
...کی قابلیت نہ رکھنے کا الزام دیا جاتا ہے۔ ترکوں نے یہودیوں کے ساتھ جن کو مورخین فرنگستان ان بہیم تکالیف
...کے باعث جو انہیں مسیحی ممالک یورپ میں اٹھانی پڑیں۔ "بدنصیب" سے ملقب کرتے ہیں۔ وہ سلوک کیا کہ ان کے
...ترکی علاقہ کا دوسرا سب سے بڑا مقام سالونیکا عرفِ عام میں "یہودیوں کا شہر" کہلانے لگا۔ اور ایک فرقے کے
...لوگ اسی مقام پر اپنے آخری زمانے کے پیغمبر کی بعثت یا رویتِ ثانی کے اس مقام میں منتظر ہیں۔ ممکن ہے کہ وقتی جوش
...بعض ناشناس افراد کو تاریخی شہادتوں سے اغماض برتنے پر مائل کر دے۔ لیکن دنیا ان شہادتوں کو فراموش نہیں کر
...سکتی۔ لندن و پیرس کے کتب خانوں سے ان کتابوں کو نہیں نکالا جا سکتا۔ جو ترکوں کے کامل آٹھ صدیوں تک
...مشرق قریب و مشرق وسطیٰ میں بیسیوں چھوٹے بڑے مسیحی و یہودی فرقوں کو ان کی مذہبی آزادی کے ساتھ اپنے دامن
...میں پناہ دے رکھنے کا اعتراف کر رہی ہیں۔

...ستان میں انگلستان کو کیسا اچھا موقعہ ملا

لارڈ رابرٹ سیسل ٹرکی کو ماتحت اقوام پر حکومت کرنے کی سرِ سر ناقابلیت کا الزام دیتے ہیں۔ لیکن میں سوال
...کیا انگلستان نے ماتحت اقوام پر حکومت کرنے کی کوئی نمایاں قابلیت عیاں کی ہے؟ لمبے چوڑے دعوے

کرنا اور عمل بہت کم کر کے دکھانا شاید انگریزوں کا ایک حق ہو۔ جیسے اکثر مختلف الانواع حقوق کا انہیں دعویٰ ہے۔ انھوں نے کبھی اس امر پر غور کیا ہے کہ ان کے ہم وطنوں سے جو کارنامے ہندوستان میں ظاہر ہوئے ہیں ان کا فتویٰ کیا ہوگا؟ ایک معمولی انگریز ہندوستان کے نظم و نسق کی موجودہ ہیئت کو برطانوی قوم کی تعمیر کنندہ ذہانت انگلستان کی ایک مشرقی سلطنت پر حکومت کرنے کی درخشاں کامیابی کی دیرپا یادگار سمجھتا ہے۔ اہل ہندوستان کو ویسا ہی خیال کرتے ہیں جیسا گرانڈ ڈیوک (ولنگٹن) ۱۸۳۲ء سے پہلے برطانوی نظام کو خیال کرتے تھے۔ وہ سے نازل ہوا ہے۔ وہ نہایت مقدس و محترم ہے۔ اور وائسرائے اور وزیر ہند بھی اپنی رپورٹ مرتب کرتے ہوئے کی ان نسلوں کے اعلیٰ مقصد اور قابل عزت مدعا کو خراج تحسین ادا کر دینے سے باز نہ رہ سکے۔ جو موجودہ انتظام متشکل کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ اس سے انگریزی حکومت کے کسی ایماندار نکتہ چین نے انکار نہیں کرنا چاہا۔ کہ انگلستان نے ہندوستان میں جو کام کیا ہے اس میں ایک انگریز کے لیے جائز فخر و ناز کی وجوہ موجود ہیں۔ انگلستان نے باشندگان وہ چیز جو سب سے بڑی انسانی برکت ہے، یعنی امن و امان عطا کی ہے۔ اُس نے مغربی تعلیم رائج کی۔ ایک قدیم مہذب قوم کو جدید علوم و انتظامات سے آشنا کیا۔ اس نے ایک ایسا ملکی نظام قائم کیا جو اگرچہ امن زاد زمانے کا ضرورت مند ہے۔ تاہم مضبوط و کارگر ہے۔ اس نے دانش مندانہ قوانین بنائے۔ اور انصاف کی عدالتیں جن کی صفائی ایسی ہی پختہ ہے، جیسی دنیا کے کسی اور ملک میں ہو سکتی ہیں۔ ان سب باتوں کو ہم تسلیم کرتے ہیں خوشی کے ساتھ انگلستان کو ان کی داد دیتے ہیں۔ لیکن تصویر کا ایک رُخ اور بھی ہے جسکو انگریز بھول جاتے ہیں اس کا عیاں کرنا ضروری ہے۔ تاکہ اس تمکنت و طمانیت میں اعتدال پیدا ہو۔ جو انگریز ہندوستان میں اپنے کارناموں کا اندازہ لگاتے ہوئے ہمیشہ محسوس کرتے ہیں۔ کوئی انگریز ایمانداری کیساتھ اس سے انکار نہیں کر میں انگلستان کو اس کا نادر موقعہ ملا کہ روشن و فائدہ رسان انتظام کے معاملات کی بابت۔ وہ تاریخ میں ایک جائے۔ کسی زمانہ یا ملک کی تاریخ میں مشکل سے اس کی مثال مل سکتی ہے۔ جیسی مصیبت زدہ ہندوستان کی حالت تھی۔ جبکہ خانہ جنگیوں اور باہمی فسادوں سے پاش پاش ہونے کی حالت میں اس نے انگلستان کا دہندہ کے خیر مقدم کیا۔ جو اس کو امن و باقاعدہ حکومت کی برکات عطا کرنے کے لیئے آسمان سے بھیجا گیا نے اس ذمہ داری کو قبول کیا۔ اور اعتماد رکھنے والے لوگوں پر شہنشاہی حکومت کرنے کا عصا اپنے ہاتھ میں حکومت کے اصول کی بابت ان شریفانہ مقاصد کا اعلان کیا۔ جن سے مغربی اقوام نے اکثر مشرقی لوگوں کو مسحور کیا ہے۔ اس ملک کی ڈیڑھ صدی کی انگریزی عملداری میں اس عہد و پیمان کو کس طرح قائم رکھا گیا نے انگلستان پر جو بھروسہ کیا تھا اس کی کیا عزت کی گئی؟ دو الگ الگ طبقوں کے نکتہ چین ان کو علیحدہ علیحدہ۔ جوابات دیتے ہیں۔ انگریزی حکومت کے طرفدار برابر ملک و اہل ملک کی روز افزوں

...تے ہیں۔ اور ان کے مقابل دوسری رائے کے حامی اسی طرح ملک و اہل ملک دونوں کے برابر مفلس ہوتے ... قرار دیتے ہیں۔ چونکہ دو متضاد راؤں میں دونوں صحیح نہیں ہو سکتیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان میں سے کونسی ... ہے۔ ہندوستان کی موجودہ اقتصادی حالت پر ذرا سا غور کرنے سے صحیح جواب فوراً معلوم ہو جاتا ہے۔

...ارج ہملٹن کا قائم کردہ معیار:۔

کوئی سترہ سال پہلے ۱۶ر اگست ۱۹۰۱ء میں لارڈ جارج ہملٹن نے جو اس وقت وزیر ہند تھے، یہ ہندوستان کے متعلق یہ قابل ... ہوئے تھے۔

... انگلستان اور ہندوستان دونوں جگہ ایک مختصر سی جماعت ایسی ہے جو برابر یہ کہہ رہی ہے کہ ہماری عملداری ہندوستان کا خون ... کر رہی ہے ... ذاتی ہے۔ .... میں تسلیم کرتا ہوں کہ اگر یہ دکھایا جا سکے کہ ہندوستان ہماری حکومت کے ماتحت مادی ... کم ہو گیا ہے۔ تو ہم خود اپنے افعال سے قابل ملامت ٹھہرتے ہیں۔ اور آئندہ ہمیں اس ملک کی نگرانی سپرد نہ ہونی چاہیے۔"

... بیان میں جو تحدی کی گئی ہے وہ فریقین کے نظریات کو ایک تنقیح تک پہنچا دیتی ہے۔ اور ایک ایسا ... ہمیں مل جاتی ہے کہ جس سے ہم انگریزی حکومت ہند کے حقیقی و عملی نتائج کو جانچ سکتے ہیں۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے ... تحدی کسی کم مرتبہ کے آدمی نے نہیں بلکہ خود ایک وزیر ہند نے قرار دیا ہے۔ اور دفتری اقتدار کو اس امتحان ... کے لئے تو ریا مورد الزام ہونے پر تیار ہونا چاہیے۔

...زمانۂ حال کے قحطوں میں مقابلۂ سابق زیادہ مہیب اتلاف جان

اب دیکھنا یہ ہے کہ واقعات کیا ہیں۔ جدید ہندوستانی زندگی ... کا مصیبت انگیز پہلو نہایت ہولناک قحطوں کا تسلسل اور شدت ہے۔ حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے ... اب گویا کہ مزمن مرض میں ہمیشہ مبتلا سمجھا جاتا ہے۔ اور سخت ترین قحط پڑنے سے جو تکالیف و پریشانی ... کی ہیں اب باشندگان ہند کے لیے کوئی غیر معمولی دہشت باقی نہ رہی۔ قسمت پر شاکر رہنے کی مشرقی ... ہندوستانی اب تسلیم کرتے ہیں کہ قحط قائم رہنے والا ہے۔ اور یہ غم انگیز احساس ان کی روزمرہ ... زندگی میں داخل ہو گیا ہے۔ یہ واقعات حاکموں کو بھی تسلیم کرنے پڑے ہیں۔ اگرچہ وہ کوئی قصور اپنے سر ... اور تمام قحطوں کی ذمہ داری قادر مطلق پر ڈالنی چاہتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ہندوستان جیسا وسیع رقبے ... کا ملک ایسے قحطوں سے بالکل بری نہیں رہ سکتا۔ اور مسلمان مورخوں نے اسلامی حکومت ہند کے تمام ... مستند بیانات چھوڑے ہیں، ان سے انگریزی عملداری سے قبل اور بعد کے قحطوں میں ایک صحیح ... اعتماد کے ساتھ تحقیقات کرنے سے ظاہر ہوتا ہے، کہ انگریزی عملداری سے قبل کے قحط ... کے قحطوں سے تین خاص باتوں میں مختلف تھے۔ اوّلاً وہ سب مقامی ہوتے تھے اور کبھی ان قحطوں

کی سی وسعت و شدت اختیار نہیں کرتے تھے۔ ثانیاً وہ اس قدر جلد جلد نہ پڑتے تھے۔ ثالثاً وہ کم تباہی انگیز ...
نے اپنی کتاب (خوشحال برطانوی ہند) میں مندرجہ ذیل کیفیت لکھی ہے۔

گیارھویں صدی میں	۲ قحط	دونوں مقامی
تیرھویں " "	۱ "	دہلی کے گرد
چودھویں " "	۳ "	سب مقامی
پندرھویں " "	۲ "	دونوں مقامی
سولہویں " "	۳ "	سب مقامی
سترھویں " "	۳ "	عام رقبہ معین نہیں ...
اٹھارھویں " "		صوبہ جات شمال ...
(۱۷۴۵ء تک)	۴ "	سندھ، اودھ، بہار، سب ...

بغرض مقابلہ ہم صرف انیسویں صدی کو لیتے ہیں۔ اور ہمیں مندرجہ ذیل واقعات مستند سرکاری کاغذات سے ...

پہلا زمانہ ۲۵ سال کا	۵ قحط	اموات شائع ......
دوسرا زمانہ " "	۲ "	" " ......
تیسرا زمانہ " "	۶ "	" درج شدہ ......
چوتھا زمانہ " "	۱۸ "	" تخمینہ شدہ ......

مجموعی تعداد سرکاری کاغذات کے بموجب ۱۸۵۴ء سے ۱۹۰۱ء تک تقریباً تین کروڑ تھی۔ مسٹر ڈگبی ...
کہ تخمینہ قحط اور قلت اجناس انیسویں صدی کے آخری ۳۰ سال میں اس سے چوگنی تھی۔ جیسی دو ایک ...
تھی۔ اور اس سے چوگنی وسعت میں پھیلی ہوئی تھی۔ مسٹر رومیش چندر دت لکھتے ہیں کہ جن قحطوں نے ...
آخری چوتھائی حصہ میں ہندوستان کو تاراج کیا۔ وہ قدیم اور حال کے زمانوں کی تاریخ میں لاثانی تھے۔ ...
تخمینے کے بموجب بھی ۱۸۷۷ء و ۱۸۷۸ء، ۱۸۸۹ء، ۱۸۹۲ء، ۱۸۹۷ء، ۱۹۰۰ء کے قحطوں نے ڈیڑھ کروڑ ...
راہ عدم دکھائی۔ گویا ایک اوسط درجے کے یورپین ملک کی آبادی ہندوستان سے ۲۵ سال کے اندر ...
کی نصف آبادی کی برابر مخلوق ہندوستان میں ایک ایسے زمانے کے اندر تلف ہوگئی جو درمیانی عمر کے ...
عورتوں کو ابھی یاد ہے۔ (اقتصادی تاریخ ہند ماتحتی اوائل حکومت انگریزی) مسٹر ڈگبی نے حساب ...
جہاں ساری دنیا میں جنگوں کی وجہ سے ایک سو سات سال کے اندر ۱۷۹۳ء سے ۱۹۰۰ء تک ...
قریب نقصان جان ہوا ہے وہاں ہندوستان میں قحطوں سے صرف دس برس ۱۸۹۱ء سے ۱۹۰۰ء تک ...

ے زیادہ جانیں ضائع ہوتی ہیں۔
...طوں کی کثرت اور تباہی انگیز نوعیت ثابت ہونے کے بعد قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ متواتر
...ے پڑے ہیں؟ اس کا جواب انگریزی حکومت ہند کے ماتحت ہندوستان کی اقتصادی تاریخ کے صفحات
...ے لکھا ہوا ہے۔ یہ قحط اگرچہ اپنے شدید نقصان کے اعتبار سے کافی ہولناک ہیں، لیکن یہ ایک اور
...شان ہیں۔ یعنی باشندگان ہند کی المناک مستقل و تیز در روز افزوں فلاکت کا۔ سرکاری حکام بعض
...یت کرتے ہیں کہ انگریزی عملداری کے ہندوستانی نکتہ چین برٹش گورنمنٹ کو ایسی تکلیف و آلام کا ذمہ دار
...و انسانوں کی پیدا کردہ نہیں ہیں۔ وہ قرار دیتے ہیں کہ قحط بارش نہ ہونے کی وجہ سے پڑتے ہیں۔ اور
...قدرت کی مرضی پر موقوف ہے، اس لیے قحط انسان کے قابو سے باہر ہے۔ لیکن یہ عذر لنگ حقیقی
...ہوتا ہے۔ فصلوں کا نہ ہونا یا اجناس خوراک کی قلت ممکن ہے کہ براہ راست، بارش نہ ہونے یا موسمی خرابیوں
...ہو۔ لیکن اس کمیابی خوراک کی وجہ سے جو حالات قحط کے قریب قریب ہیں جو نقصان جان واقع ہوتا
...امر اس امر واقعہ پر مبنی ہے۔ کہ لوگ اب اتنے غریب ہوگئے ہیں کہ ہلکا سا بار بھی نہیں اٹھا سکتے۔ وہ
...دار ہیں کہ جب کسی رقبہ میں فصلیں نہیں ہوتیں تو وہ قریب کے صوبوں سے جن میں خوب فصل ہوئی
...خوراک نہیں خرید سکتے، مخصوص رقبوں میں سامان خوراک کی کمیابی قدرتی اسباب سے ہو سکتی ہے۔ لیکن
...کی طاقت لوگوں میں مفلسی کی وجہ سے نہیں ہے۔ مخصوص رقبوں میں بارش کا نہ ہونا فصلوں کو تباہ کر
...باعث قحط عوام کے افلاس کی وجہ سے پڑتا ہے۔

...کا افلاس

باشندگان ہند کی مفلسی اظہر من الشمس ہے۔ سرکاری طور پر تسلیم کیا گیا ہے کہ ہندوستان میں
اوسط آمدنی فی کس دو پونڈ سالانہ سے بہت کم ہے۔ حالانکہ ممالک متحدہ برطانیہ میں اوسط
...پونڈ سے زیادہ ہے۔ مسٹر دت (ہندوستان بعہد ملکہ وکٹوریہ) میں لکھتے ہیں کہ بہت زرخیز اضلاع میں
...کس روزانہ بھی نہیں ملتے۔ اس کی روزانہ کمائی بالاوسط مشکل سے دو پنس روزانہ سے بڑھتی ہے۔ ان
...زندگی بڑی مفلسی اور پریشانی کے ساتھ گذرتی ہے۔ اس کی جھونپڑی بہت کم سردی اور بارش
...ہے۔ اس کی بیوی کے چیتھڑے لگے ہوتے ہیں۔ اس کے بچے ننگے پھرتے ہیں۔ اس کے
...نہیں ہوتا۔ ایک پرانا کمبل جاڑوں میں اس کو غنیمت معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر اس کے بچے
...سکیں، یا اس کی بیوی کچھ کام کر کے اس کی آمدنی بڑھا سکے۔ تو وہ اپنے آپ کو

...دیکھئے تو ابتدائی زمانہ تاریخ سے ہندوستان کو اپنے باشندوں کی دولت و خوشحالی میں بڑی

شہرت حاصل رہی۔ اس کی بیشمار دولت پر مغربی قوموں کی رال ٹپکا کرتی تھی۔ اور اس کی حرفت و تجارت
رشک کرتی تھی۔ اسی دولت و تجارت نے غیر قوموں کے تاجروں کو ہندوستان کی طرف رجوع کیا۔ لیکن ہندوستان
زمانہ مستقبل ہی میں اتنا متمول نہ تھا۔ بلکہ انگریزی زمانہ کے آغاز میں بھی ہندوستان کی خوش حالی کا خود انگریزوں
سے کافی ثبوت ملتا ہے۔ ایک سو برس سے زیادہ نہیں گذرے، جبکہ بنگال خود انگلستان سے زیادہ دولت
چنانچہ لارڈ کلائیو جب ۱۷۵۷ء میں مرشد آباد میں داخل ہوئے تو انھوں نے اس شہر کی بابت لکھا تھا کہ وہ
جیسا وسیع آباد اور دولت مند ہے۔ اور فرق یہ ہے کہ مرشد آباد میں زیادہ آدمی ایسے ہیں جن کے پاس ان سے
کہیں زیادہ مال و جائداد ہے۔ جتنی دارالحکومت انگلستان میں لوگوں کے پاس ہے۔"

سر ہنری کاٹن نے ۱۸۹۰ء میں لکھا تھا، کہ ایک سو برس سے کم عرصہ گذرا ہے ڈھاکہ کی مجموعی تجارت کا
ایک کروڑ روپیہ اور اس کی آبادی کا بیس لاکھ نفوس کیا جاتا تھا۔

ہندوستان کی نسبت غلط خیال

بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ تمام اطراف میں ترقی پذیر شہروں کا پیدا ہونا تجارت کی بڑی اور روز افزوں مقدار
تعیش و انبساط کی ملک میں کثیر مانگ انگریزی حکومت کے ماتحت ہندوستان کی روز افزوں خوشحالی کے نشانات
ایک سطحی نگاہ سے دیکھنے والے کے دل پر ایسا اثر یقیناً پڑتا ہے۔ لیکن یہ اثر سراسر غلط اور غلط فہمی میں ڈالنے والا
سطحی ناظر یا سیاح کو جو ہندوستان نظر آتا ہے، وہ حقیقی ہندوستان نہیں ہے۔ جس پر آنکھ پڑتی ہے وہ محض
مذہبی کی پتلی سی تہ ہے۔ جو حقیقی فلاکت کو چھپائے ہوئے ہے۔ حقیقی ہندوستان اس رنگین چلمن کے پیچھے ایک
کے پاؤں میں پڑا ہوا ہے۔ جس پر سابق تمول کے ہلکے سے نشان باقی رہ گئے ہیں۔ اور اب وہ اس مہیب افلاس کی
سے بڑی تکلیف میں مبتلا ہے۔ جو اس کو قوت لایموت حاصل کرنے میں بھی مانع آتا ہے۔ یہ تصویر دیکھنے کا
کب موقعہ ملتا ہے۔ لیکن تمام ہندوستانی جو دیکھنے کو آنکھیں اور اپنی سرزمین مادری کی تکالیف پر کڑھنے کو دل
وہ اس تصویر کو برابر دیکھتے ہیں۔ ہندوستان کی بیرونی تجارت سے جو عام طور پر غلط خیالات پیدا ہوتے ہیں
کی بابت مسٹر رومیش چندر دت کے چند فقرات نقل کرنے کی آپ سے اجازت چاہتا ہوں

یہ ہیں۔"

"ہندوستان کے حالات (انگلستان سے) مختلف ہیں۔ ہندوستان کی بیرونی تجارت باہر کے سوداگر باہر کے روپیہ سے
ہیں۔ تجارت کا نفع یورپ جاتا ہے۔ اور ہندوستان میں نہیں رہتا۔ بیرونی تجارت کی کمائی ہندوستان کے لوگوں کی
ہے۔ اور بیرونی تجارت کی مقدار اُن کی قومی آمدنی کو عیاں نہیں کرتی۔ مثلاً ۱۸۸۱-۸۲ء میں لارڈ رپن کے نسبتاً امن و خوشحالی کے
عہد میں ہندوستان کی مجموعی درآمد و برآمد ۸ کروڑ بیس لاکھ پونڈ تھی۔ اور ۱۹۱۰-۱۱ء میں جو قحط اور مصیبت کا سال تھا

...مد ۲۰ کروڑ ۲۰ لاکھ پونڈ تھی۔ جو شخص ہندوستان کو جانتا ہے، جس نے ہندوستان کی بابت کچھ سنا ہے وہ کہے گا،
...ہندوستان نے ۱۹۰۱ء میں ۱۸۸۱/۸۲ء کی نسبت زیادہ کمایا۔ یا بہتر کھانا کھایا۔ اور وہ زیادہ خوش حال تھا۔
تجارت جب باہر کے روپے سے اور باہر کے سوداگروں کی معرفت ہو تو اس حالت میں بھی فائدہ رساں ہوتی
ہے۔ وہ اتنی ارزاں چیزیں لاتی ہے، جتنی ارزاں چیزیں ملک میں تیار نہیں ہو سکتیں۔ اور وہ ملک کی پیداوار کے لیے اس سے
...قیمت دلاتی ہے۔ جتنی ملک میں مل سکتی ہے۔ ان دونوں طریقوں سے تجارت فائدہ رساں ہے۔ خواہ اس کا منافع
...دوسرے ملکوں میں بھی جائے۔ لیکن ہندوستان میں یہ فائدہ بھی محدود ہے۔ کیونکہ اس کی بیرونی تجارت زبردستی کی ہے۔
...قدرتی نہیں ہے۔ روئی کے کپڑے پر جو محصول ساخت لگا ہوا ہے۔ وہ ایسی چیزوں کے تیار ہونے کو روکتا ہے
...ملک میں تیار ہو سکتی تھیں۔ اور ہندوستان کی طریق مال گذاری اور اخراجات ولایت اجناس خوراک کو باہر
بھیجنے پر مجبور کرتے ہیں۔ جس کے اکثر حصہ کی ملک کو خود اپنی آبادی کے لیے ضرورت ہے۔ اس طرح ہندوستان میں سوتی
...کی بڑی درآمد ہندوستانی صنعت پر قیود عائد کر کے حاصل کی گئی ہے۔ اور سامان خوراک کی بڑی برآمد ایک بھاری مال
...گذاری اراضی اور بھاری خراج کی وجہ سے مجبوراً ہوتی ہے۔"
...لارڈ جارج ہملٹن نے جو سوال کیا تھا اس کے پہلے حصہ کا جواب اس طریق امتحان کے موجب جو انھوں
...دیا تھا، یہ کہہ کر دیا جاتا ہے۔ کہ ہندوستان انگریزی حکومت کے ماتحت مادی خوشحالی میں گھٹ
...ہے۔

خوشحالی گھٹنے کے اسباب

اچھا اب یہ دیکھنا ہے کہ مادی خوشحالی کی یہ کمی کن وجوہ سے ہے؟
کیا یہ ایسے اسباب سے ہے جو انسانی طاقت سے باہر ہیں۔ یا اس کی
...انتظامی انتظام کی کسی پالیسی تک پہنچتی ہے۔ تھوڑا سا غور کرنے سے عیاں ہو جائے گا کہ یہ تخفیف براہ راست
...تک پہنچتی ہے۔ جو اب تک انگریزی حکومت کی رہنمائی کرتی رہی ہے۔ اور زیادہ تر یہ دو وجوہ سے ہے۔
...انتظام نے ہندوستان کی قومی دولت کے سرچشموں کو نہیں بڑھایا۔ ثانیاً تمام دولت جو دستیاب ہو سکی
...اسی طریق انتظام کی بدولت ملک کے باہر کھینچ کر چلی گئی۔ جو سیاست مدن کی بنیادی واصولی صداقتوں کو
...ہندوستان میں کوئی دولت نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ یہ الزام بہت سخت ہے۔ لیکن مجھے سچی بات کہنے
...دیجئے۔

...قوم کی دولت کے سرچشمے زراعت، تجارت، مصنوعات اور مستحکم مالی انتظام ہوا کرتے ہیں۔ اب ہم
...الگ الگ غور کرتے ہیں۔

زراعت

...اب زراعت کو لیجئے۔ اوائل ایام سے ہندوستانی فنون زراعت کی ترقی میں مشہور تھے۔

پرانے حکمرانوں نے ترقی زراعت کے لیے کارہائے آبپاشی کی اہمیت کو سمجھ لیا تھا۔ اور بے شمار کنویں اور
تالاب جو ملک بھر میں پھیلے ہوئے ہیں، اس کی شہادت دیتے ہیں کہ سابق حکمرانوں کو ہندوستان کی زرعی
کے ایک بڑے سرچشمے میں ترقی کرنے کا کیسا خیال تھا۔ لیکن بدقسمتی سے انگریزی حکومت کے ماتحت
میں مشکل سے کوئی ترقی ہوئی ہے۔ یہ شاید تعجب انگیز معلوم ہو۔ مگر پھر بھی یہ ایک امر واقع ہے۔ کہ ہندوستان
فصل کی پیداوار فی ایکڑ اس وقت دیگر ممالک سے بہت کم ہے۔ جاپان میں جہاں آراضی کی قدرتی حالت
طرح ہندوستان سے بڑھ کر نہیں ہے۔ چاول کی پیداوار ہندوستان سے دگنی ہوتی ہے۔ اس زرعی درماندگی
سبب اس غفلت تک پہنچتا ہے، جو گورنمنٹ نے زراعت کے طریقوں کو زمانہ حال کی ضروریات کے
ترقی دینے میں برتی ہے۔ کنوؤں، باؤلیوں، دریاؤں وغیرہ سے آب پاشی اور دوسرے کاموں کے لیے

.... پانی نکالنے کے واسطے کسی طاقت سے چلنے والی کلوں کے استعمال کا یہاں

پورا میدان موجود ہے۔ اصلاح شدہ نمونے کی دستی کلوں کو بھی خاص کر فصلوں کے کاٹنے اور غلہ وجوار
کرنے کے لیے رائج کیا جا سکتا تھا۔ (دیکھو ہندوستانی حرفتی کمیشن کی سفارشیں۔) لیکن گورنمنٹ کی طرف سے آبپاشی
ترقی دینے میں جو غفلت ہوئی ہے وہ سب سے زیادہ افسوسناک ہے۔ کارخانہ داران انگلستان کے دباؤ سے گورنمنٹ
بڑی رقوم توسیع ریلوے پر خرچ کرتی رہی۔ لیکن آب پاشی میں اس نے بہت کم روپیہ لگایا۔ کوئی شخص ایک ملک
وسائل کی نشوونما میں وسعت یافتہ ریلوں کی اہمیت سے انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن ہندوستان کے خاص حالات اس
متقاضی ہیں۔ کہ آبپاشی کی ضرورتیں ریلوے کی ضرورت سے بہت زیادہ اہم سمجھی جائیں ۱۸۸۰ء کے قحط کمیشن نے
تھا کہ ہندوستان کی قحط سے حفاظت کرنے کے ذرائع میں اوّل جگہ لاکلام کارہائے آبپاشی کو دینی چاہیئے" لیکن
طریقہ سے انڈیا آفس اور گورنمنٹ ہند نے سب سے بڑی قحط کمیشن کی سفارشوں پر عمل کیا، وہ بقول مسٹر ڈگبی
کہ ۱۸۸۲ء، ۸۳ سے ۱۸۹۷، ۹۸ء تک انھوں نے کارہائے آبپاشی کی نسبت ریلوں پر سات گنا زیادہ
چھ گنا زیادہ سرمایہ سے خرچ کیا۔"

مسٹر رومیش چندر دت نے حساب لگایا ہے کہ کل سرمایہ جو کارہائے آبپاشی پر ہندوستان میں
تک لگایا گیا۔ وہ مشکل سے دو کروڑ چالیس لاکھ پونڈ تک پہنچتا تھا۔ اور بمقابلہ اس کے بائیس کروڑ ساٹھ لاکھ پونڈ
پر خرچ کیے گئے۔

بعد کے سالوں میں حکام کو اصلاح زراعت کی ضروریات کا قدرے احساس پیدا ہوا ہے۔ اور اس کا
یہ ہے کہ قحط کمیشن کے بتائے ہوئے راستہ پر چند چھوٹے قدم اُٹھائے گئے ہیں۔ اس کا سبب یہ
اپنے فائدے کا خیال اہل برطانیہ کو ہندوستان کی نسبت اپنا فرض واجبی طور پر ادا کرنے سے

...صنف کے۔

...انتظام ہند پر انگلستان کی عام رائے کی لہر کا معقول اثر پڑتا ہے۔ اور باشندگان ہندوستان کی رائے کا نہیں پڑتا ...وں کو سمجھتے ہیں اور ہندوستان کے لیے آب پاشی کی اہمیت کو ایسی آسانی سے نہیں سمجھتے۔ کارخانہ داران انگلستان ...وے کے ذریعہ سے ہندوستان کے دور افتادہ بازار کھل جانے کے متوقع ہیں۔ انگلستان کے سوداگر جدید ...آمدورفت کے ذریعہ سے ہندوستان کے ساتھ تجارت کی تازہ سہولتیں چاہتے ہیں۔ برطانیہ کی تجارتی کوٹھیاں ...ہند پر بذریعہ پارلیمنٹ اور انڈیا آفس سے براہ راست خط و کتابت کر کے اثر ڈالتی ہیں۔ اراکین پارلیمنٹ دار العوام میں ...وات کر کے نئی ریلوے لائنوں کے بنانے پر زور دیتے رہتے ہیں۔''

تجارت و مصنوعات }۔ اب تجارت و مصنوعات کی حالت کو دیکھئے۔ زمانہ قدیم میں ہندوستان کو بطور ایک صنعتی ملک کے جو عروج حاصل ہوا تھا اس کے متعلق کچھ لکھنے ...ورت نہیں۔ حرفتی کمیشن ہند کی رپورٹ میں لکھا ہے کہ ''ایسے زمانہ میں جبکہ مغربی یورپ میں جو موجودہ طریقہ حرفت کا مولد ...غیر مہذب قبائل آباد تھے۔ ہندوستان اپنے حکمرانوں کی دولت اور اپنے کاریگروں کی اعلے صنعت کے لیے مشہور ...بعد کے وقت میں بھی جب کہ مغرب کے حوصلہ مند تاجر پہلے پہل ہندوستان میں نمودار ہونے لگے یہ ملک ...ترقی یافتہ یورپین اقوام سے کسی طرح گھٹا ہوا نہیں تھا۔'' لیکن انگریزی قبضہ کے وقت سے واقعات کا ایسا سلسل ...لوگ زراعت کی طرف زیادہ مائل ہوتے گئے۔ اور تجارت کی طرف کم راغب ہوئے۔ سر ہنری کاٹن نے ...ہندوستان جدید میں لکھا ہے کہ ''اولاً بھاپ سے چلنے والے انجنوں کی جدید اور کلوں کی نشو و نما نے انگلستان میں ...لاگت بہت گھٹا دی۔ کارخانہ دار انگلستان جلد ہندوستانی کاریگروں سے سستا مال بیچنے کے قابل ہو گئے ...سے ہندوستان میں بھاری محصولات کے کرایہ سخت اجارہ نے جو ۴۴ لاکھ سالانہ تک پہنچتے تھے۔ اور ...کے تباہی انگیز محصولات درآمد نے جو ۷۵ فی صدی سے کم نہ رہتے تھے، اپنے متحدہ عمل درآمد سے ...صنعت کی تمام کوششوں کو ملیامیٹ کر دیا۔ اور مانچسٹر کے مال کی ترویج کے ساتھ ساتھ ملکی حرفت منہدم ہوتی ...انگلستان نے بدقسمتی سے ہندوستان کی نسبت جو خود غرضانہ پالیسی برتی اس سے پیدا ہونے والی حالت نے ...ہندوستان کو شدید نقصان پہنچایا۔ یا جس کا خلاصہ مسٹر رومیش چندر دت نے اپنی مشہور کتاب میں بیان کیا ہے ...لکھے ہیں:

...افسوس ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی اور انگریزی پارلیمنٹ نے ایک سو برس پہلے کی خود غرضانہ تجارتی پالیسی کی پیروی کرتے ...انگریزی حکومت کے ابتدائی سالوں میں ہندوستانی کارخانوں کی ہمت گھٹا دی۔ تاکہ انگلستان کے ترقی یاب کارخانوں ...کی ہمت بڑھائی جائے۔ ان کی معینہ پالیسی یہ تھی کہ ہندوستان کو برطانوی حرفتوں کا دست نگر بنا دیا جائے۔ اور اہل ہند کو

خام اجناس پیدا کرنے پر مائل کیا جائے ۔ صرف اس غرض سے کہ وہ برطانیہ کلاں کے کرگھوں اور کارخانوں کے لیے سامان بہم پہنچائیں ۔ ...

ہندوستانی کاریگروں کو کمپنی کے کارخانوں میں کام کرنے پر مجبور کرنے کے لیے احکام بھیجے گئے ۔ تجارتی باشندوں کو مواضع اور ہندوستانی جولاہوں پر وسیع اختیارات قانوناً دے دیے گئے ۔ بھاری محصولات نے ہندوستان کے ریشمی اور سوتی مال کو انگلستان سے خارج کیا ۔ اور انگریزی مال برائے نام محصول ادا کر کے یا بلا محصول ہندوستان میں آنے دیا گیا ۔

مشہور مورخ ایچ ایچ ولسن کے الفاظ میں "

دو انگریزی کارخانہ دار نے ایک حریف کو دبائے رکھنے ، اور بالآخر گلا گھونٹ کر مار دینے کے لیے پولیٹیکل بے انصافی کا ہتھیار استعمال کیا ۔ جس سے وہ مساوی صورتوں میں مقابلہ نہ کر سکتا تھا ۔"

کروڑوں ہندوستانی کاریگر اپنی کمائی اور ہندوستان کی آبادی اپنی دولت کے ایک بڑے ذریعے سے محروم ہو گئی ۔ برطانوی حکومت ہند کی تاریخ میں یہ ایک درد انگیز باب ہے ۔ لیکن باشندگان ہند کی غربت کی حالت اور زراعت پر ان کے موجودہ بے کسانہ انحصار کی تشریح کرنے کے لیے یہ حکایت بیان کرنی پڑتی ہے ۔ یورپ میں طاقت سے چلنے والا کرگھا ایجاد ہونے سے ہندوستانی حرفتوں کا زوال مکمل ہو گیا ۔ اور جب طاقت سے چلنے والے کرگھے ہندوستان میں لگائے گئے تو انگلستان نے ایک دفعہ پھر ہندوستان کے ساتھ غیر منصفانہ حسد کا برتاؤ کیا ۔ ہندوستان میں سوتی کپڑوں کی تیاری پر ایک محصول ساخت ، لگایا گیا ۔ جو ہندوستانی کارخانہ داروں کو جاپان و چین کے کارخانوں سے مقابلہ کرنے میں روکتا ہے ۔ اور ہندوستان کے نئے بھاپ کی طاقت سے چلنے والے کارخانوں کو اپاہج کرتا ہے ۔ (اقتصادی تاریخ ہند ابتدائی حکومت انگریزی کے ماتحت)

جب ملکہ وکٹوریہ ۱۸۳۷ء میں تخت نشین ہوئیں تو نقصان پہنچ چکا تھا ۔ لیکن اس پر بھی سابق پالیسی میں کوئی تبدیلی نہ کی گئی ۔ ہندوستانی رومال ہنوز یورپ میں بکتے تھے ۔ اور ایک بھاری محصول ہندوستان کے ساختہ ریشمی کپڑے پر لگا ہوا تھا ۔ پارلیمنٹ نے یہ دریافت کیا کہ کس طرح ہندوستان میں روئی برطانوی کرگھوں کے لیے پیدا کی جا سکتی ہے ۔ یہ نہیں پوچھا گیا کہ کس طرح ہندوستانی کرگھوں کو ترقی دی جا سکتی ہے ۔ منتخب کمیٹیوں نے یہ معلوم کرنا چاہا کہ کس طرح انگریزی مصنوعات ہندوستان میں فروخت ہو سکتی ہیں ۔ اور یہ نہ معلوم کرنا چاہا کہ کس طرح ہندوستانی مصنوعات کو زندہ کیا جا سکتا ہے ۔ ۱۸۵۸ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی عملداری ختم ہوئی مگر اس سے بہت عرصہ پہلے ہندوستان ایک عظیم الشان صنعتی ملک کے درجہ سے گر چکا تھا ۔ اور زراعت عملاً قوم کے گذارہ کا واحد باقی ماندہ ذریعہ رہ گئی تھی ۔

۱۸۵۸ء کے بعد بھی انگریزی تاجر ہندوستان کے تجارتی محصولات پر نگاہ اور قابو رکھتے تھے ۔ انگریزی مال کی

میں محصولات کی درآمد کی تخفیف سے بڑھائی گئی۔ بمبئی میں کرگھے وکارخانے کھل جانے سے حسد پیدا
ہندوستان میں قحط جنگ اور بجٹ کی کمی کا سال تھا۔ اس میں پارلیمنٹ نے محصولات درآمد
کا مطالبہ کیا۔ اور ۱۸۸۲ء میں نمک و شراب کے سوا تمام اشیاء کے محصولات درآمد موقوف
گئے۔

کی سے ہندوستان کی آمدنی کو سخت نقصان پہنچا۔ کسانوں پر جدید ٹیکس لگانے اور زراعت پر
کے باوجود ہندوستان اپنا خرچ پورا نہ کرسکا۔ ۱۸۹۴ء میں پرانے محصولات درآمد۔ تھوڑی سی تبدیلیوں کے
گئے۔ پانچ فی صدی کا ایک محصول ہندوستان میں آنے والے سوتی کپڑے اور تاگہ پر لگایا گیا۔ اور پانچ
ایسے ہندوستانی سوتی کپڑے پر جو باہر سے آنے والے مال کا مقابلہ کرتا تھا۔ عاید کیا گیا۔ اور سارھے
ایک محصول ساخت ہندوستانی کارخانوں میں تیار ہونے والے سارے مال پر لگایا گیا۔ ہندوستانی
پر بھی جو کسی طرح لنکاشائر کے مال سے مقابلہ نہ کرتا تھا۔ مہین کپڑے کی طرح محصول لگا دیا گیا بمبئی
کارخانوں کی حرفت بجائے مدد پانے کے ایک ایسے محصول ساخت سے دبائی گئی جو مہذب دنیا
سننے میں نہیں آیا۔ ڈیڑھ صدی کے اندر انگریزی حکمرانان ہند کی تجارتی پالیسی کارخانہ داران ہندوستان
داران انگلستان کے فوائد سے معین ہوتی رہی۔ (دیکھو ہندوستان بعہد ملکہ وکٹوریہ) شائد چند ہی
یہ امر دل نشین ہوا ہے۔ کہ انگلستان خود اپنی حرفتی ترقی وخوش حالی کے لیے کتنا زیادہ اپنے تعلق ہند
اور کیسا سخت اقتصادی نقصان اس پالیسی سے برابر ہندوستان کو پہنچایا گیا ہے۔ جس کی ہمارے برطانوی
کرتے رہے ہیں۔ یورپ کی جدید قومی خوشحالی بہت کچھ ان قوموں کی لوٹ پر مبنی ہے۔ جو قدیم
ماندہ ہیں۔ ہسپانیہ نے جنوبی امریکہ کو لوٹا، اور دوسری بڑی اقوام کا طریق عمل بھی اس سے زیادہ
اٹھارھویں صدی کے درمیانی حصے تک انگلستان کی حرفت بہت درماندہ حالت میں تھی جہاں
تھا، لنکاشہر کے سوت کاتنے اور کپڑا بننے کے کام ہندوستان کے ہی حرفت کے برابر تھے
کاریگروں کی سی ہنرمندی کسی مغربی قوم میں موجود نہ تھی۔ یہ صحیح ہے کہ اٹھارھویں صدی کے وسط
انگلستان میں اہم ایجادیں ہونے سے انگلستان کو اپنی مصنوعات میں لاثانی ترقی کرنے سے بلاشبہ
ہو گیا۔ لیکن جیسا کہ بروک ایڈم نے لکھا ہے۔ ایجادیں خود اپنے عملدرآمد کے لیے کافی ذخیرہ قوت کے
ذخیرہ ہمیشہ روپے کی صورت میں ہونا لازم ہے۔ ایسا روپیہ جو مدفون نہ ہو، بلکہ متحرک ہو۔ خوش قسمتی
سے کافی روپیہ ہندوستان سے آ گیا۔ انگلستان کے حرفتی غلبے کی ابتدا اس سے ہوئی کہ بنگال اور
خزانے اس کے استعمال کے لیئے مل گئے۔ ہندوستانی خزانے کی آمد نے قوم کے نقد سرمائے

بڑھاکر نہ صرف اس کے ذخیرہ قوت میں اضافہ کیا، بلکہ اُس کی نقل وحرکت کو بھی تیز تر بنادیا۔ جب
ہوئی ہے، شاید کسی کام نے اتنا نفع نہیں دیا ہے جتنا ہندوستان کی لوٹ سے اٹھایا گیا۔ (بروک
تہذیب وزوال۔)

مسٹر ڈگبی سوال کرتے ہیں کہ وہ اس دولت کی مقدار کیا تھی جو اس طرح شرق الہند سے چھینی گئی
طور سے اس کا شمار نہیں کرسکتا ہے۔ تخمینے لگائے گئے ہیں، جو پچاس کروڑ پونڈ سے قریبًا ایک ارب
پہنچتے ہیں۔ غالبًا پلاسی اور واٹرلو کے معرکوں کے درمیان آخر الذکر رقم ہندوستان کے مدفون خزانوں
کے بنکوں میں منتقل ہو گئی۔

خام اجناس کی درآمد کے مضر اثرات

مندرجہ بالا مختلف اسباب نے مل کر ہندوستان کی
کو تباہ کیا۔ اور اس ملک کو ایک زرعی ملک بنادیا۔
کے عمل درآمد کو مزید امداد گورنمنٹ کی اس غلط پالیسی سے ملی کہ اس نے خام اجناس کی برآمد کی ہمت افزائی کی
بھی پالیسی برطانوی تجارت کے خیال سے قرار دی گئی۔ اور ہندوستان کے فائدہ کے خیال سے نہیں قرار دی گئی
صدی میں ہندوستان کی نوآبادیاں محض مزرعہ سمجھی جاتی تھیں۔ جن کی خام پیداوار مادر وطن کو بھیج دی جاتی تھی
ہوتا تھا۔ اور پھر نوآبادیوں اور باقی دنیا کو بھیجا جاتا تھا۔ امریکہ کی جنگ آزادی کے بعد نوآبادیوں نے برطانوی
کے ماتحت رہنے سے انکار کیا۔ اور اپنی حرفتوں کو انگلستان تک کے مال پر حفاظتی محصولات لگا کر نشوونما دی۔
راناڈے کے الفاظ میں انگلستان کا عظیم الشان ملک مقبوضہ ہندوستان پرانی نوآبادیوں کی جگہ لینے لگا۔ یہ ماتحت ملک
سمجھا جانے لگا۔ جو خام اجناس اس لیے پیدا کرتا تھا کہ برطانوی ایجنٹ برطانوی جہازوں میں بھر کر اس کو بھیج دیں
کاری گروں اور سرمایہ کے ذریعہ سے اسکا مال تیار کیا جائے۔ اور برطانوی سوداگر اپنی ہندوستان اور دیگر
کوٹھیوں کو اوسے پھر ارسال کردیں۔ (جواب مضمون صفحہ ۹۹)

آنریبل پنڈت مدن موہن مالوی لکھتے ہیں کہ اس کی بہترین تشریح روئی کے معاملے سے ہوتی ہے
ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے ابتدائی زمانہ یعنی ۱۸۳۳ء میں ہندوستان کی روئی کی کاشت کے سوال میں دلچسپی
تھی۔ لیکن یہ محض اس خیال سے تھی کہ برطانوی کرگھوں کے فائدہ کے لیے ہندوستانی پیداوار کی صفت
جائے۔ لیکن اگرچہ گورنمنٹ اس وقت تک دیگر اقسام کے خام اجناس کے ساتھ روئی کی درآمد کو
پالیسی پر عمل کرتی رہی ہے۔ لیکن ہماری کپاس کو مصنوعات کی صورت میں تبدیل کرنے کی ہمت افزائی
ہی کم یا برائے نام کوشش کی گئی۔ جبکہ ہندوستان میں یہ سب کچھ ہوتا رہا۔ اس زمانہ میں دیگر اقوام نے
استعمال کرنے کے لیے آزاد تھے، مصنوعات کی حرفتوں میں بڑی ترقی کر لی۔

وجی، آسٹریا، امریکہ اور جاپان کی ترقی نے ہندوستان پر بہت اثر ڈالا - ان میں سے اکثر نے اپنی حرفتی عمارات
ی کسی صورت سے تعمیر کیں - اور آزادی تجارت کی پالیسی سے جو ہندوستان پر عائد کی گئی تھی - پورا فائدہ
ے خام اجناس ہندوستان سے خریدیں - اور اس کے بازاروں کو اپنی مصنوعات سے بھر دیا -

نے سے ہندوستانیوں کی حرفتی درماندگی

بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ اگر
یہ مان لیا جائے، کہ گورنمنٹ ملک
یعنی وسائل و ذرائع کے کام لینے میں غفلت برتتی رہی ہے - تو باشندگان ملک خود بھی قریب قریب
ے ہیں - اور ان کو اتنا ہی مورد الزام ہونے کے لیے تیار رہنا چاہیئے - یہ سچ ہے کہ اس معاملہ میں
اوردائیاں حقیر رہی ہیں - لیکن ہمارے نکتہ چین بہت کم ادن قریب قریب ناقابل عبور مشکلات کو
ہمارے راستے میں حائل رہی ہیں - ان میں سب سے زیادہ مادی مشکل سرمایہ کی عدم موجودگی کے
ں کہتا ہے کہ حرفت سرمایہ کے ذریعہ سے محدود ہوتی ہے - حرفت اس سے زیادہ استعمال نہیں کی جا سکتی
ہیں لگانے کو موجود ہو، مجھے کسی ہندوستانی یا باہر والے شخص کو بھی جو حقیقی ہندوستان سے واقف ہے یہ
ے یہ کچھ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ اس ملک میں بمشکل کوئی قابل دستیابی سرمایہ موجود ہے -
مدفون دولت اب ایک دل شکن کہانی ہو گئی - عوام کا تو کیا ذکر ہے، متوسط الحال طبقہ بھی جو ہر ایک
اسائی کی ریڑھ کی ہڈی ہوتا ہے، یہاں ایسے لوگوں پر مشتمل ہوتا ہے جو مالی پہلو سے دیوالیہ سے کچھ ہی بہتر
سے کچھ ہندوستانی ایسے ہیں، جو امیر کہے جا سکتے ہیں - لیکن ان کا شمار غربا کی تعداد عظیم کے مقابلے میں بے
ہندوستانی جو اپنے ملکی وسائل کو نشو و نما نہ دے سکے اس کی تین وجوہ مسٹر ڈگبی نے لکھے ہیں -
اور اہلے مدراس و بنگال کے تمام ذرائع دولت نچوڑ لیے گئے - اس لیے ان احاطوں کے باشندوں کے
مشینوں اور کلوں سے کام کرنے کے لیے روپیہ نہیں تھا -
سنے اس معاملے میں لوگوں کی مدد کرنے کا خیال نہیں کیا - برخلاف ازیں اس نے عمداً ہندوستان کی صنعتی
ٹ دیا اور اس سے انگلستان کے حوصلہ مند تاجروں کو اس ملک میں قدم جمانے کا موقعہ بہم پہنچایا - اور جب
ہوگیا تو اس کے بعد انگلستان کے کرگھوں کا بنا ہوا مال سارے ملک میں پھیل گیا -
ی ضروریات اور زیادہ عام کے کاموں کی اصلاحات کی پیروی میں بیرونی ملک سے سرمایہ لایا گیا - اور
انتظام میں ان کاموں میں نگران کار بنایا گیا - جس سے معاوضہ و منافع ان کو ملتا اور روپیہ باہر جاتا - یہاں تک
کاموں پر لگانے کے لیے کوئی سرمایہ باقی نہیں رہا -

...وں میں حوصلہ کی کمی نہیں ہے

مالی سہولتوں کا نہ ہونا اس وقت ملک کی حرفتوں کے اجزا

توسیع کے راستے میں ایک سخت دشواری ہے میں ان لوگوں میں نہیں ہوں جو خیال کرتے ہیں۔ کہ ہندوستانیوں میں
کو چلانے کی حوصلہ مندی اور صلاحیت نہیں ہے۔ جب کبھی مناسب موقعہ دیا گیا ہے تو ہندوستانی لیاقت نے
کے میدانوں میں بھی دیگر معاملات کی طرح اپنے آپ کو نمایاں کیا ہے۔ یہ امر بہترین طریقہ پر اس کامیابی سے
ہے۔ جو سوت اور کپڑے کے کارخانوں ٹاٹا کے کارخانہ جات آہن اور ٹاٹا کے پانی سے بجلی پیدا کرنے
میں حاصل ہوتی ہے۔ ہندوستان کی حرفت آہن کی تاریخ حرفتی معاملات میں ہندوستان کی نسبت
خود غرضی کو عیاں کرتی ہے۔ جب لارڈ ڈلہوزی نے انگریزی مصنوعات کے لئے وسیع ترین بازار حاصل کر
پر عمل کرتے ہوئے ملک کو ریلوے کے جال سے بھر دیا تو ہندوستان کے اکثر حصوں میں خام لوہا افراط
لوہے کی اس مقامی بہم رسانی سے پورے طور پر فائدہ اٹھایا جاتا تو ممکن ہے کہ ہندوستان نہ صرف اپنی ریلوں
آہنی سامان کی مانگ پوری کر سکتا بلکہ دنیا کے مہذب و ترقی یاب ممالک کے ساتھ لوہے کی ایک بہت
بخش تجارت برآمد قائم کر لیتا۔ لیکن اس معاملہ میں بھی ہمارے حکمرانوں نے ہندوستان کے ساتھ حسد کا
برتاؤ کیا۔ اس وقت صرف انگلستان دنیا میں ایک دوسرا لوہے کی برآور د کرنے والا ملک تھا۔ اور وہ یہ نہیں
کہ ہندوستان ان کا ایک رقیب بن جائے۔ اور دنیا بھر میں جو اجارہ اس کو حاصل تھا اس کو تباہ کر دے۔
چھری کانٹے اور دیگر آہنی اشیاء کے کارخانہ دار ہندوستان کو اپنے مال کے واسطے بازار بنانا چاہتے تھے۔
مند نہ تھے۔ کہ ہندوستان خود اپنے لوہے کی حرفت قائم کرلے۔ اب ٹاٹا کی فیاضی حب وطن اور قومی ہمدردی
کو اس معطل شدہ حرفت میں جان ڈالنے کے قابل کیا ہے۔ اور اس کام کو حیرت انگیز کامیابی حاصل ہوئی
حصے اس وقت چار ہزار فی صدی زائد قیمت رکھتے ہیں۔ اور ان کی قیمت روزانہ بڑھتی جاتی ہے۔ یہ سارے
طور سے ہندوستانی ہیں۔ ہندوستانی سرمایہ سے جاری ہوئے ہیں۔ اور ہندوستانیوں کی نگرانی میں
رہے ہیں۔

مالی انتظام

زراعت، تجارت، اور مصنوعات کی حالت انگریزی عملداری کے ماتحت دکھانے
بعد اب میں اس ملک کے مالی انتظام کے طریقہ کی بابت چند الفاظ کہنا چاہتا ہوں
عملداری کے نہایت پرجوش طرفدار بھی اس سے انکار نہیں کر سکتے۔ کہ ہندوستان دنیا کے نہایت بھاری
دینے والے ملکوں میں ہے۔ یہ سچ ہے کہ اوسط ٹیکس جو ہندوستان میں وصول کیا جاتا ہے وہ روپیہ کی صورت
ظاہر ہونے والی کسی بڑی رقم تک نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ایک ہندوستانی کی اوسط
مہذب حکومت رکھنے والے ہر ملک کے لوگوں کی آمدنی سے کم ہے۔ ایک پونڈ کی آمدنی میں سے
لینا اور بات ہے۔ اور ۵۰ پونڈ کی آمدنی میں سے تین پونڈ بھی لینے بالکل دوسری بات ہے۔ صاف

...ستان میں ٹیکس کی نوعیت بہت سخت ہے۔ اور غریب ہندوستانی ٹیکس دہندہ پر اسکا بہت بھاری بوجھ
...ے بھاری محصول لگانا خود ایک برائی ہے، لیکن یہ برائی ہزار گنا بڑھ جاتی ہے۔ جب وہ ٹیکس ملک کے
...ے لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے بھیجے جاتے ہیں، اور مقامی فنون مصنوعات اور حرفتوں کی فائدہ رسانی
...ے ان کو ملک ہی میں نہیں رہنے دیا جاتا۔ انگریزی عملداری کے آغاز سے پہلے بھی ہندوستان کے حکمران
...بھاری محصول اراضی لگاتے تھے، لیکن جو ٹیکس لگائے جاتے تھے وہ کم وصول کیے جاتے تھے۔ حالانکہ انگریزی
...محصولات نہایت سختی سے وصول کرتے ہیں۔ دوسرے روپیہ کبھی ہندوستان کے باہر نہیں جاتا تھا۔ اور
...ال بھی کسی نہ کسی طرح لوگوں ہی کے پاس واپس آجاتا تھا۔

...یہ کا کھنچ کر باہر جانا } ۱۔ لیکن سب سے زیادہ سختی جو ہندوستان کے ساتھ کی گئی ہے، وہ روپیہ کا برابر باہر جانا ہے۔ جس کے باعث پچھلے ڈیڑھ سو برس سے برابر ہندوستان
...ی جا رہی ہے۔ اس اقتصادی نچوڑ کی بابت اتنا کچھ لکھا اور کہا گیا ہے کہ میں اپنی کسی تفصیلی رائے زنی سے
...ت نہ دوں گا۔ میں سادہ ترین طریقہ سے اس معاملہ کو بیان کروں گا۔ مختصر لفظوں میں صورت حال یہ ہے کہ ایسٹ
...ے سوداگر بھی تھے، اور ملک میں بادشاہ بھی تھے۔ یورپ کو آمدنی کی روانگی عموماً ملک کی اجناس کی صورت
...تی۔ اور خام پیداوار باہر بھیجی جاتی تھی۔ یہ طریقہ بہت کچھ ایک اسپنج کی طرح کام کرتا تھا۔ یعنی گنگا کے کنارے
...چیزیں جذب کر لیتا تھا۔ اور ٹیمز کے کناروں پر ان کو نچوڑ دیتا تھا۔ اس اقتصادی نچوڑ کی ایک مد جو ہندوستانی
...کے لیے ایک مہیب مفہوم رکھتی ہے، اخراجاتِ ولایت کے نام سے مشہور ہے۔ صاحب وزیر ہند
...ملا اپنے عملے اور مختلف دیگر اشخاص کو نام نہاد خدمات ہند کا معاوضہ ادا کرنے کے لیے انگلستان میں
...کرنی پڑتی ہے۔ یہ ادائیگیاں اب بالاوسط ایک کروڑ ستر لاکھ پونڈ سے زیادہ تک پہنچتی ہیں۔ ان میں سے
...ادائیگیاں بمشکل ایمانداری کے ساتھ ہندوستان کی آمدنی سے لی جا سکتی ہیں۔ لیکن یہ طریقہ باشندگان ہند
...کے باوجود جاری رہا ہے۔ خرچ کی ان مدات کو جانچنے سے ظاہر ہوگا۔ کہ کیسے غیر منصفانہ اور غیر متساوی
...اب تک ڈالے جاتے رہے ہیں۔

...کی بعض مدوں کے متعلق ریفارم اسکیم نے جزوی سبکدوشی کی سفارش کی ہے۔ لیکن اگر رپورٹ کی
...ی اس سے بہت خفیف سبکدوشی حاصل ہوگی۔ ادائیگی کی ایک بہت بڑی مد قرضہ ہند کا سود ہے
...ایک بے رحمی کا افسانہ ہے۔ جب ہندوستان کی بادشاہت کمپنی کے ہاتھ سے تاج کے ہاتھ میں آئی تو
...ے ادا کیا گیا۔ جس کو ایک قرضہ ہند بنا دیا گیا۔ اور اس پر ہندوستانی ٹیکسوں سے سود دیا جاتا ہے۔ مسٹر
...ہیں کہ برطانوی قوم نے دیگر حصص دنیا میں علاقہ حاصل کرنے میں اپنے کروڑوں روپے صرف

کیے ہیں۔ لیکن ہندوستان میں ایک سلطنت حاصل کی گئی۔ لڑائیاں لڑی گئیں، اور انتظام چلایا گیا۔ اور یہ سب کچھ باشندگان ہند کے خرچ سے ہوا۔ انگریزی قوم نے ایک شلنگ بھی نہیں دیا۔ تجارتی کمپنی جس نے اس سلطنت کو حاصل کیا منافع بھی لیتی رہی۔ اور سلطنت کی آمدنیوں سے دو نسلوں تک فائدہ اٹھاتی رہی۔

جب ۱۸۳۳ء میں ان کی تجارتی حیثیت موقوف ہو گئی تو یہ قرار دیا گیا کہ ان کے حصوں کا منافع برابر ہندوستانیوں کے ٹیکسوں سے ادا ہوتا رہے۔ اور جب آخر میں حکومت ان کے ہاتھ سے نکل کر تاج کے پاس چلی گئی تو ان کے حصوں کا روپیہ بطور قرضہ قائم کر دیا گیا۔ اور باشندگان ہند اس طرح آج تک ایک معدوم شدہ کمپنی کے حصوں پر قرضہ کے سود کی صورت میں منافع دے رہے ہیں۔

لیکن وہ مضرت قرضہ ہند کے قائم کرنے ہی پر ختم نہیں ہوئے، بلکہ وہ قرضہ تیزی کے ساتھ ان اخراجات کی وجہ سے بڑھتا رہا۔ جو افغانستان اور چین کی جنگوں ابی سینا اور سوڈان کی جنگوں اور ہر ایک قومی مہم میں جو مشرق میں اختیار کی گئی اٹھائی گئی۔ قرضہ جو ۱۸۵۷ء میں ۵ کروڑ دس لاکھ پونڈ تھا۔ ۱۸۶۲ء میں نو کروڑ ستر لاکھ پونڈ ہو گیا۔ اور برابر بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ ۱۹۱۳ء میں وہ بیس کروڑ پونڈ تھا۔ جو بھاری بیشی قیمت برآمد میں قیمت درآمد سے پائی جاتی ہے۔ وہ یہ نہیں ظاہر کرتی کہ اتنا روپیہ ہر سال ہندوستان کی تجارت مساوی کرنے کے طور پر ملتا ہے۔ بلکہ زیادتی کا قریباً نصف روپیہ صاحب وزیر ہند اخراجات کی ادائیگی کے لیے انگلستان میں روک لینے میں اور بقایا کا یہ حال ہے کہ ہندوستان اپنی خام اجناس باہر بھیج کر روپیہ ادا کرتا ہے۔ کیونکہ اب اس کے پاس اس کی کوئی مصنوعات نہیں ہے۔ جس سے وہ مطالبہ کو پورا کرے۔ بڑے قحطوں کے ہونے کے وقت تک بھی اجناس خوراک کی برآمد ویسی ہی تیزی سے جاری رہتی ہے۔ لہذا یہ عیاں ہے کہ اس پالیسی کی رو سے جو ہمارے حکمرانوں کی طرف سے برتی گئی ہے، لوگوں کی خوراک بھوکے آدمیوں کے منہ سے لی جاتی ہے۔ اور ملک کے باہر بھیج دی جاتی ہے۔

میں یقین کرتا ہوں کہ اب لارڈ جارج ہملٹن کو ان کے قائم کردہ طریق امتحان کی بنیاد پر پورا جواب دے سکتے ہیں۔ ہم نے دیکھا ہے کہ ہندوستان اب مزمن طور پر قحط زدہ ہے۔ اور یہ قحط باشندگان ہند کے سخت افلاس کی وجہ سے ہے۔ ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ یہ افلاس اس امر کے باعث ہے کہ برطانوی حکومت کے ماتحت ہندوستان کی قومی دولت کے سرچشمے بتدریج سکڑ گئے ہیں۔ اور باشندگان ہند پر جو غیر منصفانہ مطالبات عائد ہوئے ہیں، وہ ملک کی تمام دولت کو جو مل سکتی تھی، باہر کھینچ لے گئے ہیں۔ لہذا میں بلا تامل یہ کہتا ہوں کہ ہندوستان کو اس پالیسی کی وجہ سے جو اب تک برطانوی حکمرانوں نے برتی ہے۔ مادی خوشحالی میں زوال پہنچا ہے۔

خرابیوں کا علاج سیلف گورنمنٹ، اچھا تو پھر ان خرابیوں کا علاج کیا ہے؟ لارڈ جارج ہملٹن کے قول کے مطابق تو انگریزوں کو ہندوستان سے واپس چلا جانا چاہئے لیکن ہندوستانی ایسی تبدیلی پر بہت سے

...ے جاتے ہیں۔ یہ نہیں کہتے ۳۰ سال سے زیادہ عرصہ سے انڈین نیشنل کانگرس اور ۱۲ سال سے آل انڈیا مسلم لیگ ایک ...اس طریقہ سے بدلنے کی تجویز پیش کر رہی ہیں۔ جو انتظام ہندوستان کی اصلاح پر مبنی ہو۔ اگر یہ تبدیلی کر دی جائے، تو ...ہملٹن کے قول کے بموجب انگریزوں کی ہندوستان سے واپس جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ انتظام ہند ...اس امر واقعہ کے باعث ہیں کہ وہ ایک مطلق العنان جماعت حکام کی نمائندہ ہے۔ جو ہندوستانی عام ...کو جواب دہ نہیں ہے۔ موجودہ حالات اور گورنمنٹ ہند کے موجودہ نظام سیاسی کے ماتحت یہ ایک معجزہ ہوتا۔ ...ہندوستان کی حالت اس وقت سے کچھ بہتر ہوتی۔ ہر ایک بڑا مفاد اور برطانوی رعایا کا ہر ایک حصہ ہندوستانی ...پر دباؤ ڈال سکتا ہے۔ سوائے باشندگان ہند کے جن کو ایسا کوئی موقع حاصل نہیں۔ جان اسٹوارٹ نے لکھا ہے، ...قوم کی حکومت خود اپنے ذریعہ سے کچھ معنی اور حقیقت رکھتی ہے۔ لیکن ایک قوم پر دوسری قوم کی طرف سے حکومت ...معنی نہیں رکھتی، اور قائم نہیں رہ سکتی۔ صرف اپنے ہی ہاتھ سے کوئی مستقل اور پائیدار اصلاح کسی قوم کے حالات ...عمل میں آسکتی ہے۔ حضرت عیسٰے علیہ السلام نے انسانی کیرکٹر میں اپنے مفاد کی اس غالب طاقت کو پہچان لیا تھا جب ...نے اپنے پیروؤں کو اپنے ہمسایوں سے اپنی ہی برابر محبت کرنے کی نصیحت فرمائی تھی۔ لیکن بدقسمتی سے مادی تہذیب ...نے ہمارے مسیحی حکمرانوں کے یہ حکم بھلا دینے تک نوبت پہنچائی ہے۔ جس طرح پیروان حضرت عیسٰےؑ ...احکام امتناعی کو طاق نسیاں پر رکھ دینے کی صورتیں نکال لی ہیں۔

...برطانوی انتظام کے موجودہ طریقہ کی خرابیاں خود اپنا علاج بتاتی ہیں۔ اصلاحات کی پیوند کاری خواہ بہترین ارادوں ...کی جائے۔ لیکن وہ محض عارضی فائدہ پہنچا سکے گی، اور مستقل علاج کرنے سے قاصر رہے گی۔ حقیقی علاج یہ ہے ...ہندوستان میں حکومت خود اختیاری کا ایک حقیقی طریقہ فی الفور جاری کر دیا جائے۔ کوئی اور علاج نہیں ہے، صرف ...ہے کہ کوئی اور علاج ممکن نہیں۔

...غلط افتراض ناقابلیت ہندوستان میں حکومت خود اختیاری کا کوئی طریقہ رائج کرنے کے خلاف وقتاً فوقتاً ...پیش کی جاتی ہیں۔ ان میں سے پہلی دلیل ہماری بیان کردہ ناقابلیت ہوم رول پر مبنی ہے۔ یہ ایک بے رحمانہ ...ہمارے نکتہ چین بخوبی جانتے ہیں کہ یہ الزام قطعی غلط ہے۔ اور درحقیقت صدمہ رسانی کے ساتھ اہانت ...والا ہے۔ ہندوستان کی سابق تاریخ اس الزام کو بالکل جھٹلاتی ہے، ایام قدیم کو چھوڑ کر دیکھا جائے تو جو کچھ ...اور ٹوڈرمل کی ذہانت نے سولھویں صدی میں کر دکھایا تھا۔ اس کے برابر انگریزی حکمرانان ہند چار صدیوں کی ذہنی ...کے ساتھ بھی اس زمانہ میں نہیں کر سکے ہیں۔ علاوہ ازیں ہندوستان کی دیسی ریاستیں ہندوستانیوں کی قابلیت انتظامی کی چشم ...کرتی ہیں۔ موزونیت صرف ایک نسبتی اصلاح ہے۔ اور ہندوستانی منتظمین کو جب بھی حقیقی موقع اور پورا میدان ...حکمرانی میں انگریزی منتظمین سے بڑھ چڑھ کر نکلے ہیں۔ مواقع تو ہندوستانیوں سے دریغ رکھے جاتے ہیں،

اور پھر الزام لگایا جاتا ہے، کہ ہندوستانیوں نے کوئی نمایاں موزونیت ظاہر نہیں کی۔ جو ان کو حکمرانوں کی ذمہ داری اپنے ... ٹھہراتی ہو، جب موقعے دیئے گئے ہیں، تو ہندوستانیوں نے اپنے اعلیٰ ترین ذہنی اور دماغی قابلیتیں رکھنے کے ... ثابت کر دکھایا جونہی وکٹوریا کراس کا ممتاز تمغہ ہندوستانیوں کے لیے کھولا گیا۔ ہندوستانی سپاہیوں نے اس کو حاصل ... کر دیا۔ صرف آزادی، اور آزادی سے پیدا ہونے والی تمام برکات سے استفادہ کرنا، لوگوں کو آزادی کے ... بناتا ہے۔ یہ امر واقع کہ ذمہ داری کے استعمال سے اس کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ ہندوستان میں سیلف گورنمنٹ ... عمل درآمد پر اعتماد کرنے کی بہترین بنیاد ہے، ممکن ہے کہ ابتدا میں ہم ناتجربہ کاری کی وجہ سے غلطیاں کریں ... غلطیاں صحیح طریقہ پر کام کرنا سکھاتی ہیں۔ جو بچہ کبھی نہ گرے اور نہ لڑکھڑائے وہ ہرگز چلنا نہ سیکھے گا۔ قومیں اپنی ناکامیوں ... کامیابیوں دونوں سے سبق سیکھتی اور مضبوط و ترقی یاب ہوتی ہیں۔

ریفارم اسکیم کے مصنفین نے لکھا ہے، کہ انہیں ہندوستانیوں کے بالآخر سیلف گورنمنٹ کی قابلیت پیدا کرنے میں ... نہیں۔ لیکن وہ اس وقت اس کے لیے تیار نہیں، یہ ہندوستانی قوم کی ایک اور سخت اہانت ہے۔ اگر ہم ڈیڑھ سو ... کی انگریزی حکومت کے بعد بھی اس وقت تیار نہیں ہیں تو ہم کبھی تیار نہ ہوں گے۔ جب تک یہ حکومت اپنی ... میں قائم رہے گی، ہندوستانی عوام کی فلاکت و بے عملی پر اور ہندوستانی سوسائٹی میں مذہب، نسل اور ذات کے ... ہونے پر بھی زور دیا جاتا ہے۔ لیکن اگر زمانہ ماضی کے سکھائے ہوئے سبق پر کوئی پیش بینی مبنی کی جا سکے۔ تو ... موجودہ طریق حکومت کے ماتحت گھٹنے کی بہ مشکل امید ہے۔ اور ہمارے حکمرانوں کے کارناموں کو ملحوظ رکھ کر ... میں کسی معقول ترقی کی توقعات بھی درخشاں نہیں ہیں۔ رہی دوسری بات تو ایک غیر جواب دہ اور بیرونی ... اقتدار کی موجودگی سے اس وقت کے اختلافات رفع ہونے کی بجائے اور بڑھنے کا احتمال ہے۔ موجودہ حالات ... ماتحت تمام مختلف نسلیں اور قومیتیں حکمراں طاقت کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے ... کرتی رہتی ہیں۔ اور اس سے قدرتی طور پر فرقوں میں باہم حسد پیدا ہوتا ہے۔ خود انگلستان میں بھی قوم کی خوشحالی ... کی عام اشاعت نمائندہ حکومت کے اجرا کے بعد نہ کہ اس سے قبل حاصل ہوئی، اسی طرح ریاست ہائے متحدہ ... کینیڈا، ٹرنسوال، سوئٹزرلینڈ اور بہت سے چھوٹے چھوٹے ممالک میں مختلف نسلوں، قومیتوں، مذہبوں کی ... مگر وہ سب حکومت خود اختیاری رکھتے ہیں۔ اور انھوں نے نیابتی اور ذمہ دار حکومتوں کے ایسے ہی اچھے طریقے ... ہاں پیدا کر لیے ہیں، جیسے دنیا کے ترقی پذیر ممالک میں پائے جاتے ہیں۔ سیلف گورنمنٹ کی ترویج وہاں ... کو متحد کر دینے کے باعث ہوئی۔ اور مختلف جماعتوں کو اس نے احساس ذمہ داری اور سب کے مشترکہ فوائد ... سے باہم پیوستہ کر دیا۔ اور ہندوستان میں بھی خدائے تعالیٰ ایسا ہی کرے گا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے، کہ اس ملک ... اسپرٹ معدوم ہے۔ اور شہرت کی اسپرٹ حاصل کئے بغیر سیلف گورنمنٹ کی کوئی کارروائی اس ملک میں ...

...بلکہ حقیقی واقعات اس الزام کو بھی ثابت نہیں کرتے۔ اب عام طور سے یہ تسلیم کیا جاتا ہے، کہ ہندوستان میں حضرت ...کی پیدائش سے بہت عرصہ قبل سیلف گورنمنٹ کی ایک اعلیٰ موثر صورت موجود تھی۔ اب یہ سب کو معلوم ہے کہ شرقی ...انسٹیٹیوشنوں کی ولادت گاہ ہے۔ علاوہ ازیں ریفارم اسکیم کے مصنفوں نے خود تسلیم کیا ہے، اگر یہ اوصاف صرف استعمال ...کیے جاتے ہیں، لہٰذا تاوقتیکہ موقع نہ دیا جائے۔ یہ دیکھنا مشکل ہے۔ کہ ہندوستانی کس طرح وہ اوصاف کسی وقت بھی ...کر سکیں گے، جو انہیں سیلف گورنمنٹ کے لائق بنانے کے لیے ضروری ہیں۔

...انگریزی نوآبادیوں کی اقسام باعتبار طریق حکومت

ہندوستان میں سیلف گورنمنٹ رائج کرنے کے برخلاف عموماً جو مختلف دلائل پیش کی ...ہیں، اس کی تردید میں مجھے کچھ اور کہنے کی چنداں ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ کیونکہ ۲۰ اگست ۱۹۱۷ء کے اعلان نے گورنمنٹ ...ہندوستان کو ذمہ دار حکومت عطا کرنے اور اس کی سمت میں معقول قدم اٹھانے کا پابند کر دیا ہے۔ اسی اعلان کی پیروی میں صاحب ...وزیر ہند و وائسرائے نے ایک اسکیم اصلاحات جاری کی ہے۔ اس سے پہلے نیشنل کانگریس اور آل انڈیا مسلم لیگ نے مشترکہ ...ایک اسکیم اصلاحات جاری کی تھی۔ جس کو سرکاری اسکیم کے مصنفوں نے ۲۰ اگست والے اعلان کے نقطۂ نظر سے ناقابل ...قرار دیا ہے۔ کانگریس لیگ اسکیم پر جو سرکاری اعتراضات ہوئے ہیں، ان کے مسائل زیر بحث پر ایک صحیح فیصلہ ...کرنے کے لیے جو حکومت کے ان مختلف نمونوں پر غور کرنا ضروری ہے۔ جو خود سلطنت انگلشیہ میں پائے جاتے ہیں۔ ...مسٹر ...سن "انگریزی نوآبادیوں کو مندرجہ ذیل چار قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

...نوآبادیاں جن میں اختیاری قانون سازی کا اختیار صرف گورنر کو حاصل ہے، اور انتظامی اختیار بھی وہی تنہا یا ایک انتظامی ...کونسل کی شرکت میں استعمال کرتا ہے۔ جس کے ارکین تاج کی طرف سے نامزد ہوئے ہیں۔ جیسے جبرالٹر، سیلان ...

...نوآبادیاں جن میں اختیار قانون سازی ایک گورنر اور ایک نام زد شدہ قانونی کونسل کو دیا گیا ہے، اور انتظامی ...گورنر اور ایک نام زد شدہ کونسل کے ہاتھ میں ہے۔ جیسے گولڈ کوسٹ، سیلیسز، ٹرینی ڈاڈ، اور

...نوآبادیاں جن میں قانون سازی ایک نمائندہ مجلس کے ہاتھ میں ہے۔ جس کے تمام یا اکثر ممبر عام رائے سے ...منتخب ہوتے ہیں، اور انتظامی اختیار گورنر اور ایک نامزد شدہ انتظامی کونسل یا کمیٹی کو دیا گیا ہے۔ جیسے باربڈوس، برمیوڈا ...بہاما وغیرہ۔

...ذمہ داری حکومت رکھنے والی نوآبادیاں، یعنی وہ ذمہ دار آبادیاں جن کو ذمہ دار حکومت حاصل ہے۔ جیسے آسٹریلیا ...نیوزی لینڈ، نیوفاؤنڈلینڈ۔

اب اگر ہم گورنمنٹ آف انڈیا کی موجودہ صورت کا مندرجہ بالا تشریح سے مقابلہ کریں تو ہمیں فوراً یہ معلوم ہو جائے کہ بعض بڑے صوبہ جات میں پراونشل گورنمنٹ کی صورت قسم سو کے مطابق ہے۔ کیونکہ قانون ساز مجلس منتخب شدہ م پر مشتمل ہے۔ جو اکثریت نہیں رکھتے۔ اگر ہم مندرجہ بالا تقسیم کی جانچ کریں تو ہمیں یہ بھی معلوم ہو گا، کہ ہندوستان انگریزی حکو کے ماتحت اپنی سیاسی ارتقار کے دوران میں گذشتہ سو برس کے اندر پہلی اور دوسری منزلوں سے یکے بعد دیگرے گزر اور اس کے بعض حصے تیسری منزل سے بھی گذرے ہیں۔

۲۰ر اگست کے اعلان کی شرائط تو واجبی طور پر ذہن نشین کرنے اور یہ جانچنے کے لیے کہ ریفارم اسکیم کی تجاویز کہ تک اس اعلان کی شرائط کو پورا کرتی ہیں۔ اول دونوں اصلاحوں کے درمیان کے فرق کو یاد رکھنا ضروری ہے۔ جو انسٹیٹیوشنوں کی ترقی کے متعلق تمام مباحث میں بار بار استعمال کیے جاتے ہیں۔ حکومت کے مختلف نمونوں پر قدرے غو کرنے سے ظاہر ہو گا کہ سیلف گورننگ نو آبادیوں کا خاص پہلو انتظامی جماعت کی پوزیشن میں یا با الفاظ دیگر قانون ساز انتظامی جماعتوں کے درمیان خاص تعلق میں واقع ہے۔ مختصر لفظوں میں یہ تعلق محکمہ انتظامی کے افسروں یا وزیروں کے منتخب مجلس کو جواب دہ ہونے پر مشتمل ہے۔ اگر ہم قانون ساز مجلس کی بالیدگی پر درجہ بدرجہ غور کریں تو ہمیں معلوم ہو گا دوم میں ایک نامزد شدہ جماعت سے شروع ہوئی ہے، اس منزل میں اس کو صرف یہ طاقت حاصل ہے، کہ وہ اور اظہار رائے سے جس کے قبول کرنے کی انتظامی جماعت پابند نہیں ہے، طریقہ انتظام پر اثر ڈال سکتی ہے۔ قسم میں ہم قانون ساز مجلس کو ایک نیابتی مجلس کی صورت میں مزید اختیارات کے ساتھ ترقی یاب دیکھتے ہیں۔ اول وہ تمام سے جو اغراض سلطنت پر مؤثر نہیں ہیں، تعلق رکھنے والے قوانین کو آخری صورت دیتی ہے۔ دوسرے، بجٹ عموماً نیابتی مجلس منظور کرایا جاتا ہے۔ اس منزل پر قانون ساز مجلس براہ راست قابو انتظامی جماعت پر نہیں رکھتی۔ سوائے ایک بالواسطہ جو قانون سازی اور بجٹ پر اس کا اختیار ہونے کی وجہ سے اس کو حاصل ہوتا ہے، ذمہ دار حکومت مل جاتی ہے۔ تو اس یہ ہے کہ انتظامی جماعت کامل طور پر قانون ساز مجلس کو جواب دہ ہو جاتی ہے۔ نیابتی حکومت کا ضروری پہلو صرف میجارٹی کی قانونی کونسل رکھنے میں نہیں ہے۔ بلکہ قانون ساز مجلس کو قانون سازی و بجٹ پر اختیار حاصل ہونے ذمہ دار حکومت کا ضروری پہلو نیابتی حکومت کی ان خصوصیات پر مشتمل ہے۔ اور انتظامی جماعت کو قابو میں رکھنے بھی اس کو مل جاتا ہے۔ اور انتظامی جماعت مجلس قانونی کو جواب دہ ہو جاتی ہے۔

نو آبادیوں کے نشو و نما کے ان اصول کو ہندوستان کی موجودہ حالت پر عائد کرنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ کا راستہ یہ ہونا چاہیئے کہ جن صوبوں میں نامزد شدہ قانونی کونسلیں ہیں۔ وہاں منتخب شدہ ممبروں کا تناسب کم از کم نصف حصہ تک بڑھا کر قانون ساز مجلس کو نیابتی بنایا جائے۔ اور چونکہ گورنمنٹ آف انڈیا بھی اسی وضع کی ہے اس میں بھی رائج کی جائے دوسرے چونکہ بجٹ کی نگرانی قسم سوم نو آبادیوں میں تمام نیابتی مجالس کو ملی ہوئی ہے

...ستان کی نیابتی قانون ساز مجالس پر بھی وسیع کی جائے۔ تیسرے ذمہ دار حکومت کے تدریجی حصول کے اصول کے
...انتظامی جماعت کو کسی حد تک کسی صورت میں قانون ساز مجالس کو جواب دہ بنا کر معقول قدم آخری منزل تک
...جائے۔

...گریس لیگ اسکیم } کانگریس لیگ اسکیم میں تین بڑے اصول مدنظر رکھے گئے ہیں۔
(۱) اولاً مالیہ پر قانون ساز مجلس کا اختیار۔
(۲) قانون سازی پر قانون ساز مجلس کا اختیار۔
(۳) انتظامی جماعت پر قانون ساز مجلس کا اختیار بذریعہ رزولیشن۔

...پہلا اعتراض کانگریس لیگ اسکیم پر سرکاری نکتہ چینوں نے اس اختیار کی بابت کیا ہے۔ جو مالی امور میں قانون ساز ...کے یے مانگا گیا ہے، رپورٹ اصلاحی اسکیم میں لکھا گیا ہے، کہ انگلستان میں یہ قاعدہ قائم ہو چکا ہے کہ صرف گورنمنٹ ...تجویز کر سکتی ہے۔ کوئی ترمیم کسی عطیہ کو بڑھانے یا اس کا خرچ کا موقع بدلنے کے لیے پیش نہیں کی جاسکتی۔ اس ...میں برطانوی پارلیمنٹ کے دستور کا جو حوالہ دیا گیا ہے وہ ایک غلط فہمی پیدا کرنے والا ہے۔ برطانیہ کی وزارت ...کی مجارٹی کے لیڈروں پر مشتمل ہوتی ہے۔ اور اس وجہ سے بجٹ کی تمام مدات جو وزارت تجویز کرتی ہے، ...دارالعوام سے ضرور قبول کر لی جاتی ہے۔ کیونکہ جس فریق کی وزارت نیابت کرتی ہے، اس کی میجارٹی ہوتی ہے ...میں صدیوں تک جو زبردست آئینی کشمکش جاری رہی اس کے نتیجہ میں آخر کار یہ اصول قائم ہو گیا، کہ انتظامی جماعت ...کے موافق روپیہ حاصل نہیں کر سکتی۔ اور نہ اس کو لگا سکتی ہے۔ ہز ایکسیلنسی وائسرے اور صاحب وزیر ہند کے اغراض ...اصول بیان ہے، وہ نیابتی حکومت کے اس ابتدائی اصول کو باطل کرنے والا ہے۔ ایک اور اعتراض کانگریس و لیگ ...گیا ہے، کہ قانون ساز مجلس کے مجوزہ اختیارات کے ساتھ جب ایک ناقابل علیحدگی انتظامی جماعت شامل ہوگی۔ ...رک جائے گا۔ لیکن یہ اعتراض بھی واقعات سے جائز نہیں ٹھہرتا۔ مختلف نمونوں کی آئینی تاریخ پر قدرے ...ظاہر ہو جائے گا۔ کہ تاج کی جن نو آبادیوں کو ذمہ دار حکومت نہیں ملی ہے، ان میں فراخ ترین قانون سازی رکھنے ...مجلس ناقابل علیحدگی انتظامی مجالس کے ساتھ موجود ہے۔ اور کام میں کوئی رکاوٹ نہیں پڑی۔ آخر میں اکثر ...کانگریس اور لیگ اسکیم کی اس تجویز پر بھی معترض ہیں۔ کہ قانون ساز مجلس رزولیوشن کے ذریعہ سے گورنمنٹ پر اثر ...بھی خود انگلستان اور مختلف نو آبادیوں میں آئینی ضابطہ کارروائی کی نشو و نما کی تاریخ کے وقعات ...

...اب ہم دیکھتے ہیں، کہ کس حد تک اس وعدے کو پورا کرتی ہے۔ جو ۲۰ اگست ۱۹۱۷ء کے اعلان میں ...انگلستان اور دیگر ممالک کی آئینی تاریخ پڑھنے سے معلوم ہوگا، کہ ذمہ دار حکومت سے پہلے ہمیشہ

پوری نیابتی حکومت دی گئی ہے۔ بالفاظ دیگر ہم ایک نمائندہ مجلس سے شروع کرتے ہیں۔ جس سے ایسی قانون ساز مجلس مراد ہے، جس کے اراکین منتخب شدہ ہوتے ہیں۔ ایسی قانون ساز مجلس کو مالیہ و قانون سازی پر قابو عطا کیا جاتا ہے قابو انتظامیہ جماعت پر ریزولیوشنوں کے ذریعہ سے دیا جاتا ہے۔ آخر میں جب قانون ساز مجلس کو پورا قابو انتظامی جماعت مل جاتا ہے، تو ذمہ دار حکومت اعلیٰ ترین صورت میں حاصل ہو جاتی ہے۔ کانگریس لیگ اسکیم پوری نیابتی حکومت حکومت کی طرف خفیف ترقی تجویز کرتی ہے۔ جبکہ وہ یہ چاہتی ہے کہ انتظامی کونسل کے نصف ممبران قانونی کونسل کے اراکین کی طرف سے منتخب کیے جائیں۔ سرکاری اسکیم ایسی تجاویز پیش کرتی ہے جو نیابتی حکومت سے بھی کم ترقی پھر بھی اس ملک میں ایسے لوگ موجود ہیں، جو انگلستان و دیگر ممالک کی آئینی تاریخ سے ناواقف ہونے کی میں کانگریس لیگ اسکیم کو قربان کرتے، اور سرکاری اسکیم کا ذمہ دار حکومت کی سمت میں ایک معقول ترقی دینے کے طور پر خیر مقدم کرنے کو تیار ہیں۔ کانگریس لیگ اسکیم کی تجاویز ذمہ دار حکومت سے بہت کم ہیں۔ اور اس جانب ایک پہلا قدم کہی جا سکتی ہیں۔ ان معنی میں ہماری اسکیم کا مطالبہ ۲۰؍ اگست کے اعلان سے آگے نہیں جاتا، لیکن اسکیم اعلان کے وعدے کو پورا نہیں کرتی۔ سرکاری اسکیم میں جو طریقہ تجویز کیا گیا ہے، وہ نیابتی حکومت کی پوری شکل ہے۔ اور ساتھ ہی اس میں ذمہ دار حکومت کے بعض خارجی پہلو شامل ہیں۔ لیکن حقیقت میں وہ نہ نیابتی حکومت دیتے نہ ذمہ دار حکومت دیتی ہے۔ اس کو خود وائسرائے اور صاحب وزیر ہند کے الفاظ میں اس کی کوئی سابق نظیر نہیں ساری دنیا کے تجربہ سیاسی کے خلاف ہے۔

مسلمان اور سیلف گورنمنٹ

برادران لیگ میں افسوس کے ساتھ اس امر کو محسوس کرتا ہوں۔ کہ بہت طویل ہو چکی، لیکن میں نے بہ نظر مصلحت ایسا کیا ہے سامنے ہندوستان میں سیلف گورنمنٹ کی اجرا کی ضرورت ایک ایسے نقطۂ نظر سے ثابت کروں، جو مجھے امید ہے کی تمام جماعتوں اور فرقوں کے دل نشین ہو گا۔ ملک کے موجودہ اقتصادی حالات سے بحث کرتے ہوئے نئی بات نہیں کہی ہے۔ اور نہ میں کوئی نئی دلیل اس خیال کی تائید میں پیش کر سکا ہوں، کہ انتظام ہند کا موجودہ طریقہ مضر نتائج پیدا کرنے کا موجب ہوا ہے۔ سیلف گورنمنٹ پر ہماری خوشی اور آرام ہی منحصر نہیں، بلکہ ہمارے زندگی کا معاملہ ہے۔ اور بطور ایک قوم کے ہماری ہستی پر اثر ڈالتا ہے۔ لیکن میں نے لوگوں کو کچھ کہتے ہوئے سیلف گورنمنٹ کی اس درخواست میں شامل ہو کر مسلمانان ہندوستان ایک مہلک غلطی کر رہے ہیں۔ اور ہندو کے قابو پر چڑھ گئے ہیں، جو عیاری سے ذمہ دار حکومت کے بھیس میں ہندو حکومت قائم کرنے کی کوشش کہا جاتا ہے کہ ذمہ دار حکومت کا طریقہ جاری ہونے سے اختیار ہندوؤں کے ہاتھوں میں چلا جائے گا۔ مسلمانوں کے قدرتی دشمن ہیں، اس لیے وہ بطور ایک قوم کے مسلمانوں کی پولیٹیکل ہستی کو

ے کام لیں گے۔

فسادات، عداوت کے اظہار میں ۱۹۱۷ء کے فسادات آرہ کو دکھایا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ ہندو زمینداروں وکیلوں، اور دیگر اشخاص کا جبر و تعدی اس قدر عام اور متواتر ہے، کہ مسلمانوں کو ایک ایسا طریقہ حکومت کے دینی خلاف مصلحت ہے۔ جو سیاسی اختیار کے استعمال میں ہندوؤں کو غلبہ بخشے گی ان تمام باتوں کے آخر میں زور جاتا ہے کہ برٹش حکومت ہی کمزور فرقوں کے لیے مشکل میں جائے پناہ ہے۔ اور موجودہ حکمرانوں سے اختیار کا مسلمانوں اور ہندوستان کے دوسرے سیاسی طور پر پس ماندہ فرقوں کے لیے تباہی انگیز ہوگا۔ اپنے ناصحانِ مشفق شوروں میں چند باتیں کہنی چاہتا ہوں۔ ہندو مسلمانوں کے تعلقات کے مسئلہ پر یہ کہنا میں دونوں فرقوں کی سخت خیال کرتا ہوں کہ ہندو مسلمان کا قدرتی دشمن ہے۔ جو اشخاص فسادات آرہ اور ایسے ہی دیگر منحوس واقعات پر اپنی کرتے ہیں، وہ ابتدا ہی میں اپنی کمزوری عیاں کر دیتے ہیں۔ یہ فسادات دونوں قوموں کے بعض حصوں کی مذہبی نامناسب دینی جوش کی وجہ سے ہوتے ہیں، جنھوں نے تعلیم کی کمی اور دیگر وجوہ کے باعث دوسروں کے جذبات کے ساتھ رواداری برتنی نہیں سیکھی ہے۔ ہمیں توقع ہونی چاہیئے، کہ تعلیم کی وسیع اشاعت اور تمام وہ فوائد جو حاصل ہوتے ہیں لوگوں کی نظریں فراخ کر دیں گے۔ اور ان میں باہمی رواداری اور برداشت کی روح پھونکیں سے ایسے فسادات کی روک تھام ہو سکتی ہے، کسی شخص نے تعلیم یافتہ ہندوؤں اور تعلیم یافتہ مسلمانوں کو فساد ہوتے نہیں سنا۔

...وں کی جبر و تعدی

رہا ہندو زمینداروں وکیلوں، مہاجنوں وغیرہ کا جبر و ظلم۔ تو یہ نسل و عقیدہ نہیں، بلکہ پیشہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اور افراد فرقہ وار خیالات سے کم متاثر ہوتے ہیں زمینداروں اور مہاجنوں کے مسلمان کاشت کاروں اور قرض داروں پر جبر و تعدی کرنے کی ایسی مثالیں معلوم ہیں، غیر مسلم شخص کی جبر و تعدی کی مثالیں شاذ مشکل سے ملیں گی۔ یہ جبر و تعدی بھی عوام میں تعلیم کی اشاعت سے اگرچہ پورے طور پر سوسائٹی سے کبھی محو نہیں ہو سکتی۔ تعلیم کی عام اشاعت سے عوام میں ضروری طاقت مقاومت جائے گی۔ جن لوگوں کو قدرت نے ماتحتی کی حیثیت میں رکھا ہے، ان کو خود اعتمادی سکھانی چاہیئے۔ اور اپنے شدہ کافی علم حاصل کرنا چاہیئے، جس سے قدرتی طور پر ان کے ستانے والوں کے ہاتھ کمزور ہو جائیں گے، اور مقابلہ کرنے ہی کے قابل نہ ہوں گے۔ بلکہ اپنی واجبی دادرسی حاصل کر سکیں گے۔ عمالِ حکومت خواہ کیسے ہی لیکن ہر وقت ظالم و مظلوم کے درمیان حائل نہیں ہو سکتی۔ بلکہ ایسے بھی معاملات ہوئے ہیں، کہ حکام حالات سے بے خبر رہنے کے باعث یا ناجائز اثرات کی وجہ سے جو طاقت ور اشخاص اراکین حکومت پر ستانے والوں کے طرف دار ہو گئے۔

ایک بیرونی حکومت سے پناہ ملنے کا یقین رکھنا فضول اور غلط ہے۔ یہ صحیح ہے [illegible]

ہندو عملہ کا اثر

فرقوں کے درمیان ایک بیرونی حکمران ناطرف دار بن سکتا ہے۔ اور الگ تھلگ [illegible]
ظاہر کرسکتا ہے۔ لیکن یہاں بھی ہر بات اس خاص افسر کے احساس انصاف پر موقوف ہے۔ جس سے یہ کام [illegible]
سننے میں آتا ہے کہ فلاں افسر مسلمانوں کا طرف دار یا فلاں ہندوؤں کا طرف دار ہے۔ دانائی کی بات یہ ہے [illegible]
یاد رکھنا چاہیئے کہ ہمارے موجودہ حکمران بھی انسان ہیں، اور ان انسانی کمزوریوں اور کوتاہیوں سے بری نہیں۔ جو [illegible]
ان کے طرف دار بلکہ غیر منصف ہونے تک نوبت پہنچا سکتی ہیں۔ موجودہ حالات میں حکومت تو انگریزی ہے۔ لیکن عملہ [illegible]
تک ہندو ہے۔ اور اب بھی وہ مسلمانوں پر ہر قسم کا جبر و تعدّی کر سکتے ہیں۔ اور اپنے افسران بالادست کے [illegible]
محفوظ رہ سکتے ہیں۔ حال کے فسادات مشرقی بنگال میں ہندو مسلمان دونوں فرقوں کے افسران پولیس کی شہ و [illegible]
مثالیں ہماری اطلاع میں لائی گئیں۔ ان واقعات جبر و تشدد پر ہر طریقہ سے گورنمنٹ کو توجہ دلائی گئی۔ بعض اضلاع [illegible]
مجسٹریٹوں نے اپنے خیالات رعب و داب کو نظر انداز کر کے تحقیقات کیں۔ جن کے نتیجہ میں کثیر التعداد افسران [illegible]
مقدمات چلے۔ لیکن دیگر اضلاع میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں اور پولیس سپرنٹنڈنٹوں نے اپنے ماتحتوں کے [illegible]
الزامات ماننے سے انکار کیا۔ اور کوئی تحقیقاتیں نہیں کیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اگرچہ ہزارہا مسلمانوں سے بے جا دباؤ ڈال [illegible]
کیا گیا۔ لیکن گورنمنٹ سے ان کی کوئی دادرسی نہ ہوئی۔ درحقیقت طریقہ خراب ہے، اور افسر خراب نہیں ہیں۔ اگر ڈسٹرکٹ [illegible]
کسی غلط کار ماتحت کو اپنے زیر حفاظت لے لیتا ہے، تو مظلوموں کی فریاد خواہ عرش بریں تک پہنچے، لیکن [illegible]
کانوں تک ہی نہیں پہنچ سکتی۔ چہ جائیکہ وہ اعلیٰ افسروں کے کانوں تک پہنچ سکے۔ ان باتوں سے ظاہر ہوتا ہے [illegible]
حکام ناطرف دار ہو سکتے ہیں، لیکن مظلوم مسلمانوں کے کسی ظالم کے برخلاف دادرسی حاصل کرنے کے مواقع [illegible]
اوّلاً ڈسٹرکٹ افسر کا دل نشین احساس انصاف دوسرے کسی اثر کی عدم موجودگی جو ظالم حکام پر ڈال سکے۔ لیکن [illegible]
ہر وقت حاصل ہونی دشوار ہیں۔ برٹش حکام پر سخت ضرورت کے وقتوں میں بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔ لیکن ان کے [illegible]
عمال کا ضرور ان پر اثر پڑتا ہے۔ مثلاً سرکاری سروسوں کے تقررات کو لیجئے۔ اب بھی سرکاری سروس میں [illegible]
ایسے ہیں، جن میں مسلمان عہدوں کا واجبی حصّہ حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے ہیں۔ اور اگرچہ گورنمنٹ [illegible]
شائع کرتی ہے۔ جس میں مسلمانوں کو زیادہ آسامیاں دینے کی مناسبت بلکہ ضرورت بھی اعلیٰ افسران حکام کو [illegible]
لیکن یہ سرکلر دفتروں کے الماریوں میں پڑے ہوئے گلتے رہتے ہیں۔ اور مسلمان آسامیاں حاصل نہیں کرتے۔ [illegible]
کہا جاتا ہے کہ انگریزی حکام صحیح نیّت و ارادہ رکھتے ہیں۔ اور سچے دل سے مسلمانوں کو جگہ دینے کے خواہش مند [illegible]
لیکن اُن کے ہندو ماتحت ہمیشہ ان کے راستہ میں حائل ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ دلیل درست ہے تو انگریزی حکام [illegible]
میں ناطرف دار اور غیر منصف نہیں تو لاشے محض و نمائشی ہوتے ہیں۔ وُہ کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ لیکن [illegible]

ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ ہمیشہ اپنے ہندو ماتحت کو کسی نقصان رسانی پر سرزنش کیے جانے سے بچا سکتے ہیں۔ لہٰذا جس
ے منی اور نمائشی افسر ہٹ جائیں اتنا ہی سب کے لیے بہتر ہے۔ اگر ہندو اہل کار کو بھلائی برائی کا پورا اختیار ہو، تو
نہیں۔ کہ وہ صرف ماتحت ہے یا دفتر کا اعلیٰ افسر ہے۔ اگر وہ اعلیٰ افسر ہو گا تو احساس ذمہ داری کے
ے گا۔ لیکن ماتحتی کی حالت میں اُن باتوں کا اس کو خیال نہ آئے گا۔ جو غیر ذمہ دارانہ اختیار کے استعمال
ے والی ہیں۔

ڈز میں مسلمانوں کی نیابت

پھر سیلف گورننگ جماعتوں میں مسلمانوں کی نیابت کا معاملہ لیجئے۔ کیا ان میں ہمارے حکام نے مسلمانوں کے فوائد
کا کوئی لحاظ رکھا ہے۔ لوکل سیلف گورنمنٹ پچھلی صدی کے ساٹھویں سال کے بعد شروع ہوئی۔ اور اُس وقت
مسلمانوں کے فوائد کی حفاظت کا مختلف قوانین میں کوئی قرارداد نہیں ہوا۔ جب ابتدائی تجربہ کیا جا رہا تھا
بنیت سے لاشے محض تھے۔ مسلمانوں کی جداگانہ نیابت کا قرارداد اس وقت کی نسبت اس وقت زیادہ
ریاں ہوا کہ مسلمانوں کے فوائد کی حفاظت کے لیے کوئی قرارداد نہیں کیا گیا۔ میونسپلٹیوں میں اگر مسلمان
یک دو نشستیں جیتنے کے لیے کافی اثر استعمال نہ کر سکیں، تو ان کا اصول نیابت کا واحد موقعہ اس
ے ذریعہ سے ہے۔ جو گورنمنٹ نے مختلف اغراض کی نیابت کے لیے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ نامزدگی
ن کو خیال کی وجہ سے محدود ہوتا ہے۔ اور یہ تعجب نہیں ہے کہ مسلمانوں کے اغراض کو سخت نقصان پہونچا ہے۔
ے نامزدگی کا بہت وسیع اختیار اپنے ہاتھ میں محفوظ رکھا ہے، وہاں بھی مسلمانوں سے سخت
ہوا ہے۔ مثلاً کلکتہ یونیورسٹی ہیں جہاں گورنمنٹ ۸۰ فی صدی فیلوؤں کو چننے کا اختیار نامزدگی
ے مسلمانوں کی نیابت کبھی فیلوں کے مجموعی تعداد کے ۸ فی صدی تناسب سے نہیں بڑھنے پائی
ت لارڈ مارلے اور منٹو کی اسکیم اصلاحات کے ماتحت جداگانہ نیابت دی گئی، لیکن اس
کا جو تناسب مسلمانوں کے لیے محفوظ رکھا گیا وہ بالکل بے حقیقت ہے۔ ابھی کل کی بات ہے کہ مجوزہ کلکتہ
نے خیال کیا کہ ۱۳ فی صدی میونسپل نشستوں کا عطا کرنا مسلمانوں کا جائز مطالبہ پورا کرنے کے
ے اگرچہ سرکاری اعداد ظاہر کرتے ہیں کہ مسلمان شہر کی مجموعی آبادی کے ۳۵ فی صد زیادہ ہیں۔ میں اپنی
بات کے لیے جو حاصل کرنی چاہتا ہوں، اور جس کا میں درحقیقت مستحق ہوں، گورنمنٹ کے رحم پر بیکسانہ
اعتماد نہیں رکھتا۔ کوئی چیز جو حاصل کرنے کے قابل ہے، کبھی بھیک مانگنے سے نہیں ملی۔ خواہ
ن کو کیسی ہی خوبی سے برتا جائے۔

انگریزی تاجروں کا سلوک مسلمانوں سے

ہماری جماعت میں بعض گروہ […]
جو خیال کرتے ہیں کہ انگریز مسلمانوں […]
طور پر پسند کرتے ہیں۔ اور جب معاملہ ایک ہندو اور ایک مسلمان کے درمیان ہو تو مسلمان کی اغراض کے […]
مفید ہو گا کہ معاملات کی نگرانی بجائے ہندوؤں کے انگریزوں کے ہاتھ میں رہے۔
اس دھوکے میں پڑ کر وہ کہتے ہیں کہ اگر اختیار سرکاری حکام کے ہاتھوں سے منتقل ہونے والا […]
ہے کہ وہ غیر سرکاری بودہ پینوں کے ہاتھوں میں چلا جائے۔ مسلمانوں میں جو اشخاص نیک نیتی سے یہ رائے […]
ان کو میں ایک امر واقعہ پر توجہ دلانی چاہتا ہوں۔ اینگلو انڈین جماعت میں بڑے بڑے تاجر و کارخانہ […]
ہیں۔ جن کی زیر نگرانی ہندوستان میں ہزارہا دفتر کھلے ہیں۔ ان دفتروں میں ہزارہا کلرک و اسسٹنٹ ہندوستانی […]
لیکن یہ ایک پر معنی امر ہے کہ انھوں نے مسلمان ماتحتوں کے متعلق کوئی خاص پسندیدگی عیاں نہیں کی ہے۔ بارے […]
نہیں سکتے۔ لیکن سرسری اندازہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ دو صوبوں کے اندر ان اینگلو انڈین اصحاب کے […]
ملازمین کا تناسب ایک فی صدی سے زیادہ نہیں ہے۔ ایسی صورت میں معاملات پر رائے زنی بے کار ہے۔ […]
ہمارے اینگلو انڈین دوست مسلمانوں کو ملازم رکھنے سے گھبرانے کی کوئی خاص وجوہ نہ بتائیں۔ میں اینگلو […]
اپنے ہم وطن پر خواہ وہ ہندو ہو، ترجیح دینے کے لیے تیار نہیں ہو سکتا!

سرکاری اسامیوں پر ہندو اجارہ کا خوف

اجرار سیلٹ گورنمنٹ کے متعلق […]
ایک اور اندیشہ پر غور کرنا باقی رہتا […]
جاتا ہے، کہ سیلف گورنمنٹ کے اجرار کا یہ مطلب ہو گا کہ ہندوؤں کا تمام سرکاری آسامیوں پر اجارہ قائم ہو جائے […]
ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ ان اسامیوں کی تعداد کیا ہے، جو تمام فرقوں کے ہندوستانیوں سے معمور ہیں۔ […]
رپورٹ ظاہر کرتی ہے کہ ہندوستان میں سو آدمیوں میں سے ۷۰ زراعت میں ۱۲ تجارت و کاروبار میں […]
میں اور ڈیڑھ فی صدی سرکاری ملازمت یا فوج میں کام کرتے ہیں۔ ہم فرض کرتے ہیں کہ ہندوستانیوں […]
ملازموں میں ساری آبادی کا قریباً ایک فی صدی حصہ ہو گی۔ اب فرض کیجئے کہ اگر تمام غیر مسلم ان اسامیوں […]
دیئے جائیں۔ اور ہر ایک جگہ صرف مسلمانوں کو دے دی جائے تو سرسری اندازہ ظاہر کرتا ہے، کہ پھر بھی مسلمان […]
کے ۳ فی صدی سے زیادہ حصے کو سرکاری ملازمت میں جگہیں نہ ملیں گی۔ لیکن باقی ماندہ ۹۷ فی صدی کا کیا حال ہو گا۔ […]
معاش کے لیے دیگر کاموں پر توجہ کرنی پڑے گی۔ اور اگر موزوں مواقع کام پر لگنے کے نہ ملیں گے تو انہیں […]
انتظام کرنا پڑے گا، یا بھوکا مرنا پڑے گا۔ اب اس کے مقابل کا معاملہ لیجئے، فرض کرو کہ ہر ایک آسامی […]
کے ماتحت کسی غیر مسلم کو دے دی جائے تو صرف ہماری قوم کے مجموعی تعداد کے ۲ فی صدی […]

صدی حصہ ان تمام فوائد سے بہرہ ور ہوگا جو بلاشبہ اس ملک میں سیلف گورنمنٹ کے قیام سے حاصل ہوں گے
صنعتیں فروغ پائیں گی۔ تمام حرفتوں پر ایک دفعہ پھر باکمال مسلمان کاری گروں کا اجارہ قائم ہوجائے گا۔ اور وہ
گے۔ روپے کا باہر جانا گھٹ جائے گا۔ اور وہ خوش حالی و فرحت جواب خواب کی طرح معدوم ہوگئی ہے، پھر
ئے گی۔ اور ہماری قوم کے لوگوں کو پھر خوش و خرم و مطمئن بنا دے گی۔ یہ دیوانگی سے کم نہیں ہے کہ ۳ فی صدی کے
جائے۔ اور ایک ایسی اصلاح کو رد کا جائے جس سے قوم کے باقی ماندہ ۹۷ فی صدی حصّہ کو فائدہ پہنچے گا
پر حیرت رہی ہے کہ موجودہ طریق حکومت کے ماتحت مسلمان ہی سب سے زیادہ تکلیف اُٹھا رہے
قسمتی کی بات ہے کہ ہماری قوم کے لوگ حکام کی طبیعت کے رنگ کو نہیں سمجھتے۔ ہمارے انگریزی
اور ایجی ٹیشن سے زیادہ کسی بات سے متاثر نہیں ہوتے۔ اور اخبارات اور پلیٹ فارموں کا شور و غل ان
وں کی گرج سے بھی زیادہ ہیبت رکھتا ہے۔ چونکہ مسلمان سیاسی ایجی ٹیشن کے جدید اور زیادہ کارگر
تعمال کرنے میں ہوشیار نہیں ہیں۔ اور ان کا پریس بھی کمزور ہے۔ اور پبلک پلیٹ فارم کو بھی وہ اپنی شکایات
لئے بہت کم استعمال کرتے ہیں۔ اس لئے اکثر حکام ان کے حقوق بالکل نظرانداز کر جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک مشہور
ال کی منسوخی کا ہے۔ جس میں انگریزی تدبر نے مسلمانوں کے فوائد کی حفاظت کے لیے پوری مسلمان قوم کو بالکل
بی فکرمندی کا اظہار کیا۔ چند ہی روز قبل لارڈ ڈرانلڈشے نے ڈھاکہ میں بیان کیا کہ تقسیم بنگال باشندگان
واہشوں کی تائید میں منسوخ کی گئی۔ اگرچہ ہز اکسیلنسی اچھی طرح جانتے تھے کہ مشرقی بنگال کے ۶۵ فی
جو مسلمان ہیں، تنسیخ و تقسیم کے سخت مخالف تھے۔ بالفاظ دیگر ہز ایکسیلنسی نے ۳۵ فی صدی آبادی
باشندگان کی رائے مانا۔ اور اسی ۶۵ فی صدی آدمیوں کی رائے کو جو مسلمان ہیں، ناقابل التفات سمجھا۔
بلکہ اس ان چند اینگلو انڈین حکام میں ہیں، جو مسلمانوں کے نہایت ہمدرد سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن یہی ساری
بلکہ موجودہ حالات کے ماتحت ہر ایک سرکاری حاکم خواہ وہ انگریز ہو یا ہندوستانی مطلق العنان ہے
محدود اختیار استعمال کرنے پر صرف اس کے قدرتی احساس انصاف و فرض سے کچھ قید عائد ہوتی ہے
م دل بڑنا چاہیے تو ... بات کا ڈر نہیں۔ لیکن اگر وہ اختیارات غیر محدود استعمال کی ترغیب میں مبتلا
محکوموں کو صرف بیٹھے رہنا اور مرنا پڑتا ہے۔ اس کی ایک پُرمعنی مثال اس واقعہ سے ملتی ہے جو گذشتہ
کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

فساد کلکتہ

میں صرف اختصار کے ساتھ واقعات متعلقہ فساد کا ذکر کروں گا۔ کیونکہ پورا بیان بنگال پریسیڈنسی مسلم لیگ کی طرف سے چھاپا جاچکا ہے۔ اور ایک اور بیان اُس ...جمعیت کی طرف سے مرتب کیا گیا ہے۔ جس نے واقعات متعلقہ فساد کی تحقیقات کی ہے، جیسا کہ

اب سب کو معلوم ہے کہ ۲۷ جولائی گذشتہ کے اخبار انڈین ڈیلی نیوز میں ایک مضمون نکلا تھا۔ جس کے ایک
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کا نہایت قابل اعتراض حوالہ دیا گیا تھا۔ بنگال مسلم لیگ نے اس
مذمت میں ایک رزولیوشن پاس کیا۔ اور سیکرٹری لیگ نے ایڈیٹر کو معذرت شائع کرنے کے لئے لکھا۔ گورنر
نے جس کی توجہ اس دل آزار مضمون پر منعطف کرائی گئی تھی لیگ کے اعتراض پر کوئی نوٹس لیا اور نہ ایڈیٹر نے
کی۔ اس پر مسلمانان کلکتہ نے ہندوستان بھر کے ایک نیابتی جلسے کا انتظام کیا۔ جس میں انہوں نے تمام
مشہور و معروف علمار کو بلایا۔ جلسہ اس لئے قرار دیا گیا تھا کہ گورنمنٹ کو اسلام کی مسلسل توہین روکنے کی ضرورت بتائی
۸، ۹، ۱۰، دسمبر کو اس کے منعقد ہونے کا باقاعدہ اشتہار دیا گیا تھا۔ ۲۱ اگست تک سب طرح خیریت
روز کمشنر پولیس کے احکام صادر ہوئے۔ اور انہوں نے جلسے کی بابت منتظمین سے کچھ معلومات حاصل کرنی چاہی
پہنچادی گئیں اور ۳ دسمبر کو گورنر صاحب نے متعدد مسلمان اصحاب سے مشورہ کیا۔ جن میں سے چند نے
جلسے سے روک دینے کی صلاح دی۔ منتظمین جلسہ نے گورنر سے کہا کہ اس منزل پر جلسے کا روکنا عملاً ناممکن ہے
وفد کے حاضر ہونے کی درخواست کی۔ جو اجرائے جلسہ کی اجازت کے لئے معاملات کو پیش کرے۔ وفد کو حاضری
دینے سے انکار کیا گیا۔ اور ۴ دسمبر کو گورنمنٹ نے جلسہ کو روک دیا۔ اور کمیونیک شائع کی جس میں جلسہ کو روکنے کی
بتائی گئی۔ ان میں سے بڑی وجہ یہ تھی کہ جلسہ صرف بقرعید سے ایک ہفتہ قبل ہو رہا ہے اور گورنمنٹ کو اندیشہ ہے
مسلمان اس دل آزار مضمون کا انتقام لینے میں جو ایک اینگلو انڈین اخبار میں شائع ہوا، ہندوؤں کا گلا کاٹنے کے لیے
کی چھری سے کام لیں۔ اس سے قدرتی طور پر لوگوں کا جوش بڑھ گیا۔ اور کتنے ہی مسلمانوں نے گورنمنٹ کے حکم کی
پرواہ نہ کر کے جلسے کو منعقد کرنے کا ارادہ کیا۔ ۷ دسمبر کو مجھ سے کہا گیا کہ میں اس معاملہ میں مداخلت کروں۔ اور جلسہ کو روک
کمشنر پولیس نے مجھ سے کہا کہ اگر جلسہ روک دیا جائے۔ تو وہ ہز ایکسیلنسی کی خدمت میں وفد کی حاضری کا انتظام
۸ دسمبر کو سابق اشتہار کے بموجب، کوئی جلسہ نہیں ہوا۔ اور ہم سے کہا گیا کہ ہز ایکسیلنسی گورنر دوسرے دن دو بجے
سے ملاقات کریں گے۔ دوپہر کے قریب کتنے ہی مسلمانوں نے وفد کا نتیجہ معلوم کرنے کے لیے گورنمنٹ ہاؤس
چاہا۔ ان کو پولیس نے روک دیا۔ اور پیچھے دھکیل دیا۔ اور بعد ازاں مسلمانوں کے انبوہ میں ایک بندوق کا
سے ایک آدمی جان بحق تسلیم ہوا۔ اور دو آدمی زخمی ہوئے۔ اس پر فوراً ہی فساد شروع ہو گیا۔ اور جیسا کہ ہوا
کے شریر عناصر نے، اس بدامنی میں لوٹ مار کا خوب موقعہ پایا۔ پھر فوج فوراً بلالی گئی اور مسلح پولیس کے ساتھ
کو اس کی اجازت دے دی گئی۔ کہ بندوقوں سے جس طرح چاہیں، کام لیں۔ ۱۰ ستمبر کو ایک گورا سپاہی کلکتہ کی ایک
بڑی مسجد میں بھی گھس گیا۔ اور فوج والے اس کے ذمہ دار تھے کہ بے گناہ آدمیوں پر بلا کسی اشتعال کے ایک
کیا گیا۔ انہوں نے دو مسلمانوں کو گولیاں مار کر گرا دیا۔ اور آٹھ آدمیوں کو زخمی کر دیا۔ فسادات کی وجہ سے جو نقصان جان

...یں پایا گیا۔ لیکن عوام کا اندازہ ۵۰۰ اور ۱۰۰۰ کے درمیان ٹھہرتا ہے۔ اس فساد کے متعلق دو باتیں باحتیاط ذہن
...ہیں۔ اولاً یہ اس وجہ سے نہیں ہوا کہ لوگوں نے زبانی ممانعت کے باوجود مجوزہ جلسہ منعقد کرلیا۔ اور حکم کو نہ مانا۔
...جلسہ نہیں ہوا۔ اور غالباً بعد کے دو دنوں میں بھی کوئی جلسہ نہ ہوتا۔ لوگ صرف گورنر صاحب سے انعقاد جلسہ
...دینے کے لئے التجا کر رہے تھے۔ جو ایسے اصرار کے ساتھ دریغ رکھی جا رہی تھی۔ اور جب کچھ پرجوش آدمیوں نے
...بفیصلہ سننے کے لیے گورنمنٹ ہاؤس کو جانا چاہا تو پولیس نے ان کو روک دیا۔ اور جوش میں بھرے ہوئے
...ایک بندوق کا فائر کیا گیا۔ جس سے کلکتہ کی تاریخ کا ایک نہایت افسوس ناک بلوہ پیدا کر دیا گیا۔ دوسرے جس
...ن نے جلسہ کی ممانعت کی ہم بار بار گورنمنٹ پر زور دے رہے تھے کہ ہمیں انعقاد جلسہ کی اجازت دے دی
...ہم اس امر کی ضمانت دینے کو تیار ہیں کہ ہر بات امن و امان اور قاعدے کے ساتھ ہوگی۔ مقررہ احتیاط
...کیے جائیں گے۔ اور کارروائی جلسہ کو بخوبی قابو میں رکھا جائے گا۔ آخری دن میں نے ہز ایکسیلنسی گورنر سے
...اوس ہی منٹ کے لیے لوگوں سے خطاب کرنے کی اجازت دی جائے۔ تاکہ حالت ان کو سمجھا دی جائے
...خواست کی جائے کہ گورنمنٹ کا حکم مانیں۔ اور چپ چاپ اپنے گھروں کو چلے جائیں۔ لیکن گورنمنٹ کا فیصلہ اٹل
...فیصلہ پر وہ رعب داب کی خاطر مصر تھے۔ اپنی بات پر نامناسب طریقے سے جمے رہنے کا نتیجہ ایسا نقصان جان
...ہر ایک اہل دل کو ضرور رنج و افسوس ہوگا۔ غیر سرکاری کمیشن نے جو شہادت قلم بند کی ہے، اس نے ان زیادتیوں
...ے، جن کے پولیس اور فوج والے مرتکب ہوئے۔ اور پھر بھی گورنمنٹ نے جرأت کے ساتھ ایک
...شائع کر دیا۔ جس میں اُس نے تمام عمال حکومت کو الزام سے بری کیا۔ اور فوج و پولیس کی بڑی تعریف کی۔ حال ہی
...وزیر ہند نے پبلک طور سے لارڈ رانلڈشے کے فیصلہ پر اظہار پسندیدگی کیا ہے۔ اور گورنمنٹ بنگال نے پولیس
...عمل کی جو تعریف و تحسین کی تھی اُس کی تائید کی ہے۔ ایک شخص یہ سوال کرنے پر مائل ہوتا ہے کہ ایسے معاملات
...کی رائے عام رائے سے مختلف کیوں ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے، صاحب وزیر ہند یا گورنر نے اپنی آنکھ
...سے دیکھا کہ پولیس کلکتہ کی گلیوں میں کیا کر رہی تھی۔ ہز ایکسیلنسی گورنر نے معلومات کے لیے پولیس پر انحصار کیا۔
...متوقع نہیں تھی کہ وہ اپنے بھی برخلاف کچھ لکھیں گے۔ حکام کے دستور العمل کے بموجب سرکاری ذرائع سے
...گورنر صاحب نے بطور الہام ربانی کے قبول کرلیا۔ اس کے برخلاف جو کوئی بات کی گئی، اگر وہ صریح
...واقعات کو توڑ مروڑ کر بیان کرنے پر ضرور مبنی سمجھی گئی۔ یہی طریقہ سرکاری رپورٹوں کو مان لینے کا ساری ملک
...سرکاری حکام عام لوگوں سے نہیں ملتے۔ اگرچہ وہ اسکا دعوےٰ کرتے ہیں، کہ وہ ان کے ہم وطنوں کی جبر و
...خلاف ان کے حقیقی محافظ ہیں :۔

ان یک طرفہ رپورٹوں پر اندھا دھند اعتماد کرنے کی وجہ سے

اسلامی لیڈروں کی نظر بندی

نے جو نہایت افسوس ناک اور نہایت دل دکھانے ... کی وہ نظر بندیوں کی پالیسی کی پیروی ہے۔ ہمارے بعض نہایت معزز و معتمد رہنما ایک مطلق العنان ... کے استعمال سے اپنی آزادی سے محروم کردئے گئے، جس پر سارے ملک میں جان پر رنج و غصہ کا طوفان ... ہوا مسٹر محمد علی و مسٹر شوکت علی و مولانا محمود الحسن و مولانا محمد حسین آزاد اور متعدد دیگر اشخاص کا معاملہ ہم سب کے ... میں اس وقت سخت خلش پیدا کر رہا ہے۔

خلافت اسلامیہ در اماکن مقدسہ

برادران مجھے معلوم ہے کہ میں اپنی تقریر کو پہلے ہی بہت طول ... ہوں۔ لیکن میں مسئلہ خلافت اور اماکن مقدسہ اسلامیہ کی حفاظت ... الفاظ کہے بغیر نہیں بیٹھ سکتا۔ آپ ڈاکٹر انصاری کی بحث ان مسائل پر سن چکے ہیں، جنھوں نے بکمال ان دونوں ... کے متعلق سارے مسئلوں پر ہر ایک اہم نقطہ نظر سے پورا مطالعہ کیا ہے۔ خلافت کا مسئلہ خود مسلمانوں کو غیر ... کی مداخلت کے بغیر طے کرنا چاہیئے۔ اور ہمارے مذہبی اماکن مقدسہ بھی غیر مسلم اثرات سے پاک رہنے چاہئیں ... ایسے اثرات ان کٹھ پتلیوں کی وساطت سے بھی نہ پڑنے چاہئیں۔ جو اسلام کو مانتی ہوں۔ اور جن کو نام نہاد ... اقتدار بھی حاصل ہو۔ شریف مکہ کی سرکشی نے اماکن مقدسہ عرب کے مستقبل کو خطرہ میں ڈال دیا ہے۔ ... اسلامی دنیا فکر و تشویش کے ساتھ واقعات کی رفتار کو جو شریف کے اعلان آزادی کے بعد ہوئے ہیں، دیکھ ... ہے۔ میں ان مسائل کی مزید بحث ان علمائے کرام پر چھوڑنی چاہتا ہوں، جنکو آج یہاں موجود دیکھ ... میں اس مسئلہ کے ایک خاص پہلو پر زور دینا چاہتا ہوں۔ جو شاید ہمارے حکام کی توجہ سے رہ جائے۔ خلافت ... اماکن مقدسہ سے تعلق رکھنے والے تمام مسائل مسلمانوں پر ان کے عقائد مذہبی کے نہایت اہم ... ڈالتے ہیں۔ اور ہمارے حکمرانوں نے پولیٹیکل مسائل پر قوم کے حقیقی خیالات کو غلط پیرایہ میں دکھانے کے لئے ... فرضی دعویداروں کو کھڑا کر دینے کے مشغلہ میں خواہ کیسا ہی لطف اٹھایا ہو، لیکن مذہبی معاملات کے ... اس طریقہ کا اعادہ کرنے کی کسی کوشش کے نہایت خطرناک نتائج نکلیں گے۔ ہم تاج برطانیہ کے وفادار ... وفاداری کو قربانیاں کرکے ثابت کر دکھانے کو تیار ہیں۔ مگر یہ تعلیمات اسلام کی موافقت اور اپنے احکام مذہبی کی ... کی اہم شرط کے ماتحت ہے۔ لیکن اس کے بعد دوسری قربانی کرنے میں ممکن ہے، کہ ہم تقسیم کرنے والے ... تک پہنچ جائیں۔ اور اس وقت ہمیں اپنے حکمرانوں سے یہ کہنا ہے کہ خدائی احکام اور ایک ارضی بادشاہ کے ... میں تصادم کا احتمال پیدا ہونے پر ایک سچا مسلمان اپنی جان دینے کا خطرہ اٹھا کر بھی خدائی قوانین کو ... رکھے گا۔

ی التجاء

جو درد انگیز واقعات میں نے آپکے روبرو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کو دیکھتے ہوئے فرقہ بندیوں کے تمام جھگڑے بند ہوجانے چاہئیں۔ اور ہر ایک محب وطن ہندوستانی
ں انگریز کو جو سلطنتِ انگلشیہ کا وفادار ہو، اپنا یہ فرض سمجھنا چاہیئے، کہ ان اسباب کو رفع کرنے کی کوشش
ہو آہستہ آہستہ ہندوستان کو تباہی کے غار کی طرف لیے جارہے ہیں۔ یہ ایسا وقت نہیں ہے کہ ہم اپنی قوتیں
ستوں کی تعداد کے متعلق جھگڑا کرنے میں ضائع کریں، جو کسی آئندہ اصلاحی اسکیم میں مختلف فرقوں کو ملنے
یہ بلاشبہ اہم ہیں۔ کہ تمام فرقوں کو معاملات ملک میں آواز حاصل کرنے کا ایک منصفانہ موقع دیا جائے
یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ قانونی کونسل کی نشستیں بجائے خود ایک آخری مقصد کے نہیں ہوسکتیں۔ اور ہماری
شش اُس آخری مقصد کو نہایت موزوں ذرائع حاصل کرنے کی ہونی چاہیئے۔ جو ہم سب کو مدنظر ہے۔
ملک کی کوئی قانونی خدمت نہیں کرسکتے۔ جب تک ہم چھوٹی چھوٹی باتوں کے جھگڑوں سے اپنے آپ کو بلند
اگر ضرورت ہو تو خودی کو فرض کی شاندار قربان گاہ پر نہ چڑھا دیں۔

اور حفاظت کے خیال سے بھی مسلمانانِ ہند کو دیگر فرقوں کے ساتھ اپنے اختلافات کو بھول جانا اور ان کا اتحاد
ستقبل کے کام میں حاصل کرنی چاہیئے۔ ہم اپنی نصف طاقت کھو بیٹھیں گے۔ اگر اپنی قوم کے فوائد محفوظ
ہیں۔ ہم اپنے غیر مسلم بھائیوں کو اپنا طرف دار نہ بنائیں گے۔ حال کے واقعات نے ظاہر کردیا ہے کہ غیر
خطرہ کے وقت میں ہمارا ساتھ نہیں چھوڑا۔ حال کے فسادات کلکتہ کے دوران میں ایک ہندو
تھا۔ جس میں مسلمانوں کا ساتھ دیا جنکے اپنے اخبار قانون تحفظ ہند کے سخت استعمال سے بند کردیئے
اس موقعہ پر پبلک طور پر ان خدمات کا اعتراف کرتا ہوں، جو امرت بازار پتر کا اور بھارت متر نے جو کلکتہ کی
کا ایک دیسی زبان کا پرچہ ہے۔ اور ہندو لیڈران بنگال نے جو ہمیشہ مشورہ وتائید سے ہماری مدد کرنے کو
قوم کی سرانجام دہی میں ہندو لیڈروں کی تائید اور اتحاد عمل سے ہم فسادات کلکتہ کے حالات کی تحقیقات
کمیشن قائم کرسکے۔ میں ان واقعات کو صرف یہ دکھانے کے لیے کسی قدر فخر سے بیان کرتا ہوں، کہ ہندو
ایک دوسرے کا گلا ہی نہیں کاٹتے بلکہ ایک دوسرے کو مادی امداد اور سہارا بھی دیتے ہیں۔ اپنے
یہ التماس کردوں گا کہ انگلستان اب عملی طور پر دنیا کی سب سے زیادہ قوی طاقت ہے۔ اور اقوام عالم
پر غور کرنے سے شاید انگریزوں کے دل میں نامناسب غرور اور خود بینی پیدا ہوجائے۔ ہمارے
کی خود تحقیق کرنی چاہیئے۔ اور معاملات ہند کی معلومات کے لیے صرف پولیس کی رپورٹوں اور عہدے اور
داروں کی چرب زبانی پر انحصار نہ کرنا چاہیئے۔ یہ نادان دوست جن میں سچی بات کہنے کا حوصلہ نہیں ہے
گورنمنٹ کو جھوٹا اطمینان دلاتے رہتے ہیں۔ درحقیقت برطانوی سلطنتِ ہند کے سب سے بڑے

دشمن ہیں۔ تعلیم یافتہ ہندوستانی شاید سخت نکتہ چین ہوں، لیکن تمام حالتوں میں ان کا ایک مقصد رہا ہے کہ انگریزی تاج
بنیاد کو فراخ کریں، تاکہ ہندوستان میں انگریزی حکومت کو عرصہ دراز تک قیام ہو۔ انگریزوں میں ایک طبقہ ایسا ہے
غرور یہ خیال کرتا ہے کہ ہندوستان میں انگریزی حکومت کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔ یہ ایک نہایت احمقانہ خیال ہے۔
کی سلطنت ایسی ہے، جو خاتمہ وقت تک قائم رہے گی۔ جو انسانی سلطنتیں اسی طرح پیدا اور فنا ہوں گی، جس طرح
آفرینش عالم کے وقت سے ہوتی رہی ہیں۔ یہاں دہلی میں زائل شدہ شان و شوکت کی مٹی مٹائی یادگاروں کے
کھڑے ہونے پر ایک شخص کے دل میں بے انتہا انسانی کارناموں کے نقش پر آب اور انسان کے ناچیز ہونے کا
ہوتا ہے۔ دنیا کی بعض طاقتور سلطنتوں نے یہاں اپنا اقتدار قائم کیا۔ لیکن وہ سب خواب و خیال ہو گئیں۔ لہٰذا انگلستان
انتظام ہند کو ایسی صورت دینی چاہیئے کہ جب تاریخ اس کی حکومت پر اپنا فتوٰی لکھنے لگے تو اس کو اس کی رائے
نہ ہونا پڑے۔ اس کو اپنا کام ہندوستان کی نسبت اپنی اقتصادی پالیسی کی ترمیم سے شروع کرنا چاہیئے۔ اس
آئین پر بھی نظرثانی کرنی چاہیئے۔ جابرانہ قوانین ایک زار یا ایک قیصر کے ہاتھ میں شاید کارآمد ہتھیار ہوں، مگر
حکمرانوں کے ہاتھ میں دینے کے لائق نہیں ہیں۔ پریس ایکٹ اور قانون اسلحہ فوراً منسوخ کر دینا چاہیئے۔ اور
ہند کو اس طرح کامل طور سے محو کرنا چاہیئے، کہ اس کا کوئی نشان بھی باقی نہ رہے۔ انگریزوں نے ہمیشہ اس کے
ہے، کہ حق کے لیے طاقت پر ایک کامل فتح حاصل کرنے کی خاطر انگلستان نے نہایت باعزت اور نہایت
کوشش انجام دی ہے۔ کیا انگلستان اپنی فتح کے وقت میں ہندوستان سے انتظام معاملات میں اپنی
کرنا دریغ رکھے گا۔ جن کے لیے انگلستان اس قدر خون اور روپیہ خرچ کرنے کا دعوٰی کرتا ہے۔ برطانوی
نے ہندوستانیوں کے دلوں میں ایک قدرتی فخر اور اعلٰی امیدیں پیدا کر دی ہیں۔ امید ہے کہ یہ فخر جائز
اور یہ امیدیں ہندوستان میں حقیقی سیلف گورنمنٹ کے اجراء سے پوری ہونگی۔

سب سے بڑھ کر ہمارے حکمرانوں کو تعلیم یافتہ طبقوں کو شبہ اور حقارت کی نظر سے دیکھنے کی
کر دینی چاہیئے۔ یہ کہنا ایک سخت اہانت ہے، کہ تعلیم یافتہ ہندوستانی اپنے کم خوش نصیب بھائیوں
نہیں رکھتے۔ انڈین نیشنل کانگریس اور مسلم لیگ کی رپورٹیں ان کی کافی تصدیق کرتی ہیں کہ تعلیم یافتہ
اپنے ملک کے عوام کا کتنا خیال ہے۔ یہ انسانیت اور فطرت کے خلاف ہوگا کہ اگر ہمارے پاس
تکالیف محسوس کرنے کے لئے دل نہ ہو۔ یہ ہمارے ہی گوشت و پوست خوان ہیں۔ انہیں میں
میں ہم زندہ رہتے ہیں۔ اور چلتے پھرتے ہیں۔ اور جب ہمارا زمانہ دنیوی ختم ہوتا ہے۔ تو انہیں کے
جاتے ہیں۔ جب بہار کے کاشتکاروں کے مزارعین کے جبر و تعدی سے کچلے جا رہے تھے، تو
انڈین غریب کاشتکاروں کی حمایت کے لیے وہاں پہنچا، اپنے سیلف گورنمنٹ کے مطالبہ میں ہم

ہونے کی امید رکھتے ہیں۔ یہ فطرت انسانی میں ہے۔ کہ اپنے لئے کسی قدر ترقی چاہیئے۔ اور ہم نے کبھی اس کا
ے نہیں کیا کہ ہم کسی طرح انسانوں سے بڑھ کر ہیں۔ لیکن ہمارے مطالبہ اصلاحات میں ہماری آنکھیں ہمیشہ
زیادہ بڑے میدان کی طرف رہتی ہیں۔ اور ان کروڑوں آدمیوں کی فکر رہتی ہے۔ جو دن بدن تکلیف اور بے کسی
حال میں دھنستے جاتے ہیں۔ لہٰذا ہمارے حکمرانوں کو اس کا اندیشہ نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ ہندوستانی ہاتھوں میں
ر چلے جانے سے کروڑوں بے زبان ہندوستانیوں کے لیے کوئی تباہی کی صورت پیدا ہوگی ؂

ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم

افضل الجهاد

كلمة حق

عند سلطان جائر

(ترجمہ) ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا بہترین جہاد ہے

مبلغ کلمہ حق فقیر حقیر معین الدین اجمیری کان اللہ لہ

منجانب مجلس خلافت دار الخیر اجمیر

بسعی مولوی قاری سید طاہر حسین صاحب شاہی امام عیدگاہ دہلی مولوی عبید الرحمن صاحب
پیلی بھیتی

بحسن انصرام منشی حاجی عبد الغنی صاحب

در مطبع مصطفائی واقع دہلی طبع شدہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

...کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام پر دشمنان دین کی جانب سے ہمیشہ حملے ہوتے رہے اور اسلام کی
...کو فنا کرنے کے لئے ہر ممکن ذریعہ کو کام میں لاتے رہے۔ اسلام پر کوئی صدی ایسی نہیں گزری جس میں اعدا ر
...و بلائے مشکلات نہ کیا ہو۔ اس دشمنی وعداوت میں جس قوم نے نمایاں حصہ لیا۔ وہ علمبردار عیسائیت ہے
...اپنی تمام قوتیں اسلام کے فنا کرنے پر صرف کرتی رہی لیکن اس مقصد میں آج تک کامیاب نہ ہو سکی۔
...جبروت کے سامنے اس کو بھی مثل دیگر قوموں کے گردن تسلیم خم کرنا پڑا۔ اب جب کہ اُس کا آفتاب اقبال
...کو پہنچ چکا ہے تو اس نے اسلام کے فنا کرنے کا پورا تہیہ کر لیا۔ اور یہ سمجھ لیا کہ بار بار ایسا خوشگوار زمانہ
...حقیقت عیسائیت اب اسلام سے اکتا بھی گئی ہے۔ اُس کے نزدیک اسلام کا سب سے بڑا جرم یہ ہے
...اب تک موجود کیوں ہے۔ وہ یہ خیال کرتی ہے کہ ہمارے اِس دورِ اقبال میں بھی اگر اسلام فنا کے گھاٹ
...کی قوت (خاک بدہن دشمن) بالکل زائل نہ ہوئی تو پھر اسلام کے فنا ہونے کی کیا صورت ہوگی جو خار
...آنکھوں میں کھٹک رہا ہے۔ یہ مقصد مدِ نظر رکھتے ہوئے جنگ یورپ کے خاتمہ کے بعد عیسائیت کے
...نے خلیفۂ اسلام کے سامنے وہ شرائط صلح پیش کئے جن کی رو سے خلیفۂ اسلام غلام اور برطانیہ آقا
...حرمین شریفین وارض حجاز پر شریف مکہ کے ذریعہ برطانیہ کا پہلے ہی تسلط ہو چکا تھا اور مسلمانوں سے
...انہیں کی امداد واعانت سے اُن کے مقامات مقدسہ بیت المقدس ودیگر بلاد اسلامیہ فتح کر چکی
...کے نزدیک اہم کام صرف خلافت کا خاتمہ تھا۔ اُس کو شرائطِ صلح کے ذریعہ انجام تک پہنچا دیا۔
...جہازوں و ڈریڈ ناٹوں سے محصور خلیفہ بجز اِس کے کہ اُن شرائط کو تسلیم کرے اور کیا کر

...کو حیرت ہو جائے وہ اِس تمام داستان میں یہ بات ہے کہ برطانیہ نے مسلمانوں ہی کے

ذریعہ اسلام کی قوت وشوکت کو مٹایا۔ اس بارے میں برطانیہ کسی کی اس قدر منت پذیر نہیں ہے جس
کی ہے۔ الغرض جب اسلام کی حالت قریب نزع کے پہنچی، تب اسلامی حلقہ میں ایک عام ہیجان مدافعت
وہ شرعاً مامور تھے۔ لیکن بطور اتمام حجت بسرکردگی مولوی محمد علی صاحب مسلمانوں کی جانب سے ایک
روانہ کیا گیا تاکہ وزراء انگلستان کو خلافت کی اہمیت سمجھا کر شرائط صلح میں ترمیم یا اُس کی تبدیل کرا
ترکی اقتدار بدستور برقرار رہے اور مقامات مقدسہ وجزیرۂ عرب خلیفۂ اسلام کی حمایت میں رہیں
تھا بلکہ اُس شاندار وعدہ کی یاد دہانی تھی جو اثناء جنگ میں مسلمانوں سے کیا گیا تھا کہ جزیرۂ عرب ودیگر
پورا احترام کیا جاوے گا اور جو حیثیت اُن کی قبل از جنگ ہے۔ وہی بعد میں بھی تسلیم کی جائے گی۔ ترکوں کے
محض ملکی ہے۔ اُس کو مذہب سے کوئی علاقہ نہیں" مسلمانوں کو کیا معلوم تھا کہ یورپین وعدے مطلب
اصول پر مبنی ہوتے ہیں۔ اعلیٰ بدبختی کی اس سے بڑھ کر کیا مثال ہو سکتی ہے۔ کہ مسلمان اس وعدے
اپنے خلیفہ کے بالمقابل کھڑے ہو گئے۔ جس کا نتیجہ آج یہ دنیا دیکھ رہی ہے کہ برطانیہ کا سب سے
جرمنی اپنے مقبوضات پر بدستور قائم ہے لیکن خلیفۂ اسلام اپنے اُن مقبوضات سے بھی محروم کر دیا
میں فتح ہونے سے باقی رہ گئے تھے۔ اس حساب سے عہد صلح ترکوں کے حق میں زمانہ جنگ سے
ہوا۔ یہ ہوا اُس وعدہ کا حشر جس کے منادیٔ اوّل سابق وائسرائے ہند لارڈ ہارڈنگ تھے۔ اور یہ تھی
کی رو سے مسلمان ترکی پر نزلہ گرایا گیا اور عیسائی جرمنی صاف بچا لیا گیا۔ وفد کے رکن اعظم مولوی محمد
جرأت وجسارت کے ساتھ مسلمانان ہند کی آواز کو وزرائے انگلستان تک پہنچا دیا۔ لیکن جیساکہ خیال تھا ظاہر
ناکام آیا۔ وفد کی واپسی پر حجت الٰہی قائم ہوگئی۔ اُسی وقت سے یہ سوال فضول ہوگیا کہ "کسی مسلمان نے
کیوں اپنی جان کو خطرہ میں ڈالا"، بلکہ اس سوال کا وقت آگیا کہ "مسلمان ہوکر کیوں اپنی جان ومال کو اسلام
دریغ کیا" مسلمانوں کی ہر طرح کی کمزوریوں کا لحاظ کرتے ہوئے جس میں ایمانی کمزوری بھی شامل تھی جمعیۃ علمائے
منعقدہ دہلی کا یہ فتویٰ صادر ہوا کہ برطانیہ کے ساتھ موالات ونصرت کے تمام تعلقات اور معاملات
جس کے ماتحت حسب ذیل امور بھی واجب العمل ہیں۔

(۱) خطابات اور اعزازی عہدے چھوڑ دینا (۲) کونسلوں کی ممبری سے علیحدگی اور امیدواروں کے
(۳) دشمنانِ دین کو تجارتی نفع نہ پہنچانا۔ (۴) کالجوں سکولوں میں سرکاری امداد قبول نہ کرنا۔ اور سرکاری یونیورسٹی
تعلق قائم نہ رکھنا۔ (۵) دشمنانِ دین کی فوج میں ملازمت نہ کرنا۔ اور کسی قسم کی فوجی امداد نہ پہنچانا۔ (۶)
نہ لے جانا اور وکیلوں کے لئے اُن مقدمات کی پیروی نہ کرنا

اِن سہل تجاویز ودفعات کو بھی ناقابل برداشت وہی کہہ سکتا ہے یا اس کے دل میں اس کا خطرہ

ائے اسلام کے اُس کے ذاتیات زیادہ وقیع ہیں۔ اور جو دنیوی چند روزہ معیشت کو عقبیٰ کے غیر فانی لذائذ پر ترجیح
اور جس کا قلب بمقابلہ خدائے ذوالجلال کی غیر محدود قدرت کے حکومت موجودہ کے جاہ وجلال سے زیادہ متاثر ہے
ے ان دفعات میں یقینی طور پر نہ جان کا مطالبہ ہے نہ مال کا۔ پھر بھی بعض طبائع پر یہ دفعات اس قدر گراں ہیں
یک اس سے بالاتر کوئی مصیبت اور اس سے سخت تر کوئی عذاب نہیں ہوسکتا۔ ان کا قول ہے کہ :-

ترک موالات کی دفعات کا اپنی مشکلات کے باعث کامیاب ہونا امر محال ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس
تحریک میں ہم حصہ نہیں لیتے۔ اگر اس تحریک سے وہ حصہ نکال دیا جاوے جس کی وجہ سے متعدد دشواریاں
پیدا ہوتی ہیں تو ہم بھی اس تحریک میں شرکت کرنے کے لئے آمادہ ہیں۔"

صاف صاف مطلب یہ ہے کہ :-

دنیوی وذاتی تعلقات کی فہرست میں سے ایک تعلق بھی کم کر دیا گیا تو ہم اس تحریک میں شرکت کرنے
سے معذور ہیں۔ البتہ تعلقات کے بدستور قائم رہنے پر ہم تحریک ترک موالات کا دل سے خیر مقدم
کرنے کے لئے بالکل تیار ہیں۔"

فرمایئے کہ اس میں ایثار و قربانی کیا ہوئی۔ اگر اسی کا نام قربانی وایثار ہے تو اس کے لئے آپکی کیا خصوصیت
بزدل بھی اس میں حصہ لے سکتے ہیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ اس اصول کی بنا پر آپ اپنی ہستیوں کو بزدلوں کی جماعت
سے الگ سمجھیں۔ آپ کا یہ خود ساختہ اصول اس امر کی طرف رہبری کرتا ہے۔ کہ جب تک کسی خوشگوار نتیجہ کا تیقن یا
اس پر قابل اعتماد ضمانت نہ ہو جائے کسی کام کے لئے اپنے کو تیار نہ کرنا چاہئے خواہ وہ اسلام کی خدمت ہی
ہو۔ یہ اصول خواہ کتنا ہی باضابطہ اور اُن کی نظروں میں وقیع ہو لیکن ہدایت قرآنی کے سراسر خلاف ہے۔ قرآن کریم
ہمیں مندرجہ ذیل دعا کی تعلیم دیتا ہے کہ :-

وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین

(اے ہمارے رب) تو ہمارے قدموں کو (قائم و) ثابت رکھ اور کافروں پر نصرت (وغلبہ) عطا فرما۔

مصلحت دنیوی کے اصول پر یہ دعا محض بے ضرورت وفضول ہے۔ کیونکہ اُن کے قدم پہلے ہی سے
ثابت ہیں اور اپنے مرکز ثقل سے یک سر مو بھی نہ سرکے۔ اور نہ کسی پُر خطر راہ میں انہوں نے اپنا قدم رکھا۔ ایسے
لوگوں کو یہ دعا بالکل تحصیل حاصل ہے۔ وہ حضرات ایسا کام ہی کیوں کرنے لگے جس کی بنا پر اس دعا کی
ضرورت پڑے۔ جان و مال و عزت تو بڑی چیزیں ہیں وہ دور اندیش وانجام بین ہستیاں گورنمنٹ کے خطابات اور
آنریری عہدوں کے ترک اور اس کے جلسہائے جشن و نشاط کی عدم شرکت کو جب تکلیف مالایطاق
سمجھ کر وہ کون پر خطر راہ باقی رہ گئی جس سے سلامتی کے لئے ان کو توجہ الی اللہ کی ضرورت پیش آئے ایسی حالت

میں کسی قسم کے ایثار و قربانی کی اُن سے کیا توقع ہو سکتی ہے۔ مخالفین عدم تعاون میں سے وہ حضرات ہمارے
خارج ہیں جن کو نہ اسلام کی شوکت مطلوب نہ اسلام کے موجودہ انحطاط پر کوئی افسوس نہ اپنی فطری آزادی
میں کوئی جذبہ موجود۔ البتہ جو حضرات حامیان عدم تعاون کی طرح اسلام کا سچا ولولہ اپنے دل میں رکھتے ہیں
میں اسقدر گزارش ہے کہ اگر دنیا میں کوئی ایسی مثال پیش کی جا سکتی ہے۔ کہ بغیر ایثار و قربانی کے کوئی قوم کامیاب
ہوگئی ہے تو آپ کا پُرامن مسلک تسلیم کرنے میں ہم کو کوئی عذر نہیں۔ لیکن اگر کوئی ایسی مثال نہیں پیش کی جا
یقیناً پیش نہیں کی جا سکتی تو پھر وہ کیا عذر ہے۔ جو آپ کو جمادات کی طرح بے حس و حرکت کئے ہوئے ہے۔
ہے کہ ہیجانِ مدافعت نے جہاں سودمند نتائج پیدا کئے ہیں وہاں مضر اثرات سے بھی بعض اوقات خالی
لیکن کاہلی و پست ہمتی کا نتیجہ صرف ایک رہا ہے۔ یعنے دائمی غلامی و ابدی رسوائی و خواری۔

اِن حضرات کے اس دعوے پر وثوق کرنے کے لئے ہم تیار ہیں کہ:-

"ہم کو اسلام کے ساتھ کامل ہمدردی ہے۔"

لیکن اِس کا کیا علاج کہ اُن کے شبہات عہد اقدس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے منافقین سے ملتے جلتے
مخالفین عدم تعاون کا عام طور پر یہ شبہ ہے کہ:-

"یہ تحریک (ترک موالات) جو ملک میں پھیل رہی ہے ناکام ہوئی تو پھر گورنمنٹ کی نگاہ قہر ہماری رہی سہی قوت کا
بھی خاتمہ کر دے گی اور جو حقوق اِس طویل زمانہ میں مسلمانوں کو مل چکے ہیں اُن سے قطعاً محروم کر دئے
جائیں گے۔ پھر ہمارا کہیں سہارا نہیں رہے گا۔"

یہی شبہ منافقین نے بھی عہد اقدس میں پیش کیا تھا جب کہ مسلمانوں کو یہود کے ساتھ دوستانہ تعلقات
سے ممانعت کی گئی تھی۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ:-

يَقُولُونَ نَخْشٰى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ

(منافقین) کہتے ہیں کہ (ہمارے دوستانہ تعلقات ہونے
لے ہیں کہ کہیں محمد صلعم گردش زمانہ سے اپنے ارادہ میں
اور یہود غلبہ حاصل کر لیں، اس وقت ہمارے لئے بڑی

اس کا جواب خود حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس طرح دیا ہے۔

عسى الله ان ياتى بالفتح او امر من عنده
فيصبحوا على ما اسروا فى انفسهم نادمين

پس قریب ہے کہ حق تعالیٰ فتح یا کوئی اور بات اپنی جانب
آئے کہ منافقین اپنے مخفی خیالات پر نادم ہو کر رہ جائیں

اس آیت کریمہ میں صرف ان منافقین کے شبہ کا جواب ہی نہیں ہے بلکہ حق تعالیٰ نے فتح و نصرت کی
ہے۔ کہ جس کے بعد پھر کسی مسلم کے لئے کوئی حجت باقی نہ رہنا چاہیئے۔ چنانچہ عہد حاضر میں بھی حق تعالیٰ کے اس

ے جمہور اہل اسلام نے موالاۃ نصاریٰ کے ترک کرنے کا تہیہ کر لیا جس کو فتویٰ کی صورت میں جمیعۃ علمائے ہند منعقدہ
ے (جس میں تمام اطراف ہند کے علماء شریک تھے) شائع کر کے اپنے فریضہ سے سبکدوشی حاصل کی اس سے پیشتر
ے مولانا عبد الباری صاحب فرنگی محلی علمائے ہند سے ایک فتویٰ حاصل کر چکے تھے۔ جس پر تقریباً تین سَو علماء کرام
ت تھے جس میں مسئلہ خلافت پر کافی روشنی ڈالنے کے علاوہ دفاع کفار کی فرضیت بھی واضح طور پر ثابت
ی اور نہ صرف فرض کفایہ بلکہ حالات حاضرہ کے لحاظ سے اُس کا فرض عین ہونا ثابت کیا گیا تھا۔ یہ تحریک
ے پہلے جلسہ مشائخ عظام منعقدہ ۱۱ اپریل ۱۹۱۹ء بمقام اجمیر شریف زیر صدارت عالی جناب دیوان سیّد
ین علی خان صاحب سجادہ نشین درگاہ حضرت خواجہ اجمیری قدس سرہٗ منظور ہو کر بطورِ اطلاع وائسرائے ہند
ت میں بھی گئی اور پھر حسب تجویز خلافت کانفرنس منعقدہ کلکتہ طبع ہو کر تمام ملک میں شائع ہوئی۔ عام علمائے
ے اتفاق و اجماع کے بعد باقی ماندہ علماء (جو بمقابلہ جمہور علماء کے بغایت قلیل تھے) ساکت رہے۔ اُن کی
یسے نازک وقت میں مجرمانہ خاموشی تھی کیونکہ مسئلہ خلافت اور مسئلہ دفاع کفار (جس وقت کہ اُن کا تسلط
رضین پر ہو گیا تھا) جزئی و فرعی مسائل کے شمار میں نہ تھے کہ اُن کو نظر انداز کر دیا جاتا۔ بلکہ درحقیقت یہ اسلام
ا مسئلہ تھا۔ اس کی فرضیت اُس وقت عائد ہوئی جب کہ خلیفۂ اسلام کا اقتدار سلب کر کے خلافت کی روح نکالی
سلام کو اُس کے قدیمی وطن (ارض حجاز) سے نکالنے کا فیصلہ کیا گیا۔ ایسے پُر آشوب وقت میں بھی بقیہ افراد علماء
ت کا صاف مطلب یہ تھا کہ اُن کے نزدیک اسلام کوئی قابل التفات شئی نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے حضرات
ی قابل التفات نہیں سمجھتا اس لحاظ سے اُن کا سکوت یا علیحدگی و خلوت نشینی اس عام تحریک کے حق میں
ی۔ یہی وجہ ہے کہ ساکت حضرات کو اُن کے سکوت کے ساتھ چھوڑ دیا گیا۔ اسی طرح ارباب سکوت کو بھی
ب خاطر سکوت پر قناعت کرتے جس طرح اہل حق نے اُن کے سکوت کو غنیمت سمجھا تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ
ن گروہ میں سے دو بزرگوار بول ہی اٹھے۔ بسا غنیمت ہوتا اگر وہ صرف اپنی برارت پر اقتصار کرتے یا اپنی
تسلیم کر کے حق گو حضرات کی مقتدر جماعت میں شامل ہونے کی سعی کرتے۔ اس صورت میں گو اُن کا درجہ
م ہوتا لیکن یہ ہی کیا کم تھا کہ وہ اپنی حرکتِ مذبوحی کے بدولت اہل حق میں شمار کر لئے جاتے۔ اہل حق اس قدر
ے کہ اُس کمزور جماعت کو اسلام کی صفِ آخر میں بھی جگہ نہ دیتے مگر نہ معلوم کیا خیال قائم کر کے اُن ہر دو بزرگوار
ت دلیری و جسارت کے ساتھ جمہور علماء کرام کے متفقہ فتویٰ کو اپنی کمزور تحریروں کے ذریعہ عوام کی نظروں سے
و نہ صرف مجرمانہ خاموشی سے اپنی برأت ظاہر کی بلکہ نفیر عام و صدائے حق کو بے ہنگام قرار دے کر تمام
مطعون و مورد الزام بنایا۔ قارئین کرام کو سخت حیرت ہوگی جب وہ معلوم کریںگے کہ ان میں سے ایک بزرگ
مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی ہیں اور دوسرے حضرت مولوی اشرف علی صاحب تھانوی۔ یہ دونوں بزرگوار

سلسلۂ اختلافیات میں خاص شہرت رکھتے ہیں۔ اور بعض تصانیف مفیدہ کی بدولت نظر عوام میں مقبولیت بھی
ہیں۔ چنانچہ اول الذکر مجدد المائۃ الحاضرہ کہلائے جاتے ہیں اور دوسرے صاحب حکیم الامۃ دونوں بزرگوار کی چند رسائل
باہمی ہندوستان میں ضرب المثل ہے۔ ہر ایک کی جانب سے دوسرے کی تکفیر و تضلیل تک نوبت پہنچ چکی ہے
اپنے دعوے میں سچا ہے۔ یہ ہماری موضوع بحث سے خارج ہے۔ البتہ براہِ ادب و بحکم ظنوا المومنین خیرا ہمارا
یہ ہے کہ دونوں بزرگوار اپنے اپنے دعوے میں سچے ہیں۔ ہم کو سر دست جو بات بیتاب کر رہی ہے وہ
نادرۂ روزگار محتاط و مقدس مولوی جن کے احتیاط و تقدس کی یہ شان ہو کہ محض جزئی اختلافات میں جن کی
ہوں۔ جنہوں نے فروعی مسائل میں بال کی کھال نکالی ہو اور جو معمولی مباحث میں ہندی کی چندی کرنے والے
نے محض ادنیٰ و معمولی باتوں پر احکام شرعی کی بھرمار کی ہو۔ جنہوں نے مولود شریف میں قیام و عدم قیام جیسے
پر اصولی مسئلہ جبر و قدر کی طرح موشگافیاں کی ہوں اور دریائے تحقیقات بہائے ہوں وہ خلافت جیسے عظیم الشان
(جس کے ساتھ شوکت اسلام وابستہ ہے) ایسے دم بخود ہوئے کہ گویا کبھی بولے ہی نہ تھے۔ اور جب ایک
بولے تو گورنمنٹ لگتی۔ یعنی گورنمنٹ سے نہ تعلقات قطع کرو نہ اس کے بخشے ہوئے خطابات و عہدے ترک کرو
تھا وہی بحالتِ موجودہ ہے۔ یعنے جب کہ گورنمنٹ برطانیہ نے قصر خلافت کے انہدام کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اور
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارض حجاز پر اپنا تسلط جما لیا ہے۔ گویا ان ہر دو بزرگوار کے نزدیک اسلام ایسے
خالی ہے جن کی رو سے تحفظ اسلام کیا جا سکے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ اسلام ایک ایسا قانون ہے جس
معاشرتی و تمدنی دنیا بھر کے احکام موجود ہیں لیکن خود اُس کے تحفظ کے متعلق جو سب سے زیادہ اہم ہے
نہیں ہے۔ اُن کے نزدیک اسلام جملہ نظم و نسق دینی و دنیوی کا کفیل ہے لیکن خود اپنے تحفظ و بقا کی کفالت
اسلام بغیر خلیفہ و خلافت دنیا میں باقی رہ سکتا ہے اور اپنے وطن اصلی (ارض حجاز) سے نکل کر اپنی ہستی کو
رکھ سکتا ہے تو پھر وہ کیا ضرورت تھی جس کی بنا پر حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:-

من مات ولیس فی عنقہ بیعۃ مات میتۃ جاہلیۃ — جو مرا اور اُس کی گردن میں بیعت (امام کی) نہیں ... کی موت مرا۔

اسی طرح یہ ارشاد ہے کہ:-

اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب — مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔

دوسری روایت میں ہے کہ:-

اخرجوا الیہود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب — یعنی یہود و نصاریٰ کو جزیرۂ عرب سے نکال دو۔

آج اسلام کو دونوں مصیبتوں کا سامنا ہے۔ یعنی اس کی خلافت کا خاتمہ کیا جا رہا ہے۔ جزیرہ عرب سے

ی تدابیر عمل میں لائی جارہی ہیں ۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل کا وقت آچکا ہے ۔ لیکن ہر دو
بے کرچپ سادہ جاؤ ۔ نہ شور و فغاں کرو نہ قطع معاملات کرو بدستور اپنی سابقہ روش پر چلے جاؤ ۔ ترک
تعلقات میں لفظی فرق کیا نکالا کہ تمام آیاتِ قرآنیہ واحادیث نبویہ کے جواب سے فراغت حاصل کرلی ۔ اب
کا خاتمہ ہورہا ہے ۔ ہونے دو اسلام اپنے وطن سے نکالا جارہا ہے نکل جانے دو ۔ اِن دونوں کی فقاہت
لفظ میں فرق کر دیا تو یہ سب سے بڑی فتح مسلمانوں اور اسلام کی ہوگئی ۔ اس کے بعد کسی دوسری تدبیر کی کیا
رہنے میں اگر اسی لفظی بحث پر اسلامی عقدہ حل ہوجاتا ہے ۔ تو انہوں نے صرف دو لفظوں میں فرق کیا ہے ۔ ہم
فرق بیان کرنے کے لئے تیار ہیں ۔ وہ یہ کہ نان کوآپریشن کا ترجمہ اخبارات میں چار الفاظ کے ساتھ کیا گیا
موالات وترکِ تعلقات وعدمِ تعاون وعدمِ اشتراکِ عمل حالانکہ چاروں لفظ اپنے مفہوم کے اعتبار سے
ہر لفظ کا مصداق علیحدہ علیحدہ ہے ۔ ان الفاظ کی کامل تشریح کے لئے ایک دفتر کی ضرورت ہے ۔ جس سے
اپنے موضوع بحث سے خارج ہوجائیں ورنہ ان ہر دو بزرگوار کی ضیافتِ طبع کے لئے یہ بھی کرگزرتے ۔ لیکن
یہ تمام خامہ فرسائی بے سود ہوتی ۔

جمہور علماء کرام کے دلائل وبراہین کے مقابلہ میں ہر دو بزرگوار صرف یہ لفظی بحث پیش کرسکے ۔ ان سے معمولی
حضرات پر بھی اُن کا عجز آفتاب کی طرح روشن ہوگیا ۔ اس کے علاوہ خود قانونِ اسلامی کی رو سے جمہور کے مقابلہ
نہیں ہیں ۔ اسلام اس کی ہرگز اجازت نہیں دیتا ہے کہ جمہور کے مقابلہ میں افراد کی آواز سنی جائے ورنہ شیرازہ
منتشر ہوگیا ہوتا ۔ خلافت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر جب جمہور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین متفق ہوگئے تو محض حضرت
رضی اللہ عنہ کے اختلاف رائے کو کالعدم قرار دیا گیا ۔ اگر اسلام جمہور کے مقابلہ میں افراد کی آواز کو وقعت دیتا
حق بجانب ہوتی نہ خلافت مرتضوی ۔ بلکہ اسلام کا کوئی اہم کام کسی زمانہ میں سرانجام نہ پاتا ۔ ہر زمانہ
افراد ایسے ضرور موجود ہوتے ہیں جن کی شاہراہِ عمل جمہور کی شاہراہ سے علیحدہ ہوتی ہے ۔ پس اُن کی طرف
مطلب یہ ہے کہ کوئی کام اتفاق کے ساتھ انجام نہ پائے ۔ اور اسلام ہمیشہ کے لئے نعمت اتفاق
یہی وجہ ہے کہ عامہ مومنین نے ہر دو بزرگوار کی آواز پر لبیک نہ کہا ۔ لیکن بعض حیلہ جو طبائع جو پیشتر
تلاش کررہی تھیں انہوں نے نہایت گرم جوشی کے ساتھ ان ہر دو بزرگوار کی آواز کو نہ صرف سنا بلکہ دل سے
بھی مضائقہ نہ تھا ۔ لیکن اب اس آواز کو مختلف ذرائع سے پھیلانے کی تدابیر عمل میں لائی جارہی ہیں ۔
ہر دو بزرگوار کی تحریرات پر تنقیدانہ نظر ڈالی جاوے جس کی وجہ سے ان غلط فہمیوں کا سدِ باب ہوسکے
کے پڑھنے یا سننے سے ہورہی ہیں ۔ اُسی کے ضمن میں اُن شبہات کا بھی ازالہ کردیا جاوے جو سرکاری
ہوئے ہیں اور جس کی جابجا وہ تبلیغ کرتے پھرتے ہیں یا اُس کے لئے خاص طور پر مقرر کئے گئے

ہیں۔ جناب مولوی اشرف علی صاحب براہ حزم و احتیاط کھلے میدان سامنے نہیں آئے۔ البتہ اُن کی خانقاہ
ایک تحریر بابت ترک موالات شائع ہوئی جس کے انتساب کے متعلق نفیاً واثباتاً انہوں نے کوئی حکم صادر نہیں فرمایا
سے ہم بھی براہ احتیاط اُن کی تحریر کو خانقاہی یا تھانوی کے ساتھ یاد کریں گے۔

ترک موالات اور ترک معاملات

ترک موالات نصاریٰ کا جو فتویٰ جمہور علمائے کرام نے صادر فرمایا ہے اُس کا انکار نہ بریلوی تحریر
تھانوی تحریر بر سر مقابلہ اس کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ترک موالات وہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ مخالف
کو بھی اُس میں چون و چرا کی گنجائش نہ نکلی۔ تھانوی تحریر نے ترک موالات کی لئے یہاں تک بڑھائی کہ نصاریٰ
سے بھی موالات حرام ہے جو فاسق و فاجر یا بتدع ہیں۔ چنانچہ اُس تحریر کے پہلے صفحہ میں ہے کہ:۔
"موالات کے معنی دوستی و محبت کرنے کے ہیں۔ شریعت اسلامیہ کی تعلیم یہ ہے کہ دوستی اور محبت ان
سے کرنی چاہئے جو پوری طرح شریعت کے متبع اور رسول صلعم کے مطیع ہوں اور جو لوگ خدا اور رسول
کے پوری طرح متبع اور مطیع نہ ہوں بلکہ فاسق و فاجر یا بتدع اور مشرک کافر ہوں ان سے دوستی و محبت
جائز نہیں پس ترک موالات کا حکم کفار و مشرکین ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اُن مسلمانوں سے بھی دوستی
محبت حرام ہے جو فاسق و فاجر یا بتدع وغیرہ ہوں"
بریلوی تحریر جو اشتہار کی صورت میں شائع ہوئی وہ ترکِ موالات کی تائید کرتے ہوئے یہ آیت

"قرآنِ کریم کا ارشاد ہے۔
لا تجد قوما یؤمنون باللہ والیوم الاخر یوادون
من حاد اللہ ورسولہ ولو کان اباءھم او ابناءھم
او اخوانھم او عشیرتھم۔

جسے اللہ اور قیامت پر ایمان ہے وہ اللہ اور رسول
مخالف سے دوستی نہ کرے گا اگرچہ اس کا
بھائی یا عزیز۔

بحمد اللہ تعالیٰ ہر دو بزرگوار اس امر میں متفق ہوگئے کہ موالات نصاریٰ قطعاً ناجائز اور حرام ہے
استدلالات سے ہویدا ہے۔ جمہور علمائے کرام نے بھی یہی ارشاد فرمایا تھا۔ البتہ دونوں بزرگوار موالات
کو شامل نہیں کرتے اسی وجہ سے معاملات کے متعلق دونوں کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ وہ بدستور جائز ہیں
سب سے پہلے یہ بات جان لینی چاہیئے کہ آج کل اخبارات میں ترک موالات اور عدم تعاون
ان تینوں کو واحد بتلایا جاتا ہے حالانکہ ترک موالات اور چیز ہے۔ اور ترک تعلقات اور چیز ہے

...سخت غلطی ہے۔ اس لئے جن آیات سے ترکِ موالات ثابت ہوتی ہے اُن سے ترکِ تعلقات پر
...دلال کرنا کسی طرح صحیح نہیں "

...فتویٰ بھی خانقاہی تحریر کے ہمنوا ہے۔ چنانچہ اس کا آغاز اس طرح ہے۔
...و تجرد معاملت میں زمین و آسمان کا فرق ہے "

...دریافت طلب یہ امر ہے کہ معاملات سے اگر کل معاملات مراد ہوں تو پھر کوئی فریق اثبات میں جواب دینے
...نہیں۔ بریلوی فتوے کی سنئے۔

"...مطلق ہر مال کا کہ مسلمان کے حق میں متقوم ہو۔ اور بیچنا ہر چیز کا جس میں اعانتِ حرب یا اہانتِ اسلام نہ ہو"
...مطلقاً معاملات کا جواز اس عبارت سے نکلا۔ یہ عبارت اس امر پر پوری شہادت ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ وہ
...جن میں اسلام کی اہانت یا حرب کی اعانت ہوتی ہے۔ سراسر ناجائز ہیں۔ غرض معاملات کی اجازت دینے والوں
...معاملات کی اجازت تو نہ ہوئی۔ کیونکہ انہوں نے بھی معاملات کو ایسی دو زبردست قیدوں کے ساتھ جکڑ دیا ہے
...کا دائرہ پہلے سے بھی زیادہ تنگ ہوگیا۔ فتویٰ لکھا تھا معاملات کی وسعت کی خاطر۔ ہوا یہ کہ جس قدر جمہور علمار
...میں وسعت رکھی تھی وہ بھی ہاتھ سے جاتی رہی جس کی تفصیل آئندہ آتی ہے۔ اب جمہور علمائے کرام کا
...سنئے۔

"...علمائے ہند کا یہ اجلاس کامل غور کے بعد مذہبی احکام کے مطابق اعلان کرتا ہے کہ موجودہ حالت میں گورنمنٹ
...کے ساتھ موالات اور نصرت کے تمام تعلقات اور معاملات رکھنے حرام ہیں "
...تمام معاملات کی ممانعت اس سے کہاں نکلی۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ تعلقات اور معاملات دشمنان
...اسلام ہیں جن کی رو سے خاص اُن کو تقویت حاصل ہو۔ اور اسلام اُس سے کوئی معتد بہ فائدہ حاصل نہ کر سکے
...و تعلقات جو موجب تقویت اسلام ہیں یا اسلامی ضروریات اُن سے پوری ہوتی ہیں وہ بدستور جواز کی
...گورنمنٹ برطانیہ سالانہ رقم ٹیکس کے معاوضہ میں کل انڈیا ریلوے ہندوستانیوں کو دیدے یا پیش قرار
...ہندوستان ہی ہندوستانیوں کے حوالے کر دے یا انڈیا بھر کے سالانہ مالگذاری کے بالعوض انگلستان
...کارخانے اور کل جنگی و تجارتی جہاز فروخت کر ڈالے یا کچھ رقم معین کر کے انگلستان کو ٹھیکہ پر دیدے
...جواز تسلیم کرنے میں جمعیۃ علمار ہند کو کوئی تامل نہیں۔ اور نہ اُن کی عبارت سے ایسے معاملات کی ممنوعیت
...طرح وہ معاملات بھی جائز ہیں جن کے ذریعہ اسلامی یا مسلمانوں کی ضروریات پوری ہوتی ہیں جیسے
...کر ان چیزوں سے مقاطعہ کرنا خود تحریک ترکِ موالات کا خاتمہ کر دینا ہے جس کی تبلیغ بحالت موجودہ
...ہے۔

ترکِ موالات کا ہرگز یہ منشا نہیں ہے کہ اسلامی فرائض یا اسلامی ضروریات میں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا کی
بلکہ اُس سے مقصود صرف یہ ہے کہ اگر اور کچھ نہ ہو سکے تو کم از کم دشمنان اسلام کی غلامی کا جُوا مسلمانوں کی گردن سے
اُتار دیا جائے۔ اُس کے لئے ہر ممکن ذرائع کو کام میں لانے سے دریغ نہ کریں گے اور اُس تعلق یا معاملے کو
کریں گے جس سے دشمنِ اسلام کو تقویت اور نصرت پہنچنے کا اندیشہ یا توہم ہو۔ یہ وہ زبردست حقیقت ہے کہ
مخالف حضرات کی عبارت بھی اُس کا اعتراف کر رہی ہے گو اُن کی نیت اِس کے مصادم ہو۔ تمام معاملات کی
کرام اجازت دیتے ہیں نہ مخالف طائفہ۔ رہے وہ معاملات جس میں حریف اسلام کی نصرت و اعانت ہو
طرح مخالف طائفہ مانتا ہے۔ اسی طرح علمار کرام بھی۔ پھر وہ کیا فرق ہے جس کی بنا پر جمہور علمار کرام کے
کی بنیاد قائم کی گئی اور وہ کونسا مخفی و باطنی سبب ہے جس نے دشمن اسلام گورنمنٹ کے ساتھ مقابلے کے
جمہور علمار امت محمدیہ کی مخالفت پر ان حضرات کو اُبھارا۔ اور وہ کیا اندرونی راز ہے جو حقیقی موافقت کے
اِن حضرات کو ظاہری اختلاف پر مائل کر رہا ہے۔ کیا معاملات کو صرف علمار کرام ہی نے مقید کیا ہے اور آپ نے
قیود کے ظاہر فرمایا؟ یا علمائے کرام نے بغیر کسی قید کے عدم جواز کا فتویٰ دیا اور آپ نے قیود اضافہ کئے
تو صبر آجاتا کہ فریقین میں معنوی و حقیقی اختلاف ہے اور ہر ایک سنی کے ساتھ اپنے اصول کا پابند ہے۔

ستم تو یہ ہے کہ جو علمار کرام فرماتے ہیں وہی یہ کہہ رہے ہیں لیکن اس روش سے کہتے ہیں کہ عوام کی نظر میں
جمہور کی شاہراہ سے علیحدہ معلوم ہو۔ یعنے دلیل میں دونوں متحد لیکن نتیجہ میں دونوں کے اختلاف ہے۔

برفت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بو العجبی است

مجتہد صاحب بریلوی بغیر قیود کی جکڑ بندیوں کے ایک قدم نہیں چلتے۔ ملاحظہ ہو بریلوی فتویٰ کی یہ عبارت
"دنیوی معاملت جس سے دین پر ضرر نہ ہو۔ سوا مرتدین مثل وہابیہ دیوبندیہ و امثالہم کے کسی سے ممنوع نہیں
اُس کی چند سطر بعد ارشاد ہے"

"اس کا (کافر ذمی کا) نوکر رکھنا جس میں مسلم پر اُس کا استعلار نہ ہو"
اس عبارت نے تمام سرکاری ملازمتوں کی بنیاد اکھاڑ پھینکی۔ کیونکہ آج کل ملازمت غلامی کی بدترین مثال ہے
بریلوی کی مرثیہ خوانی کے لئے یہی کیا کم ہے۔

مسئلہ الحاق مدارس و اخذ امداد کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔
"وہ الحاق و اخذ امداد اگر نہ کسی امر خلاف اسلام و مخالف شریعت سے مشروط نہ اُس کی طرف منجر تو اُس کے
جواز میں کلام نہیں ورنہ ضرور ناجائز و حرام ہو گا۔ مگر عدم جواز اس شرط یا لازم کے سبب سے ہو گا نہ بربنائے
تحریم مطلق معاملت جس کے لئے شرع میں اصلاً اصل نہیں۔"

...عدم جو آپ کے شروط وقیود کی بہار دیکھئے ۔ یہ معاملات کی بندش وروک تھام نہیں تو کیا ہے ۔ اگر علمار کرام نے
...وہ بعض معاملات کو جس میں نصرت نصاریٰ ہوتی ہے ناجائز کہا تو کیا بُرا کیا ۔ انہوں نے کب مطلق معاملت کو
...قرار دیا جس کی نسبت آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ اُس کی شرع میں کوئی اصل نہیں ۔ ان کا صرف ارشاد یہ ہے کہ
...تم تعلقات ومعاملات رکھنے حرام ہیں) کیا لفظ (نصرت) آپ کی نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے ۔ اگر یہی ہے
...کے جواب کا دوسرا طریق اختیار کرنا چاہئے وہ یہ کہ آپ ہر قسم کے تعلقات ومعاملات دشمنانِ اسلام کے
...تے ہیں حتیٰ کہ وہ معاملات بھی آپ کے نزدیک جائز ہیں جن کی رو سے اسلام کی اہانت اور جنگ میں دشمنانِ
...ہوتی ہے اب آپ کو یہ حق نہیں کہ اپنی بڑھائی ہوئی قیود کی طرف رُخ کریں جبکہ علمار کرام کی قید سے آپ اغماض
...عدم جوازِ معاملت کا الزام اگر آپ علمار کرام کو دیں گے تو کوئی وجہ نہیں کہ مطلقاً تعلقات ومعاملات کا جواز
...منسوب نہ کیا جاوے ۔ اس کا چارہ کار بجز اس کے کچھ نہیں کہ قیود کو نظر انداز نہ کیا جاوے ۔ اس صورت میں
...ے کہ آپ کا الزام غلط ثابت ہو گیا کوئی قباحت نہیں ۔ اصل یہ ہے کہ جب ناقابل انکار حقیقت کے اعتراف
...ہوے دل نہیں چاہتا ہے تو اُس کے مسخ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ۔ یا ایسے پہلو نکالے جاتے ہیں
...ت کے روشن چہرہ پر نقاب پڑ جائے ۔ مجتہد صاحب بریلوی ومولوی صاحب تھانوی اپنی پوری قوت صرف کرنے
...ت کے تعلقات ومعاملات کو جب جائز نہ بنا سکے تو مجبوراً دونوں صاحبوں کو ناجائز الزام دینے کی ضرورت
...اس کے مقابلہ مشکل تھا ۔ اوّل الذکر کی تو سُن چکے اب فاضل تھانوی صاحب کی بھی سنئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:
...موالات اور چیز ہے اور ترک تعلقات اور چیز ہے دونوں کو ایک سمجھنا سخت غلطی ہے ۔"
...علوم کس نے ایک سمجھا ہے جس کے ابطال کی ضرورت پیش آئی ۔ یا بیٹھے بٹھائے آپ کے دماغ میں ایک
...اس کا رد لکھنا شروع کر دیا ۔ یوں ہے تو اختراع کرتے جایئے اور رد لکھتے جایئے کوئی آپ سے ہُوں بھی نہ کریگا ۔
...جو طور پر ارشاد فرماتے ہیں کہ بعض وہ معاملات وتعلقات جو موالات کے تحت میں ہیں اور جن کے قائم و
...دشمن اسلام کو تائید ونصرت ہوتی ہے وہ قابل ترک ہیں ۔ کجا یہ بات اور کجا یہ کہ ترک موالات و ترک تعلقات
...سبحان اللہ ۔

...کث نے اس نتیجہ تک ضرور پہنچا دیا کہ نفس معاملات کے جواز میں کسی کو کلام نہیں ۔ اسی پر تعلقات کو قیاس کیجئے
...برطانیہ ہندوستانیوں کے ساتھ مساویانہ تعلقات کی آمادگی ظاہر کرے تو ایسا کون سنگدل ہندوستانی
...تسلیم وقبول نہ کرے ۔ علمار کرام بھی اس کو ناجائز قرار نہیں دیتے ۔ البتہ اب وہ ایسے تعلقات کو کسی طرح
...جن کی رو سے گورنمنٹ برطانیہ ہمیشہ کے لئے آقا قرار پائے اور ہندوستانیوں کی گردن میں غلامی
...جبکہ یہ گورنمنٹ مذہبی حیات کو ٹھیس لگا چکی اور اسلام کو اس کے وطن سے اخراج پر کمربستہ ہو چکی اور

قصر خلافت کے انہدام کرنے میں نمایاں حصہ لے چکی مذہبی معاملات میں مداخلت کرنے پر آمادہ ہوگئی تو ایسی
ساتھ نیاز مندانہ و غلامانہ تعلقات کو وہی شخص جائز بتا سکتا ہے جو مذہبی غیرت وحمیت نہیں رکھتا یا حکومت
سے اس قدر مرعوب و متاثر ہے کہ جو دل میں ہے وہ زبان پر نہیں لا سکتا۔ درحقیقت ایسے لوگوں کے لئے
ہے جب کہ وہ غلامی کی حد سے نکل کر عبودیت کی حد میں آگئے۔ اور حکومت کو آقا کے بجائے اپنا خدا تسلیم کر لیا
ایسے حضرات قطعاً ہماری بحث سے خارج ہیں۔ ہمارا خطاب صرف اُن حضرات سے ہے جو ہر قسم کے
نہ کہنے پر بھی ہم سے اختلاف رکھتے ہیں۔ ہم میں اُن میں بجز اس کے کوئی حد فاصل نہیں کہ ہم نے بعض ناجائز تعلقات
کردی اور وہ تعیین نہیں کرتے ورنہ بعض معاملات کو وہ بھی ناجائز تسلیم کرتے ہیں اور تمام معاملات کے
بھی فتویٰ نہیں دیتے۔ قارئین کرام کو حیرانی ہوگی کہ جب اصولاً دونوں فریق متحد ہیں تو پھر یہ پھیڑ چھاڑ کیسی
تسلیم کرتے ہوئے فروع میں نزاع کیسا۔ خانقاہی تحریر اس حیرت کا اس طرح خاتمہ کرتی ہے۔

”میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ ترک موالات اور چیز ہے اور ترک تعلقات اور چیز ہے اگر یہ دونوں ایک
مان لئے جاویں تو لازم آوے گا کہ فاسق و فاجر اور بتندرع مسلمانوں سے بھی بیع و شراء اور لین دین
وغیرہ ناجائز ہو جاویں“

لیجئے فاضل تھانوی نے اپنا مدعا ظاہر کر دیا۔ وہ یہ کہ گورنمنٹ برطانیہ کو تجارتی نفع پہنچانے سے
دریغ کیا جا رہا ہے اور اگر گورنمنٹ سے تجارتی مقاطعہ کرتے ہو تو پھر فاسق مسلمانوں سے بھی کرو۔ فاضل
اس بات سے نعل در آتش ہیں۔ حق کی ہیبت کی وجہ سے وہ اتنے تو نہیں کھلے جس قدر کہ اُن کے حریف
تھانوی صاحب کھل پڑے لیکن اشارہ کنایہ میں سب کچھ وہ کہہ گئے۔ جو فاضل تھانوی کا مدعا ہے اور جس
عوام اُسی نتیجہ پر پہنچیں گے جس کی صراحت فاضل تھانوی نے کر دی۔

بریلوی اشتہاری تحریر میں ہے۔

”جدید معاملت مثل نوکری وغیرہ مسلم سے ہو یا کافر سے بشرطیکہ مرتد نہ ہو اس میں سے جو حرام ہے
سے حرام تھی اور جو حلال ہے اب بھی حلال ہے۔ حلال کا فعل فی نفسہ شرعاً واجب نہیں“

مطلب یہ کہ گورنمنٹ کے ساتھ تجارتی تعلقات اب بھی جائز ہیں کیونکہ پہلے بھی جائز تھے اور جو چیز
ہو جاتی ہے وہ ہمیشہ جائز رہتی ہے۔ حرام لغیرہ کی بحث کو نظر انداز اس وجہ سے کیا گیا تاکہ حق پوشی کی
کہیں منہدم نہ ہو جائے۔

فاضل تھانوی بھی اسی اصول کو کام میں لائے ہیں جو بریلوی اشتہاری تحریر میں ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:
”مسئلہ موالات میں اُن چیزوں کو جو فی نفسہ مباح ہوں داخل کر کے حرام کہنا کسی طرح صحیح نہیں“

ر تجارتی تعلق خواہ وہ کسی سے ہو جب کہ فی نفسہ مباح ہے تو وہ حرام نہیں ہو سکتا۔ اَب اِن حضرات سے
تجارتی تعلقات آپ کے نزدیک جائز تھے تو اس قدر پیچ در پیچ عبارتوں میں بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی
موالات اور ترک تعلقات کے فرق پر زور دیا۔ ثانیاً علمار کرام پر یہ الزام قائم کیا کہ وہ مطلقاً معاملات کو
ہیں۔ ان کو چاہیے تھا کہ صاف لفظوں میں اس کا اظہار کر دیتے کہ ہم کو علمار کرام کی اس تجویز سے کہ:۔

”...ان کو نفع نہ پہنچانا“

نہیں بات ختم ہو جاتی اور اس قدر طومار لکھنے کی نہ اُن کو ضرورت پیش آتی نہ ہم کو۔
اس صورت میں حق واضح ہونے کا قوی اندیشہ تھا۔ اور ادھر یہ خوف دامنگیر کہ ایسے صریح باطل قول کو
قوم تک ٹھکرا دیں گے اس وجہ سے متعدد بے سروپا الزامات اور بے محل فقہی اصول و لفظی بحث کے خلاف
مکنون خاطر ظاہر کیا گیا۔ بہر حال یہ معلوم ہو گیا کہ اختلاف صرف اس میں ہے کہ علمار کرام دشمنِ اسلام
فائدہ پہنچانا گناہ عظیم جانتے ہیں اور اسی وجہ سے اُس کی حرمت پر فتوے دینے میں اُن کو تامل نہ ہوا۔
گوارا انہیں کوئی قباحت نہیں دیکھتے غالباً اس وجہ سے کہ انگریزوں کے ساتھ بیع و شرا و لین دین میں اُن کا
نہیں صرف اسلام کو ضرر پہنچتا ہے۔ اس سے چنداں بحث نہیں یا شاید یہ بات ہو کہ اِن حضرات نے تجارتی
کے حق میں مضر ہی نہیں سمجھا ہے۔ پہلی صورت میں تمام گفتگو کا خاتمہ اُن کی نیت و عقیدہ پر ہو جاتا ہے۔ ایسی
ہوئے لکم دینکم ولی دین کے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ دوسری صورت البتہ قابل لحاظ ہے۔ اس
بزرگواروں سے اس قدر گزارش ہے کہ آجکل تمام یورپین سلطنتیں تجارتی اصول پر قائم ہیں اور اُن کو
تجارت کی وجہ سے ہے۔ گورنمنٹ برطانیہ نے تجارت کی بدولت ہندوستان میں اپنے قدم جمائے۔
حکومت کے مقابلہ میں تجارت کوئی چیز نہ تھی۔ لیکن آج حکومت کو اگر تجارت سے علیحدہ کر لیا جاوے
قالب بے روح کی طرح رہ جائے گی خصوصاً اہل یورپ کہ اُن کی زندگی بھی بدون تجارت مشکل ہے۔ حکومت
وہ اپنی حیرت انگیز ایجادات و اختراعات کی بدولت تقریباً تمام کرۂ ارض پر چھائے ہوئے اور
ایشیا تک پر حکومت کر رہے ہیں۔ ورنہ سرزمین یورپ وہ سنگلاخ و ریگستانی زمین ہے جہاں نہ سوائے چاول
پیدا ہوتا ہے نہ مختلف اقسام کے پھل اور میوے۔ ایسے ملک میں اگر ہندوستان یا ایشیا کے دیگر علاقوں
رسد نہ جائے تو اُن کو دن میں تارے نظر آجائیں۔ اس وجہ سے انھوں نے ہندوستان کے ساتھ
اس طرح بنیاد ڈالی۔ کہ خام سامان ارزاں خرید کر ہندوستان سے لے جائیں اور اُن کی صورت بدل کر
پھر یہاں فروخت کر دیں۔ اس کے نفع سے ہندوستانی غلہ کے بے شمار انبار انگلستان کے بھینٹ
جو پس انداز ہو اور ضرور ہے کہ بہت افراط کے ساتھ پس انداز ہو وہ اُن کی ذاتی ضروریات و مصارف

جنگ وغیرہ میں کام آتا ہے ۔جس سے سلطنت روز بروز مستحکم ہوتی جاتی ہے ۔یہ باتیں پہلے زمانہ میں کہاں تھیں
کا لحاظ کرتے ہوئے ایسی حالت میں جبکہ موجودہ حکومت اسلام کے استیصال پر کمربستہ ہو چکی ہے خیرخواہانِ ملک و
نے اُس چیز کا سدباب کرنا چاہا جو موجودہ حکومت کو مضبوط کر رہی ہے ۔ اور وہ تجارت سے بڑھ کر کوئی چیز
یہ ہے تو ہم کو زیادہ وردسری کی ضرورت نہیں خود بریلوی فتوٰی کی عبارت علمار کرام کی تائید میں پیش قدمی کر

"بیچنا ہر جائز چیز کا جس میں اعانتِ حرب یا اہانت اسلام نہ ہو"

فرمائیے ایسی دشمنِ اسلام گورنمنٹ کے ہاتھ جو تخت خلافت الٹ رہی ہے ۔ غلہ وسامانِ رسد فروخت کرنا
یا اہانتِ اسلام ہے یا نہیں ۔ اور اُس کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم رکھنا اس کی نصرت و امداد ہے یا نہیں ۔ اگر
و امداد ہے تو الحمدللہ آپ ہی حضرات کے فتاوٰے سے مدعائے علمار کرام پورا ہو گیا ۔ اور آپ کی تمام
اکارت گئی ۔

قل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا
حق آیا اور باطل رخصت ہوا ۔ بے شک باطل
کی ہی چیز ہے ۔

فاضل تھانوی موجودہ حالت کو پچھلے زمانہ کے حالات پر قیاس فرما کر تجارتی لین دین کے لئے حکم جواز
اس بارے میں متعدد نظائر عہدِ اقدس کے پیش کئے ہیں کہ دیکھو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں
لین دین کی اور فلاں نے فلاں سے اس وجہ سے اب بھی یہی حکم ہونا چاہیئے اور اس پر اُن کو سخت حیرت
کہ اگر ترک موالات کا یہی مقتضا ہے تو پھر ہندوؤں اور فاسق مسلمانوں سے بھی تعلقات لین دین وغیرہ حرام ہو
پھر اپنے بیان کو زوردار بنانے کی خاطر خود بخود ایک شبہ وارد فرما کر شاندار جواب دیتے ہیں ۔چنانچہ لکھتے ہیں ۔

"اب اگر کوئی یہ دعوےٰ کرے کہ کفار مکہ کے ساتھ ترک تعلقات واجب نہ تھا اور دوسرے کفار کے ساتھ
واجب ہے تو اس کو اس فرق کی وجہ بیان کرنی چاہیئے ۔ کفار مکہ کعبہ میں نماز پڑھنے سے مسلمانوں کو
روکتے تھے ۔ اسلام لانے پر مسلمانوں کو ایذائیں سخت سخت دیتے تھے ۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
کی مذمت بے انتہا کرتے تھے آپ کی شان میں بے ہودہ کلمات استعمال کرتے تھے ۔ قرآن کے
ساتھ بے ادبی اور تمسخر کرتے تھے ان سب باتوں کے باوجود بھی جب مسلمانوں کو اُن کے ساتھ ترک
تعلقات کا حکم نہ ہوا تو جو حکومت مسلمانوں کو اُن کے مذہبی شعائر میں پوری آزادی دیتی ہے ۔ اُن کے جان
و مال و آبرو کی محافظ ہے ۔ قرآن اور رسول کی بے حرمتی کو قانوناً جرم قرار دیتی ہے ۔ بیت اللہ و
بیت الرسول کی زیارت سے نہیں روکتی ۔ اُس کے ساتھ ترک تعلقات کیسے واجب ہو سکتا ہے ۔
گورنمنٹ برطانیہ کی جو کچھ مولوی صاحب نے مدح سرائی کی اُس کے متعلق تو ہم کچھ نہیں کہتے دنیا کا قاعدہ

...کوجس کے ساتھ محبت ہوتی ہے وہ اُس کا ہی ذکر خیر کیا کرتا ہے۔ بحکم من احب شیئاً اکثر ذکرہ۔ لیکن
...ے عہد اقدس کے جن تعلقات و معاملات کا مولوی صاحب نے ذکر فرمایا ہے کیا اُن سے دشمنانِ دین
...ت اعانت ہوتی تھی۔ کیا ان معاملات کے ذریعہ مسلمانوں سے بڑھ کر اُن کو کوئی نفع پہنچتا تھا یا وہ اس تجارتی منافع
...قوت کی طرح مصارف جنگ میں لگاتے تھے۔ اس کا جواب اثبات میں دینے کے لئے علاوہ
...کے کسی قدر شوخ چشمی کی بھی ضرورت ہے جس سے جناب مولوی صاحب جیسے مقدس شخص کا دامن
...پاک ہونا چاہیے۔ لیکن اگر وہ ہمت وجرأت کرکے اثبات میں جواب دینے کے لئے تیار ہو جاویں تو خود وہ عبارت
...م وے دیگی جو صفحہ ۱۰ میں اُن کے قلم سے نکل گئی کہ :-

"...فتنہ کے زمانہ میں اہل فتنہ کے ہاتھ بیع سلاح سے فقہاء نے منع کیا ہے"

...یوں منع فرمایا ہے اسی وجہ سے کہ اِس معاملہ سے اہل حرب کی اعانت ہوتی ہے۔

...یہاں مولوی صاحب کا وہ قاعدہ بھی رخصت ہوا کہ :-

"...جو چیزیں فی نفسہ مباح ہوں اُن کا حرام کہنا صحیح نہیں"

...لئے ہتھیار فروشی فی نفسہ جائز امر ہے لیکن فتنہ کے زمانہ میں وہی امر جائز ناجائز ہوگیا۔ مولوی صاحب کو
...ہے کہ وہ کسی کی نہ سنیں۔ لیکن اُس عبارت کو نہیں بدل سکتے جو ہمارے مفید مطلب اُن کے قلم سے نکل
...الغرض بہت ممکن ہے کہ وہ رجوع الی الحق کا حیلہ کرکے اپنی تحریر سے پھر جائیں لیکن مصیبت یہ ہے کہ
...کی گلو خلاصی مشکل نظر آتی ہے۔ کیونکہ اب مولوی صاحب کے ذمہ یہ فرض عائد ہوگا کہ وہ عہد اقدس
...تعلقات و معاملات کو نصرت کے تعلقات و معاملات ثابت کریں ورنہ نفس معاملات کفار کی کوئی سند
...پیش کر دینے سے کیا عقد کشائی ہو سکتی ہے۔ جب کہ خود علمائے کرام بھی اُس کے مجوز ہیں۔ اُس کے لئے
...دفتر اور طومار لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ کاش مولوی صاحب براہ راست علمائے کرام ہی سے دریافت فرما
...لیتے نہایت آسانی سے عقدہ حاصل ہوگیا ہوتا اور اس قدر زحمت برداشت کرنا نہ پڑتی۔ اور سچ پوچھو تو اس
...کی سرے سے ضرورت نہ تھی جبکہ علمائے کرام نے قید (نصرت) کا اضافہ فرما دیا تھا اور اُس قید
...سے نفس معاملت کفار کے جواز کی طرف اشارہ فرما دیا تھا۔

...اگر اب بھی فاضل تھانوی اپنی غلطی کا اعتراف نہ فرماویں اور یہ شبہ بصورت دلیل پیش فرمائیں کہ معاملت
...کا ثبوت دے دیا گیا تو اُس میں ہر قسم کے معاملات آگئے خواہ اُس میں دشمن اسلام کو تقویت و نصرت
...ہو اور پھر خواہ دشمنان اسلام مسلمانوں کو پیس ڈالیں۔ یا اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کا تہیہ کر لیں لیکن
...کوئی معاملہ کسی حالت میں ناجائز نہ ہوگا۔ گو کہ ترک معاملتِ کفار اسلام و مسلمانوں کو مفید ہی کیوں

نہ ہو ایسی صورت میں فاضل تھانوی تو مرفوع القلم ہو جائیں گے۔ لیکن اُن کی مسلمہ دمصدقہ ترک موالات ...
طرح وہ چیز ہوگی جس کا نشان ہستی بجز فاضل تھانوی کے دماغ کے کہیں نہ ملے گا۔ اور موجود ہونے کی صورت میں ...
ہستی اُس کی نیتی کے ساتھ مساوات کا دعوے کرے گی۔ فاضل تھانوی کا تواب بھی کچھ نہیں بگڑتا لیکن ...
کی ضرور توہین ہوتی ہے کیونکہ کفار خصوصاً دشمنان اسلام سے موالات ترک کرنا ایک اسلامی حکم ہے ...
ضرور نتیجہ خیز ہونا چاہئے۔ فاضل تھانوی کے مسلک پر یہ محض ایک بے نتیجہ خیز ہے جس کا حاصل بجز اس ...
نہیں کہ دشمنانِ اسلام کی محبت کو دل میں جگہ نہ دو۔ باقی تمام تعلقات و روابط اُن کے ساتھ جائز ہیں ...
تعلقات کی بدولت اُن کو قوت اور مسلمانوں کو ہلاکت ہو۔ انا لِلّٰہ و انا الیہ راجعون۔

ہمارا ترک موالات کے ساتھ یہ عقیدہ ہے کہ وہ ایک نتیجہ خیز اسلامی حکم ہے۔ جب کسی دشمن اسلام ...
کے ترک کا حکم دیا گیا تو اس کا یہ مقصد ہونا چاہئے کہ اگر کسی وجہ سے اُس کو مقہور و زیر نگین کر سکنے کی قوت ...
تو کم از کم دل میں ضرور جذبۂ انتقام موجود ہو اور تا بحد امکان دشمنِ اسلام کی مغلوبیت و مقہوریت کے ...
پہنچاتے جاویں اور ہر ممکن ذرائع سے اسلام کو تقویت دینے اور اس کی نصرت میں کوتاہی نہ کی جائے ...
معاملات میں اس امر کا پورا لحاظ رکھا جائے کہ کہیں اُس کے ذریعہ دشمن اسلام کو تقویت و نصرت ...
ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو پھر موالات کفار کا ترک محض بے سود اور ایک بے اثر چیز ہے جس کے ...
سے آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ وارد ہونے کی ضرورت نہیں جب کہ وہ اسلام کے حق میں کسی طرح مفید نہیں۔ ...
معاملتِ کفار کو ضرور جائز رکھتا ہے لیکن اندھا دھند ہر معاملہ کا اختیار بھی نہیں دیتا اور ایک مکمل ...
کے لئے یہی شایان شان ہے۔ اِس پختہ اصول کی رو سے قدرتی طور پر تعلقات و معاملات کی تین قسمیں ...
اوّل وہ معاملہ جس کے ذریعہ اسلام کے ضروریات اور فرائض پورے ہوتے ہیں گو اُس میں کسی قدر کفار ...
ہو جاتا ہے۔ دوم وہ معاملتِ کفار یا تعلق جن کی رو سے اسلام کو تقویت پہنچے یا کم از کم وہ اسلام کے حق ...
مفید ہو نہ مضر۔ سوم وہ معاملات و روابط ہیں جو اسلام کے حق میں مضر یا موجب اہانت ہیں اور کفار کے ...
یا باعثِ اعزاز۔ عقل کے ساتھ اسلام بھی اس کا فتوے دیتا ہے کہ آخر الذکر بالکل نا جائز و حرام اور دو اول ...
جائز ہیں بلکہ بعض خاص حالات میں اُن تعلقات کا قائم رکھنا ضروری ہے۔ فاضل تھانوی نے جد اللہ ...
جو نظائر پیش کی ہیں وہ تمام تر پہلی یا دوسری قسم میں داخل ہیں جس سے کسی کو انکار نہیں۔ فاضل تھانوی کی ...
ملاحظہ ہو کہ وہ مقاطعۂ قریش کو اپنی سند میں پیش کر بیٹھے کہ جس نے بالکل اُنکا راز فاش کر دیا۔ کہ جد اللہ ...
معاملات ضرورت کی بنا پر تھے۔ اُس وقت مسلمانوں کو ضرورت تھی کہ قریش کے ساتھ لین دین کریں کیونکہ مسلمان ...
قلیل تھے اور بمشکل انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے۔ یہی تو وہ وجہ تھی کہ قریش نے مسلمانوں کی ایذا رسانی کے لئے ...

...یا۔ بھلا اس سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کیونکر خوش ہوتے اور اُن کے حربہ کو اپنے پر چلانے کی کس ... اجازت عطا فرماتے۔

... اس وقت اسلام کے حق میں معاملت کفار مفید تھی۔ ٘س کی اجازت دی گئی۔ آج بعض معاملات کا ترک مفید ... وجہ سے اُس کی طرف ہدایت کی جاتی ہے۔ مقصود تحفظ و تسلطِ اسلام ہے خواہ وہ کسی صورت سے ہو۔ جو ... جس زمانہ کے مطابق مفید اسلام ہو گئی وہی اختیار کی جائے گی۔ جس کی اجازت پورے طور سے اسلام نے ... دی ہے۔ دیکھئے اسلام کو جب خود ضرورت مقاطعہ کی پیش آئی تو اُس کی بھی اجازت دے دی گئی چنانچہ شمس الائمہ ... اپنی کتاب مبسوط ابواب السیر میں ثمامۃ بن اثال حنفی کا واقعہ اس طرح لکھتے ہیں کہ:-

... ان ثمامۃ بن اثال الحنفی سید
... یمامۃ اسرہ اصحاب
... اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و
... بساریۃ المسجد فخرج
... اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و
... ورائک یا ثمامۃ فقال ان
... عاقبت ذا ذنب وان مننت
... علی شاکر وان اردت
... الفداء من المال ما شئت
... علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
... بشرط ان ینقطع المیرۃ عن
... مکۃ ففعل ذلک حتی قحطوا

اہل یمامہ کے سردار ثمامۃ بن اثال حنفی کا واقعہ اس طرح مروی ہے کہ اُن کو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرفتار کر کے مسجد (نبوی) کے (ایک) ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم (جب ثمامہ کے پاس) تشریف لائے تو ارشاد فرمایا کہ اے ثمامہ کس حال میں ہو۔ ثمامہ نے جواب دیا کہ اگر آپ مجھ کو سزا دیں تو ایک مجرم کو سزا دیں گے اور اگر مجھ پر احسان کریں تو یہ احسان ایک شکر گزار پر ہوگا۔ اور اگر مال کا ارادہ کریں تو جس قدر مال چاہیں مجھ سے لیں۔ (حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے ان تین صورتوں میں سے ایک صورت اختیار کی اور وہ یہ کہ) ثامہ پر احسان کیا لیکن اس شرط سے کہ اہل مکہ (کفار قریش) کا غلہ بند کر دے۔ چنانچہ ثامہ نے ایسا ہی کیا حتیٰ کہ قریش قحط سالی میں مبتلا ہو گئے۔

... دیکھئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہاں مقاطعت (بائیکاٹ) کا حکم فرما رہے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ اس ... کفار کے زیر کرنے کے لئے مقاطعت مفید تھی چنانچہ اس کا حکم دیا گیا اور قبل ہجرت مسلمانوں کی انتہائی قلت ... کی وجہ سے یہی مقاطعت کفار کے حق میں سود مند اور مسلمانوں کے لئے مضر تھی اس وجہ سے ناراضگی کا اظہار فرمایا گیا ... پھر جب قریش قحط سے مجبور و نالاں ہو کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فریاد رسی کے خواہاں ... ہوئے اور نہایت عاجزی اور زاری کے ساتھ التجا کی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی درخواست منظور

فرمایا کر ثمامہ کو تحریر فرما دیا کہ اب غلہ بند نہ کیا جائے یہ پچھلا واقعہ حسب بیان فاضل تھانوی - سیرۃ ابن ہشام لیکن فاضل تھانوی نہ معلوم کس مصلحت سے اس واقعہ کے پہلے حصہ کو حذف کر گئے ۔ بہت ممکن ہے شمس الائمہ سرخسی کی اِس عبارت پر ان کی نظر نہ پہنچی ہو - فاضل تھانوی نے اس واقعہ کے "پچھلے حصہ یہ نتیجہ اخذ کیا تھا - کہ دیکھو غلبہ کی صورت میں بھی تجارتی تعلقات قائم رکھے گئے - ہم کہتے ہیں کہ اگر قریش کی طرح مجبور ہو کر دادرسی چاہیں گے جس طرح کفار قریش نے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی فریاد کی تھی تو ہم بھی اُس وقت حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے انگریزوں سے تجارتی قائم کر لیں گے ۔ اس وقت تو ہم وہی کریں گے جو پہلی مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے ساتھ اور جس طرح حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مقاطعت کے ہتھیار سے قریش کو مغلوب کیا ہم بھی حضور ہیں دشمن کے مقابلے میں مقاطعت کا ہتھیار لے کر کھڑے ہوئے ہیں - آپ منع کرنے والے کون!

فاضل تھانوی نے غلبہ و مغلوبیت دونوں حالتوں میں معاملتِ کفار کے متعلق مختلف نظائر واستدلال کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ :-

"کفار کی ملازمت اور بیع شراء اور لین دین کے تعلقات ہر حالت میں درست ہیں مغلوبیت اور غلبہ کی صورت میں بھی"

لیکن ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ ایک تیسری صورت بھی ہے - اور وہ یہ کہ دشمن اسلام کو زیر کرنے قوت کو منتشر و پراگندہ کرنے کی غرض سے ترک معاملت کی بنیاد ڈالی جائے - ثمامہ کے واقعہ کا پہلا حصہ میں داخل ہے - فاضل تھانوی نے دو صورتیں ذکر کیں - لیکن تیسری صورت کے حذف ہی میں اُن کا فائدہ وجہ سے حذف کر گئے - اگر غور کیا جائے تو ان نصوص شرعیہ کے علاوہ خود عقل کا بھی یہی اقتضا ہے کہ دشمن کے تعلقات میں احتیاط برتی جائے اور جیسا موقع پیش آئے ویسا ہی اُس کے ساتھ سلوک کیا جائے - جب مغلوب و عاجز ہو کر ہمارے سامنے اپنی کوئی التجا پیش کرے تو اس کو منظور کر لینا چاہیے بشرطیکہ اپنا کوئی ہو اُس کے غلبہ کی حالت میں جب کہ ترکِ معاملت اپنے حق میں مضر ہو تو کسی نہ کسی صورت سے بنیاد ڈال دینے میں کوتاہی نہ کرنا چاہیئے - لیکن جس صورت میں بجز ترکِ معاملت کوئی چارۂ کار نہ ہو کرنے میں اس کو بھی دخل ہو تو پھر مثل دیگر ہتھیاروں کے اس ہتھیار کا بھی استعمال جائز ہے - خدا کے شان ہے کہ عہد اقدس میں تینوں صورتیں واقع ہو گئیں اور ہر صورت کے مناسب جو حکم ہونا چاہیے بارگاہِ نبوی سے صادر ہو چکا - دین اسلام ایک ایسا مکمل قانون ہے جس کو دنیا میں قیامت ہے - ایسے دین کے لئے ضرور تھا کہ مختلف زمانوں میں مختلف حالات سے اس کو سابقہ پڑتا - اور

ات کے مناسب ہوتے اس وجہ سے خدا نے قیوم نے ایسی جامع الکمالات ذات کو مبعوث فرمایا
عہد اقدس میں وہ تمام صورتیں ظہور پذیر ہوگئیں جو قیامت تک ہونے والی تھیں۔ فاضل تھانوی اسی
میں کہ حالت موجودہ کی کوئی نظیر ہی عہد اقدس میں نہیں ہے۔ جبھی تو انہوں نے یہ ارشاد فرما کر (کہ
میں معاملت کفار جائز ہے) سب وہاں بائیس پسیری کی مثل سچ کر دکھائی"۔

تھانوی کی طرح فاضل بریلوی جادۂ اعتدال سے زیادہ نہ ہٹے اور اس خیال سے کہ کہیں گرفت" نہ ہو
موقع قیود بڑھائے گئے انہوں نے فاضل تھانوی کی طرح مطلق العنان ہونے کو پسند نہ فرمایا
اگرچہ یہ تمام اسناد و نظائر تھے لیکن ساتھ اُس کے یہ سمجھتے تھے کہ یہ تمام اسناد و نظائر بے کار ہیں اس
انہوں نے الزام کی صورت میں (جو نظرِ عوام میں زیادہ وقیع ہو سکتی تھی۔) اظہار مدعا کو زیادہ مفید
بریلوی فتوی میں ارشاد فرماتے ہیں۔

تحریم مطلق معاملت جس کے لئے شرع میں اصلا اصل نہیں اور خود ان مانعین کا طرز عمل اُن
کاذب دعوے پر شاہد۔ ریل، تار، ڈاک سے تمتع کیا معاملت نہیں؟

بریلوی جانتے تھے کہ عہد اقدس میں کفار کے ساتھ معاملات بھی کئے گئے ہیں اور مقاطعت کی بھی صورت
ہے۔ اس وجہ سے اُن کو اسی میں صورت فلاح نظر آئی کہ علماء کو مطلق معاملتِ کفار کا عدم مجوز قرار دے کر
کرنا چاہیئے کہ ریل، تار، ڈاک سے تمتع کیا معاملہ نہیں ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ معاملہ ہے لیکن یہ معاملت
صورت میں داخل ہے جو جائز ہے۔ مطلق معاملت کے عدم جواز کا نہ علماء کرام نے فتویٰ دیا نہ اُن کے کلام
اشارہ بلکہ اس کے خلاف پر اُن کی تصریح۔ البتہ علماء کرام ریل، تار، ڈاک و دیگر تجارتی تعلقات میں
کے ضرور مجرم ہیں۔ آپ کا منشاء یہ ہے کہ اگر علماء جائز کہتے ہیں تو سب کو جائز کہیں ورنہ بلاتخصیص سب
ئے جائیں۔ اس موقعہ پر ہم اتنا ضرور عرض کریں گے کہ فاضل بریلوی اس خود ساختہ اصول کو خود ہی
رتے جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ آپ کا ارشاد ہے کہ:۔

معاملہ جس میں اعانت حرب یا اہانت اسلام نہ ہو"

تخصیص نہیں ہے؟ یا آپ تخصیص کے دائرہ سے نکل کر فاضل تھانوی بننا چاہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے
جمہوری کی آواز ہے افراد میں سے جو مخالفت پر کمربستہ ہوگا وہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھائے گا۔ اسی وجہ
اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جمہور کی موافقت پر زور دیا ہے۔ جمہور علماء کرام کے فیصلہ کی خوبی دیکھئے کہ انہوں
تار، ڈاک کے تمتع سے منع نہ فرمایا کہ اِن چیزوں کے ذریعہ اسلامی ضروریات پوری ہو رہی ہیں اور
اسلامی ادا ہو رہے ہیں۔ اُن معاملات سے بیشک ممانعت کا حکم جاری فرمایا کہ جو دشمن اسلام گورنمنٹ کو

تو اس قدر مفید و نافع ہیں کہ اُس کی سلطنت کا استحکام ہی اُن کی بدولت ہے۔ لیکن مسلمانوں کو اُن سے
مکان و زینت لباس کوئی نفع نہیں جیسے ولایتی پارچہ جات و دیگر اشیاء ولایتی کی خرید فروخت ولیکن
آرائش کے سوا کیا اسلام کو تقویت پہنچ رہی ہے۔ اور اُن فضول زینت و آرائش کے ترک کرنے میں وہ
ہے جس سے اسلام و مسلمانوں کو مشکلات کا سامنا ہوگا۔ اگر ایسے وقت میں جب کہ خلافت کا خاتمہ کیا جا رہا
اتنے ایثار کے لئے بھی مسلمان تیار نہ ہوتے کہ محض زیب و زینت کے ترک سے دشمن کی قوت کو پراگندہ کریں
پھر کوئی بتائے کہ اسلام کے حق میں اُن کا وجود کس کام کا۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ اسلام کے لئے جان و مال
اہل و عیال سب کچھ قربان کر دیا جاتا تھا۔ آج اسلام کی خاطر زینت و آرائش بھی ترک نہیں کی جاتی کہ وہ اسلام
سادگی کے بھی منافی ہے۔ افسوس و وائے بر حال ما۔

رہے تعلقات۔ اُن کے بارے میں بھی علماء کرام کا فیصلہ معتدل ہے۔ کہ جو لوگ غریب و مفلوک الحال
سوائے ملازمت کے اُن کی بسر اوقات مشکل ہے وہ ملازمت ترک نہ کریں۔ لیکن اہل ثروت حضرات کہ جن کے
کافی سرمایہ موجود ہے اُن کے لئے ملازمتِ گورنمنٹ کی نسبت مذہبی و قومی جذبات زیادہ موزوں ہیں۔ فرمایئے
بھی کیا ایسی دشواری ہے جس کی نسبت یہ کہا جا سکے کہ نہ دھری جائے نہ اُٹھائی جائے۔ فاضل تھانوی و بریلوی
کے اس خفیف مطالبہ کا بھی خیر مقدم کرنے کے لئے تیار نہیں آخر اسلام ہی کی بدولت آج دونوں کو یہ مرتبہ
مجدد المائۃ الحاضرہ کہلائے جاتے ہیں اور دوسرے حکیم الامۃ۔ اس نازک وقت میں مسلمانوں کو دونوں
سے نہ معلوم کیا کیا توقعات تھیں۔ کیا اُن کی عقیدت کیشی واردات کا یہی صلہ ہے کہ جو اُن کو دیا جا رہا ہے
سب کو منجدھار میں چھوڑ کر خود گوشۂ عافیت میں جا بیٹھے اتنا تو خیال کرتے کہ جب خدانخواستہ اسلام ہی
بریلوی صاحب اور تھانوی صاحب کو مجدد و حکیم الامۃ تسلیم کرنے والا کون ہوگا۔

ترکِ موالات کا بعض مُعاملات پر اثر

خانقاہی تحریر کی رو سے گو ترکِ موالات محض بے اثر و بے نتیجہ چیز ہے جو قلوب سے نکل کر کبھی میدان
نہ آئی اور نہ آسکتی ہے۔ وہ ایک ایسی شئے ہے جو صرف دل میں رہنے اور رہنے کے لئے بنائی گئی ہے۔
ہے نہ معاملات پر کوئی اثر پڑتا ہے نہ تعلقات پر نہ اس سے کوئی جذبۂ انتقام پیدا ہوتا ہے
کی تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ مباح بدستور مباح رہتا ہے اور حرام بدستور حرام۔ مراقبہ کی طرح

...طلوب ہے اور بس۔ جس کا اندازہ حکیم الامۃ تھانوی جیسے بزرگوار اپنے نورِ باطن سے کرکے مناسب ہدایات
...تعین فرماتے رہتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ ترک موالات کا یہ مفہوم کہ وہ صرف ایک قلبی کیفیت ہے عہد
...نے نہ سمجھا۔ عہد اقدس میں جب موالات کے ترک کا حکم ہوتا تھا تو اُس کا اثر ضرور معاملات پر پڑتا تھا
...کشیدگی پیدا ہو جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم عام طور پر بعض معاملات کئے ونما ہونے
...کا حکم لگا دیا کرتے تھے۔ واقعۂ ذیل سے یہ بات بخوبی ذہن نشین ہو سکتی ہے جو تفسیر کبیر میں تحت آیۃ
(یا ایہا الذین آمنوا لا تتخذوا الیہود والنصاریٰ اولیاء) منقول ہے۔

...ابی موسیٰ الاشعری رضی ... قال قلت لعمر بن الخطاب ... ان لی کاتبا نصرانیا ... مالک قاتلک اللہ الا اتخذت ... اما سمعت قول اللہ تعالیٰ ... الذین امنوا لا تتخذوا الیہود ... والنصاری اولیاء قلت لہ دینہ ... کتابتہ فقال لا اکرمہم ... اللہ ولا اعزہم اذ اذلہم ... ادنیہم اذ ابعدہم اللہ

حضرت ابو موسیٰ اشعری سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ (کی خدمت میں) عرض کیا کہ میرے پاس ایک منشی ہے نصرانی (اس پر) حضرت عمرؓ نے فرمایا (تجھے خدا غارت کرے) مسلمان منشی کیوں نہیں مقرر کیا۔ کیا تو نے حق تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ (اے ایمان والو یہود ونصاریٰ کو (اپنا) ولی اور مددگار نہ بناؤ) (ابو موسیٰ اشعری رضؓ کہتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا اُس کا دین اُس کے ساتھ میرے لئے تو اُس کی کتابت ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نصاریٰ کی توقیر نہیں کرتا جب کہ خدا نے اُن کی توہین کی۔ نہ اُنکی عزت کرتا جب کہ خدا نے اُن کو ذلیل کیا اور نہ ان کو قرب میں جگہ دیتا ہوں جب کہ خدا نے اُن کو دُور کیا۔

...اس معمولی واقعہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کس قدر برافروختہ ہوئے۔ نصرانی کے ساتھ معاملہ کرنے کو
...داخل کرکے وہ آیت کریمہ سند میں پیش کردی جس میں یہود ونصاریٰ کی موالات سے منع کیا گیا ہے
...نہ اعانت حرب تھی نہ اہانت اسلام نہ اسلام کا کوئی ضرر نہ دشمن اسلام کے لئے موجب تقویت و
...بھی کوئی معزز عہدہ نہیں بلکہ معمولی منشی گری کا۔ جب ایسے خفیف اور ادنےٰ معاملہ کو حضرت عمر
...موالات کفار میں داخل کرکے اس کا خاتمہ کردیا۔ اور معمولی عہدے پر بھی نصرانی کو نہ دیکھ سکے حالانکہ
...اشعری کا ماتحت و ملازم تھا۔ تو اس سے اندازہ کرنا چاہیئے کہ اُس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ
...جب کہ اُن کے سامنے یہ منظر پیش کیا جائے کہ مسلمانوں کی قسمت نصرانی حکومت کے ساتھ وابستہ
...اُس پر اُن کو ناز اور نہ صرف اس پر اقتصار بلکہ انہدام قصر خلافت کے منصوبے۔ وہ بھی اُس

نصرانی حکومت کی جانب سے جو مسلمانوں پر مسلط۔

وہ آسمانِ غیرت کا آفتاب اور بحرِ توحید کا تابندہ گوہر فاروقِ اعظم جو اپنی فرط غیرت ایمانی سے ایک
عہدہ (منشی گری) پر نہ دیکھ سکا تھا وہ اس روز نحوست کی کب تاب لاسکتا تھا۔ خصوصاً جب کہ مسلمانوں
بھی بائیس کروڑ سے متجاوز ہو۔ بھلا ایسے راسخ الایمان کے کان ترکِ موالات و ترکِ تعلقات کی بحث کو
لا سکتے تھے۔ غالباً بحث ختم ہونے کے پیشتر ہی بحث سنانے والے کا خاتمہ ہو چکتا۔ جناب حکیم الامۃ تھانوی
پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا استدلال اور خفگی دونوں حق بجانب نہ تھے۔ وہ تو حضرت ابوموسیٰ اشعری
ہی تھے جو خاموش ہو گئے ورنہ اگر حکیم الامۃ تھانوی اُس مجلس میں موجود ہوتے تو ضرور حضرت عمر رضی اللہ
ٹوکتے۔ اور فرماتے کہ آیت کریمہ سے ترکِ موالات ثابت ہوتا ہے نہ ترکِ تعلقات۔ ترکِ موالات
اور ترکِ تعلقات اور چیز۔ لہٰذا نصرانی کا تعلق ملازمت بدستور قائم رہنا چاہئے۔ اس مشورہ کو حضرت
عنہ مانتے یا نہ مانتے لیکن اپنی عادت کے مطابق اس کی وہ قدر کرتے جو اس قسم کے مشیروں کی اُن کے
ہو جایا کرتی تھی۔ بہرحال اس واقعہ سے اس قدر ضرور ثابت ہو گیا کہ ترکِ موالات کے تحت میں بعض معاملات
آجاتے ہیں نہ یہ کہ وہ کورا مفہوم ہی مفہوم ہے کہ جس کا اثر کسی معاملہ یا تعلق پر نہ پڑے۔ اسی کے مؤید حضرت
بن مالک رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ وہ اور ان کے دو ساتھی حضرت ہلال ابن امیہ و مرارۃ بن ربیع
تھے محض اس وجہ سے مورد عتاب ہوئے کہ انہوں نے کاہلی و سستی کی وجہ سے غزوۂ تبوک میں شرکت نہیں
حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے غزوہ سے مراجعت فرما کر اُن کے حق میں جو حکم دیا اُس کی تفصیل
میں اس طرح ہے۔

عن کعب بن مالک قال نھی رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المسلمین
عن کلامنا ایھا الثلثۃ من بین من
تخلف عنہ فاجتنبنا الناس وتغیروا
لنا حتی تنکرت فی نفسی الارض
فما ھی التی اعرف فلبثنا علی ذلک
خمسین لیلۃ۔ فاما صاحبای
فاستکانا وقعدا فی بیوتھما
یبکیان واما انا فکنت اشب

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور
صلے اللہ علیہ وسلم نے غزوہ میں شرکت نہ کرنے والوں
میں سے جن میں ہم تین کے سوا سب مخلف عذر
کے اُس وقت بری ہو گئے تھے) صرف ہم تینوں
چیت سے مسلمانوں کو منع فرما دیا (جس کا
تمام لوگ ہم سے کنارہ کش ہو گئے اور ہمارے
ان کی حالتیں بدل گئیں۔ اب میرے لئے
زمین نہ رہی تھی اسی (سختی کی) حالت میں
تک رہے (راس اشارہ ہیں) میرے دونوں

جالهم فلنت اخرج فاشهد
وة مع المسلمين واطوف
سوق ولا يكلمني احد
ول الله صلى الله عليه و
فاسلم عليه وهو في مجلسه
الصلوة فاقول في نفسي هل
شفتيه برد السلام علي ام لا

۔ بیٹھ گئے (اور اپنی حالت زار پر شب و روز) روتے رہے
لیکن میں چونکہ نوجوان و قوی تھا (اس لئے مجھ سے گھر بیٹھا
نہ گیا) مسلمانوں کے ساتھ نماز میں بھی شرکت کرتا، بازار
میں بھی چکر لگاتا۔ لیکن مجھ سے بات چیت کوئی نہ کرتا۔
حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی حاضر
ہو کر سلام کرتا جب کہ بعد فراغ نماز اپنی جگہ پر ہوتے۔
(لیکن صاف طور پر جواب سلام تو بجائے خود رہا) اپنے
دل میں کہتا کہ لب مبارک بھی ہلائے یا نہیں۔

ں حدیث کا پچھلا حصہ یہ ہے جو زیادہ قابل لحاظ ہے۔

ذا مضت اربعون ليلة من
ين اذا رسول رسول الله صلى
عليه وسلم ياتيني فقال ان رسول
صلى الله عليه وسلم يامرك ان
مرأتك قلت اطلقها ام ماذا افعل
اعتزلها ولا تقربها وارسل الى
مثل ذلك

پچاس میں سے چالیس روز گزرنے پر حضور اقدس صلے اللہ علیہ
وسلم کا فرستادہ میرے پاس آیا کہا کہ حضور اقدس صلے اللہ
علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ تم اپنی بیوی سے کنارہ کش ہو
جاؤ۔ میں نے اُن سے دریافت کیا کہ طلاق دے دوں یا کیا
کروں اُس نے کہا نہیں بلکہ بیوی سے علیحدہ رہو۔ اور اُس
کے قریب مت جاؤ۔ یہی پیغام میرے دونوں ساتھیوں کو
پہنچا دیا گیا۔

واقعہ میں اور موجودہ حالت میں بجز اس کے کوئی فرق نہیں کہ عہد اقدس میں ترک موالات اُن
صدر اصحاب سے کی گئی جن کے ہاتھوں عمارت اسلام کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ ان میں سے کعب بن
ے غزوۂ بدر اور غزوۂ تبوک تمام غزوات میں شریک رہے۔ آج نصرانی حکومت سے موالات
رہا ہے۔ عہد اقدس میں محض اس جرم پر کہ شریان اسلام سے صرف کاہلی و سستی رونما ہوئی۔
ت کا حکم ہوا۔ آج اُس دشمن اسلام گورنمنٹ سے موالات قطع کی جا رہی ہے جو نہ اسلام کو باقی رکھنا
مخالفت اسلام کو۔ عہد اقدس میں اُس تعلق کے قطع کرنے کا حکم دیا گیا جس کے بغیر زندگی مشکل
ت محبت کا ترک۔ یہ ایسا زبردست تعلق ہے جو تمام تعلقات کو حاوی ہے۔ اس تعلق کے قطع
مطلب ہے کہ تمام تعلقات کا خاتمہ کر دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ ایسا شخص جس سے تمام لوگ
ترک کر دیں وہ کیا خاک بیع و شراء و لین دین کر سکتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ایسے شخص کی درماندگی د

بیچارگی کا ہم نقشہ نہیں کھینچ سکتے۔

وہ بولنے والی زبان رکھتا ہے لیکن بول نہیں سکتا۔ وہ بھی دوسروں کی طرح خواہشات وجذبات ...
لیکن نہ کوئی خواہش پوری کرسکتا ہے۔ نہ کسی جذبہ کا اظہار۔ وہ اپنی داستانِ غم سنانا چاہتا ہے لیکن کوئی ...
کے لئے تیار نہیں۔ ایسے مصیبت زدہ کو چالیس روز بعد بیوی سے بھی علیحدہ رہنے کا حکم پہنچتا ہے اور ...
طرح ایام مصیبت میں ایک مونس وغمخوار کے تمتع سے بھی محروم کردیا جاتا ہے۔ ان کی شرح قرآن کریم نے ...
طرح کی ہے۔

وعلی الثلٰثۃ الذین خلفوا حتی اذا ضاقت علیھم الارض بما رحبت وضاقت علیھم انفسھم وظنوا ان لا ملجأ من اللہ الا الیہ ثم تاب علیھم لیتوبوا ان اللہ ھو التواب الرحیم۔

(علی ہذا القیاس) اُن تین (شخصوں) پر بھی جو (ایسا کام ...) تعالیٰ ملتوی رکھے گئے تھے۔ یہاں تک کہ جب زمین ... اُن پر تنگی کرنے لگی اور وہ اپنی جان سے بھی تنگ آگئے ... کہ خدائے تعالیٰ (کی گرفت) سے اس کے سوا اور کہیں پناہ ... پھر خدا نے اُن کی توبہ قبول کرلی تاکہ (قبول توبہ ...) یہ آئندہ کے لئے بھی) توبہ کئے رہیں بیشک اللہ تعالیٰ ... کرنے والا مہربان ہے۔

خدمت اسلام میں ایک ادنیٰ سستی وکاہلی کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان تین جلیل القدر اصحاب کی نہ ارادت وعقیدت ...
آئی نہ اُن کی عذر ومعذوریت پر لحاظ کیا گیا۔ نہ اُن کی بے ریا طاعات وعبادات پر توجہ کی گئی نہ اُن کی خدمات
سابقہ کی رعایت کی گئی کہ اُن میں سے ایک ایک خدمت اس قدر عظیم الشان ومقبول عنداللہ تھی کہ اگر آج تمام رُوئے
ارض کے مسلمان متفقہ طور پر کوئی خدمت اسلام انجام دینا چاہیں تو وہ اس قدر مقبول عنداللہ نہیں ہوسکتی جو تنہا ایک
صحابی کی خدمت مقبول ہے۔ ان حالات کے باوجود ایسا شدید حکم ان کے حق میں نافذ ہوا کہ تمام تعلقات کے ...
خانگی تعلق کو بھی قطع کردیا گیا اور پورے پچاس روز تک سخت امتحان میں مبتلا کئے گئے جب جاکر کہیں توبہ قبول ...
یہ سب کچھ محض تحفظ اسلام کی خاطر ہوا تھا کہ اگر کہیں سستی وکاہلی کا مرض مسلمانوں میں سرایت کرگیا تو پھر حفاظت اسلام
کی کیا صورت ہوگی۔

یہی وہ اصول ہیں جن کی پابندی کی وجہ سے اسلام کو استحکام ہوا۔ اگر یہ سختی کا برتاؤ عہد اقدس میں نہ کیا جاتا تو
گلشنِ اسلام کی بہار کبھی کی لٹ چکی ہوتی۔ یہ اُسی کی برکت ہے کہ اب تک اسلام صفحۂ دہر پر باقی ہے۔ آج جو اسلام
نرغۂ اعداء میں گھر گیا ہے تو ضرورت ہے کہ اُسی حربہ سے اُس کو آزاد کرایا جاوے جو عہد اقدس میں استعمال کیا گیا
تھا۔ سچ پوچھو تو اصلی ترک موالات یہ ہے جو عہد اقدس میں کی گئی کہ جس کا اثر خانگی تعلق پر بھی پڑا۔ ...

ترک موالات کہ جس کے دائرہ اثر میں نہ گورنمنٹ ملازمتیں آئیں نہ دیگر ضروری تعلقات آئے اور آئے بھی تو بیکار ولغو خطابات نضول آنریری عہدے اور وہ تجارتی تعلقات جن کی رو سے گورنمنٹ کو بے حد فائدہ مسلمانوں کی کوئی ضرورت اُن کے بغیر اٹکی نہیں رہتی ۔ اس پر بھی حکیم الامۃ تھانوی برافروختہ ہیں کہ ہائے گورنمنٹ تعلقات قطع کئے جا رہے ہیں وہ تو ایسی اور ویسی ہے اور ترک موالات و ترک تعلقات میں فرق ہے ۔

برہان من ترک موالات کے سلسلہ میں خانگی تعلق تک تو عہد اقدس میں ترک کرا دیا گیا اب اس سے بڑھ ...نٹ کے ساتھ کسی کا تعلق ہو تو وہ آپ ارشاد فرما دیں ۔ آپ کے نزدیک ترک موالات کے تحت میں ...تھا ۔ اب یہ دیکھئے کیسے گہرے تعلقات تک اس کے تحت میں آ رہے ہیں ۔ اب ہم حضور اقدس صلی اللہ ...کے اُسوۂ حسنہ کی پیروی کریں یا حکیم الامۃ کے اِس ہیولۂ تخیل کی طرف توجہ کریں کہ :۔

"...ل موالات اور چیز ہے اور ترک تعلقات اور چیز"

...س میں شک نہیں کہ عہد اقدس میں کفار کے ساتھ معاملۂ لین دین بھی ہوا ہے ان کے ساتھ تجارتی تعلقات ...ئے گئے ہیں لیکن وہ زمانہ مصالحت میں قائم کئے گئے یا اسلامی ضروریات رفع کرنے کی غرض سے ۔ یہی ...بعض اوقات اسلامی مصلحتوں کو مدنظر رکھ کر قطع بھی کر دئے گئے ۔ مقصود اسلامی مفاد ہے وہ جس طریق ...میں ہو خواہ تعلقات قائم رکھ کر یا اُن کو توڑ کر ؎

ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مقامے دارد

...کا وقت دشمن اسلام گورنمنٹ سے معاہدہ ٹوٹ چکا ہے ۔ اسلام اور گورنمنٹ برطانیہ میں جنگ چھڑ گئی ...ایک دوسرے کے استیصال کی فکر میں ہے ۔ حکیم الامۃ ہیں کہ اُن کو تعلقات کی فکر دامنگیر ہے ۔ زمانۂ جنگ ...مصالحت پر قیاس فرما رہے ہیں اور اس طرح اپنی حکمت عملی سے امت محمدیہ کو جادۂ مستقیم سے ہٹنے کا مشورہ ...دے رہے ہیں ۔

ترک موالات اور مسئلۂ دفاع

ناظرین کرام بحمد اللہ تعالیٰ اس نتیجہ پر ضرور پہنچ گئے ہوں گے کہ موالات کے تحت میں وہ تعلقات و معاملات ...ہیں جو دشمن کے لئے موجب تقویت یا نصرت ہوں ۔ خانقاہی تحریر کے تیور سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بلا ...کسی معاملہ یا تعلق کو موالات کے تحت میں رکھنا نہیں چاہتی ۔ ہم کہتے ہیں گو اُس کا ادّعا کتنا ہی غلط سہی ...تسلیم کرنے کے بعد بھی افسوس ہے کہ اس کو اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہو سکتی ۔ یہ مسلّم کہ موالات

کے تحت میں کوئی معاملہ اور تعلق نہ آئے اور اس طرح ترک موالات کی رو سے کسی تعلق کا انقطاع نہ ہو۔ بلکہ
حالت میں مدافعت کا فرض مسلمانوں پر عائد ہوگیا ہے نہ کہ صرف ترک موالات کا۔ مدافعتِ کفار کے لئے
کامل اختیار دیا گیا ہے کہ وہ جس طریق سے چاہیں مدافعت کریں۔ اس بات میں اسلام اُن کو کسی خاص طریق
نہیں کرتا۔ ہر زمانہ کے مناسب جو صورت زیادہ کامیاب ہوسکتی ہے۔ اسی کو مسلمان بے تامل اختیار کرلے
آج گورنمنٹ برطانیہ اور اسلام برسرِ پیکار ہیں برطانیہ اپنی پوری قوت کے ساتھ اسلام کے وجود اور اس کی
کو مٹانا چاہتی ہے۔ اسی طرح اسلام بھی اس گورنمنٹ کے استیصال اور مدافعت کا مطالبہ اپنے فرزندان
کررہا ہے۔ دشمنِ اسلام۔ اسلام کے فنا کرنے کے لئے کسی طریق کا پابند نہیں ہے۔ اسی طرح سے اسلام
کو حکم دیتا ہے کہ تم بھی مدافعت میں کسی خاص طریق کے پابند نہ رہو ورنہ دشمن کے پنجۂ ستم کا نشانہ بن کر رہ جاؤگے
تعلقات و عدمِ تعلقات کا نہیں ہے، بلکہ فتح و شکست اور فنا و بقا کا سوال ہے۔ یہ نہ صرف ہمارا اور
کا قول ہے بلکہ اس کا ارشاد ہے جس کے فرمان کی خود اسلام تبلیغ کررہا ہے۔ قرآن کریم کی اس آیت

واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم۔

مسلمانو! جہاں تک تم سے ہوسکے کافروں کے مقابلے
اپنی پوری قوت سے اور گھوڑے باندھے رکھنے
کر ایسا کرنے سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں پر اپنی دھاک

یہ آیت کریمہ اس امر کی تعلیم دیتی ہے کہ دشمنانِ اسلام سے مقابلے کے وقت اپنی پوری قوت صرف
چاہیئے اور جس پہلو دشمن پھیلے اس کو پچھاڑنا چاہیئے۔

یہ آیت کریمہ اپنی تفسیر خود ہی ہے۔ اس کو مزید تفسیر کی حاجت نہیں۔ تاہم تفسیر کبیر میں امام فخرالدین
لفظ (قوۃ) کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

قال اصحاب المعانی الاولی ان یقال هذا عام فی کل ما یتقوی به علی حرب العدو وکل ما هو آلة للغزو والجهاد فهو من جملة القوة۔

اصحاب درایت فرماتے ہیں مناسب ہے کہ
جائے اس طرح پر کہ اس سے مراد ہر وہ امر ہے
مدافعت دشمن میں مسلمانوں کی قوت
اور غزا کے جس قدر آلات ہیں وہ سب قوۃ کے تحت

ظاہر ہے کہ آج مسلمانوں کے وہ آلاتِ حرب کہاں جو دشمن کے پاس ہیں۔ اُن کے حق میں اگر کوئی
آلۂ حرب ہے تو وہ صرف یہی کہ جس تجارت کے ذریعہ دشمن کو فروغ اور استحکام ہورہا ہے اُس کا
حالت میں مجرد ترک موالات کے احکام کو زمانۂ مدافعت میں جاری کرنا علاوہ اس کے کہ خلاف شان
کے بھی خلاف ہے۔ نصاریٰ سے موالاۃ تو اسلام کو کبھی نہ ہوئی اور نہ ہوگی۔ لہٰذا ترک موالات کو

...اس کو طے ہوئے کامل تیرہ سو برس ہو چکے جبکہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تھی کہ :-

...منو لا تتخذوا الیہود والنصاریٰ اولیاء — اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو اپنا ولی مت بناؤ۔

...سئلہ مدافعت درپیش ہے۔ مدافعت کے وقت صرف مدافعت فرض ہے نہ کہ یہ نازک خیالیاں کہ :-

...موالات اور چیز ہے۔ اور ترک تعلقات اور چیز۔"

...حکیم الامۃ اور اسی طرح حضرت مجدد بریلوی کے نزدیک اگر موجودہ نظام عمل مدافعت کے لئے مفید ...دونوں بزرگوار کا فرض ہے کہ وہ کوئی جدید نظام عمل مرتب کریں۔ کوئی وجہ نہیں کہ علماء کرام بلا لحاظ اُس کو مسترد ...س ہے کہ موجودہ نظام عمل سے کوئی بہتر صورت مدافعت کی نکل آئے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ خود ...شی نہ کریں اور جب ایک تجویز اسلامی حلقہ میں مقبول ہو جائے تو اُس میں گوناگوں شبہات قائم کر کے ...ین اختلاف برپا کر دیا جائے۔

...ے صاف روشن ہو گیا کہ درحقیقت نفسِ مدافعت ہی میں دونوں بزرگوار کو کلام ہے۔ جس کو اِن ...کے ذریعہ چھپایا گیا ہے یہ بہت ممکن ہے کہ اِن کارروائیوں سے مخلوق پر حقیقت آشکارا نہ ہو۔ لیکن ...ے اندرونی راز کا مخفی رکھنا محال ہے۔ جب یہ نہ ہوا تو کچھ نہ ہوا۔

الحاق مدارس اور امداد گورنمنٹ

...وجودہ گورنمنٹ سے امداد لینا اور ایسا تعلق پیدا کرنا جس سے گورنمنٹ کی محبت دل میں پیدا ہو قطعاً ...ضرت شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی قدس سرہٗ اپنے ایک فتوے میں جو موالات کفار کے متعلق ...تے ہیں

...دوستی اگر من جہتہ الدین ...بود بالاجماع کفر است و ...اگر اختیاری این شخص است ...عنی تعاطی اسبابہا حرام۔

وہ موالات جو دوستی کے معنی میں ہے اگر دین کی حیثیت سے کفار کے ساتھ ہو تو وہ بالاتفاق کفر ہے۔ اور اگر دنیا کے لحاظ سے ہے تو وہ حرام ہے جبکہ وہ اُس شخص کا اختیاری فعل ہو مطلب یہ کہ اپنے اختیار سے ایسے اسباب فراہم کرنا جس کا نتیجہ کفار کے ساتھ دوستی ہو حرام ہے

...گورنمنٹ سے امداد لینا اُس کو اپنا محسن بنانا ہے اور یہ انسان کا فطری جذبہ ہے کہ محسن کے ساتھ ...ت اور یہی وہ ہے جسکی حرمت کا شاہ صاحب نے فتویٰ دیا ہے۔ فقہی قاعدہ ہے کہ اسباب ...معصیت کے اسباب بھی داخل معصیت ہیں۔

یہ حکم تو مطلق کفار کا ہے۔ گورنمنٹ کا درجہ اس سے بالاتر ہے۔ بحالتِ موجودہ گورنمنٹ کو محض [illegible]
درحقیقت گورنمنٹ کو اُس کے درجہ سے پسند کرنا ہے۔ وہ صرف کافر نہیں ہے بلکہ اُس کے ساتھ [illegible]
بھی ہے۔ یہ نہایت بدتمیزی ہے کہ محض کافر و معاند اسلام میں فرق نہ کیا جائے۔ شریعت اسلامیہ ان دونوں کے لئے جدا گانہ حکم [illegible]
محض کافر کے لئے اسلامی فیصلہ یہ ہے کہ اُن کے ساتھ دوستی نہ کی جائے اور ایسے تعلقات [illegible]
کئے جاویں جن کی رو سے دوستی و محبت میں اضافہ ہو۔ لیکن معاندین اسلام کے حق میں کہ اسلام کے [illegible]
استیصال ہوں اسلام کا یہ فیصلہ ہے کہ اُن پر سختی کی جائے اور اُن کے ساتھ عداوت [illegible]
ہو۔ قرآن کریم کا ارشاد سنو۔

یاایہاالنبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم — اے نبی! کفار اور منافقین کے ساتھ جہاد [illegible]

ظاہر ہے کہ مدافعت و جہاد کا حکم انہیں کفار کے ساتھ مخصوص ہے کہ جو اسلام کے ساتھ برسرِ پیکار [illegible]
شدت و غلظت میں گورنمنٹ آسکتی ہے نہ کہ کوئی معمولی کافر۔

لطف یہ کہ اس غلظت و عناد کے ساتھ معرکہ آرائی شروع ہوگئی۔ ایسی حالت میں کس قدر [illegible]
جو ابھی تک یہ دریافت کئے چلے جارہے ہیں کہ گورنمنٹ سے امداد لیں یا نہ لیں ؎

فرید بسوخت و ہنوز اختلاف باقی است

علاوہ ازیں فقہی قاعدہ ہے کہ کل ما انجرالی محظور فہو محظور۔ جو فعل کسی ممنوع و ناجائز فعل کی طرف [illegible]
ہے وہ خود ممنوع و ناجائز ہے۔ اس قاعدہ سے ہم بہت آسانی کے ساتھ صحیح نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں۔ [illegible]
پیشتر گورنمنٹی کالجوں و اسکولوں کے اغراض پر غور کرو۔ حکومت کو کالجوں و اسکولوں کے قائم کرنے سے [illegible]
اپنے عمل کا استحکام اور اپنے قانون و آئین کی ترویج۔ اُس کی یہ ہر دو غرض بغیر اسکول و کالج قائم کئے [illegible]
نہیں ہوسکتیں۔ اسی وجہ سے نہایت فیاضی کے ساتھ وہ کالجوں و اسکولوں میں رقم صرف کرتی ہے کیونکہ [illegible]
و نظام عمل کے استحکام سے خود سلطنت کو استحکام و فروغ ہو رہا ہے۔ اسی طرح جو غیر سرکاری کالج [illegible]
گورنمنٹ کی اغراض پوری کرنے کا ذمہ لے لیتا ہے۔ اُس کی امداد میں بھی گورنمنٹ دریغ نہیں کرتی [illegible]
اِس کا کافی اطمینان ہوجائے۔ یہی وجہ ہے کہ جن مدارس میں گورنمنٹ کی اغراض پوری نہیں ہوتیں [illegible]
امداد دینے کے لئے بھی تیار نہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ وہ خاص اسلامی عربی مدارس میں خفیف سے خفیف [illegible]
امدادی رقم دیتی ہے۔ اگر گورنمنٹ کو اپنے اغراض مدنظر نہ ہوتے اور محض خوشنودی رعایا کے اصول [illegible]
ہوتی تو آج خالص اسلامی مدارس بھی اُس کے فیاضی کے زیر بار احسان نظر آتے۔ لیکن جہاں تک ہم [illegible]
اس کی کوئی نظیر موجود نہیں۔ اس کا ہم ذمہ نہیں لیتے کہ کسی خاص اسباب و حالات کی بنا پر کسی خاص [illegible]

...داد حاصل کرلی ہو۔ بحث عموم سے ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ مفقود ہے۔ ورنہ جس طرح آج علیگڑھ
...یر سرکاری کالجوں و اسکولوں کو گورنمنٹ کی جانب سے بیش قرار امداد مل رہی ہے اسی طرح دار العلوم
...اس سے محروم نہ رہنا چاہئے تھا جب کہ علی گڑھ کالج کی طرح وہ بھی قدیم مدرسہ ہے اور دونوں تقریباً ساتھ
...وجود میں آئے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ گورنمنٹ کے اغراض پورا کرنے کا ذمہ دار نہیں۔ اس لحاظ
...دور حقیقت ایک معاملہ اجرت ہے کہ چند چاندی کے سکے دے کر ایک اجیر (مزدور) حاصل کرلیا۔
...ورنمنٹ کے متعلق اسلامی فیصلہ یہ ہے کہ وہ باطل و غلط ہے اور اُس پر عمل پیرا ہونا ناجائز و حرام۔ اسلام
...سی آئین کی تائید نہیں کرتا۔ وہ صرف اُس آئین کا حامی ہے جو خدائے ذوالجلال کی طرف سے ہے بالفاظ
...کہ آئین خداوندی کا دوسرا نام اسلام ہے۔ اسلام صاف لفظوں میں بہانگ دہل یہ کہتا ہے کہ لا طاعۃ
...صیۃ الخالق کسی مخلوق کی طاعت جائز نہیں جب کہ اس میں خالق کی معصیت ہو۔ جس طرح گورنمنٹ اور
...درمیان معرکہ آرائی ہے اُسی طرح آئین گورنمنٹ و آئین اسلام میں تصادم ہے۔ جس طرح گورنمنٹ اپنے
...دینا چاہتی ہے اسی طرح اسلام اپنے آئین کی تبلیغ ضروری قرار دیتا ہے۔ ہر دو آئین کا تصادم آج نہیں
...سے ہے۔

...تو یہ تھا کہ جس طرح گورنمنٹ خالق اکبر کے سامنے ایک بے حقیقت شئے ہے۔ اسی طرح خالق اکبر کے
...کے سامنے گورنمنٹ کا قانون (جو اُس قانون کے مصادم ہے) ہیچ ہونا چاہیئے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ
...ونٹ اس اوج و عروج پر ہے کہ اُس کا جاننے والا پچاس روپیہ لے کر تو صرف بات کرتا ہے۔ اُس
...آئین اسلام اس تنزل کو پہنچ چکا ہے کہ اُس کا پابند اور اُس کا جاننے والا بڑا خوش قسمت وہ شمار کیا
...نے اپنے کو فاقہ سے محفوظ کرلیا ہے۔ یہ بات بھی اُس کو کسی دوسری تدابیر و حکمت عملیوں کی بدولت
...نفس آئین الٰہی کے جاننے کی وجہ سے۔ اگر اُن تدابیر کو کوئی کام میں نہ لائے تو پھر اُس کے لئے یہ
...زندگی کے بجائے وہ آخرت کی زندگی تلاش کرے۔ اسی پر ہر دو آئین جاننے والوں کی حرمت و عزت
...بجے۔ اگر واقف آئین گورنمنٹ کی در دولت پر عمائدین کی بگھیاں اور موٹر کھڑے ہوئے ہیں تو دوسری
...آپ کو نظر آجائے گا کہ ایک عالم قانون خدائے ذوالجلال حکم خداوندی کی تبلیغ کے لئے ایک معمولی
...کے مکان پر جاتا ہے لیکن اُس کو باریابی نصیب نہیں ہوتی۔

...طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بندہ کے آئین کا یہ عروج اور خدائی قانون کی یہ پستی آخر اس کا
...اس کا جواب اُسی قاعدے فقہی سے مل جاوے گا اور وہ یہ کہ جب آئین گورنمنٹ اسلامی تعلیم کی
...تو اس کی ترویج ناجائز ممنوع ہوئی گورنمنٹی کالجوں میں تعلیم پانا اُس ممنوع آئین کا باعثِ ترویج ہوئی

ئی۔ اُدھر یہ بھی خیال تھا کہ کوئی بات خلاف احکام اسلام قلم سے نہ نکل جائے دونوں باتوں کا لحاظ فرماتے
رنٹ کے متعلق بریلوی فتوے میں تحریر فرماتے ہیں ۔

حاق اور اخذِ امداد اگر نہ کسی امر خلاف اسلام و مخالف شریعت سے مشروط نہ اسکے طرف
جو اُس کے جواز میں کلام نہیں ورنہ ضرور ناجائز و حرام ہو گا مگر عدم جواز اس شرط یا لازم کے سبب
ے ہو گا ۔ نہ بربنائے تحریم مطلق معاملت جس کے لئے شرع میں اصلا اصل نہیں اور خود ان مانعین
ازمل اُن کے کذب دعوے پر شاہد ۔ ریل، تار، ڈاک سے تمتع کیا معاملت نہیں ۔ فرق یہ
ے کہ اخذِ امداد میں مال لینا ہے اور اس کے استعمال میں دینا عجب کہ مقاطعت میں مال
نا حلال اور لینا حرام ۔"

یے کیا پہلو دار عبارت ہے کہ ہم اُس کی داد دینے سے قاصر ہیں ۔ یہ عبارت چند خوبیوں پر مشتمل ہے ۔ اوّل
وم کو بے باطل الزام دے کر کہ (وہ مطلق معاملت کو حرام کہتے ہیں) اپنا دلی بخار نکال گئے حالانکہ ایسا
ے جیسا کہ معاملات کی بحث میں گزر چکا ۔ دوّم یہ کہ مسئلہ اخذِ امداد کو وضاحت کے ساتھ نہیں بیان
ہے یا ناجائز بلکہ فقہی قیود کے ساتھ جکڑ بند کر دیا ۔ اس میں مصلحت یہ کہ ادھر مستفتی کچھ نہ سمجھ سکے
ر وقت پر گریز کا موقع مل جائے ۔ سوّم یہ کہ اُس باطل الزام سے نا سمجھ مستفتی یہ سمجھ لے کہ علمار کرام
یں جس سے وہ بسرعت کے ساتھ اس نتیجہ پر پہنچ جاتے کہ گورنمنٹ سے اخذ امداد جائز ہے ۔
ا ہوا کہ بریلوی فتوے کا معلن حاکم علی موقوف شدہ پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور جواز ہی سمجھ گیا ۔ چنانچہ
کے اخیر میں اس طرح نتیجہ نکالتا ہے کہ :۔

علی گڑھ کالج کا الحاق اور اسلامیہ کالج کا الحاق جائز ہے ۔ اور سرکار سے ان دونوں کے لیئے امداد
جائز ہے ۔"

علمار کرام کی حیرانی ملاحظہ ہو کہ وہ نہ حاکم علی جیسے نا سمجھ لوگوں کی صدائے بے ہنگام کو روک سکتے ہیں
و مقتدا ٹھہرا مجدد بریلوی بر بھلا وہ کب اُن کا ارشاد سننے لگے ۔ اور نہ مجدد صاحب بریلوی کو الزام دے
کہ بریلوی صاحب کے حق میں اُن کی بڑھائی قیود (نہ کسی امر خلاف اسلام و مخالفت شریعت سے
کی طرف منجر ا سپر بن جائیں گی وہ صاف ارشاد فرمادیں گے میں نے مطلق جواز امداد کا کب
یود پر نظر ڈالی جائے ۔ لطف یہ کہ قیود سب علمار کرام کو مفید کہ اُن کی رو سے الحاق واخذ امداد
الزام کسی کو نہیں دے سکتے اور نہ فتنۂ اختلاف کو فرد کر سکتے ہیں ۔ فتوی کی غرض تھی اظہار حق لیکن
انفار حق و انشار باطل کا کام لیا جارہا ہے ۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۔ رہا یہ امر کہ مقاطعت

پس ترویج کی طرح وہ تعلیم بھی ناجائز ہوگی کیونکہ معصیت کا سبب بھی معصیت کے شمار میں ہے۔ یہ معصیت
دوسری معصیت کا سبب بن گئی۔ وہ یہ کہ اسلامی تعلیم مسلمانوں کے ہاتھ سے جاتی رہی کیونکہ عادۃً دونوں تعلیم
جمع کرنا غیر ممکن ہے۔ گورنمنٹی تعلیم اتنی مہلت ہی نہیں دیتی کہ قبل یا بعد کوئی مسلمان محض ضروریات اسلامی
سرسری طور پر ہی حاصل کر سکے یہ فرض عین کا ترک ہوا۔ کیونکہ ضروریات اسلامی کا جاننا ہر مسلمان پر فرض ہے
تارک فرض بتلائی معصیت و حرام ہے۔ غرض جب اسلامی تعلیم ہی سے مسلمان کورے رہے تو اس کی تبلیغ
بجز مسلمانوں کے کون؟ اس کا نتیجہ بجز اس کے ہونا ہی کیا تھا کہ گورنمنٹی آئین اس عروج پر ہو گیا اور اسلامی آئین
کی آخری منزلیں طے کر رہا ہے۔

حریف اسلام گورنمنٹ بازی لے گئی۔ اور اسلام مسلمانوں کا منہ تکتا رہ گیا۔ اب تعلیم حاصل کرنے کے
اغراض سنئے۔ عموماً فرط حب دنیا و حب جاہ کے لئے یہ تعلیم حاصل کی جاتی ہے اور یہ دونوں حرام ہیں۔ یہ تنبیہ
ہوئی۔ حق تعالیٰ محفوظ رکھے۔ رہے وہ حضرات جو محض ضرورت کی وجہ سے تعلیم حاصل کرتے ہیں وہ بغایت
ہیں۔ اُن کا مقصد حب جاہ نہ سہی ملازمت ضرور ہوتا ہے۔ بحالت موجودہ گورنمنٹی ملازمت میں سعی کرنا
موالات ہے کہ جو حرام ہے جیسا کہ واضح ہو چکا۔ تحصیل رزق کے دوسرے جائز وسائل کے ہوتے ہوئے
ضروریات زندگی کے رفع کرنے کی خاطر گورنمنٹی تعلیم حاصل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ البتہ جو پہلے سے
اُن کو بخوف فتنہ مستثنیٰ کیا گیا ہے نہ یہ کہ سعی ملازمت کی اجازت دی گئی ہے۔

یہ بحث صرف گورنمنٹی تعلیم کے اغراض کے متعلق تھی۔ باقی رہا اس تعلیم کا زہریلا اثر جس کو آج ایک
ہے۔ فارغ از بیان ہے کہ دین میں مداہنت۔ احکام شرعیہ سے بے اعتنائی ہوا پرستی سب کچھ اس تعلیم کے
والوں میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور یہ سب شریعت اسلامی کی رو سے حرام ہیں۔ پس حسب قاعدہ مذکور نفس
ممنوع و حرام ہے۔

غرض ایک اسلامی اصول کے ترک سے یہ نتائج رونما ہوئے۔ جس امر کو آج بے حد ٹھوکریں کھانے کے
لوگوں نے سمجھا ہے اُس کو فقہاء کرام پہلے ہی طے کر گئے تھے۔

یہ تمام احکام نفس تعلیم کے متعلق تھے جس سے امداد گورنمنٹ کی حرمت پر استدلال کیا گیا ہے
ناجائز تعلیم کی شرط پر امداد دیتی ہے۔ آج زمانہ ترک موالات و مدافعت ہے۔ اس زمانہ مدافعت
حاصل کرنا ہی ممنوع ہے خواہ گورنمنٹ جائز تعلیم ہی کے لئے امداد کیوں نہ دے۔ حمیت و غیرت اسلام
اجازت نہیں دیتی کہ وہ اپنے حریف کا شرمندۂ احسان ہو۔ مجدد صاحب بریلوی بھی ان احکام کو خوب
تھے۔ لیکن جب کہ اُن کے دل میں اسلامی درد کی طرح مسلمانوں پر خفگی بھی ہے اس وجہ سے وہ اس

میں دینا حلال ولینا حرام اس کا تحقیقی جواب نہایت تفصیل کے ساتھ آیات واحادیث کے حوالے
گیا۔ ریل، تار، ڈاک وہ معاملہ ہے جس کے ذریعہ ضروریات وفرائض اسلامی انجام پاتے ہیں اور ان
کا کوئی احسان بھی نہیں جب کہ وہ اُجرت لے لیتی ہے۔ تاکہ محبت یا میلانِ خاطر اُس کی طرف ہو سکے
بالکل احسان کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے جس میں علاوہ مفاسد مذکورہ میلانِ خاطر و جذبۂ تشکر پیدا ہوتا ہے
ممنوع ہے اور جس کی اجازت حکیم الامۃ تھانوی بھی نہیں دیتے۔

الزامی جواب ایک استفسار پر موقوف وہ یہ کہ اگر کوئی دیوبندی (جو حسب زعم آنجناب کافر
جن کے ساتھ مقاطعت آپ کے نزدیک فرض) آپ کے مدرسہ کو مالی امداد دے تو آنجناب اس امداد
فرمائیں گے یا ناجائز کہہ کر مسترد فرمادیں گے۔ صورت اول آپ کی حمیت وغیرت کو صدمہ پہنچاتی ہے
بنائیں اُسی کی امداد پر اپنا مدرسہ چلائیں ونیز آپ کے اصول مقاطعت کے بھی خلاف۔ صورت ثانی
مدعا حاصل۔ اس صورت کو بھول نہ جائیے گا۔ اور سنئے بالفرض دیوبند کی طرف سے مختلف تحریرات
قائم ہو اور وہ آپ کے زعم کے مطابق ایسی ہوں کہ ان کے جواب نہ دینے کی صورت میں کُل ہندوستان
کفر وارتداد میں مبتلا ہو جانے کا قوی اندیشہ ہو اور اس پر یہ امر مستزاد کہ تمام مطابع پر دیوبندی مسلط
اُجرت کے ساتھ وہ ہر قسم کی تحریر چھاپنے پر آمادہ ہوں۔ ایسی حالت میں آنجناب کیا کریں گے مقاطعت
پر خاموش رہیں گے یا اُجرت دے کر اپنی ہدایت مآب تحریر شائع کرائیں گے۔

پہلی صورت آپ کی شانِ تبلیغ کو بٹہ لگاتی ہے اور آپ ایک اسلامی فرض کے تارک ٹھہرتے ہیں
کی شان سے بعید ہے۔ دوسری صورت میں آپ کا طعن خود آپ پر عود کرتا ہے۔

"عجب کہ مقاطعت میں مال دینا حلال اور لینا حرام"

ورنہ اس کا سبب ارشاد ہو کہ کیوں دیوبندی سے مدرسہ کے لئے امداد نہ لی۔ اور اشاعت تحریر
رقم دی۔ جب آنجناب کی یہ غیرت ہے تو اسلام آپ سے بدرجہا زیادہ غیرت رکھتا ہے۔

ہندو مسلم اتحاد

اس اتحاد کے متعلق تین قسم کے شبہات کئے گئے ہیں۔ اوّل یہ کہ انگریزوں سے مقاطعت اور
ساتھ مصالحت۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی جب کہ دونوں غیر مسلم ہیں مقاطعت (بائیکاٹ) دونوں سے
ورنہ کسی سے نہیں۔ دوم یہ کہ ہندو انگریزوں کی نسبت مقاطعت کے زیادہ مستحق ہیں۔ کیونکہ ہندو

...قرآن کریم نے مشرک و یہود کو عداوت میں سخت تر اور نصرانیوں کو مودت (دوستی) سے قریب تر ظاہر
...یہ جناب حکیم الامۃ تھانوی کا ہے۔ سوم یہ کہ تحریک ترک موالات شرعاً ناجائز تحریک ہے۔ کیونکہ اس میں
...سلامی نے شعائر اسلامی کو ترک اور شعائر ہنود کو اختیار کیا ہے۔

...شبہات کا استیصال اس آیت کریمہ نے کر دیا۔

...کم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی
...لم یخرجوکم من دیارکم ان
...و تقسطوا الیہم ان اللہ یحب
...انما ینہاکم اللہ عن الذین
...کم فی الدین و اخرجوکم
...دیارکم وظاہروا علی اخراجکم
...ہم ومن یتولہم فاولئک ھم
...ن۔

حق تعالیٰ تم کو ایسے کافروں کے ساتھ بھلائی اور انصاف کرنے سے منع نہیں کرتا جنہوں نے تمہارے ساتھ مذہبی لڑائی نہیں لڑی اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔ بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے خدائے تعالیٰ (تو) اُن کافروں سے دوستی اور باہمی امداد کرنے سے روکتا ہے۔ جنہوں نے دین کے معاملہ میں تم سے قتال کیا تم کو اپنے ممالک سے بے دخل کر دیا۔ اور تمہارے اخراج اور بے دخل کرنے میں مدد دی۔ اور جو لوگ ایسے کفار سے موالات رکھیں وہ سب ظالم ہیں۔

...سے واضح اور صاف تر کیا فیصلہ ہو سکتا ہے۔ اس آیت کریمہ کی رو سے کفار کے دو فریق ہو گئے۔ پہلا
...لام سے برسرپیکار ہو اور دوسرا فریق وہ جو اسلام کا مقابلہ نہیں کرتا۔ پہلے کا یہ حکم کہ اس سے موالات اور
...بع تعلقات قطع کر دو خواہ وہ یہود و مشرک ہوں یا نصرانی یہ آیت کریمہ کسی کی تخصیص نہیں کرتی۔ پچھلے کا
...تو بھلائی اور سلوک روا رکھو اور اس کے ساتھ انصاف کرو۔ اس میں بھی کسی کی تخصیص نہیں ہے دین
...قانون و شجاع و بامروت مذہب ہے۔ اس میں جس طرح اندرونی معاملات و باہمی تعلقات اور
...لام کی کامل تشریح ہے۔ اسی طرح بیرونی تعلقات کی بھی کافی توضیح اُس میں موجود ہے۔ اسلام اپنے
...کے سبب سے اُس دشمن کے ٹھکرانے اور کچلنے کے لئے تیار ہے جو اُس کے مقابل اکھڑا ہو پھر وہ
...ت ور اور صاحب جبروت ہو۔ اسلام اس کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتا کیونکہ اسلام صرف خدائے قیوم
...کے لئے دنیا میں آیا ہے۔ جس دین کی ہدایت یہ ہو کہ ہر معاملہ میں خدائے قیوم پر اعتماد کیا جائے۔
...سے میں تمام اسباب اور کل مادی طاقتیں ہیچ سمجھی جائیں اُس سے بڑھ کر کون شجاع مذہب ہو سکتا
...اسلام بامروت دین ہے کہ جو اخلاق سے پیش آئے یا آمادۂ صلح ہو اس کے ساتھ اخلاق سے پیش آئے
...ہو بڑھائے اور یہی مقتضائے عقل و فطرت ہے۔ چونکہ دین اسلام دین فطرت ہے۔ اس وجہ سے
...کی نہایت سادہ و صاف و فطرت کے مطابق ہیں۔

اس کے بعد یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ کون برسرپیکار ہے۔ اور کون آمادہ مصالحت۔ ظاہر ہے
نہ خلافت کا خاتمہ کررہے ہیں نہ مقامات مقدسہ کو تحت میں لانا چاہتے ہیں بلکہ اُن کی جانب سے ایسے
ہیں پیہم ہمدردی کی آواز بلند ہورہی ہے۔ آج صرف عیسائیت اسلام کے ساتھ دست بگریبان ہے کہ
کا استیصال کرنا چاہتی ہے پھر یہ کس قدر بدتمیزی ہے کہ جو معاملۂ مقاطعت ایسے دشمن اسلام کے ساتھ
جائے وہی صلح جو قوم سے بھی۔

بحمداللہ تعالیٰ اس تقریر سے ہر سہ شبہات کا قلع قمع ہوگیا۔ پہلے دو شبہ کی لغویت فارغ از بیان
شبہ البتہ نظر عوام میں وزنی ہے کہ اس تحریک (ترک موالات) کی بدولت شعائر اسلامی کی سخت توہین
لیڈرانِ قوم نے قشقے لگائے۔ جے کے نعرے بلند کئے۔ گاندھی جی کو حضرت امام مہدی کے قائم مقام
وغیرہ۔

یہاں دریافت طلب یہ امر ہے کہ کیا واقعی بعض لیڈران نے ایسا کیا جہاں تک ہم کو علم ہے یہ افواہ محض
ہے جس کا منشا بجز اس کے کچھ نہیں کہ اُن جوان مردوں اور مجاہدین فی سبیل اللہ کو بدنام کرکے اس اسلامی
کا خاتمہ کردیا جائے اور اس طرح دشمنِ اسلام گورنمنٹ کا طوق غلامی ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کی گردن میں
اور اگر اس واقعہ کی کچھ اصلیت ہے تو یہ الزام صرف اُن لیڈران پر عائد ہوسکتا ہے جنہوں نے ایسا کیا
اثر اُن کی ذات تک محدود رہنا چاہئے نہ یہ کہ ایک ضروری اسلامی تحریک ناجائز و مستنزد ہوجائے۔ یوں
وروزہ و حج و زکوٰۃ پر بھی ہاتھ صاف کرنے کا راستہ نکل آئے گا کیونکہ ناواقفیت کی وجہ سے اکثر
ان ضروری ارکان میں بے اعتدالیاں کرگزرتے ہیں۔ مفاسد و بے اعتدالیوں کی وجہ سے ان ارکان کی
رخصت ہوسکتی بلکہ مفاسد کی اصلاح کی جائے گی۔ اور فرض بدستور فرض رہے گا۔ آج مدافعت دشمن
فرض ہے یہ فریضہ بعض مفاسد کے رونما ہونے سے ساقط نہیں ہوسکتا۔ دیکھو فقہائے کرام اس کی تصریح
ہیں کہ جنازہ کے ساتھ اگر نوحہ کرنے والی عورتیں ساتھ ہوں تو سنتِ اتباع جنازہ ترک نہ کرنا چاہئے
سیئات کی وجہ سے ترک نہیں کئے جاسکتے۔ جب ایک امر مسنون بعض مفاسد کے رونما ہونے سے
نہیں ہے تو یہ کس قدر ستم کی بات ہے کہ بعض حضرات کے ایک ناجائز فعل سے فریضۂ اسلامی ہی ترک
جائے۔ علمائے کرام کسی کے ناجائز فعل کے کب ذمہ دار ہیں۔ کیا کوئی اس کا ذمہ لے سکتا ہے کہ ہندوستان
طویل عریض ملک میں کوئی شخص بھی ناجائز فعل نہیں کرے گا۔ کتنی ہی بہتر سے بہتر تحریک ہو اس کے متعلق
ذمہ نہیں لیا جاسکتا کہ وہ بالکل منزہ عن النقائص رہے گی اور اس کو کسی مفسدہ سے سابقہ نہیں پڑسکتا۔
کرام کا یہ فرض ہے کہ مفاسد سے عوام کو روکیں چنانچہ یہ فرض انہوں نے اپنے متفقہ فتوے میں ادا کر

ہے اوراس کی عبارت یہ ہے۔

ن زط جوش اتحاد (ہندو مسلم) میں مسلمانوں کو کوئی ایسا امر نہیں کرنا چاہیے جو غیر مشروع ہو۔ ورنہ
اخاذ جس سے دیگر مفاسد پیدا ہوں ناجائز ہے۔ ان امور میں فقہ کا ایک قاعدہ کلیہ ہمیشہ ملحوظ
رکھنا چاہیے۔

درء المفاسد اولی من جلب المصالح اذا
تعارض مصلحۃ ومفسدۃ قدم دفع
المفسدۃ غالبا لان اعتناء الشرع بالمنہیات اشد
من اعتنائہ بالمامورات (الاشباہ والنظائر)

مصلحتوں کی رعایت کے اعتبار سے مفاسد کا دفع کرنا اولےٰ
ہے اور جب کوئی مصلحت اور مفسدہ متعارض ہو تو اکثر دفع
مفسدہ کو ترجیح ہوتی ہے۔ اس لئے کہ منہیات سے روکنے کی
طرف شرع کی توجہ زیادہ ہے باعتبار توجہ الی المامورات کے۔

اگر مجدد بریلوی وحکیم الامۃ تھانوی کو کس نے منع کیا ہے کہ وہ اس تحریک کو اپنے ہاتھ میں نہ لیں۔ اگر صاحبان اس کا تہیہ کرلیں اور مفاسد پر وقتاً فوقتاً مطلع فرماتے رہیں تو ایسا کون مسلمان ہے کہ جو دو پیشوایان کو چھوڑ دے گا۔ بلکہ بہت ممکن ہے کہ تمام مسلمان موجودہ لیڈروں کو چھوڑ کر صرف دو صاحبان کے اشاروں پر چلنے لگیں۔ اور یہی ہمارا بھی جی چاہتا ہے۔ لیکن جب کہ دونوں بزرگوار کی یہ حالت ہو کہ نہ خود کچھ کریں نہ دوسروں کو کرنے دیں تو پھر مسلمان ان کی طرف رخ بھی نہیں کر سکتے اور اس طرح جو دونوں بزرگوار کی موجودگی سے شاید اس کا بھی خاتمہ ہو جائے۔

مودت نصاریٰ پر مفید بحث

حکیم الامۃ تھانوی اپنے شبہ کو تقویت دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔
موالات جس طرح یہود ونصاریٰ کے ساتھ ممنوع ہے یوں ہی بلکہ اس سے زیادہ مشرکین اور ہنود کے ساتھ ممنوع ہے۔ کیونکہ بنصِ قرآنی مشرکین کا نصاریٰ سے زیادہ اسلام اور مسلمانوں کا دشمن ہونا ثابت ہے۔ لتجدن اشد الناس عداوۃ للذین آمنوا الیہود والذین اشرکوا۔ الخ
(ترجمہ) تم لوگوں میں سب سے زیادہ دشمن مسلمانوں کا تم یہود اور مشرکین کو پاؤ گے۔"
اس آیت کریمہ صحیح نقل کیا گیا۔ حکیم الامۃ نے صرف یہ تصرف کیا کہ وقتی حکم کو دائمی حکم ظاہر کیا اور (لتجدن) کا ترجمہ (تم پاؤ گے) کے ساتھ کیا حالانکہ ترجمہ یہ ہونا چاہیے کہ (آپ پاؤ گے) دیکھئے صرف اتنے تصرف سے بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ اس آیت کریمہ میں حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا گیا ہے۔ نہ کہ قیامت

تک ہونے والوں مسلمانوں کو۔ لفظ (تم) سے یقیناً ذہن اس طرف منتقل ہو جاتا ہے کہ اس کے مخاطب [illegible]
ہیں۔ دیکھئے کہ صرف خطاب کے تبدیل نے واقعہ خاص کو عموم کا جامہ پہنا دیا۔ اور وقتی حکم کو دائمی [illegible]
ہیں مخفی حکمت عملیاں جن تک ہر شخص کی نظر نہیں پہنچ سکتی۔ بات صرف اتنی ہے کہ عہد اقدس میں مسلمانوں [illegible]
برسر پیکار صرف دو فریق تھے۔ یہود، مشرکین باقی رہ گئے۔ نصاریٰ یہ مقابلہ پر نہ آئے بلکہ مسلمانوں کے [illegible]
کیا۔ اس وقت حبشہ میں عیسائی سلطنت تھی اُس کے بادشاہ نجاشی نے مسلمانوں کو پناہ دی تھی [illegible]
کے ظلم و ستم کی وجہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ یہ اسلام کی پہلی ہجرت تھی چونکہ شاہ [illegible]
دی تھی اور اُن کے ساتھ سلوک کے برتاؤ کئے تھے اس وجہ سے یہ آیۃ کریمہ اُس کے حق میں [illegible]
جس سے حکیم الامۃ استدلال کر رہے ہیں۔ اس کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ شاہ حبشہ نے اسلام قبول کر لیا۔ اُس [illegible]
کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے غائبانہ اُس کی نماز جنازہ پڑھی۔ اِس سے قارئین کرام نے [illegible]
لیا ہوگا کہ یہ حکم وقتی تھا نہ یہ کہ قیامت تک نصاریٰ کی اہل اسلام سے مودت و دوستی رہے گی۔ [illegible]
کا یہ مطلب ہو تو واقعات اس کی تکذیب کر دیں گے۔ کیونکہ اسلام کے ساتھ سب سے بڑھ کر [illegible]
آرا رہی۔ محاربات صلیبیہ اس کے لئے شاہد عدل ہیں۔ یہود کی قوت کا خاتمہ عہد اقدس ہی میں [illegible]
آج تک مردہ ہیں اور قیامت تک حسب ارشاد قرآن کریم اسی طرح مردہ رہیں گے۔ عیسائیت [illegible]
اسلام کا حریف رہ گئی جو تیرہ سو برس سے برابر معرکہ آرا ہے۔ ایسی حالت میں کون دعویٰ کر سکتا [illegible]
اکبر کے کلام کا یہ مفہوم ہے کہ نصاریٰ قیامت تک مسلمانوں کے ساتھ مودت و دوستی کرتے رہیں [illegible]
بتائیے یہ دوستی کی کونسی قسم ہے جو بحالت موجودہ نظر آرہی ہے۔ آیت کریمہ کا یہ مفہوم جو ہم نے [illegible]
امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں بروایت حضرت عبداللہ بن عباس رض تحت آیت کریمہ بیان [illegible]

قال ابن عباس وسعید بن جبیر وعطاء
والسدی المراد بہ النجاشی وقومہ
الذین قدموا من الحبشۃ علی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم وامنوا بہ ولم یرد جمیع
النصاری مع ظہور عداوتہم للمسلمین

ابن عباس رض اور سعید بن جبیر رض اور عطاء [illegible]
ہے کہ اس آیت کریمہ میں مراد شاہ نجاشی [illegible]
جو حبشہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]
حاضر ہوئی اور ایمان لائے نہ کہ تمام [illegible]
کہ اُن کی عداوت مسلمانوں کے ساتھ [illegible]

اس تفسیر نے حقیقت کے رخ سے بالکل نقاب اُٹھا دی کہ کُل نصاریٰ نہیں مراد ہیں بلکہ [illegible]
اُس کی قوم۔ لطف یہ کہ باقی نصاریٰ کی عداوت کا بھی اظہار کر دیا گیا۔ سچ پوچھو تو اس تفسیر [illegible]
چنداں ضرورت نہیں جب کہ خود آیت قرآنی اس کا فیصلہ کر رہی ہے ؎ آفتاب آمد دلیل [illegible]

تعالیٰ نے مودتِ نصاریٰ کا یہ سبب بتایا ہے کہ :-

منہم قسیسین ورھبانا و ... ستکبرون - (نصاریٰ سے مسلمانوں کو مودت ومحبت) اس وجہ سے ہے کہ ان میں علماء اور درویش ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے -

قرآن کریم کے فیصلہ کے بعد اب کیا کسی کی مجال ہے - دیکھو قرآن کریم نصاریٰ کی مودت کا سبب یہ ... کہ وہ دنیا سے انقطاع رکھتے ہیں - اور طمع وحرص وحب جاہ سے اُن کا دامن پاک ہے - اِس ... ہوا کہ یہود ومشرک حب جاہ وحرص کی وجہ سے لڑتے جھگڑتے ہیں عہد اقدس کے نصاریٰ کا عموماً یہی ... اُن کو دنیوی علائق سے بہت کم سروکار تھا اور وہ راہبانہ زندگی بسر کیا کرتے تھے - اِس وجہ سے اُنکو ... ساتھ عداوت نہ تھی - یہود زراعت پیشہ اور مشرک تجارت پیشہ تھے - اس وجہ سے آئے دن مسلمانوں ... پرخاش رہتے تھے - اسی کو کسی قدر وضاحت کے ساتھ تفسیر کبیر میں بیان کیا گیا ہے - خلاصہ یہ کہ ... کے نصاریٰ چونکہ تارک الدنیا تھے اس وجہ سے اُن کو کسی سے نہ کوئی عداوت تھی نہ کوئی پرخاش - اسی ... قرآن کریم میں بمقابلہ یہود ومشرکین اُن کو ترجیح دی گئی اور وہ بھی اسی قدر کہ مودت سے قریب ہیں نہ یہ ... مسلمانوں سے مودت ہے - اُن تارک الدنیا نصاریٰ پر حکیم الامۃ موجودہ نصاریٰ کو قیاس فرما رہے ہیں ... کو کیا جوع البقر ہے - بلکہ جوع الارض کہ جو یورپ درکنار تمام ایشیا کو ہضم کرنے کے بعد بھی قناعت ... کر نہیں آتے - جب سبب عداوت حرص قرار پایا تو آیت کریمہ کی رو سے سب سے زیادہ دشمنِ اسلام ... قرار پاتے ہیں - خدا کی شان یہی ظاہر بھی ہو رہا ہے - لیجئے حکیم الامۃ نے جس آیت کو اپنے مفید ... پیش کیا تھا وہ ہمارے مفید مطلب نکلی ؎

میں الزام اُن کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

... کی جب ضرورت ہے کہ موجودہ نصاریٰ عہد اقدس کے نصاریٰ کی طرح خدائے قیوم کی ہستی ... لیکن موجودہ نصاریٰ دہریئے ہیں یہ نہ خدائے قیوم کے قائل نہ کسی مذہب کے پابند - اُن کی ... دہریت بھری ہوئی ہے - آکسفورڈ یونیورسٹی کا ایک پروفیسر لکھتا ہے کہ :-

... اور نیچر (طبیعت) میں سے صرف ایک کی ضرورت ہے "

... کس بے باکی سے خدائے قیوم اور نیچر کا مقابلہ کر رہا ہے - اور کس شان تردد سے اُس کو بیان ... ایسی عظیم الشان یونیورسٹی میں ایسے ملحدوں کو پروفیسر تک بنا دیتی ہے وہ قوم خود کیا ہوگی - ... مشہور ڈاروِن مسئلہ ارتقا کا قائل ہے - یعنے عالم کا ایک ایک ذرہ خود بخود ترقی کر رہا ہے - اسی ... ہے کہ انسان پہلے بندر تھا - ترقی کرتے کرتے یہ صورت اختیار کر لی اُس کا یہ عقیدہ تقریباً کل

انگلستان میں سرایت کر گیا ہے۔ اور آج ہندوستان میں بھی بہت سے لوگ ایسے پیدا ہوگئے ہیں جن کا
کہ ہمارے آباؤ اجداد بندر تھے۔ بھلا یہ اعتقادات عہد اقدس کے نصاریٰ میں کہاں جن کا وصف قرآن میں
تارک الدنیا صحرا نشین درویش تھے۔ یہ دہریے دنیا بھر کے حریص۔ کجا وہ کجا یہ۔ موجودہ نصاریٰ البتہ پرستار
ہیں مذہب کو بھی اُسی حد تک مانتے ہیں کہ قومیت مضبوط رہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی نظروں میں
ہندوستانی عیسائی سے زیادہ دقیع ہے۔ جس عہدہ جلیلہ پر وہ فائز ہو سکتا ہے اُس پر ہندوستانی عیسائی
نہیں ہو سکتا۔ یہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ مذہب اُن کے نزدیک کوئی چیز نہیں۔ جب یہ ہے تو سمجھ لینا چاہئے
کہ کل مذہب کے پابند بہتر ہیں کیونکہ وہ خدائے تعالیٰ کی ہستی کے معترف ہیں اور دہریئے منکر۔ دہریوں
کا جلد تر خاتمہ کر دینے کی کوشش مسلسل جاری رکھنا بہترین عبادات میں سے ہے۔

اجتماع الضدّین

مجدد بریلوی اور حکیم الامۃ تھانوی کی نسبت عام خیال تھا کہ یہ ہر دو بزرگ کسی واحد فیصلہ پر کبھی متفق نہیں ہو
سکتے۔ لیکن خدائے تعالیٰ کی شان ہے کہ مسئلہ خلافت و ترک موالات میں دونوں متفق الرائے ہوگئے۔
ناراضگی کا جا بجا اظہار کیا جا رہا ہے کہ اتفاق بھی ہوا تو کس مسئلہ میں۔ عام خیال یہ ہے کہ اِن دونوں بزرگوں
تمام ہند میں اختلاف ڈال دے گا۔ لیکن یہ خیال غلط ہے جمہور کے ساتھ تمام امور میں اُن کا اختلاف
ہے۔ ترک موالات کی ایک تجویز نمبر ۵ ایسی بھی ہے جس کو دونوں بزرگوار نے تسلیم کیا ہے اور وہ
برطانیہ کو فوجی امداد نہ دی جائے۔ دیکھو ہر دو بزرگوار کی یہ دو عبارتیں عبارت مجدد۔

"بیچنا ہر چیز کا جس میں اعانتِ حرب یا اہانت اسلام نہ ہو"

عبارت حکیم الامۃ:-

"البتہ فتنہ کے زمانہ میں اہل فتنہ کے ہاتھ بیع سلاح سے فقہاء نے منع فرمایا ہے"

لیجئے دونوں عبارتوں سے صاف واضح ہو گیا کہ دشمن اسلام گورنمنٹ کو فوجی امداد نہیں دینا چاہئے۔
کرام اور ہر دو بزرگوار میں صرف گورنمنٹ کے نام لینے اور نہ لینے کا فرق ضرور ہے لیکن نفس تجویز میں سب
بحمداللہ تعالیٰ کل تجاویز میں ایک تجویز ایسی بھی نکلی جو بلا اختلاف طے ہوگئی۔ لہٰذا اس متفق علیہ تجویز کو تمام
زیادہ اہم سمجھ کر اس میں زیادہ سعی کرنا چاہیئے:-

اللّٰھم انصر من نصر دین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم واجعلنا منھم واخذل
من خذل دین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ولا تجعلنا منھم وآخر دعوانا
ان الحمد للہ رب العالمین۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ نبیہ وحبیبہ سیدنا ومولانا و

نظام اسلام

مسلمانوں کی موجودہ حالت اور ان کی اصلاح کی ضرورت

یعنی

خطبۂ صدارت

رئیس الاحرار الحاج مولانا محمد علی صاحب مدظلہٗ

جو علمائے ہند کی کانفرنس منعقدہ کانپور میں

بتاریخ ۲۳ر دسمبر ۱۹۲۹ء کو پڑھا گیا

اور

الامان برقی پریس گلی قاسم جان دہلی میں چھپا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵

...کان ملّت و برادران ملّت !

...ں دونوں میں میری بے بضاعتی سے خدا عالم الغیب والشہود کے سوا خود مجھ سے زیادہ کوئی واقف و ...ی نہیں کہ میں نے حاشا و کلّا کبھی عالم دین ہونے کا دعوی نہیں کیا۔ بلکہ خود بارہا برادران ملّت ...عقیدت پر بھی تنہائی اور شبہائے تاریک میں آنسو بہا چکا ہوں۔ کہ ایک جماعت مجھے بھی مسلمان ...ی ہے۔ جب اپنی نفس پروری اور بداعمالیوں پر نظر ڈالتا ہوں، اور اسی کے ساتھ بعض مسلمانوں ...اس عقیدت مندی پر غور کرتا ہوں تو رو دینے پر مجبور ہو جاتا ہوں کہ جس ملّت کا مجھ جیسا شخص ...ائے۔ وہ خود کس قدر گم کردہ راہ ہو گی ؎

...وزار ہر دکو دیو ادر غم کدہ
جس کی بہار یہ ہو پھر اس کی خزاں نہ پوچھ

...نے اوائل عمر سے چالیس سال کی عمر تک اسکول کے طلبہ کی بھی کسی جماعت کی سرکردگی اور ...اجتماع کی بھی صدارت قبول نہیں کی تھی۔ اور اگرچند صدارتوں کے لیے مجھ سے کہا بھی گیا تو ...کر دیا کہ چالیسویں سال سے پہلے کسی ایسے منصب کو قبول نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ خود رسول اکرم ...ی اپنی عمر کے چالیسویں سال سے قبل مبعوث نہیں ہوئے تھے۔ ع

بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است

...صلی اللہ علیہ وسلم اور کہاں آپ کا ناچیز بھائی محمد علی، مگر جس نام پاک پر میرے بزرگوں نے ...س کا تو یہی تقاضا ہے کہ ہر امر میں اس ذات گرامی کی سنت پر عمل پیرا ہوں، جس کو خالق ...دو جہاں اور ہر دو جہاں کے لیے اسوۂ حسنہ قرار دیا۔ چنانچہ پہلی صدارت جسے میں ...تک عظیم کی مشکلات اور مصیبتوں کے زمانہ کی اس سیاسی مجلس کی صدارت تھی، جس کا ...سے گیارہ سال قبل ڈھاکہ میں اٹھایا تھا۔ ۱۹۱۷ء میں کلکتہ میں انڈین نیشنل کانگریس کے ...مسلم لیگ کا جلسہ منعقد ہونا قرار پایا۔ اور کانگریس کے لیے مسز بسنت کا نام تجویز گیا گیا، جو

دونوں بھائیوں کے چند سال بعد چند ماہ کے لیے نظر بند کر دیئے گئے تھیں تو لیگ کی صدارت کے لیے میرا نام تجویز کیا
یہ حکومتِ ہند کی قدر شناسی تھی۔ کہ اس نے مسز بسنٹ کو تو رہائی عطا کی اور وہ کانگریس میں صدارت (...)
لیکن مجھے ان سے بھی زیادہ خطرناک سمجھا۔ اور چھندواڑہ کی نظر بندی کے گھر سے کلکتہ تک لیگ کی صدارت
کے لیے بھی نہ جانے دیا گیا۔ حقیقتاً یہ قدر شناسی بھی میرے استحقاق سے کم نہ تھی۔ اس لئے کہ میں تو (...)
میں خود ایک شعر میں عرض کر چکا تھا کہ ؎

مستحق دار کو حکمِ نظر بندی ملا — کیا کہوں کیسی رہائی ہوتے ہوتے رہ گئی

بہر حال مسلمانوں کی طرف سے میری جو قدر افزائی کی گئی تھی، میں اس پر مطمئن نہ تھا۔ اور اپنے حالات سے (...)
واقفیت کی بنا پر جس کا میں نے اس خطبہ میں چھوٹتے ہی ذکر کیا ہے، میں نے ایک شعر اور بھی عرض کیا تھا
جو یہ ہے:۔ ؎

یہ صدر نشینی ہو مبارک تمہیں جوہرؔ — لیکن صلۂ وذجزا اور ہی کچھ ہے،

میں جس قدر اس صلہ کا متمنی تھا، اسی قدر اس کے متعلق غیر مطمئن بھی تھا۔ اور آج تک اسی طرح غیر مطمئن ہوں (...)
امید ہے، وہ سرکار دو عالم کی شفاعت اور خالق دو عالم کی رحمت سے ہے۔ ورنہ اپنی معاشی ہی سے اپنی معاد کا (...)
لگا سکتا ہوں اور لرزہ براندام ہوں ؎

اپنی تو صاحب یہی اوقات ہے — لے چلے ہیں اُن کی رحمت کا یقین

مسلم لیگ کی صدارت کے لیے جو انتخاب ۱۹۱۷ء میں ہوا تھا، اس کے لیے میری طرف سے نہ دو اور (...)
نہ نظر بندی کی قیود میں ہو سکتی تھی۔ سات برس بعد ہندوستان کی سب سے بڑی سیاسی جماعت انڈین نیشنل
کانگریس کی صدارت کے لیے میرا انتخاب ہوا۔ مگر اس بار نہ صرف نظر بندی تھی بلکہ قید تنہائی۔ جب اس قید سے
رہائی ملی، تو معلوم ہوا کہ تمام صوبجات کانگریس کمیٹیوں نے بہ اتفاق رائے میرا انتخاب کر لیا تھا۔ اور اس (...)
جبکہ مہاتما گاندھی تحریک ترکِ تعاون کے ہندوستان میں بانی اور سرکردہ خود مقید تھے۔ اس صدارت کے (...)
کرنے سے انکار میدان سے فرار کا مترادف ہوتا، اس لیے کہ کرنا نہ کرلوں گا، اس منصب کو مجھے قبول کر (...)
افسوس کہ ہندو مسلمانوں کا وہ اتحاد جس کی طرف میں نے اور میرے رفقائے کار نے مسلم لیگ کے
ذریعہ سے برسوں پیشتر قدم بڑھانا شروع کیا تھا۔ اور جو اس سال بظاہر معراج کمال پر پہنچ گیا تھا جس سال کہ
اور میرے دیگر رفقائے کار مقدمہ کراچی کے بعد سزایاب ہوئے۔ میری رہائی اور کانگریس کی صدارت (...)
قائم نہ رہ سکا۔ ہم اس چمن کو ہرا بھرا چھوڑ گئے تھے۔ یہ ہمارا قصور نہیں کہ جب ہم قید سے چھوٹ کر آئے تو
مرجھایا ہوا اور خزاں دیدہ پایا۔ اسی دلخراش تجربہ کے متعلق میرا ایک شعر ہے، ؎

فایتہ فصل گل میں جو مرغ اس کو گلشن میں • قفس سے چھٹتے ہی صید غم جور و خزاں پایا

ت سے زیادہ اس سے کوئی واقف نہیں کہ ہم نے قید سے چھوٹنے کے بعد ہندو مسلم اتحاد کو از سر نو
ے لیے کتنے جتن کئے، اور مسلمانوں میں اپنی ہر دلعزیزی کو کس طرح گنوایا۔ مسلمانوں میں کون ہے جسے
یاں نہ دی ہوں۔ اور جس کی گالیاں نہ کھائی ہوں۔ الحمد للہ کہ ۲۰ مارچ ۱۹۲۷ء کو دہلی میں مختلف الخیال
ں کے ایک جلسہ میں خداوند کریم نے ہمیں وہ تدبیر سمجھا دی، جو سیاست میں ہندو مسلمانوں کے
اتحاد دینے والی تھی۔ اور سال بھر کی کوشش اور داد و دہش کے بعد یہ امید بندھی کہ جس تجویز کو کانگریس
ل دونوں نے قبول کیا تھا، وہ ہندوستان کے دستور اساسی کی بنیاد بن جائے گی۔ اور اس پر ایک
ت استقلال، آزادی، انصاف اور رواداری کی جلد قائم ہو جائے گی لیکن اپنی علالت کے باعث مجھے
ہندوستان سے باہر رہنا پڑا۔ اور جب جرمنی کے ایک خانگی شفاخانہ میں نہ صرف صاحب فراش
ہر دو طرح پابند پڑا تھا۔ تو نہرو کمیٹی کی وہ رپورٹ میرے پاس پہنچی۔ جس نے ہندو مسلم تنازعات کی خلیج
یا ہے کہ بظاہر اس کے پاٹنے کی کوئی امید نہیں کی جا سکتی۔ جس علاج کے لیے میں گیا تھا، اس نے
ن تبلغ فطرت کے نام سے مجھ پر وہ پابندیاں عاید کیں، جن کی بدولت میں رو بہ صحت ہو گیا۔ ورنہ اندیشہ
ا کہ گذشتہ ہی میں اس دنیا کو خیرباد کہہ گیا ہوتا۔ لیکن اتنی صحت پانے پر مجھے بھلا کب چین تھا۔ دل اس
ے دیکھنے کے لیے بے قرار تھا۔ جس کے لیے گذشتہ ۱۵ - ۲۰ برس میں کچھ نہ کچھ جد و جہد ہوتی رہی
جائے بحری سفر ہی اختیار کرنے کے جو دو ہفتہ میں مجھے ہندوستان میں پہنچا دیتا، میں بری راستہ
ے شمال و مغرب سے جنوب مشرق تک (diagonal) (خط وتر) کاٹتا ہوا۔ اور یورپ کی مادی
ے سب مدارج پر نظر ڈالتا ہوا، آستانہ سعادت قسطنطنیہ پہنچا۔ برطانیہ اور فرانس، ہالینڈ اور بلجیم،
جرمنی، آسٹریا اور ہنگری، یوگوسلافیہ اور بلغاریہ اور یونان میں سے گذرتا ہوا سرزمین ترکی میں آیا۔
ے ایکشن پر جس کے لیے اس زمانہ میں ہر کلمہ گو کی دعائیں فرش سے عرش تک رہی تھیں گاڑی
ر کے بارگاہ خداوندی میں زمین بوس ہو کر سجدہ شکر کیا۔ کہ خداوند کریم نے مجھے کفرستان سے نکال
سلام پہنچایا۔ حضرات آپ نہیں جان سکتے کہ ایک قلب مسلم پر اس وقت کیا کیفیت طاری
گروہ ایک مدت تک سرزمین اسلام سے جدا رہ کر آگے اور پیچھے، دائیں اور بائیں سوائے
ہو چکا ہو، سرزمین اسلام کو پلٹتا ہے۔ یورپ میں ہر اس شخص کے لیے جسے خدا نے دولت عطا
ہے۔ لیکن آپکو یہ سُن کر حیرت ہو گی کہ ایسے شخص کو بھی نماز پنجگانہ ادا کرنے میں ہزاروں مشکلات
س چیز کا ملنا سب سے زیادہ مشکل معلوم ہوتا ہے، وہ خدا کی وسیع زمین میں ایک گز

بحر کا ایسا ٹکڑا ہے، جس پر کہ ایک مسلمان اپنا مصلیٰ بچھا کر قبلہ رُو کھڑے ہو کر بہ اطمینان قلب نماز پڑھ سکے۔ اگر ...
آپ کے سامنے اس کا اظہار کر دوں، کہ میں نے تھیٹروں اور سینماؤں، ہوٹلوں اور تفریح گاہوں اور پارلیمنٹ کے ...
گوشوں میں کس کس کی منت سماجت کر کے کس کس طرح فریضہ نماز ادا کیا ہے۔ تو یہ خود ایک چھوٹا سا سفرنامہ ...
بن جائے گا۔ اور سرکیہ اسٹیشن پر نصف شب کے قریب گاڑی کے رکتے ہی چنگی والوں اور پولیس سے اجازت ...
پانے کے پہلے ہی گاڑی سے کود کر سر بسجود ہونے کی لذت مجھے اس وقت محسوس ہوئی، جبکہ ایک بسکٹ یا میل بیچنے ...
والا لڑکا میرے سامنے سے گذرتے گذرتے رُک گیا۔ اور پھر کترا کر میرے پیچھے سے گذرا۔ یورپ کی سرزمین پر ...
لئے یہ پہلا تجربہ تھا۔ کہ ایک انسان نے دوسرے انسان کے ایک سجدہ کی قدر کی جسے وہ قبلہ رو ہو کر بارگاہ ...
خداوندی میں ادا کر رہا تھا۔ ورنہ بارہا سینکڑوں ڈھور ڈنگروں کی طرح سے اس وقت میرے سامنے سے ...
گذر چکے تھے۔ جب کہ میں نماز میں مشغول ہوتا تھا۔ اور نہ پہنچ کر اس لڑکے کی اس کارروائی پر میرا دل باغ باغ ہو گیا ...
اور میں نے پالیا کہ اور نہ ابھی سرزمین اسلام میں شامل ہے۔ اور میں نے خدا پاک سے بہ گریہ وزاری دعا کی ...
خداوندا ترکی کو اسلام کی دولت سے کبھی محروم نہ کریو، اسے ہمیشہ اس دولت سے مالا مال رکھیو۔ اور اسے ...
نشر و تبلیغ اسلام بنائیو۔ تاکہ نہ صرف دائرہ اسلام میں قائم رہے، بلکہ سارے یورپ کو بھی دائرۂ اسلام ...
میں داخل کرائے ۔

یورپ کی ترکی سے گذرتا ہوا ایشیائے ترکی میں پہنچا۔ اور یونانیوں کے ہاتھ اس کی تباہی کا نظارہ کر ...
شام پہنچا۔ اور ان مقامات سے گذرا جہاں سرفروش درویشوں اور اُن کے رفقار نے فرانس کے ...
وہ داد شجاعت دی کہ جس کی نظریں اوائل اسلام ہی میں ان فتوحات میں ملتی ہیں، جو حضرت خالد بن ولید ...
رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور حضرت ابو عبیدہ جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں انہیں مقامات میں مسلمانوں ...
کو نصیب ہوئی تھیں۔

اسی طرح فلسطین پہنچا۔ اور ان میدانوں میں سے گذرتا ہوا جہاں صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ ...
نے رچرڈ شیر دل کو پیہم شکست دے کر نامراد اور مایوس انگلستان کو واپس کیا تھا۔ اور اب جہاں اسی ...
کی سلطنت کے حاشیہ نشین یہودی اپنی نو آبادیات میں مسلمانوں پر مسلط ہیں۔ مصر پہلے ہی جا چکا تھا ...
دوبارہ بھی جاتا۔ مگر سرحد فلسطین پر سے باوجود انگریزی دفتر خارجہ کا پاسپورٹ موجود ہونے کے ...
افسر پولیس کے واپس کرنے پر مجبوراً دمشق واپس گیا۔ اور چار دن تک تاروں کے ذریعے سے جدوجہد کے ...
بعد بحمد اللہ فلسطین جانے پر قادر ہو سکا۔ مگر اتنا وقت نہ رہا تھا کہ اپنے ہم سبق محمد پاشا محمود وزیر اعظم ...
دعوت پر ان کے پاس جا کر ٹھہرتا۔ اور ان سے پوچھتا کہ یہ مصر میں کیا ہو رہا ہے۔

فلسطین سے واپسی پر عراق کا عزم تھا۔ ساری رات سخت بارش میں موٹر کا سفر طے کرتا ہوا، راستہ بھولتا ہوا
ہوا بہ ہزار دقت نماز فجر کے وقت دمشق پہنچا۔ مگر معلوم ہوا کہ یہاں بھی حکومت برطانیہ نے خود اپنے
یرٹ کی ساکھ نہ قائم رکھی۔ اور حکم امتناعی بغداد سے بھجوادیا۔ دو دن پھر تاروں کے ذریعہ سے جہاد میں
رہا۔ اور بالآخر بادیہ شام کو موٹر لاری میں طے کرتا ہوا عراق پہنچا۔ اور جس طرح خلافت امویہ کے مرکز شام
بات دیکھی تھی، اسی طرح خلافت عباسیہ کے مرکز عراق کی موجودہ حالت کا اندازہ کیا۔ اور بڑی سفر کا
خلیج / پانچ چھ دن کا بحری سفر بھی کیا۔ اور ملک ہندوستان کے اس حصہ میں میرا جہاز لنگر انداز ہوا
سب سے پہلے علم اسلام ہندوستان کی سرزمین پر نصب ہوا تھا۔ اس سفر میں ممکن نہ تھا کہ ان قیود اور پابندیوں
رہ سکتا۔ جن کی بدولت بفضلہ تعالیٰ میں یورپ میں رو بہ صحت ہوا تھا۔ نہ غذا ہی کی احتیاط ہو سکی، نہ ورزش
جاری رہ سکی۔ رہا آرام سکوت اور اطمینان قلب، سو ان کا بالکل فقدان تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب ہندوستان
مرض پہلے سے زیادہ شدید ہو گیا تھا۔ اور سکون اور آرام کی پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت تھی۔ مگر کراچی
بار مجھے اس کا علم ہوا، کہ صوبجات کی خلافت کمیٹیوں نے اسی طرح صدارت خلافت کے لیے
ب کیا ہے۔ جس طرح پانچ سال پیشتر کانگریس کمیٹیوں نے کیا تھا۔ اب جبکہ میرے متعدد رفقائے کار
انوں کی سیاست سے روگرداں ہو کر نہرو رپورٹ کے لیے پروپیگنڈا کر رہے تھے۔ میرا صدارت سے
ے بدتر ہوتا۔ اس لئے ایک بار پھر کرہاً نہ کہ طوعاً صدارت قبول کرنی پڑی۔ گو میرے ذاتی مصائب
صحت کی خرابی نے مجھے زیادہ تر ایک عضو معطل ہی رکھا۔

ہے ایک طولانی داستان میری زندگی بھر کی تین صدارتوں کی۔ اور میں آپ کو اور سب بھائیوں کو
ہوں، کہ ان تجربات کے بعد جو مجھے ان صدارتوں کی بدولت نصیب ہوئے ہیں، میں چوتھی صدارت
پھر وہ بھی علمائے کرام کی کسی جمعیت یا اجتماع کی صدارت کا جب کہ مجھ سے زیادہ میرے
کوئی بھی قائل نہیں۔ البتہ مسلمانوں کی جو حالت یورپ اور ایشیا اور افریقہ کے ایک حصہ
ہوں ان کے بعد میں بیتاب تھا، کہ علمائے کرام کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک بار ان سے التجا
آپ بھی مسلمانوں کی حالت زار پر توجہ فرمائیں۔ اور اگر مسلمانوں کو اس مسکنت سے بچانا ہے،
سے بڑا غضب الٰہی ہے، اور جس میں محکوم اور غلام قومیں مبتلا کی جاتی ہیں۔ اور انہیں اس فقرے
ذریعہ ہے کہ کفر ہو جائے اور اس الحاد اور دہریت، بے دینی و بے حیائی کے سیلاب کی دست
بچائیے، جو مغرب سے مشرق کی طرف از راہ ٹرکی و شام و مصر و عراق، ایران و ہندوستان
ایک بار پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے قرون اولیٰ کی طرف عود فرمائے۔

اور اس صحیفہ ربانی کی تعلیم کو جس کے کلام الٰہی ہونے میں ریب و شک کی مطلق گنجائش نہیں، اور اسوۂ
نبوی کی تعلیم کو جو ہمارے لیے اسوۂ حسنہ اور خلق عظیم کا نمونہ پیش کرتی آئی ہے، عالم میں پھیلائے تاکہ
عالم میں نور اسلام پھیلے۔ اور یہ عالم گیر مذہب تمام قلوب انسانی کی فتح و تسخیر کرے۔

اس پیغام کو بزرگان ملت کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے کسی صدارت کی ضرورت نہ تھی لیکن
میرے قدیم کرم فرما مولانا عبدالماجد القادری صاحب بدایونی مدظلہ العالی کے اصرار کا، جو گذشتہ
جبکہ میں مفصلہ بالا سفر سے واپس آیا۔ اس وقت تک برابر جاری ہے۔ اور جس نے انہیں اور مجھے
ساتھ کتنے ہی اور بزرگان و برادران ملت کو مشکلات میں پھنسا دیا، نہ میں اس کا مستحق تھا نہ متمنی لیکن
بزرگان دین کے ایک بڑے اجتماع نے مجھے صدارت کا بلا طلب و بلا استحقاق شرف بخشا ہے۔
اسے صرف اس لئے قبول کیا ہے۔ کہ گو میری بے علمی پر اگر کوئی ہلکا سا پردہ کبھی پڑا بھی ہوا تھا، تو آج
جائے گا۔ تاہم علماء اسلام پھر ایک بار قرن اولیٰ کی وسیع النظری کا ثبوت دیں گے۔ اور دنیا پر ثابت
گے، کہ وہ اِن علمائے دین میں نہیں ہیں۔ جو امیّوں کے ذرا بھی روادار نہیں، اور جن کا قول

مَا عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ

جس چیز کی آج سب سے بڑی ضرورت ہے، وہ دنیاداروں اور دینداروں کی تفریق کو مٹانا ہے۔
علماء کی ایک مخصوص جمعیت کے قیام دوام کا قائل ہوں اور اُسے محض علماء کے لیے مخصوص
ہوں۔ تاہم اس تفریق سے بیزار ہوں، جو ایک سدّ سکندری بن کر دین داروں اور دنیا داروں کے
ہو گئی ہے۔ اور اس دیوار میں جو شگاف آج بزرگان دین خود کر رہے ہیں، اس سے فائدہ اٹھا
میں اپنے معروضات اس غرض سے بھی پیش کرنا چاہتا ہوں، کہ ہر دنیادار کو دیندار بنانے کی کوشش
اور دنیا میں کم از کم نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت میں کوئی اُمّی ایسا نہ رہنے پائے جسے علوم
سے مالا مال نہ کر دیا جائے۔ میرے نزدیک دنیا اس صراط مستقیم کا نام ہے، جسے ساری دنیا کے
فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ نے بنایا ہے۔ اور علمائے دین کی یہی کوشش ہونا چاہیئے کہ سب
ایک دن عالم ہو جائیں۔ اور بقول شاعر یہ حال ہو ؎

من تو شدم من تو شدی من جاں شدم تو تن شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

حضرات آپ میں سے کون ہے جو اس حقیقت سے واقف نہیں کہ یہ اُمّی امت مرحومہ
خالق دو جہاں نے آخری صحیفہ میں ارشاد فرمایا تھا کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ

عن المنکر و تؤمنون باللہ ہم ہی وہ بہترین امت ہیں جو نوع انسان کی ہدایت کئے گئے تھے۔ تاکہ تمام بنی آدم کو نیکی کا حکم دیں۔ انہیں بدی سے روکیں اور خداوند کریم پر ایمان لائیں ہیں کو دنیا کا اولوالامر بنایا تھا۔ تاکہ ہم تمام عالم کے لیے آمر بامر اللہ ہوں۔ لیکن آج دنیا کے نقشہ پر نظر دیکھئے کہ ہمارا غلبہ اور تسلّط کہاں باقی ہے۔ امریکہ کا نصف کرہ ارضی تو ہماری حکومت سے سراسر خالی ہے ترقیات میں ساری دنیا میں اعلیٰ اور ارفع ہے۔ اسی کے بعد دوسرے کرہ ارضی میں یورپ کا براعظم رف ایک جنوب و مشرق کے گوشہ میں ٹرکی کی حکومت باقی ہے۔ ہم نے اس براعظم کی تسخیر کو جنوب ے اسلام کی پہلی ہی صدی میں شروع کیا تھا۔ اور سب سے زیادہ حیرت انگیز یہ امر ہے کہ جو براعظم ترقیات میں سب سے پیچھے ہے۔ یعنی افریقہ، ہم نے اس کے ایک بڑے حصّہ کو بڑی مشکل سے ے بعد ہی اسی کی آبادی کی مدد سے یورپ میں اسپین کی تسخیر کی تھی۔ اور ہماری فتح کا سیلاب پیرس سے پوارز کے میدان میں تک پہنچ گیا تھا۔ اس کے بعد ہی سسلی اور جنوبی اٹلی میں ہماری سلطنتیں قائم ہوگئی افسوس کہ جوں جوں ہم اسلامی اخلاق سے دور ہوتے گئے، عربی قبائل کے شعار خانہ جنگی نے اپنا دیا۔ گو بظاہر مادی ترقیات پھر بھی نظر آتی رہیں۔ لیکن جس طرح عصا سلیمانی کو بیت المقدس میں گھن آخر بنی اسرائیل کی فلسطینی قلمرو کے ٹکڑے ہوگئے۔ اسلامی حکومت میں بھی درحقیقت ہماری بداخلاقی تھا۔ اور اموی، عباسی اور فاطمی خلافتوں نے جو ایک ہی وقت میں قائم تھیں، ہمارے اصلی فرض وت بن کر ظاہر کر دیا کہ اب ترقی نہیں، بلکہ زوال کا دور دورہ ہے۔ یہاں تک کہ ہم اندلس سے ہوئی اس سے نصف صدی قبل یورپ کے ایک دوسرے کونے میں ترکی فتوحات نے امید کی ایک اور ایک زمانہ میں ہم وائینا کا دروازہ کھٹکھٹانے لگے۔ مگر ہمارا سیلاب فتح آگے نہ بڑھ سکا۔ کی بتدریج وہ حالت ہوگئی، جو ہندوستان میں برسات کے بعد گنگا کے پاٹ کی ہوجاتی ہے دنوں میں وہ ایک معمولی ندی کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ یہ آخری دور خود ہماری آنکھوں کے اور ۱۹۲۰ء میں صلح نامہ سیورے کے بعد تو سلطان ٹرکی جو اب حقیقتاً خلیفہ رسول اللہ صلعم رہا تھا۔ اسی طرح باسفورس کا قیدی بن گیا تھا۔ جس طرح کہ پاپائے روم اور پکین کا قیدی تھا۔ اس مسلموں کی اعانت سے عربوں نے تسخیر یورپ کا عزم بالجزم کیا تھا۔ اب ریف تک میں کی حکومت نہیں رہی۔ اور مصر بھی ایک برطانوی نوآبادی بن کر رہ گیا۔ جس کا سوڈان میں برائے تھا۔ خود ایشیا میں جو نہ صرف ہمارا بلکہ بہت سی اور قوموں کا بھی مذہبی مرکز تھا۔ ترکوں کی رہی تھی۔ وہ جزیرۃ العرب جس سے مشرکین یہود اور نصاریٰ کے تسلّط کے اخراج کی وصیت

سرورِ کائنات اپنے دم واپسیں سے فرما چکے تھے۔ اور جیسے خلافت راشدہ کی ابتدا ہی میں آپ کے
نے پورا کرا یا تھا۔ آج ہمارے قبضہ اور حکومت سے باہر ہے۔ اور خود حرمین شریفین کے متعلق کون
کہ ہمارے یہ مرکزی حصار اغیار و اجانب کے دخل و اثر سے محفوظ ہیں۔ سارے عالم اسلام میں ہندوستان
وہ ایک ملک تھا۔ جہاں کے مسلمانوں نے باوجود اپنی ملت کی محکومیّت کے قلمرو خلافت کی حفاظت کے لیے
جہاد کیا تھا۔ اور ان استعماری دول کا مقابلہ کیا تھا، جن کی شان میں قرآن کریم فرماتا ہے کہ يَقْطَعُوْنَ مَا
اللّٰهُ بِهٖ اَنْ يُّوْصَلَ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان والے بدبخت ہمیں سب سے پہلے
اور جس طرح وہی بچے سب سے پہلے صبح کو جاگ اُٹھتے ہیں، جو سرِ شام سو جایا کرتے ہیں۔ ہمیں اس خواب
سے سب سے پہلے بیدار ہوئے تھے۔ جس میں آج تک مظلوم فلسطین اور یمن کے سوا سارہ جزیرۃ العرب
ہے۔ مصطفٰے کمال پاشا کی بے نظیر قیادت اور احرار ترکی کی شجاعت اور خود مسلمانان ہندوستان کی قربانیوں
بالآخر یہ نتیجہ ہوا کہ سب سے بڑی استعماری دولت برطانیہ نے ایک شکست خوردہ غنیم کے مقابلہ میں
لوزان میں صلح نامہ سیورے سے چاک کر دیا گیا۔ انگورہ میں ایک معنبوط جمہوریہ ترکی کی بنیاد پڑی۔ اور قاچاری
ایران نے بھی شاہ رضا پہلوی کی قیادت میں چولا بدلا۔ اس سے پہلے ہی سپہ سالار غازی نادر خان
قیادت میں افغانستان نے برطانوی صیانت سے آزادی حاصل کر لی تھی۔ اور شاہ امان اللہ خان کی حکومت
ہماری امیدیں بندھا دی تھیں۔ بظاہر اسلامی حکومت کا ایک نیا دور شروع ہوا تھا۔ اور
علاوہ جہاں کے حکمران بیدار مغز تھے۔ شام میں بھی دروسیوں کی بدولت اور عراق میں بھی چند قبائل کی
امید بندھ چلی تھی کہ بفضلہ تعالیٰ جزیرۃ العرب بھی جلد استعمار کے پنجے سے نکل جائے گا۔ ادھر مصر
پاشا زاغلول کی قیادت میں مصر نے اور محمد بن عبدالکریم کی قیادت میں شمالی مراکش میں استعماری
جوش و خروش سے مقابلہ شروع کر دیا تھا، کہ افریقہ سے بھی ہمیں وہی توقعات ہونے لگی تھیں۔ جو اس سے
طرابلس نے ہلالی دنیا کے متعلق ہمارے دلوں میں پیدا کر دی تھیں۔ مگر کسے معلوم تھا کہ ان مادی توقعات
اسلام کے لیے اس طرح خاتمہ ہوگا کہ خود حکومت ترکی جو چار سو برس سے سیلاب، کفر و الحاد کو ایک
بند کی طرح روکے ہوئے تھی۔ وہ سرزمین یورپ پر اسلام کے ہراول اور مقدمۃ الجیش بننے کی بجائے
بانگِ دھل اس کا اعلان کرے گی، کہ اس کا کوئی مذہب نہیں۔ اور ایران اور افغانستان میں بھی
نقالی رنگ لائے گی۔ الحمدللہ کہ یمن ابھی سیلاب کفر و الحاد سے بچا ہوا ہے۔ اور فلسطین بھی
عثمانیہ سے دوران جنگ میں منقطع ہو جانے کے صیہونیت کے طفیل سے اب پھر
ہو رہا ہے۔ لیکن باقی جزیرۃ العرب بھی حکومتِ ترکی، ایران اور مصر کی طرح

...رجحان اور میلان طبیعت کی بنا پر میں نے مؤتمر اسلام کے موقع پر مکہ معظمہ میں مختلف اقطار عالم اسلام
...ں کی خدمت میں عرض کیا تھا۔ کہ الوطینۃ حیل الوثینۃ میں جب آج سے تیس اکتیس برس
...غرض سے آکسفرڈ جا رہا تھا۔ تو اپنے ایک بزرگ سے رخصت ہونے گیا۔ انھوں نے فرمایا کہ اگر
... برس کی تعلیم و تربیت کا تم پر کچھ اثر نہیں ہوا ہے، تو اس وقت کی چند منٹ کی پند و نصیحت کا
... لیکن ایک بات پھر بھی کہوں گا اور وہ یہ ہے۔ کہ تم یورپ جاؤ گے۔ وہاں بہتر سے بہتر تعلیم پاؤ گے۔ اور
...یاب ہو کر لوٹو گے۔ تب بھی ہمیں تو اسی وقت خوشی ہوگی، جب ہم دیکھیں گے کہ تم مسلمان ہو۔ اگر زیادہ سے
...بت بھی حاصل کر کے تم لوٹے مگر مسلمان نہ رہے، تو ہمیں کیا خوشی ہوگی۔ ہمارے دشمنوں میں ایک اور کا اضافہ
... اور اگر تم قابل ہو گئے تو اس کا اور بھی افسوس ہوگا۔ کہ ہمارے دشمنوں میں ایک قابل ترین فرد کا اضافہ ہوا
...ترکی و ایران اور دیگر ترقی یافتہ مشرقی حکومتوں کے متعلق کہہ سکتے ہیں۔ اگر وہ معراج ترقی پر بھی پہنچ گئیں، مگر
...سے خارج ہو گئیں۔ تو ہم کو کیا خوشی ہوگی۔ ہمارے دشمنوں میں چند قابل ترین حکومتوں کا اور اضافہ ہوا۔
...ت ترکی کے اعلان لامذہبیت کی مثال ریاست رام پور کے شاہی خاندان کے ایک بزرگ کی سی ہے۔ جن پر اس مکان
...کی نے جہاں وہ حکومت پذیر تھی، ہرجانہ کی ایک بڑی رقم کا اس بنا پر دعویٰ کر دیا، کہ اس کے قول کے
...ن نے اس سے نکاح کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن بجائے اس سے نکاح کرنے کے یا ہرجانہ کی مطلوبہ رقم ادا کرنے
...ن نے مقدمہ کی پیروی کی۔ اور انگلستان کے بڑے بڑے وکلا کو بصرف کثیر اپنا وکیل بنایا۔ ایک عرصہ
...مقدمہ چلا۔ اور غالباً ہرجانہ کی رقم سے بھی زیادہ روپیہ وکیلوں کی نظر ہوا۔ تاہم بالآخر یہ بزرگ فتحیاب
...ن کے رفقا کے ہاں فتح کے شادیانے بجے۔ مگر اس کے تیسرے ہی دن بعد انہوں نے سرکاری دفتر میں
...کے ساتھ اپنا نکاح پڑھوا لیا۔ یہی حالت حکومت ترکیہ کی ہے۔ اگر اسے دائرہ اسلام سے خارج ہی ہونا تھا
...پہلے ہی کہہ دیا ہوتا۔ نہ اتنے مسلمان اخباروں اور مطابع کی ضمانتیں ضبط ہوئی ہوتیں۔ نہ اتنے مسلمان قید
...ہوئے ہوتے، نہ اتنی جانیں حکومت ترکی کی نذر کی گئی ہوتیں۔ اور نہ دو کروڑ روپیہ کا سرمایہ اس غریب
...ترین ملت کی جیبوں سے نکلا ہوتا۔ جبکہ میں نے وائسرے ہند سے شاردا ایکٹ کے متعلق مسلمانوں کے
...کی کرتے وقت کہا تھا۔ ہم نے ترکی حکومت کی مدد اس لیے نہیں کی تھی کہ وہ اپنے وطن کی آزادی کے لیے
...تھے، بلکہ صرف اس لیے کہ ہمیں اندیشہ تھا، کہ اگر اسلام کی قوت بازو جاتی رہی۔ اور کہیں شریعت
...کی بے حرمتی کی گئی، تو ہم اس قابل نہ رہیں گے کہ اس کا انسداد کر سکیں، افسوس کہ شریعت اسلامیہ
...کی بے حرمتی خود حکومت ترکی کر رہی ہے۔ اور جب تک اس ذہنیت کی اصلاح نہ ہو جائے گی ہمیں
...نا پڑے گا۔ کہ مسلمانوں کی سیاسی حالت آج جتنی خراب ہے، اتنی جنگ بدر کے بعد سے جسے قرآنی

اصطلاح میں یوم الفرقان، یوم التقی الجمعان کا لقب عطا کیا گیا ہے۔ آج تک نہیں ہوئی۔

جو سکنت مسلمانوں کی سیاسی حالت پر آج تک رہی ہے، وہ بظاہر اس غضب ہی کا
بنی اسرائیل پر نازل ہوا تھا۔ لیکن بنی اسرائیل نے کم از کم اپنی اقتصادی حالت تو درست کر لی۔ مسلمانوں کی
حالت آج انکی سیاسی حالت سے بھی بدتر ہے۔ کسی ملک میں، کسی صنعت و حرفت میں ان کا کوئی
سوائے اس حصہ کے جو قلیوں اور مزدوروں کا ہے۔ اور وہاں بھی وہ مقابلہ میں پیچھے رہے جا رہے ہیں۔
ممالک میں بھی جہاں نام کے لیے مسلمانوں کی حکومت ہے، سرمایہ داری غیر مسلموں کا حصہ ہے۔
کی اصلاح جلد تر نہ ہو سکی، تو یہی نہیں کہ حکومتیں لا مذہبیت کا شکار ہو جائیں گی۔ بلکہ خدا نخواستہ مسلم
شکار ہو جائے گی جو قریں کفر ہے۔ یوں ہم فضلائے زندگی میں ایک سد سکندری قائم کر کے اسے دین
داروں میں منقسم کر دیں۔ لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ دنیا دار بے دین ہو جائیں۔ لیکن یہ پھر بھی نہیں ہو سکتا
ایک حد تک دنیا دار بنے ہوئے دنیا میں گذر کر سکیں۔ جب قوت لا یموت سے انبیاء کرام تک بھی بے
تو علمائے کرام کس طرح بے نیاز ہو سکتے ہیں۔ اور کچھ نہیں تو چھوٹے چھوٹے مدرسوں کی ایک تہ
گی۔ اور وہ درس گاہیں بھی اسی طرح منتشر ہو جائیں گی۔ جو دمشق، بغداد، قرطبہ اور قاہرہ کی جامع مسجد
تعلیمی مرکز قائم کیے ہوئے تھیں۔

آخری درجہ چھوٹی چھوٹی مساجد کی امامت اور محلہ والوں کی جمعہ، جمعرات کی بھیجی ہوئی روٹیوں پر قناعت
ہو گا۔ اور مساجد بجائے اجتماع ملت کے انتشار ملت کا سبب بن جائیں گی۔ علماء ممکن ہے کہ اس کے
رہیں۔ لیکن دنیا دار دنیا دار بھی نہ رہ سکیں گے۔ بلکہ گمان غالب ہے کہ اتحاد و کفر کی طرف قدم بڑھا
و دل محکوم رعایا کو یونہی غلام بنا رہی تھیں۔ مگر انہیں فقط اپنی ملت کے اتباع پر اصرار تھا۔ مذہب سے
تھا۔ اس لیے اتباع مذہب پر وہ مصر نہ تھیں۔ لیکن روس کی مطلق العنان شہنشاہی اور اس کے معاون
جب رعایا کو اس قدر پامال کر دیا کہ وہ بھی مرتا کیا نہ کرتا اور تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق بغاوت پر مجبور
ہوئے، تو ردعمل یہاں تک ہوا کہ سوویٹ ان کے معاون برہمنوں اور بطریقوں کا بھی وجود باقی نہ
صرف خداوندوں کی خداوندی کا بلکہ خود خدا کی خدائی کا بھی انکار ہے۔ اور اس پرانی دنیا کی بیزاری
سے بھی سخت بیزاری کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اور ساری دنیا کو بے دینی کی تعلیم دی جا رہی ہے۔
کہ بے دینی کا یہ پروپیگنڈا جو جبر و اکراہ کے ساتھ جاری ہے، کہاں جا کر رکے گا۔ عالم اسلام میں
تھا۔ جہاں محمد بن اسمعیل رحمتہ اللہ کے طفیل سے بخارا کا نام پہنچا۔ لیکن آج خود امام بخاری کے ملک
نوجوان کو اس عمر تک نہ کتاب اللہ پڑھائی جا سکتی ہے۔ نہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ جب تک

...عربی ۱۰ برس سے زیادہ نہ ہو جائے۔ اور اس کے بعد بھی مساجد و مکاتب پر جس طرح قبضہ کیا
...بتاتا ہے کہ بے دینی کا سیلاب وسط ایشیا تک تو امنڈ کر آچکا ہے۔ میں نے ایک حرف
...رعایائے ترکی کی بے دینی کے متعلق کہا ہے۔ مگر جب خود دارالحکومت ترکی میں سب سے بڑی مسجدوں
...وقت بھی مصلیوں کی جماعت میں مجھے پانچ سے زیادہ نمازی نہ ملے۔ اور اس سے متاثر ہو کر جو دعا
... اُسے سن کر اور بالآخر مجھے پہچان کر امام نے میرے کان میں کہا کر قرآن نہیں پڑھنے دیتا۔
...عربی میں بھی قرآن کریم کے پڑھنے کی صرف مساجد اور گھروں میں اجازت ہے۔ مدرسوں اور
...ت ہے۔ اور تفسیر اردو ترجمہ قرآن کہیں بھی نہیں پڑھایا جا سکتا۔ اور چونکہ عربی حروف کی جگہ لاطینی
...تعلیم دی جا رہی ہے۔ چند سال بعد کوئی ترک شاید مسجدوں اور گھروں میں بھی قرآن کریم پڑھنے
...رہے گا۔ اور اس طرح لاطینی لادینی کا پیش خیمہ ثابت ہو گی۔ تو کیا امید کی جا سکتی ہے۔ کہ رعایائے
...النّاس علیٰ دینِ مُلوکِھِمْ کی مصداق نہ بنے گی۔ اور اسی طرح مسلمان رہے گی۔ جس طرح کہ بحمدُ اللہ
...اس وقت تک البتہ ترکی قوم میں اسلام قائم ہے۔ اور سال گذشتہ میں جب تک کہ عربی حروف
...میں چھپتی تھیں۔ مولانا شبلی مرحوم کی سیرت نبوی کا ترکی ترجمہ شائع ہو کر چند ہزار کی تعداد میں فروخت
...مذہبی کتابیں اس سال خریدی گئی تھیں۔ کسی ایک سال میں بھی نہ نکل سکی تھیں۔ یہ علامات
...ترکی کی مذہبی حالت کا اندازہ کرنے میں ممد تھیں۔ لیکن نہیں کہا جا سکتا کہ اگر حکومت کی ذہنیت نہ
...قوم میں بھی کب تک باقی رہے گی۔ فقر و فاقہ وہ کام کرتے ہیں جو بڑے سے بڑا مبلغ نہیں کر سکتا۔
...دینی قوم کے لیے بھی اندیشہ ناک ہے۔ اسی سے ان اقوام اسلامی کی دینی حالت کے متعلق بھی
...جو پہلے قلمرو ترکی میں شامل تھیں۔ اور اب استعماری دول کے حلقۂ انتداب میں گرفتار
...ہندوستان جنت نشان کی سیر کیجئے۔ ہمارے متمول حضرات جن کی دینداری کا نظارہ گذشتہ
...میں کیا جا چکا ہے۔ اور اب تک یا تو اسی حکومت کی غلامی میں مبتلا ہیں۔ یا اگر اس سے نکلے ہیں
...کے حلقہ بگوش ہو رہے ہیں۔ مزدور غیر مسلم سرمایہ داروں کے دست نگر ہیں۔ اور کسان
...زمینداران تعلقہ داروں اور سود خوار قرض خواہوں کے مطیع و مستفاد ہیں۔ بلکہ اکثر صوبوں میں اپنی
...کے باعث ملت اغیار کا بھی اتباع کرتے ہیں۔ اور مراسم کفر و شرک میں مبتلا ہیں۔ ہمارے
...میں تبلیغ و تنظیم کا بہت کچھ کیا گیا۔ اور ڈھنڈورا پیٹا گیا۔ جس کا صرف یہی نتیجہ نکلا کہ آریہ سماج
...یقین دلایا کہ مسلمان وہ سب کچھ کر بھی رہے ہیں۔ جس کو وہ کہہ رہے ہیں اور ان کی تنظیم
...کی قوت پکڑ لی ہے۔ ہماری جماعت نے تبلیغ کو ملکانے ہی میں اس کا خاص تجربہ ہو چکا ہے

کہ اکثر تو تبلیغی مقابلہ محض نیلام کی بولی ہوتی ہے۔ پھر آپ ہی کہیے کہ ہمارے افلاس ہمارے غربا پر کیا اثر ہمارے غنی بھی غیروں کے اس قدر محتاج ہیں، تو پھر ہمارے محتاجوں کا کیا کہنا!

سیاسی اور اقتصادی حالتوں کی خرابی خود اس کی علامت ہے کہ ہماری تعلیمی حالت خراب ہے سد سکندری جو دین داروں اور دنیا داروں کے درمیان قائم کر دی گئی ہے۔ اس نے ہمارے مسدود کر دیا۔ ہم کو اپنے مذہب پر فخر تھا۔ اور ہم سمجھتے تھے، کہ ہم دنیا پر حکومت کرنے ہی کے لیے لیکن جب ہماری بداعمالیوں نے ہمیں محکوم بنایا، تو ہم روٹھ کر گھر بیٹھ رہے، اور دنیا کی مادی ترقیات نے مطلق فائدہ نہیں اٹھایا۔ لیکن مذہبی فخر بھی فقر و فاقہ سے ہمیشہ نجات نہیں دلایا کرتا۔ چنانچہ اولاد جوس

فرنگی کے پلیہ کو مردار سمجھے

حکومت کی ملازمت کرنے کے لیے جب بھوک کے باعث مجبور ہوئی اور اسے اس کے سوا چارہ انگریزی پڑھیے تو یا تو حکومت یا نصرانی مبلغین کی درسگاہوں میں داخل ہونے لگے۔ خدا بھلا کرے رحمتہ اللہ علیہ کا کہ جس طرح اُنھوں نے اپنے صوبہ کے لفٹنٹ گورنر کی تالیف کردہ سیرت رسول علیہ وسلم کے جواب میں اس غرض سے خطبات احمدیہ کو اردو میں لکھ کر اس کا انگریزی ترجمہ لندن انگریزی خواں مسلمان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت تو پڑھے بغیر نہ رہیں گے۔ مگر اسی زبان میں پڑھیں گے۔ جس سے ان کو روزمرہ واسطہ پڑتا ہے۔ یعنی انگریزی اس لیے بہتر ہوگا۔ کہ اس جواب انگریزی خواں مسلمان طلبار کے لیے انگریزی ہی میں مہیا کر دیا جائے۔ کر وہ اس کی غلط اعتراضات کے صحیح جوابات سے بھی واقف ہو جائیں۔

ٹھیک اسی طرح انہوں نے اسلامی یونیورسٹی کی علی گڑھ میں بنیاد ڈالی۔ جس کی صاف فقر و فاقہ کے باعث حکومت کی ملازمت کیے بغیر نہ رہیں گے۔ اور اسی طرح انگریزی ضرور پڑھیں انہیں انگریزی ایک ایسی درس گاہ میں پڑھائی جائے۔ جہاں علوم دینوی کے ساتھ دینی تعلیم بھی میں اس، وقت اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتا، کہ سر سید احمد خاں کے مذہبی خیالات صحیح تھے کہ آج ایک عالم دین بھی ایسا نہ ہوگا کہ جو اسلامی یونیورسٹی کے قائم کرنے کو سر سید احمد خاں مرحوم پر محمول کرے۔ تاہم جس وقت اس درسگاہ کی بنیاد رکھی گئی۔ علمار ہندان سے سخت بدظن تھے۔ طلبہ کے والدین کو مطمئن کرنے کی خاطر سر سیّد احمد خاں، نے اس کا التزام کیا، کہ مرسیٹیاں جو کیمبڈ تعلیم دینے کا انتظام کرے۔ اس کے وہ خود رکن بھی نہ ہوں اور ان کی تالیفات بھی دینیات

سرسید مرحوم کے اس التزام کا ایک نتیجہ تو بہت اچھا ہوا۔ یعنی والدین اپنے بچوں کو بجائے ان مدارس حکومت
دینی تعلیم مطلق نہ ہوتی تھی۔ یا عیسائی مشنیوں کی درسگاہوں کے جن میں بائیبل کی تعلیم لازمی تھی، مدرستہ العلوم
گڑھ میں بھیجنے لگے۔ مگر افسوس کہ جو تعلیم دینیات ان بچوں کو وہاں دی جاتی تھی، وہ محض ناکامی تھی۔ فقہ
کے چند ابتدائی مسائل کے سوا ہمیں وہاں کچھ نہ پڑھایا گیا۔ خدا بھلا کرے، مولانا شبلی مرحوم کا کہ کچھ
کالج کی جماعتوں کو ابتدائی نصف گھنٹہ میں کچھ ترجمۃ القرآن سنا دیا جاتا تھا اور ایک مختصر سا رسالہ سیرت رسول
ابتدائی تاریخ کے متعلق کالج کی جماعتوں کے درس میں داخل تھا۔ ورنہ نہ ہمیں مطالب قرآن سے
تھا، نہ حدیث نبوی سے اور نہ عقائد کے متعلق ہمیں کوئی تعلیم دی جاتی تھی۔ حقیقتاً اس کی وجہ یہ تھی، کہ
انھوں نے کالج کا سارا کام اکیلے سرسید احمد خاں پر چھوڑ دیا تھا۔ اور جب تعلیم دینی کے انتظام و اہتمام سے
ناراضگی کی بنا پر الگ رہے۔ تو شعبۂ دینیات ایسے لوگوں کے ہاتھ میں جا پڑا جن کی غفلت شعاری نے
تمام کر دیا۔ یہ حال جب اس درس گاہ کا ہو، جو بالخصوص مسلمان طلبار کے لیے قائم کی گئی ہو۔ تو پھر ان سکول
کا کیا پوچھنا۔ جہاں دین اسلام کی تعلیم بالکل مفقود تھی۔ دینی تعلیم محض دینداروں کے لئے رہ گئی، جن کا میں
ذکر کروں گا۔ رہے ہم دین دار۔ تو ان کے لئے دین کا تسمہ بھی نہ لگا رہنے دیا گیا۔ لیکن افسوس تو اس کا
دنیوی تعلیم بھی ان مدارس میں بالکل ناقص رہ گئی۔ دین نے آج تک یہ نہ سنا ہو گا، کہ کسی ملک کے
ملک کی تاریخ اور اس کا جغرافیہ کسی غیر ملک کی زبان میں پڑھایا جاتا۔ مگر یہ ہماری شامت اعمال تھی۔
حکومت نے ہمیں قوموں کی تعلیمی ڈور میں پاؤں باندھ کر دوڑایا۔ بجائے اس کے ہماری توجہ تمام تر دنیوی علوم
سیکھنے پر مرکوز ہوتی۔ ہمیں ان مدارس میں ہر علم سیکھنے میں ایک دوسرے ملک کی زبان کی مشکلات ہی سے
جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس طرح ہندوستان کے عربی مدارس میں طلبار تمے   صرف و نحو کے سیکھنے میں عمریں
گزار دی۔ بہت ہی کم کو انگریزی زبان صحیح طور پر لکھنا یا بولنا آئی۔ وہ علوم حاصل کرنا تو درکنار جنہیں ہمیں انگریزی
سیکھنا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستانیوں نے علمی دنیا کے کسی شعبہ میں نام نہیں پیدا کیا جو چند نام آور
مسلمان ہیں، ان کا شمار صرف انگلیوں پر کیا جا سکتا ہے۔ دوسری وجہ ہندوستانیوں کی
مسلمانانِ ہند کی علمی بے مائیگی کی یہ ہے کہ ہم نے اپنی درسگاہوں کو محض کلارک اور محرر صنع کرنے
کے لئے لگا رکھا تھا۔ اور ہم نہ سائنس دان بن سکے، نہ فلسفی، نہ مورخ، نہ ادیب بنے۔ تو وہی کلارک اور
عمال حکومت کے سامنے سرکاری کاغذات کو ترتیب دے کر پیش کرنا۔ اور اُن پر احکام حاصل
کرکے انہیں ملک کے ہر گوشہ میں ارسال کرتا تھا۔ یہ پتہ مارنے کا کام ہے۔ اور جو ملت دنیا
میں محکوم رہی ہو۔ اور جس نے ہندوستان میں صدیوں حکومت کی ہو۔ وہ ایک عرصہ دراز تک

محکوم رہے۔ اور سرکاری دفتروں میں نہ صرف انگریزوں بلکہ دوسرے ہندوستانیوں کی غلامی کرنے کے بعد
پتہ مارنے میں اتنی کامیاب نہ ہو سکے، جتنی کہ بظاہر سرکاری دفاتر میں ضرورت ہے۔ چنانچہ ہم اس
تعلیم میں بھی آج سب سے پیچھے نظر آتے ہیں۔ جاپان کو جب محسوس ہوا کہ وہ ترقی کی دوڑ میں دنیا
پیچھے رہ گیا، تو اس کے ہر باشندہ نے اپنا خانگی میزانیہ اس طرح بنایا، کہ اپنی آمدنی کا ایک ثلث گھر
کے لیے رکھا۔ ایک ثلث بچوں کی تعلیم کے لیے اور ایک ثلث، قوم کی امداد کے لیے۔ ہم ایک ثلث
عشر بھی ملت یا ہندوستانی قوم کے لیے وقف نہ کر سکے۔ لیکن غضب تو یہ ہے کہ ہم اپنے بچوں کی تعلیم
کے لیے بھی ایک ثلث نہ نکال سکے۔ جو کچھ ہوا، وہ گھر بار پر صرف ہوا۔ ہم اپنے گھر بھی نہ بنا سکے۔ بزرگوں
جو محل، سرائیں اور حویلیاں تھیں وہ بھی دست برد زمانہ اور بے حرمتی کے باعث گرنے لگیں۔ مگر کھانے اور
البتہ ساری سخاوت ختم کر دی، اور اگر کہیں کچھ کسر باقی رہ گئی تو پھر اس کو نفسیات اور معیات نے پورا کر
کبھی کوئی مجھ سے قومی کاموں میں مسلمانوں کی مالی امداد نہ کرنے کے عذر کے طور پر ان کے افلاس کا
تو میں اس سے پوچھتا ہوں کہ کیا اس نے ہماری چھٹی اور مونڈن، ختنہ، منگنی، عرس شادی اور غمی کی رسوم
ہماری خوشی اور غمی کے تہواروں میں ہمارے اسراف کو نہیں دیکھا۔ اور کیا تھیٹروں اور سینماؤں کے
کے آگے اور چکلوں کی سڑکوں پر مسلمانوں کا ہجوم اس کی نظر سے نہیں گذرا۔ حقیقتاً ہماری معاشرتی
نے ہمیں نہ دین کا رکھا نہ دنیا کا۔ پھر تعلیم میں ہم ہندوستان کی دوسری ملتوں سے بھی اگر پیچھے نہیں
قصہ مختصر آج دنیا کے کسی حصہ میں ہماری تصنیف و تالیف، تحقیق و انکشاف کا انتظار نہیں
صرف دنیا کی بلکہ خود ہندوستان کی بھی پسماندہ قوموں میں ہمارا شمار ہوتا ہے۔ اسی حالت
نے یہ شعر لکھا تھا کہ ؎

اس شان امتیاز کو دیکھو کہ اہل کفر
مومن سمجھ رہے ہیں ہمیں خوار دیکھ کر!

دنیادار دل کی اور خود دنیوی علوم میں بے بضاعتی کا تو یہ حال ہے۔ اب دینی تعلیم پر بھی
دیکھیں۔ بزرگان ملت میں آپ ہی سے پوچھتا ہوں کہ کیا آج آپ علوم دین کی تعلیم سے
ہیں عالم نہیں۔ اس لئے علمائے کرام کی علمی مالا مالی یا کم مائیگی پر کس طرح تبصرہ کر سکتا ہوں۔
اور اُمّی کی حیثیت سے یہ عرض کر سکتا ہوں کہ ہم جہلاء علوم دین میں کس کس چیز کے محتاج
اب تک کم از کم ہمارے لیے بہم نہیں پہنچایا۔ ہم اردو کو سارے ملک کی مشترکہ زبان تسلیم
آج کل دوسری ملتیں اور زبانوں کی طرف سے یہی دعوے پیش کر رہی ہیں۔ لیکن کیا ہم

زبان میں کوئی قابل اعتماد ترجمہ قرآن کریم بھی شائع کر دیا۔ خدا کی رحمتیں نازل ہوں۔ شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کے خاندان پر کہ انھوں نے ہم جیسے جہلا کو بھی ایک حد تک اپنے ترجموں سے اس قابل ہو جائیں سکیں کہ کلام الٰہی میں ہمارے لیے کیا کیا ہدایات موجود ہیں۔ مولانا نذیر احمد صاحب مرحوم نے وضع القرآن ہی کی مدد سے آجکل کی مروجہ اردو میں ترجمۃ القرآن شائع فرما کر ہزاروں، لاکھوں مسلمانوں پر فرمایا۔ لیکن میں نے علماء ہی کی زبان مبارک سے سنا ہے، کہ وہ ترجمہ اس جگہ قابل اعتماد نہیں۔ حال ہند رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کے اُردو ترجمہ کو آجکل کی زبان میں از سر نو جس کی اشاعت کا انتظام محمد للہ مالک اخبار مدینہ نے کر دیا۔ لیکن میں نہیں کہہ سکتا کہ اس سے راتج امکان نہیں، لیکن اگر اسی پر قناعت کی جائے تب بھی کیا کروڑہا اردو دانوں کے لیے چند قابل اعتماد ضرورت نہیں جو ان تمام دروغ بانیوں کو پیش نظر رکھ کر تیار کی جائیں۔ جو یورپ کے مطابع سے نکل کر دنیا میں اسلام اور قرآن کریم کے خلاف پھیلائی جا رہی ہیں۔ چند بزرگوں نے احادیث کا اردو ترجمہ بھی فرما دیا ہے۔ لیکن اگر کوئی مجھ جیسا جاہل مسلمان کسی امر کے متعلق صرف صحاح ستہ ہی کی تمام احادیث کے مطالب سے آگاہ ہونا چاہے تو آج انہیں کی ایک انڈکس یعنی حروف تہجی کے مطابق مرتب فہرست بھی نہیں مل سکتی۔ اور ہر امر میں اسے علمائے کرام کا محتاج اور دست نگر رہنا پڑتا ہے۔ حقیقتاً یہی حال قرآن کریم کی فہرست مضامین کا ہے۔ جسکی ترتیب اردو میں آجتک نہیں دی جا چکی۔

احدیث نبوی کی مفصل تشریح کا بھی یہی حال ہے۔ معقولات کو حقیقتاً علوم دینیہ میں شمار کرنا غالباً ... لیکن باوجود اس کے کہ ہزاروں علماء کرام نے اس کی تحصیل میں عمریں صرف کر دیں۔ لیکن منطق و فلسفہ کی ایک کتاب بھی اس قسم کی موجود نہیں جیسی کہ یورپ کی درس گاہوں کے لیے ہر سال سینکڑوں، بلکہ ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ سب سے زیادہ زور علوم دین میں فقہ پر دیا جا رہا تھا۔ جو میرے ... سب سے کہیں زیادہ ہے۔ تاہم معاملات تو معاملات عبادات کے متعلق بھی اردو میں کوئی چیز موجود نہیں کہ مجھ جیسا کوئی جاہل بلا کسی عالم کی مدد کے ہر مسئلہ کے متعلق کافی واقفیت ... ہر ملک کے دنیوی قوانین منضبط کیے جا چکے ہیں۔ اور ہندوستان کا بچہ بچہ قانون تعزیرات و دیوانی سے واقف ہے۔ کیونکہ تمام مطالب کی اس طرح ابواب وفصول اور دفعات میں ... ہے کہ فہرست مضامین پر نظر ڈالتے ہی ہر شخص خواہ وہ قانون سے کتنا ہی بے بہرہ کیوں نہ ہو، ... ہے کہ قانون مجریہ ہند کسی معاملہ میں کیا ہے۔ گو عدالتوں میں مقدمات کی پیروی کے لیے لامحالہ ... ضمانت کی ضرورت پڑتی ہے۔ کیونکہ انسانوں کا وضع کردہ قانون اکثر ناقص ہوتا ہے۔ اور

اس کے نقائص سے فائدہ اٹھانے کے لیے ان لوگوں کا دست نگر ہونا پڑتا ہے۔ جو ہر کام [illegible]
قانونی پیدا کرنے میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ لیکن شریعت اسلام خود فاطر السموات والارض کا [illegible]
ہے، جو بالکل فطرت انسانی کے مطابق ہے۔ اس کے سمجھنے کے لیے ہمیں کسی وکیل یا بیرسٹر [illegible]
نہ ہونا چاہیئے۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ ہم آجتک عبادات تک کے مسائل حل کرنے کے لیے [illegible]
محتاج ہیں۔ اور روز ہزاروں استفتار اور اُن کے جواب میں ایک دوسرے سے متضاد فتوی شائع [illegible]
رہتے ہیں۔ اور بظاہر حیلہ قانونی کی طرح حیلہ شرعی کی بھی کمی نہیں۔ کاش ترکی مجلی ہی کی طرح ہندوستان [illegible]
اسلامی فقہ منضبط کر دی گئی ہوتی۔ لیکن ہماری حاجت مندی کا باب یہیں ختم نہیں ہو جاتا۔ آج [illegible]
انگریزی مدارس سے اور بظاہر عربی مدارس سے بھی سینکڑوں تو ایسے نکل رہے ہیں، جو شریعت [illegible]
احکام ہی کے سمجھنے کے محتاج نہیں ہیں۔ اور صرف یہی دریافت کرنا نہیں چاہتے کہ شریعت اسلامیہ کیا [illegible]
کے بھی حاجت مند ہیں۔ کہ شریعت الاسلامیہ کس خاص امر میں اس طرح کیوں ہے۔ جس طرح کہ وہ حقیقتاً ہے۔ [illegible]
سارڈہ ایکٹ کے سلسلہ میں آپ حضرات کو یہ معلوم کر کے دردناک حیرت ہوئی ہوگی۔ کہ ہزاروں انگریزی [illegible]
اور سینکڑوں عربی خواں نہیں جانتے کہ نکاح جیسے سیدھے سادھے معاملہ میں جو تقریباً ہر شخص کو پیش آتا ہے [illegible]
اسلامیہ کے احکام کیا ہیں۔ لیکن جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں، اب وہ زمانہ نہیں رہا جب قال اللہ و قال الرسول [illegible]
دینا مسلمانوں کے لیے بھی کافی ہو۔ حقیقتاً یہ تو ہر مسلمان کے لیے کافی ہو جانا چاہیئے تھا۔ لیکن اس بیچارے [illegible]
نہاد مسلمان کو جانچا جائے، تو ہم میں سے کتنے ایسے نکلیں گے جو صحیح معنوں میں ایمان کے اعتبار سے [illegible]
کہلائے جانے کے مستحق نہیں، عمل صالح کا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں! یہانتک جو کچھ میں نے عرض کیا [illegible]
اس کا تعلق محض ان مسائل فقہ سے ہے۔ جس کا حل اپنی اپنی سمجھ کے مطابق ہمارے اسلاف [illegible]
لیے چھوڑ گئے ہیں۔ لیکن کیا تفقہ فی الدین کا دروازہ اب ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔ جس دن حجۃ الوداع [illegible]
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ [illegible]
وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ حقیقتاً دین تو اسی دن کامل ہو گیا تھا۔ اور ایک اعتبار سے تو [illegible]
اس وقت بھی لوح میں محفوظ تھا۔ جس دن کہ خداوند کریم نے ملائکہ سے ارشاد فرمایا تھا کہ اِنِّیْ [illegible]
فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً۔ یا جس دن ارواح سے پوچھا تھا کہ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ۔ لیکن اس دن کامل [illegible]
تفقہ کی تائید ہر صاحب ایمان کے لیے آج تک جاری ہے۔ اور تا قیامت جاری رہے گی [illegible]
اسلاف کو اپنی دنیوی زندگی میں بار بار اس کی ضرورت پیش آئی۔ کہ جن امور کے متعلق کلام پاک [illegible]
احادیث نبوی میں کوئی نص موجود نہ تھی۔ ان کے متعلق فیصلہ کرے کہ کیا کیا جائے۔ چنانچہ [illegible]

...پر اعتماد کیا گیا۔ اور جہاں اس سے بھی کام نہ چلا وہاں خود قیاس کی جرأت کی گئی ۔ اور دنیائے اسلام
...ے کی ہمیشہ ہمیشہ ممنون احسان رہے گی۔ کہ انہوں نے تفقہ فی الدین سے پوری طرح کام لے کر
...م کو مرتب فرمایا۔ لیکن بزرگان ملت کیا انہیں کی درخشندہ مثال ہمارے لیے شمع ہدایت کا
...تی ۔ اور ہمیں اجتہاد پر مجبور نہیں کرتی ۔ اگر واقعی اجتہاد کا دروازہ کسی زمانے میں بند کیا جا سکتا
...و کسی ایک ہی امام کے اجتہاد کے بعد بند کر دیا جانا لازمی تھا۔ دوسرے امام کے اجتہاد نے ثابت
...یہ دروازہ حقیقتاً کبھی بند نہیں کیا جا سکتا۔ ایک ہی زمانہ میں دو دو امام اجتہاد فرماتے تھے اور
...سرے کی قابلیت کا سچے دل سے اعتراف اور احترام کرتے تھے ۔ اور سمجھتے تھے کہ اجتہاد حقیقتاً
...کی جہاد ہے ۔ جس سے ہمیشہ گریز کرنا میدان جہاد سے فرار ہونے کے ہم معنی ہے ۔ بزرگان ملت
...ے زیادہ اجتہاد کی مشکلات کا کوئی معترف ہو سکتا ہے۔ جو اپنے میں اس کی سب سے کم اہلیت پائے
...یہی حال خود جہاد کا نہیں کہ اس کی مشکلات کا سب سے زیادہ وہی معترف ہوگا جو سب سے کم
...بت رکھتا ہے ۔ لیکن جب خود ائمہ اربعہ نے ایک دوسرے کی زندگی میں اور ایک دوسرے کے
...ے گریز نہیں کیا ، اور ہم احناف میں بعض اوقات خود امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی رائے پر اُنکے
...دوں صاحبین کی متفقہ رائے کو ترجیح دی جاتی ہے ۔ تو پھر یہ کیسے بلا چون و چرا تسلیم کر لیا جائے کہ ائمہ
...ے بعد اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا ۔ یاد رہے کہ اہل سنت والجماعت ائمہ اربعہ کو انبیائے
...طرح معصوم نہیں سمجھتے ۔ اور جب ان سے بھی خطا کا امکان ہے ۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اِنَّ اللہَ
...علیٰ کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ط تو پھر کیا یہ ممکن نہیں ، کہ کوئی ان ہی کی طرح کے یا ان سے بہتر مجتہد پیدا
...کتا ہیں محض ایک امکانی امر پر بحث کرنے سے آپ کا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا۔
...ں نے یہ بحث صرف اس لیے نہیں چھیڑی ہے ، کہ آپ کو قائل کروں۔ کہ اس کا امکان
...ے کوئی مجتہد ائمہ اربعہ کے بعد بھی ان کا ہم پلہ یا ان سے بڑھ چڑھ کر پیدا ہوا تھا۔ یا آئندہ
...ہو گا ۔ یا کم از کم کسی ایک مسئلہ میں ان سے بہتر اجتہاد کر سکے گا ۔ نہ میں اس حقیقت
...سمجھوں کہ

...گردد چو تقویم حیات — ملت از تقلید می گیرد ثبات
...آباد کہ این جمعیت است — معنی تقلید ضبط ملت است
...اے بے نصیب از برگ و بار — از شجر مگسل بہ امید بہار
...گردی زآن اندیشہ باش — حافظ جوئے کم آب خویش باش

شاید از سیلِ قہستاں بر خوری
باز در آغوشِ طوفاں بر

اے پریشاں محفلِ دیرینہ ات
مرد شمعِ زندگی در سینہ ا

نقش بر دل معنئ توحید کن
چارۂ کارِ خود از تقلید

اجتہاد اندر زمانِ انحطاط
قوم را برہم ہمی پیچد بسا

ز اجتہادِ عالمانِ کم نظر
اقتدا بر رفتگاں محفوظ

عقلِ آبایت ہوس فرسودہ نیست
کارِ پاکاں از غرض آلودہ

فکرِ شاں ریسد ہمی باریک تر
ورعِ شاں با مصطفیٰ نزدیک

ذوقِ جعفر کاوشِ رازی نماند
آبروئے ملتِ تازی نما

تنگ بر ما رہگزارِ دیں شد است
ہر لئیمے راز دارِ دیں شد است

اے کہ از اسرارِ دیں بیگانہ
با یکے آئیں ساز از

من شنیدستم ز نباضِ حیات
اختلافِ تست مقراضِ حیات

میری غرض صرف اس قدر ہے کہ آپ کو یاد دلاؤں کہ اجتہاد کا دروازہ آپ لاکھ بند کریں۔ زندگی
دروازہ آپ تاقیامت بند نہیں کر سکتے۔ اور جب تک یہ دوسرا دروازہ کھلا ہوا ہے، ہزاروں
مسائل آپ کے سامنے ایسے آئیں گے کہ ان کا حل آپ کو کرنا ہو گا۔ اور اگر آپ نہ کریں گے تو ہم
اور جہلاء ان کا حل کرنے پر مجبور ہوں گے۔ یہ وہ مسائل نہیں کہ جو آئمہ اربعہ کے سامنے پیش ہوئے
اور جن کا حل انھوں نے قرآن کریم اور احادیث نبوی کے تفقہ سے خود فرمایا تھا، کہ وہ نئے مسائل ہیں
دنیوی زندگی کی روز افزوں پیچیدگی کے باعث پہلی بار نوع انسانی کے سامنے آتے رہتے ہیں
کے حل کرنے سے خواہ وہ حل صحیح ہو یا غلط انسان گریز نہیں کر سکتا۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ ان
جیسے اُمّی اور جاہل کریں۔ جنھیں نہ قرآن کریم پر عبور ہے نہ احادیث نبوی پر۔ یا آپ جیسے علمائے کرام
اپنی زندگیاں انہیں کے مطالعہ کیلئے وقف کر دی ہیں۔ میں نہایت ادب سے عرض کروں گا، کہ اس قسم کے
اجتناب ہی نے ہماری آج یہ حالت کر دی ہے کہ ہم عہد حاضرہ کے فتنوں میں مبتلا ہو گئے ہیں
جوں ان سے نکلنا چاہتے ہیں اور ان میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ جس فلسفی شاعر نے ملت اسلامیہ کو
میں رمزِ حیات سکھایا ہے اسی کے یہ بھی شعر ہیں کہ

بزمِ اقوامِ کہن برہم ازو
شاخسارِ زندگی بے نم، ازو

جلوہ اش مارا زما بیگانہ کرد
ساز مارا از نوا بیگانہ کرد
از دل ما آتش دیرینہ برد
نور و نار لا الہ از سینہ برد

...میں صرف اتنا اضافہ کر دوں گا، کہ اگر ہم نے عہد حاضرہ کے فتنوں کا اس آتشیں دیرینہ یعنی ...سے مقابلہ کیا ہوتا۔ اور اجتہاد اور جہاد دونوں کو جاری رکھا ہوتا۔ تو آج ہم اس زمانہ انحطاط تک نہ پہنچے ...پردہ فلسفی شاعر آنسو بہا رہا ہے۔ یقیناً ہمارے لیے اس کی ضرورت ہے کہ ع

بایک آئین ساز اگر فرزانہ

...حل کریں۔ اور اختلاف سے بچیں۔ لیکن یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ ہم قرآن کریم اور سنتِ نبوی کے ...اپنے خزاں دیدہ چمن کی آب یاری کریں۔ خواہ آب یاری کے لیے روز نئی نالیاں ہمیں کیوں نہ ...میرا قیاس ہے کہ اقبال نے باوجود تقلید پر سختی کے ساتھ اصرار کرنے کے اسی اجتہاد کی طرف ...کیا ہے۔ جس کی میں آپ سے التجا کر رہا ہوں۔ اور اُس نے اِس باب کو اسی لئے ان اشعار ...ختم...

از یک آئینی مسلمان زندہ است
پیکر ملت ز قرآن زندہ است،
ما ہمہ خاک و دل آگاہ اوست
اعتصامش کن کہ حبل اللہ اوست،
چوں گہر در رشتہ او سفتہ شو،
ورنہ مانند غبار آشفتہ شو،

...مسائل اور مشکلات کا ہمیں حل کرنا ہے، وہ آپ ہی کے اجتہاد کے محتاج اور تشنہ ہیں۔ اگر ...کریم اور احادیث نبوی . . . .

. . . .

خطبۂ صدارت

اجلاس سی و نہم آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس

مُنعقدہ

دہلی بتاریخ ۲۶، ۲۷، ۲۸ دسمبر ۱۹۲۶ء

من جانب

سر عبدالرحیم کے سی ایس آئی بالقابہ

مطبع مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں طبع ہوا

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبۂ صدارت

اجلاس سی و نہم[۳۹]

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس

بتاریخ ۲۶، ۲۷ و ۲۸ دسمبر ۱۹۲۶ء بمقام دہلی

ــت ایہ دوسرا موقع ہے کہ آپ نے میری عزت افزائی فرما کر مجھ سے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل
ــس سالانہ اجلاس کی صدارت کی خواہش کی ہے، آپ جانتے ہیں کہ میں زیادہ سے زیادہ محض ایک
ــر تعلیمات ہوں۔ اس لئے امید ہے کہ آپ مجھ سے یہ توقع نہ کریں گے کہ میں اُن مسائل سے
ــمن پر بحث کرنا صرف ایک ماہر کا حق ہے۔ میں صفائی کے ساتھ آپ کو یہ بھی بتا دینا چاہتا
ــے اعداد و شمار میں بھی مہارت نہیں ہے۔ اعداد کا انبار مجھے پریشان کر دیتا ہے۔ جو لوگ تعلیمی
ــالعہ کرنا چاہتے ہیں، ان کو میں صاحبزادے آفتاب احمد خاں صاحب کا نام بتائے دیتا ہوں
ــکے نامور وائس چانسلر ہیں اور جو عرصۂ دراز سے اس کانفرنس کی روح و رواں ہیں، نیز میں ڈاکٹر
ــاللہ صاحب کا بھی حوالہ دیئے دیتا ہوں جو بڑے ریاضی داں اور ماہرِ تعلیم ہیں۔ ان دونوں صاحبوں
ــاہیں تو آدھے گھنٹے کے اندر تمام اعداد و شمار پوری تنظیم و ترتیب کے ساتھ اور تمام مناسب

...تو سمجھ لیجئے کہ اس کا تصور نہایت ناقص ہے۔ تعلیم کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہنا چاہیئے جب
...ے قوی کہنگی و فرسودگی کے سبب تعلیم سے متمتع ہونے سے قاصر نہ ہو جائیں۔ اگر یہ اصول صحیح ہیں
...صحیح ہیں۔) تو غور کیجئے کہ اس معلّم کا کام کتنا بڑا اور مشکل ہے، جو تعلیم کا ایک صحیح نظام قائم کرنا۔ اور پھر
...کامیاب طریقے سے جاری بھی کرنا چاہتا ہے۔ درحقیقت اس میں شک ہے کہ آیا کامل ماہر تعلیم کا کبھی
...ملا ہیں۔ شاید ایسا ماہر تعلیم آہستہ آہستہ اسی طرح وجود میں آ رہا ہے، جیسا کہ شاید کامل انسان یا مافوق

نیا زمانہ اور نئی سائنس

...زمانہ میں میں نے اس کانفرنس کے اجلاس پُونا کی صدارت کی تھی، اس کے بعد سے انسان کے خیالات
...عظیم واقع ہو گیا ہے۔ درحقیقت معلوم ہوتا ہے کہ ہم ایک بالکل ہی نئے زمانہ میں پہنچ گئے ہیں۔ اس
...کا خاص سبب وہ سریع ترقی ہے، جو سائنس نے گذشتہ چوتھائی صدی کے اندر قوار قدرت پر قابو
...پایا ہے۔ اور دوسرے وہ اجتماعی اور اقتصادی تموج ہے، جو گذشتہ جنگ عظیم سے پیدا ہوا ہے۔ میں نے
...یونیورسٹی کی تعلیم (وکٹورین ایج) (Victorian age) میں پائی تھی۔ لیکن میں اعتراف کرتا ہوں، کہ میں
...کیمیا، طبیعات وغیرہ وغیرہ کے مبادی بھی نہیں سیکھے۔ یعنی خواص مادہ یا زندگی کے طبعی حالات کے
...مجھ کو نہیں پڑھایا گیا۔ اس قسم کی تعلیم اس زمانہ میں کیسی ناقص و ناکافی اور مہمل معلوم ہونی چاہیئے۔ جب کہ موٹر
...ہوائی جہاز اور سینما وغیرہ روزانہ زندگی کے عام عنصر ہو گئے ہیں۔ جبکہ سیّارہ مریخ کے ساتھ نامہ و پیام
...کی کوشش ہو رہی ہے۔ جب کہ لاکھوں بچے مصنوعی غذا پر پرورش پا رہے ہیں۔ اور کبرسنی و فنا کو مغلوب کرنے
...کی کوششیں ہو رہے ہیں۔ جبکہ نامور سائنس دان اس کام تک میں مصروف ہیں، کہ بقائے حیات بعد ممات
...کا ہی نہیں بلکہ وہ مردوں کی روحوں کے ساتھ براہ راست تعلقات وابستہ کرنے کے درپے ہیں
...ان کے ساتھ ایسے قوی آلات ہلاکت ایجاد کیے جا رہے ہیں، جو چند گھنٹہ کے اندر پورے شہروں
...کا مع ان کے افراد نوع انسان کا صفایا کر سکتے ہیں۔ تو غور کرنے والے لوگ اپنے دل میں سوچ رہے ہیں،
...کہ نئے زمانہ کی سرحد پر تو کھڑے ہوئے نہیں ہیں جب کہ انسان مثل دیوتاؤں کے ہوں گے۔ یا آیا
...کے لحاظ سے زیادہ پیش پیش ہیں۔ ان کے اندر اب بھی چنگیز خاں، نپولین اور کلائیو اور ان کے نئے
...زمانہ کے غلاموں کے تاجر اور دوسروں سے سونا چھیننے والوں کی روح اس درجہ موجود ہے، کہ
...ترقی کو روکنے کے لیے یہ طریقہ استعمال کر رہے ہیں کہ ایک دوسرے کو ہلاک کریں۔ اور خود غرضی

قسم کے مطلوبہ نقشے اور جدول آپ کے سامنے پیش کر دیں۔ میرے دوست سر عبد القیوم رئیس سرحد
نے پارسال ہی تعلیم کے متعلق ایسی جامع و مانع تفصیل پیش کی تھی اور ایسی مفید اور عملی تجاویز بہائی تھیں
مجھے یقین ہے کہ ان کا وہ خطبۂ صدارت ابھی کچھ زمانہ تک آپ کی پیشِ نظر رہے گا۔ چہرکل ہی کی بات
میں نے وہ دلچسپ خطبہ پڑھا تھا۔ جو مسٹر سید سلطان احمد وائس چانسلر پٹنہ یونیورسٹی نے یونیورسٹیوں کے مقاصد کے
دیا تھا۔ اور جس میں خصوصیت کے ساتھ انہوں نے ان خدمات کو بیان کیا تھا، جو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے انجام
اور جس کے ساتھ ہماری اس کانفرنس کا بہت گہرا تعلق ہے۔ اور گو خود مجھے بھی ایک سے زیادہ یونیورسٹی کانوکیشن
میں اور ہندوستان کے مختلف حصص کے اندر تعلیمی کانفرنسوں میں۔ اور علمار کی ایک سے زیادہ جماعتوں میں خطاب
کا اتفاق ہوا ہے، مگر مجھے ایسا کم بخت حافظہ نصیب ہوا ہے کہ مجھے یقین ہے کہ بڑی حد تک میں ان باتوں کو
نہ دہراؤں گا۔ جو پہلے کچھ کہہ چکا ہوں۔ میرا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اگر کوئی شخص واقعات کے متعلق خود اپنے آزات
بالکل ٹھیک اور فطری طریقہ سے ظاہر کرنے میں کامیاب ہو جائے، تو بالکل ممکن ہے کہ اگر وہ کوئی
نئی بھی نہ کہہ سکے۔ تاہم اپنے سامعین کے اندر کسی نہ کسی حد تک شوق و خواہش تحقیقات ضرور پیدا کر سکے
بات ہے، جس کی آپ کی اجازت سے میں اس موقع پر کوشش کروں گا۔

حقیقی تعلیم

جیسا کہ آپ واقف ہیں، تعلیم کے جو جامع معنی اس زمانہ میں قرار دیئے گئے ہیں وہ یہ ہیں کہ انسان کی
ذہنی اور جسمانی قابلیت کو ترقی دی جائے۔ اس کے قوار مشاہدہ و استخراج و ترتیب نتائج کو بڑھایا جائے
کے تصور اور جذبات عالیات کو قوت دی جائے۔ اس کی اخلاقی اور جسمانی فطرت کے تمام
کو جلا دی جائے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کی جسمانی شخصیت کو جو بنیاد ہے، تمام دوسری قوتوں کی
ممکن ہو مکمل کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کا مضمون دائمی اور ہر دم تازہ دلچسپی رکھتا ہے۔ اور چونکہ
زندگی ایک قرن سے دوسرے قرن تک، ایک صدی سے دوسری صدی تک اور ایک نسل سے
نسل تک بدلتے رہتے ہیں۔ ایسی کوئی تعلیمی تجویز نہیں ہو سکتی کہ ہر زمانے کے لیے یکساں ہو۔ اور نہ کوئی
مستقل طریقہ ہو سکتا ہے، جو تمام ممالک و اقوام یا در حقیقت تمام افراد کے لیے یکساں موزوں ہو۔
لیکن میں دیکھتا ہوں کہ ان سے برابر اعراض کیا جاتا ہے۔ ہماری بہت سی ناکامیوں کا یہی سبب ہے
ایک حقیقت ہے۔ دگرائس کی طرف سے بھی برابر چشم پوشی ہوتی ہے۔ کہ تعلیم اسکول اور کالج تک ہی
جاتی، نہ وہ ان کے احاطوں تک محدود ہے۔ حقیقی تعلیم ایک زندہ ترقی کن اور خود پھیلنے والا نظام ہے

اور کوتاہ نظری کو کام میں لاکر ان قوموں کو دبائیں۔ جو علمی شائستگی میں ان سے کم درجہ ہیں۔ اس لیے یہ ظاہر ہے
تجویز میں آپ کو یہ تسلیم کرنا چاہیئے تاکہ نوع انسان کی قدر و قیمت حقیقی معنی میں سمجھی جائے۔ اور تنہا خودی
یا مذہبی تعصب اور قومی منازعت کی تمام کینہ اور بزدلانہ خیالات کو پس پشت رکھا جائے۔ افسوس ہے
ہیں، جس کے شکار کبھی کبھی بڑے بڑے شاعر اور مورّخ اور فلاسفر بھی ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ بھی مسلم ہے
اس وقت بہت تنگ ہو جاتے ہیں۔ اگر علم کے قلم رو کو فتح نہ کیا جائے، جہاں صرف سائنس ہی کی
ہیں۔ اس امر کا پورے طور پر اعتراف کرنا پڑے گا، کہ سائنس جس نے ڈارون اور ہکسلے کے زمانہ سے
کہ دوسرے علوم پر حاوی ہو رہی ہے۔ اس کو بعض مفکر بہت شبہ اور بدگمانی سے دیکھ رہے ہیں۔ جو نتیجہ
مظاہرہ کا جو کہ جنگ عظیم نے اپنے غیر تمناعی قوائے ہلاکت کا کیا تھا، جیسی کہ امید تھی، سائنس کے
موجودہ تہذیب کے مادہ پرستانہ رجحانات سے مل کر ہندوستان میں بعض سیاسی اور غیر سیاسی
بات پر مجبور کیا ہے، کہ وہ نفس کش اور جنگل باشی سنیاسیوں اور فقیروں کی دنیا میں جا کر پناہ گزیں ہوں۔ لیکن
قلوب شاید رد عمل کا پتہ دیں۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ اپنے زمانہ کے ناگزیر واقعات، رجحانات یا فطرت
ضروریات و خواہشات سے چشم پوشی کریں۔

اول اس امر کو ذہن نشین رکھنا چاہیئے، کہ اگر سائنس نے اپنے پیدا کیے ہوئے نئے خطرات سے
ہے، تو یہ بھی سائنس ہی ہے۔ جس کے ذریعہ سے ہم اپنے آپ کو ہلاکت و تباہی سے بچا سکتے ہیں۔
ہے کہ ایسی حالت میں کہ ہندوستان کے اندر اور دنیا کے دوسرے حصوں کے اندر لاکھوں انسان
پر قابض نہ ہونے کے سبب سے مصیبت اٹھا رہے ہیں۔ اور ان کو وہ آسانیاں اور فراخ دستیاں حاصل
جن کے بغیر جماعت کی ترقی لازماً مسدود ہو جاتی ہے۔ سائنس ہی ایک ایسی چیز ہے، جو قدرت کے
سے بیش از بیش فائدہ حاصل کر کے اس حالت کا مقابلہ کر سکتی ہے۔

تعلیم میں مذہب

ماہر تعلیم کو اس پر بھی سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا ہے، کہ آیا اس کی اسکیم میں مذہب کے لیے بھی
اور اگر ہے تو کس شکل میں اور کس حد تک۔ شاید یہ خیال کیا جائے کہ معابد و عباد کے اصول اور معتقدات
خیالات و عمل پر وہ اثر نہیں رہا ہے جو اگلے زمانہ میں تھا۔ لیکن واقعہ یہ تھا کہ سوائے شاذ افراد کے
نہایت قوی اور محیط کل ذریعہ عمل ہے۔ لیکن یہ امر کہ مذہبی تعلیم کو آزاد تعلیم کے مقاصد کے ساتھ
جائے، بالکل ہی آسان کام نہیں ہے۔ لیکن میں یہ تجویز کرنے کی جرأت کرتا ہوں، کہ اس کا

کو مضبوطی سے پکڑا جائے۔ اور مذہبی اعمال کے متعلق اپنی توجہ کو صرف ان اصول تک محدود رکھا جائے۔ ...خاص مذہب کا رکن سمجھا جاتا ہے۔ اور جہاں تک ممکن ہو، تمام غیر ضروری اور مختلف فیہ معاملات کو یک ...کر دیا جائے۔ اس طرح ہم ان تمام مستعدی بخش روحانی قوتوں کو کام میں لا سکتے ہیں۔ جو انسان کے راہ ترقی ...ہونے پر ممد و معاون ہوتی ہیں۔ اسلام میں ایمان یا عقیدہ جس کے معنی ہیں، قادر مطلق کی اطاعت۔ (وہ قادر مطلق ...کائنات کا خالق ہے، عادل اور رحمان و رحیم ہے۔) روحانی زندگی کا مرکزی اور ضروری جزو ہے۔ اس کی ...ہوتا ہے کہ کل نوع انسان کو خدمت خلق کی عام برادری میں منسلک کر دے۔ اسلام کی اصولی تعلیم یہ ہے کہ ...زندگی کے اعمال سے نہ کہ الفاظ و جملوں کے اعادہ یا ترک دنیا (رہبانیت) کے ذریعہ سے ایک مسلمان ...مقصد حاصل کر سکتا ہے۔ قرآن میں جا بجا محسنین یعنی اعمال حسنہ کرنے والوں کی تعریفیں ہیں۔ لہٰذا اس سے ...یت مذہبی ضرورت کے لحاظ سے مسلسل سعی و کوشش کی ہے، اور یہ اس واقعہ سے ثابت ہے کہ دو قسم ...میں کہ مسلمانوں میں سب سے زیادہ محترم و واجب التہذیب سمجھے جاتے ہیں۔ یعنی (۱) مجتہد (۲) مجاہد ...دونوں لفظوں کا مادہ جہد ہے۔ جس کے معنی سعی و کوشش کے ہیں۔ ہمیں اقرار کرنا چاہیئے کہ اعلیٰ درجہ کی کوشش ...ایک زمانہ میں مسلمانوں کو ایک عظیم الشان قوم بنا دیا تھا۔ وہ قوم سے ایک عرصہ دراز سے علانیہ مفقود ...ہے ایک ماہر تعلیم کو اس پر لحاظ کرنے کی ضرورت ہے کہ مستحکم عقیدہ خدمت خلق، جرأت و استقلال، ...خالص وحسنات میں سے ہیں، جن کی اشاعت و ترقی ہر سچی اسلامی تعلیم کا مقصد ہونا چاہیئے۔

قوم کے اندر نظم و ترتیب

...کے اندر نظم و ترتیب کا عام احساس بھی اجتماعی ترقی کے لیے کچھ کم ضروری نہیں ہے۔ ہم سب کو اسلام کی ...اور اخوت و مساوات پر بجا فخر و ناز ہے۔ لیکن یہ در ح ترقی کا ذریعہ اسی وقت ہو سکتی ہے۔ جب کہ قوم ...اُن کے ذریعے سے باہم پیوست ہو۔ لیکن مسلمانوں کی تاریخ اور خود ہمارا روزمرہ کا تلخ تجربہ ہمیں بتاتا ہے ...ایک زمانہ عرصہ سے مفقود و معدوم ہے۔ اور اس کے تباہ کن نتائج ہمارے ہر چہار طرف نمایاں ہیں جب ...ماہر تعلیم حیات اجتماعیہ اور ترقی کے اس اصلی اصول کو از سر نو زندہ نہ کر دے۔ اس وقت تک یہ ...ہے کہ ہندوستان کے نظام سیاسی میں مسلمانوں کے لیے کسی معزز درجہ کا تصور بھی کیا جائے۔ اور اس ...سیاسی واقتصادی غارت گری کا ہمیشہ شکار رہیں گے۔ اس لیے اے حضرات ماہرین تعلیم! میں یہ ...ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں کہ نوخیز نسل کے اندر نظم و باضابطگی کا قوی احساس پیدا کرنے کے لیے ...کوئی تجربہ اٹھا نہ رکھے۔ تاکہ ایک تندرست قوی اور متحدہ مسلم جماعت ہندوستان کی دوسری

اور کوتاہ نظری کو کام میں لاکر ان قوموں کو دبائیں، جو علمی شائستگی میں ان سے کم درجہ ہیں۔ اس لیے یہ ضرور
تجویز میں آپ کو یہ تسلیم کرنا چاہیئے، کہ نوع انسان کی قدر و قیمت حقیقی معنی میں سمجھی جائے، اور تمام نسلی
یا مذہبی تعصب اور قومی منازعت کی تمام کینہ اور بزدلانہ خیالات کو پس پشت رکھا جائے۔ افسوس ہے
ہیں، جس کے شکار کبھی کبھی بڑے بڑے شاعر اور مورخ اور فلاسفر بھی ہو جاتے ہیں لیکن یہ بھی مسلم ہے
اس وقت بہت تنگ ہو جاتے ہیں۔ اگر علم کے قلم رو کو فتح نہ کیا جائے، جہاں صرف سائنس ہی کی
ہیں۔ اس امر کا پورے طور پر اعتراف کرنا پڑے گا، کہ سائنس جس نے ڈارون اور ہکسلے کے زمانے
کہ دوسرے علوم پر حاوی ہو رہی ہے۔ اس کو بعض مفکر بہت شبہ اور بدگمانی سے دیکھ رہے ہیں۔ جو تجربے
مظاہر کا جو کہ جنگ عظیم نے اپنے غیر تمناعی قوائے ہلاکت کا کیا تھا۔ جیسی کہ امید تھی، سائنس کے
موجودہ تہذیب کے مادہ پرستانہ رجحانات سے مل کر ہندوستان میں بعض سیاسی اور غیر سیاسی
بات پر مجبور کیا ہے، کہ وہ نفس کش اور جنگل باشی سنیاسیوں اور فقیروں کی دنیا میں جاکر پناہ گزیں ہوں۔ لیکن
قلوب شاید رد عمل کا پتہ دیں۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ اپنے زمانہ کے ناگزیر واقعات، رجحانات یا فطرت
ضروریات وخواہشات سے چشم پوشی کریں۔

اول اس امر کو ذہن نشین رکھنا چاہیئے، کہ اگر سائنس نے اپنے پیدا کیے ہوئے نئے خطرات سے
ہے، تو یہ بھی سائنس ہی ہے۔ جس کے ذریعہ سے ہم اپنے آپ کو ہلاکت و تباہی سے بچا سکتے ہیں۔
ہے کہ ایسی حالت میں کہ ہندوستان کے اندر اور دنیا کے دوسرے حصوں کے اندر لاکھوں انسان زندگی
پر قابض نہ ہونے کے سبب سے مصیبت اٹھا رہے ہیں۔ اور ان کو وہ آسانیاں اور فراخ دستیاں حاصل
جن کے بغیر جماعت کی ترقی لازماً مسدود ہو جاتی ہے۔ سائنس ہی ایک ایسی چیز ہے، جو قدرت کے
سے بیش از بیش فائدہ حاصل کر کے اس حالت کا مقابلہ کر سکتی ہے۔

تعلیم میں مذہب

ماہر تعلیم کو اس پر بھی سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا ہے، کہ آیا اس کی اسکیم میں مذہب کے لیے بھی کوئی جگہ ہے
اور اگر ہے تو کس شکل میں اور کس حد تک۔ شاید یہ خیال کیا جائے کہ معابد و عباد کے اصول اور معتقدات
خیالات و عمل پر وہ اثر نہیں رہا ہے جو اگلے زمانہ میں تھا۔ لیکن واقعہ یہ تھا کہ سوائے شاذ افراد کے مذہب
نہایت قوی اور محیط کل ذریعہ عمل ہے۔ لیکن یہ امر کہ مذہبی تعلیم کو آزاد تعلیم کے مقاصد کے ساتھ کس طرح
جائے۔ بالکل ہی آسان کام نہیں ہے۔ لیکن میں یہ تجویز کرنے کی جرأت کرتا ہوں، کہ اس کا حل یہ ہو سکتا ہے

بےقبولی سے پکڑا جائے۔ اور مذہبی اعمال کے متعلق اپنی توجہ کو صرف ان اصول تک محدود رکھا جائے۔ جس مذہب کا رکن سمجھا جاتا ہے۔ اور جہاں تک ممکن ہو، تمام غیر ضروری اور مختلف فیہ معاملات کو یک ...یا جائے۔ اس طرح ہم ان تمام مستعدی بخش روحانی قوتوں کو کام میں لا سکتے ہیں۔ جو انسان کے ...اہ ترقی ...نے پر ممد و معاون ہوتی ہیں۔ اسلام میں ایمان یا عقیدہ جس کے معنی ہیں، قادرِ مطلق کی اطاعت۔ (وہ قادرِ مطلق ...نات کا خالق ہے۔ عادل اور رحمان و رحیم ہے۔) روحانی زندگی کا مرکزی اور ضروری جزو ہے۔ اس کی ...ہے کہ کل نوع انسان کو خدمتِ خلق کی عام برادری میں منسلک کر دے۔ اسلام کی اصولی تعلیم یہ ہے کہ ...زندگی کے اعمال سے نہ کہ الفاظ و جملوں کے اعادہ یا ترکِ دنیا (رہبانیت) کے ذریعہ سے ایک مسلمان ...نصد حاصل کر سکتا ہے۔ قرآن میں جا بجا محسنین یعنی اعمالِ حسنہ کرنے والوں کی تعریفیں ہیں۔ لہٰذا سب سے ...ت مذہبی ضرورت کے لحاظ سے مسلسل سعی و کوشش کی ہے، اور یہ اس واقعہ سے ثابت ہے کہ دو قسم ...میں مسلمانوں میں سب سے زیادہ محترم و واجب التہذیب سمجھے جاتے ہیں۔ یعنی (۱) مجتہد (۲) مجاہد ...لفظوں کا مادہ جہد ہے۔ جس کے معنی سعی و کوشش کے ہیں۔ ہمیں اقرار کرنا چاہیئے کہ اعلیٰ درجہ کی کوشش ...ب زمانہ میں مسلمانوں کو ایک عظیم الشان قوم بنا دیا تھا۔ وہ قوم سے ایک عرصہ دراز سے علانیہ مفقود ...ہے ایک ماہرِ تعلیم کو اس پر لحاظ کرنے کی ضرورت ہے کہ مستحکم عقیدہ خدمتِ خلق، جرأت و استقلال، ...عمل و حسنات میں سے ہیں، جن کی اشاعت و ترقی ہر سچی اسلامی تعلیم کا مقصد ہونا چاہیئے۔

قوم کے اندر نظم و ترتیب

...ے اندر نظم و ترتیب کا عام احساس بھی اجتماعی ترقی کے لیے کچھ کم ضروری نہیں ہے۔ ہم سب کو اسلام کی ...اخوت و مساوات پر بجا فخر و ناز ہے۔ لیکن یہ ردرح ترقی کا ذریعہ اسی وقت ہو سکتی ہے۔ جب کہ قوم ...کے ذریعہ سے باہم پیوست ہو۔ لیکن مسلمانوں کی تاریخ اور خود ہمارا روزمرہ کا تلخ تجربہ ہمیں بتاتا ہے ...عرصہ سے مفقود و معدوم ہے۔ اور اس کے تباہ کن نتائج ہمارے ہر چہار طرف نمایاں ہیں جب ...ہر تعلیم حیاتِ اجتماعیہ اور ترقی کے اس اصلی اصول کو از سرِ نو زندہ نہ کر دے۔ اس وقت تک یہ ...ہندوستان کے نظامِ سیاسی میں مسلمانوں کے لیے کسی معزز درجہ کا تصور بھی کیا جائے۔ اور اس ...سیاسی و اقتصادی غارت گری کا ہمیشہ شکار رہیں گے۔ اس لیے اے حضرات ماہرینِ تعلیم! میں یہ ...تلقین کرنا چاہتا ہوں کہ نوخیز نسل کے اندر نظم و باضابطگی کا قوی احساس پیدا کرنے کے لیے ...کوئی تجربہ اٹھا نہ رکھیے۔ تاکہ ایک تندرست قوی اور متحدہ مسلم جماعت ہندوستان کی دوسری

اقوام کیساتھ اپنے وطن کے لیے ایک اعلیٰ ترمنزل مقصود حاصل کرنے میں ممد و معاون بن سکے۔

تبدیلئ اصُول

(صنعت و حرفت)

اجتماعی اضطراب و تموّج جو ہمارے زمانہ میں اس درجہ نمایاں ہے، اس نے تعلیمی اصول کے اندر ایک بڑی تبدیلی کر دی ہے۔ یہ خیال کہ امراء و رؤسا کے لیے ایک قسم کی تعلیم درکار ہے۔ اور باقی لوگوں کے لیے ایک اور قسم کی تعلیم، اس کی تائید اب صرف چند ہی ماہران تعلیم کرتے ہیں۔ ایٹن اور ہیرو اور آکسفورڈ اور کیمبرج اب کی تعلیم گاہیں نہیں سمجھی جاتیں۔ درحقیقت ایسے بہت سے لوگ ہیں، جو یہ پیشین گوئی کرنے میں تامل نہیں کرتے کہ اگر تک یہ درس گاہیں اپنے مقصد اور مطمح نظر کو یک قلم تبدیل نہ کر دیں۔ اور اپنے نظام عمل کو زمانہ حال کی جمہوری ضرورتوں کی ضروریات کے ساتھ اور زیادہ مطابق نہ کر لیں۔ تو وہ بہت جلد بھولی ہوئی چیزوں کے انبار میں داخل ہو جائیں گی۔ بہرحال اس میں بہت کم شبہ ہے کہ اب تمام دنیا کا رجحان ایک طرف تو یہ ہے کہ ان اوصاف و خصائل کو جو آمیز اجتماعی اہمیت دی جائے جو کبھی نام نہاد سوسائٹی کے اعلیٰ طبقوں کے ساتھ مخصوص سمجھے جاتے تھے۔ دوسری طرف یہ کہ ہاتھ پاؤں کی محنت بھی ہر قسم کی عزت و احترام کی مستحق ہے۔ اور یہ کہ اس کی اقتصادی اہمیت سے بہت زیادہ ہونی چاہیئے، جتنی کہ اس وقت ہے۔ ہم مسلمانوں کو انسانوں کے اجتماعی خیالات کے اندر اس عظیم کا دل سے خیر مقدم کہنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ اسلامی تعلیمات اور اسلامی تاریخ کے بہت سے رجال کبار کے ارشادات کے مطابق ہے۔ اس واقعہ سے بڑی کوئی مصیبت نہیں ہو سکتی کہ اکثر وہ اصحاب جنھوں نے تعلیم حاصل کی ہے، جو ہندوستان کے اسکول اور کالج اور یونیورسٹیاں دے سکتی ہیں۔ وہ معقول روزگار نہ پا سکیں کہ کسی قسم کی معاش تک حاصل نہ کر سکیں۔ اس سے کل نظام کے اندر کسی بہت بڑے نقص کا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ میرے نزدیک اور کوئی سوال ایسا نہیں ہے، جس پر ہندوستان کی عام رائے اس درجہ متحد و مصر ہو۔ تاہم اس میں تبدیلی کے لیے کچھ نہیں کیا جا رہا ہے۔ اور بڑی بڑی تنخواہیں پانے والے ماہرین تعلیم بھی آپ کو یہی بتائیں گے کہ کچھ نہیں ہو سکتا۔ میں اس فتوے کو قبول نہیں کر سکتا۔ اور میں بلا تامل کہتا ہوں، کہ جس بات کی ضرورت ہے، وہ عزم کا ہے۔ اس لئے جو مسئلہ میں آپ کے سامنے پورے تیقن کے ساتھ پیش کرتا ہوں وہ یہ ہے۔ ہر تعلیمی منزل (ابتدائی ثانوی اور کالج) کے بعد اُن کو کسی ایسے پیشے اور حرفے کی تعلیم دی جائے جس سے فوراً روزگار مل سکے یا جس سے وہ علم کم از کم انسانی ضروریات بہم پہنچانے کے قابل ہو سکے۔ یا اپنی فنی یا ذہنی رجحان کو پورا کر سکے۔ آپ سب جانتے ہیں۔ کہ خود ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی پیروی میں ان کے اکثر اصحاب رضوان اللہ علیہم اور دیگر ائمہ اور فقہاء رحمتہ اللہ علیہم حتیٰ کہ شہنشاہ ہاتھ پاؤں کی محنت کو حقارت و نفرت کی نظر سے دیکھنا ناپسند کرتے تھے

وش بنا گئے۔ اور یہ روایت قائم کر گئے، کہ جو کچھ اپنے ہاتھ سے پسینہ گرا کر کمایا جائے۔ وہ ہر قسم کی دوسری کمائیوں رہے۔ ہمیں یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ اس قسم کا کاروبار طلب علم کے کچھ بھی خلاف سمجھا جاتا تھا۔ کیونکہ ی کی تاریخ کا یہ واقعہ ہے کہ بڑے بڑے علمار اور صوفیا اور فیلسوف اس حال میں علمی تحقیقاتیں کرتے اور بیں لکھتے تھے۔ کہ اپنی روزی بھی اپنے ہاتھ سے کماتے تھے۔ بلکہ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے، کہ اس ن اور اعلیٰ درجہ کے ذہنی کام ایک دوسرے کے لیے ممد و معین ہیں۔ یہ کہنا مبالغہ میں داخل نہیں ہوں نے اپنے عروج کے زمانہ میں ایسے مفید صنائع اور حرفے ایجاد کیے جن کی مثال اب تک ۔ اور اب بھی ہماری قوم ہندوستان کے بہترین اور مفید ترین پیشہ ور پیدا کرتی ہے۔ میں یہ نہیں نوجوان کی اس کے رجحان طبیعت اور ماحول کی ضروریات کے مطابق کسی مفید پیشے یا حرفے میں جیسے بافانی، آہن گری، بخاری، پارچہ بافی، خیاطی، جفت سازی، نقشہ کشی، مصوری، معماری، بخری وغیرہ وغیرہ۔) میں تعلیم و تربیت نہ کی جائے۔ اور اسی کے ساتھ حفظان صحت، طبیعیات، کیمیا علوم کے مبادی سے واقف نہ کیا جائے، جب تک ہم یہ امر مرکوز خاطر نہ کریں۔ عوام الناس کی تعلیم ت کے لیے، اس سے زیادہ خطرناک اور بار ہو جائے۔ جتنا کہ ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کا موجودہ نظام اس سبب سے ہے، کہ بڑی حد تک اس کا کوئی مقصد نہیں ہے۔ اسی کے ساتھ صنعت و حرفت کی زبردست مانگ ہو۔ اس کے بغیر ملک کی اقتصادی ترقی خاطر خواہ طور پر ہرگز نہیں ہو سکتی۔ ماہران فن انتے ہیں، کہ ان لوگوں کے لیے جو موجودہ زمانہ کے صنعت و حرفت میں اعلیٰ درجہ کی تعلیم حاصل کریں، ں موجود نہیں ہے۔ میں افسوس کے ساتھ کہتا ہوں کہ ایسے اصحاب مشکلات پر تو نظر رکھتے ہیں، لیکن ان کے وسائل و ذرائع شاذ و نادر ہی بتاتے ہیں۔ بظاہر اس کا جواب یہ ہے کہ تعلیم و تربیت یافتہ لوگوں کا راستوں کو جاری کر دے گا۔ جن کے لیے ایسے لوگ درکار ہوتے ہیں، اور بہرحال کسی پیشہ کی تعلیم و تربیت پائے نہیں اس سے زیادہ اور خوبی کے ساتھ کما سکیں گے۔ جتنا کہ وہ لوگ جنھوں نے ہندوستانی یونیورسٹیوں سیاسیات یا سائنس کی درسیات کی تعلیم حاصل کی ہو۔

خیال آفرینی اور اُستاد

ری تعلیم پر یہ ایک بہت سخت اور جائز الزام ہے۔ کہ اس نے فقط اخذ و نقل کی قابلیت ترقی کرتی ی اور ہدایت کو ترقی دینے سے بے پرواہی کی جاتی ہے۔ اس میلان کو اس بات سے بہت

زیادہ قوت ہوتی ہے۔ کہ ہم زمانہ گذشتہ کی اندھادھند پرستش کرتے ہیں۔ اور ہر بات کو جو پرانے لوگوں نے کہی ہے، بے چون وچرا مان لیتے ہیں۔ اور اُس کو حد درجہ کی دانائی کی بات سمجھتے ہیں۔ اس عام اعتقاد میں ایک غلطی ہے کہ اختراع وابتداء کرنے کی قوت ذہن انسانی کا گویا ایک بالکل جداگانہ صیغہ ہے۔ اور یہ ممکن ہے کہ ایک شخص میں قوت قبول بہت زیادہ ہو، مگر قوت اختراع کم وبیش مفقود ہو۔ اصل یہ ہے کہ مادہ اختراع ہی دماغی قوت کی دلیل اور اس کا معیار ہے۔ اور محض مادہ قبول وتقلید ایک کمزور اور ناقص ذہن کی علامات ہیں۔ اب کسی قدر کوشش کی جاتی ہے۔ کہ خود سوچنے اور ابتدار کرنے کے مادہ کو ترقی ہو، مگر ابھی اس باب میں بہت کم ہوا ہے۔ ماہر تعلیم کو یہ بھی دیکھنا ہے، کہ بچوں کا دماغ گذشتہ کے اثر سے ترقی کرے اور ٹھٹھر نہ جائے۔

جو کچھ میں نے اب تک کہا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ماہرین تعلیم کا بہت زیادہ ضروری کام ... فن تعلیم اپنے مقصد والے اور ٹھیک قسم کے استادوں کا بہم پہنچانا، اور یہ جاننا ہے کہ ان سے کس طرح ... آپ صاحبوں کو میرے ساتھ اتفاق ہوگا کہ ہر جگہ اور بالخصوص ہندوستان میں استاد بہت کم یاب ہیں ... یہی وجہ ہے کہ ہماری خواہش کے خلاف اس ملک میں تعلیم کی ترقی اس قدر سست رفتار سے ہو رہی ہے

تربیّتِ جسمانی

میں اس موقعہ پر آپ صاحبوں کو اس بات کی طرف بھی پوری توجہ دلاتا ہوں، کہ تربیت جسمانی ایک ضروری جزو ہے۔ اور تعلیم کی ہر اسکیم کا وہ جزو لاینفک ہے۔ تمدن انسانی کی ترقی کے واسطے دماغی قابلیّت کی کتنی ہی قدر و قیمت کیوں نہ ہو، اور اس وجہ سے وہ ہمارے لیے کتنے ہی قابل احترام کیوں نہ ہو، مگر یہ ماننا پڑے گا، کہ جسمانی زور اور قوت نہ فقط قدرتی طور سے ہر ایک کو حیرت میں ڈالتے ہیں، بلکہ ہر شے سے زیادہ ہر زن ومرد کو خوش ... ہیں۔ اور جسمانی تندرستی سب سے بڑی برکت ہے۔ علاوہ ازیں اس سے بھی کسی کو انکار نہ ہوگا۔ کہ جسم میں بھی اسی قدر ترقی کی قابلیّت ہے، جس قدر کہ دماغ میں۔ اور ایک کی طرف توجہ دینے اور اس کو ترقی دینے کی ضرورت ہے، جس قدر کہ دوسرے کی طرف۔ علاوہ ازیں صحت دماغی اور صحت جسمانی میں گہرا تعلق ہو... متعارفہ ہے۔ اور بعض بڑی اخلاقی خوبیاں مثلاً جرأت واستقلال لازمی طور سے جسمانی بنیاد پر قائم ... فی الحقیقت اپنی ذات اور سوسائٹی کے متعلق نہایت بڑی ذمہ داریاں پوری نہیں کرسکتے۔ یعنی اپنی ذات ... عزت اور آزادی کی حفاظت نہیں کرسکتے ہیں۔ تاوقتیکہ ہمارے پاس کافی ذخیرہ جسمانی، طاقت ... ہمّت وبرداشت کا نہ ہو۔ بہت مدّت سے ہندوستان کے مسلمانوں کا ایک قوی انفرادی اور تمدنی

...حات میں انحطاط ہو رہا ہے۔ اور ہندوستان کے بعض حصوں اور بالخصوص میرے صوبہ بنگال میں یہ ...ایک بڑے خطرہ کی حد تک پہنچ گیا ہے۔ بایں ہمہ کس قدر کم اشخاص ہیں، جو تربیت جسمانی کو ماہرین ...ی فرائض میں داخل سمجھتے ہوں۔ میں اپنے ماہرین تعلیم سے نہایت خلوص کے ساتھ التجا کرتا ہوں، کہ ...وں کی جسمانی نشوونما میں پوری کوشش کریں، خواہ اس کی وجہ سے امتحانات میں کم طلبہ پاس ہوں اور ...ل کرسکیں، اگرچہ مجھ کو یقین ہے کہ ایسا نہ ہوگا۔ بہرحال امتحانات میں کمی کی زندگی میں کامیابی ...ے کافی تلافی ہو جائے گی۔

عوام کی تعلیم

...میں تعلیم پھیلانے کے متعلق ہر شخص مانتا ہے، کہ مفت اور جبریہ ابتدائی تعلیم ہی اس مسئلہ کا حل ہے ...لکوں کے تجربہ سے ثابت ہوا ہے۔ لیکن یہ ماننا پڑے گا، کہ گو اس سے ملک کی گورنمنٹ پر الزام آتا ...ی خصوصیت کے ساتھ محافظت کا بڑا دعویٰ ہے۔ کہ اُس نے اس باب میں دل سے کچھ نہیں کیا۔ ...بنگال کی حالت اس باب میں سب سے بدتر ہے۔ ہر شخص کو جو ہندوستان سے تعلق رکھتا ہے، اور ...ان کے حکمرانوں کو اس خیال سے تکلیف ہونی چاہیئے، کہ محاصل گورنمنٹ کا ایک نہایت حقیر حصہ مزدوری ...ریوں کو ہو کر ہر ایک ایسے کام پر صرف ہوتا ہے، جس سے ان کے نفع کا احتمال ہو، حالانکہ محاصل ...حصہ ان ہی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ درحقیقت گورنمنٹ بنگال نے عوام کو جن میں سے اکثر کاشتکار ہیں ...لیم دینے کی تجویز کی ہے۔ اور ⅔ حصہ خرچ کا بار اُن ہی کے سر پر رکھا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں ...ین جائداد جن میں زیادہ تر پاٹیلیشن داخل ہیں، اس پر بڑبڑا رہے ہیں۔ میں نہیں جانتا ہوں، کہ ہمارے ...ونسل تک سے ناخواندہ ہونے کا دھبہ دور کرنے کا عزم بالجزم کب کریں گے۔ اور اس بات ...گے، کہ یہ صرف اسی وقت قابل عمل ہے، جبکہ صرف وہی لوگ برداشت کریں، جن میں بر...ت ...ہے۔

...ے، کلکتہ میں یوریشین ایسوسی ایشن کے پریسیڈنٹ نے ہندوستان میں ریپریزینٹیٹو گورنمنٹ کی توسیع ...تے ہوئے اس بات پر بہت زور دیا، کہ رائے دہندوں کی ایک بڑی جماعت ناخواندہ ہے، ...رائے دہندگان کی توسیع ناقابل عمل ہے۔ اور اُن کی رائے میں بغیر اس کے پارلیمنٹ کی قسم ...ہندوستان میں موافق زمین نہیں مل سکتی۔ میں اس موقع پر ایک بڑے پولیٹیکل مسئلہ پر

جس کی نسبت بہت اختلاف آرا ہے، بحث کرنا نہیں چاہتا۔ گو مجھے اس بات کا ہمیشہ افسوس رہا ہے
کے بانیوں نے گورنمنٹ آف انڈیا کو خصوصیت کے ساتھ سفارش کیوں نہیں کی۔ کہ عوام کی تعلیم
دینا ان کی اسکیم کا بڑا جزو ہے۔ بہرحال مجھ کو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ کہ دولت مند اور طاقت ور یورپ
کی خوش حالی زیادہ تر رعیّت اور مزدوروں کی وجہ سے ہے، گورنمنٹ آف انڈیا پر اپنا بڑا اثر کیوں نہیں
ناقابلِ اطمینان حالت درست ہو۔

زُبانِ اُردُو اور مَدرسہ

مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے، کہ تعلیم بڑے پیمانے پر بلا امداد ایک وسیع لٹریچر کے نہیں
جو عام آبادی کی دسترس میں ہو۔ اس سے ہم فوراً ذریعہ تعلیم کے اور ایک مشترک زبان کے مسئلہ
جو ساری آبادی کی ایک ہو اور اگر یہ ابھی ناممکن ہو تو کم از کم ہندوستان کی آبادی کے اس حصہ کی مشترک
مسلمان کہتے ہیں۔ اور جن کی تعلیم کے واسطے ہماری خاص ذمہ داری ہے۔ سال گذشتہ میں نے علی گڑھ
کہا تھا کہ عربی رسم الخط کو اختیار کیا جائے، جس کے ذریعہ سے ایک مشترک زبان ہونا ممکن ہے۔ جس میں
ہو، جو سنسکرت، عربی اور فارسی سے ماخوذ ہو۔ ایسی زبان فی الحقیقت اردو ہے۔ جس کو ہم خواہ اس
کریں یا ہندی کہیں اس سے ہندوستان کی دو بڑی قوموں کو ایک مشترک قومی لٹریچر کو ترقی دینے کا
مگر یہ خیال ایسا ہے کہ جس کو فی الحال ہندو پولیٹشن قبول نہ کریں گے۔ لہٰذا میں اس پر زیادہ گفتگو نہ کروں
ہمارا سب سے بڑا فرض ہے۔ کہ فی الحال ہم اپنی ساری قوت کو اردو کی ترقی میں صرف کریں۔ کیوں کہ
ذریعے سے اسلامی، روحانی قوتوں اور نیز اسلامی تاریخ اور شائستگی کی اعلیٰ روایتوں کو بغرض تعلیم
لیے ممکن ہے۔ اس کانفرنس کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے، کہ روشن خیالی کے ساتھ ترقی کرنے کیلئے ہمیں اپنے
لینی چاہیئے۔ اگر اس مقصد کے لیے ہندوستان کے بڑے مدرسوں کی طرف بھی توجہ کرنی چاہیئے
ذرائع کے ساتھ ساتھ اپنے مناسب فرائض ادا کرسکیں۔ متمدن زندگی مثل ایک قالب کے ہے۔
علٰحدگی سے زیادہ کوئی چیز بادکن نہیں ہوسکتی۔

مُہذّب گھر

چونکہ تعلیم کا ایک ضروری جزو گھر میں شروع ہوتا ہے۔ اور خود قدرت نے اس کو ماؤں کے

...ن پر بحث کرنے میں ہماری توجہ لازمی طور سے ایسی سمت میں پھرتی ہے کہ جہاں ایک بھاری اور ناقابل گزار
...طوں کے سامنے پڑا ہوا ہے۔ جب تک کہ مسلمان عورتیں اس قسم کی تعلیم نہ حاصل کریں، جو میں نے بتانے کی
...ے۔ اس مشکل کو کسی قدر حل کرنے کا صرف یہ طریقہ ہے کہ ہم اپنے لڑکے اور لڑکیوں کو جہاں تک ممکن ہو
...کسی مناسب مدرسہ میں بھیجیں۔ اور کم از کم جہاں تک کہ ہمارے لڑکوں کا تعلق ہے، ہم کو انھیں جس قدر
...ممکن ہو زنان خانہ کی کمزور کرنے والی ہوا سے دور رکھنا چاہیئے۔ اور اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری قوم برابر
...جائے، تو ہم کو جس طرح بھی ہو سکے اپنی لڑکیوں کو مناسب تعلیم دینی چاہیئے، تاکہ جہالت ناقابلیت اور
...اور دماغی انحطاط کا علاج ہونے سے بیشتر رک جائے۔ یقین کیجئے کہ ہماری لڑکیوں کی تعلیم کا مسئلہ
...ضروری اور ہماری فوری اور دلی توجہ کا محتاج ہے۔ جس قدر کہ لڑکوں کی تعلیم کا۔ میں یہ بھی کہتا ہوں، کہ
...ت فرائض پدری اور انصاف کے احساس کا فقدان ہے۔ جو اپنے لڑکوں کو تو تعلیم دیتا ہے مگر اپنی لڑکیوں
...ے محروم رکھتا ہے۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس باب میں عام رائے کو پورے طور سے
...میں دور نہ کیجئے۔ تاکہ آئندہ نسل میں ایک غیر تعلیم یافتہ مسلمان گھر اسلام کے واسطے ذلت سمجھا جائے۔

کام کی عظمت

...ت ۱۰ سو کروڑ انسانوں کو جو عمر کے مختلف مدارج طے کر رہے ہیں، مناسب اور موزوں تعلیم دینا ایک بڑا
...ہونے والا کام ہے۔ اور اس بات کی ضرورت ہے، کہ ایک جماعت کثیر تنخواہ دار و آنریری سرگرم
...نے والوں کی موجود ہو، جو اس پر اپناد ماغ اور وقت صرف کرے۔ ان تیس کروڑ انسانوں میں سے ایک
...ت کروڑ کی مشکلات اور ضرورتوں سے ہم خصوصیت کے ساتھ واقف ہیں۔ اور یہ جزو اس وقت تعلیم کے باب
...عموماً عام تعلیم کے لحاظ سے ایک بہت ناقابل اطمینان حالت میں ہے۔ تعلیم اب ایک منتقل شدہ
...مضمون ہے جس کا انتظام رعایا کے تمام نمائندے کرتے ہیں۔ لہٰذا اب ہم کو توقع ہے کہ گورنمنٹ پر اثر ڈالیں،
...تاکہ ہندوستان کی تعلیمی سطح زیادہ اور زیادہ بلند ہو۔ اور ہماری قوم کی خاص مشکلات اور رکاوٹیں
...ی تجویز جو میں کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ کانفرنس باخبر ماہرین تعلیم کی ایک مستقل کمیٹی یا کمیٹیاں بنا
...ت صوبوں کے واسطے خوب سوچ کر ایک پالیسی اور کام کا پروگرام تجویز کریں۔ اور اس کو عمل میں لا دیں
...ت وقتاً فوقتاً ملتے رہیں۔ اور مشورہ اور تجاویز سے اس کی مدد کریں۔ اگر اس قسم کی کمیٹیاں مختلف صوبجات
...مجھ یقین ہے کہ وہ بہت مفید ثابت ہوں گی۔ ہمیں زمانہ کے میلان اور ضرورتوں کو دیکھتے رہنا

اوران مختلف طریقوں اور انتظامات کا مطالعہ کرنا ہے۔ جو دوسرے ملکوں میں پیدا ہوئے ہیں۔ اور یہ دیکھنا کی خاص حالت اور مسلمانوں کی تعلیم کے خاص مسائل کے لحاظ سے کون سا طریقہ موزوں ہوگا، اور غالب آنے کے واسطے طرق اور ذرائع تجویز کرنا ہیں۔ ان سب باتوں کے واسطے ایک مستقل نظام جیساکہ آپ کا ہے۔ آپ کو اپنا کام کرتے رہنا ہوگا۔ جب تک کہ گورنمنٹ کا صیغہ تعلیم رفتہ رفتہ اس قدر ترقی کہ ابھی کو بیرونی مدد کی ضرورت نہ رہے۔ وہ وقت ابھی نہیں آیا ہے۔ اور آپ یقین کریں کہ ابھی بہت آپ کو سخت محنت کرنی ہوگی۔ اُس وقت ایسی حالت پیدا ہوگی، کہ صحیح طریقوں پر ترقی یقینی ہو نے اپنے ذمے لیا ہے، اس کی مقدار اور مشکلات کا خاکہ میں نے آپ صاحبوں کے سامنے پیش کیا معلوم ہو کہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا کام ابھی ختم نہیں ہوا ہے۔ کیونکہ تعلیم کی ضرورت مطابق مسلمہ ہونے اور صیغہ تعلیم کا انتظام منتخب شدہ کونسلوں کے سپرد ہونے سے کانفرنس کا کام بجائے گھٹنے بڑھ گیا ہے۔ ابھی وسیع میدان تعلیم کے ایک مختصر حصے کی سطح پر ہلکے ہاتھ سے عمل کیا گیا ہے۔ اور بہت ترتیب، قطعات کا تعین، ان کا کھودنا، کھاد ڈالنا اور آب پاشی کرنا ابھی باقی ہے۔ اور جب تک پورے نہ ہوں، ایک سدابہار باغ جس میں قوت نمو مالا مال بار آور درخت اور خوشبودار پھولوں کے ہوں۔ اور جس کا خواب ماہر فن تعلیم دیکھ رہا ہے، مکمل نہیں ہو سکتا۔

هل یستوی الاعمیٰ والبصیر

خطبۂ صدارت

اجلاس نہم

جمعیۃ علمائے ہند

منعقدہ امروہہ

بتاریخ ۳۔۴۔۵۔۶ ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ

مطابق ۳۔۴۔۵۔۶ مئی ۱۹۳۰ء

از جامع معقول و منقول

ت علامہ شاہ معین الدین احمد صاحب اجمیری

نادر برقی پریس بلیماراں دہلی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَ
اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

شکریہ

...رے معزز بزرگو! اور محترم دوستو! میرا سب سے پہلا اخلاقی فرض یہ ہے کہ جس بڑے منصب (صدارت
...ید آپ حضرات نے مجھ جیسی حقیر ہستی کو فائز کیا ہے۔ اس کا تہ دل سے شکریہ ادا کروں، ہر چند کہ جمعیت
...ے اس اجلاس کے متعلق ملک میں انتشار انگیز روایات پھیل رہی ہیں۔ اور فقیر کے لئے گنجائش ہے کہ
...ے طور پر پکار اٹھے۔ ؎

...لے کہ یاران شرب مدام کردند
چوں نوبتے بما شد آتش بجام کردند

...رحال در تعجب خیز ہے کہ وہ جماعت جس کی تفویض میں حقیقی طور پر دنیائے اسلام کی قیادت ہے۔
...ب حقیر ترین فرد کا اپنے عظیم الشان اجلاس کی صدارت کے لیے کیونکر انتخاب کر لیا؟ شاید اسی
...رنے کے لیے تقریباً چھ سو سال قبل عارف شیراز نے ارشاد فرمایا تھا کہ ؎

...رتا مے کہ صدارت بفقیران بخشند
چشم دارم کہ بجاہ از ہمہ افزوں باشی،

...ف شیراز کے اسی اصول کے ماتحت فقیر کا انتخاب عمل میں آیا۔ کہ سب سے کمتر کو اس مرتبہ
...ے پایا۔ ممکن ہے اس مصلحت کو پیش نظر رکھ کر یہ اصول اختیار کیا گیا ہو کہ خطبہ صدارت کو عوام تک
...نچانے اس مقصد کے حصول کے لیے بجز اس کے کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ کہ ایک عامی کا انتخاب عمل
...عوام اپنے ہی جیسے شخص کی باتیں خوب سمجھتے ہیں۔
...ے کرام اور روشن خیال حضرات کے پرمغز اور دقیق مضامین اور ان کے مخصوص مصطلحات
...عوام کی رسائی ذہن سے بالاتر ہیں۔ اس مقصد کا لحاظ کرتے ہوئے صدارت کے لیے مجھ
...کوئی موزوں نظر نہ آیا اور بحکم ع

زبے تعلق خویشتن باین شادم کہ جاں سپردن اگر ہست دل طپیدن نیست

لاتلقوا بایدیکم الی التہلکۃ کی تفسیر

اس عہد کے مسلمانوں کی اصلی غلطی یہ ہے کہ وہ زندگی کو موت اور موت کو زندگی سمجھ گئے ہیں ان کے نزدیک زندگی کا مفہوم صرف اصلاح مال اور اضافہ جائداد ہے۔ اور بس تن پروری کو بھی بعض اوقات زندگی کے مفہوم میں داخل کر لیتے ہیں۔ اعلاء کلمۃ اللہ اور شفقت علی الخلق کی خاطر قربانی ان کے نزدیک موت ہے۔ آیۃ کریمہ (وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ) کی تفسیر میں روایت زعم باطل کے موافق کر لیتے ہیں۔ لیکن حق تعالیٰ کا فیصلہ اس کے بالکل خلاف ہے۔ روایات ذیل سے اس فیصلہ کا بخوبی علم ہو سکتا ہے۔

ہلاکت سے کیا مراد ہے؟

عن اسلم ابی عمران قال کنا بمدینۃ الروم فاخرجوا الینا صفا عظیما من الروم فخرج الیہم من المسلمین مثلہم او اکثر وعلی اھل مصر عقبۃ بن عامر وعلی الجماعۃ فضالۃ بن عبید فحمل رجل من المسلمین علی صف الروم حتی دخل فیہم فصاح الناس وقالوا سبحان اللہ یلقی بیدیہ الی التہلکۃ فقام ابو ایوب الانصاری فقال یا ایہا الناس انکم تتاولون ھذہ الآیۃ ھذا التاویل وانما نزلت ھذہ الآیۃ فینا معشر الانصار

(ترجمہ) اسلم ابو عمران سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم ملک روم کے ایک شہر میں (بطور قابض) کے تھے۔ رومیوں نے ہمارے مقابلہ کے لیے) اپنی عظیم الشان صف لاکھڑی کی، اس تعداد میں اس سے کچھ زائد مسلمان بھی (ان کے مقابلہ کے لیے) نکلے مصر کے نگران و حاکم عقبہ بن عامر تھے۔ اور فوج فضالہ بن عبید کی کمان میں تھی۔ کہ اتنے میں مسلمانوں میں سے ایک شخص نے رومیوں کی صف پر حملہ کیا۔ یہاں تک کہ ان کی فوج میں گھس گیا۔ اس پر لوگ چیخ اٹھے۔ اور تعجب کے ساتھ کہنے لگے کہ اپنی جان کو اس نے ہلاکت میں ڈال دیا۔ (حالانکہ حق تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے) حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے (جب یہ سنا) تو وہ کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے، کہ اے لوگو! تم اس آیت کریمہ (وَلَا تُلْقُوا ... إِلَى التَّهْلُكَةِ) کے یہ معنی سمجھے ہو؟ حالانکہ یہ آیت ہم انصار

کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ اس وقت جبکہ اسلام قوی ہوگیا تھا اور اس کے مدد گار بہت ہو گئے تھے۔ ایسی حالت میں خفیہ طور پر ہمارے افراد میں سے ایک نے دوسرے سے یہ بات کہی تھی کہ ہمارے مال اور جائداد برباد ہو گئے۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے اسلام کو قوی اور مضبوط کر دیا ہے، اس کے مدد گار زیادہ ہو گئے ہیں، بہتر ہے کہ اب ہم اپنے مال و جائداد کی درستی اور اصلاح میں لگ جائیں۔ تاکہ تلافی مافات ہو سکے، اس پر ہمارے قول اور رائے کے خلاف حق تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی کہ اَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ ط یعنی راہ خدا میں صرف کرو۔ اور اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ (آیت کریمہ کا شان نزول بیان کر کے حضرت ابوایوبؓ فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں ہلاکت سے مراد ترک جہاد اور اپنے مال و جائداد کی حفاظت، اور اصلاح میں منہمک ہو جانا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوایوبؓ ہمیشہ راہ خدا میں نکلے رہے۔ یہاں تک کہ ارض روم میں دفن ہوئے۔

لاسلام وكثر ناصروه
بعض سرا دون
صلى الله عليه وسلم
قد ضاعت وان الله
الاسلام وكثر ناصروه
في اموالنا فاصلحنا ما
انزل الله على نبيه
وسلم يرد علينا ما
في سبيل الله ولا
الى التهلكة فكانت
على الاموال و
تركنا الغزو فما زال
شاخصا في سبيل الله
ارض الروم (رواه
كتاب التفسير)

سے معلوم ہوگیا کہ ہالک اور مردہ وہی ہے، جو مجاہدانہ زندگی سے کنارہ کش ہوگیا، مسلمانان ہند نے عرصہ دراز سے اپنی مجاہدانہ زندگی کا کوئی ثبوت نہیں دیا۔ بلکہ اس کا ایسی حالت میں حسب فیصلہ الٰہی ان کے مردہ اور ہالک ہونے میں کیا شبہ رہا۔ اب ان کو کم درن اور بے وقعت سمجھتی ہیں، یا ان کے مشورہ کے بغیر کوئی اہم کام شروع مذہب میں مداخلت کرتی ہیں۔ تو اس سے تعجب کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ جو ان کے حق میں آج رونما ہو رہے ہیں۔ ان کے جمود و غفلت کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ جب سے کہ مسلمانوں کی بے حسی اور تعطل کا آغاز ہوا ہے۔ تعجب اس پر نہ ہونا چاہیئے پر کیوں آیا۔ بلکہ اس پر ہونا چاہیئے کہ اس قدر دیر اور تعویق کے ساتھ کیوں

شاردا ایکٹ کی بلا مسلمانوں کے جمود کا لازمی نتیجہ ہے!

اصل یہ ہے کہ مسلمانوں کی کامل بے حسی اور جمود کا علم پہلے دوسروں کو اس قدر نہ تھا جتنا کہ تجربوں کے بعد ان کو حاصل ہو گیا ہے۔ وقتاً فوقتاً جس قدر ان کو علم ہوتا گیا اسی قدر وہ مسلمانوں کو ہلکا سمجھنے لگے۔ اور ان کے ساتھ جو کچھ مراعات پہلے روا رکھی جاتی تھیں ان کا سدباب کرتے گئے۔ کی صورت انہوں نے یہ قائم کی کہ پہلے مسلمانوں کا ایک خفیف مذہبی حق سلب کر کے ان کے احساس اور غیرت ملی کا اندازہ کر لیا۔ کہ یہ بدستور خاموش اور ساکن ہیں۔ تو پھر دوسرے حق پر ہاتھ صاف کیا۔ بتدریج مسلمانوں کے احساس اور غیرت کی آزمائش کرتے رہے۔ جب ابتدائی تمام مراحل آزمائش کے کر چکے تو آخری آزمائش شاردا ایکٹ کی صورت میں نمودار ہو گئی، انھوں نے جو کچھ کیا وہ اصول اور آزمائش کے ماتحت کیا۔ تعجب مسلمانوں سے ہے کہ وہ شاردا ایکٹ کو ایک بلائے ناگہانی سمجھنے لگے حالانکہ جب یہ بے حسی اور بے احساسی کے امتحان میں بدستور پاس ہوتے چلے آئے تھے۔ اور حکومت کے تمام احکام کے سامنے انہوں نے سر تسلیم خم کر دیا تھا۔ تو اب وہ شاردا ایکٹ کے نزول کو ایک بلائے ناگہانی کیوں سمجھتے ہیں۔ یہ مصیبت اور بلا جو ان پر نازل ہوئی ہے بروقت ہے۔ کہ جس ترتیب کے ساتھ نازل ہونا چاہیئے۔ اس کی توضیح کے لیے اس کی ضرورت ہے۔ کہ تاریخ کے ان معاہدات پر ایک اجمالی نظر ڈالی جائے۔ جو حکومت دہلی کے اقتدار کی نمائندگی کرنے والے مسلمان حکمرانوں کے ساتھ کیے گئے۔

انگریزی حکومت کی جانب سے شرع محمدی کی تدریج تنسیخ اور تبدیلیاں

یہی معاہدات برطانوی ہندوستان کی بنیاد ہیں۔ بنگال، بہار، صوبہ شمال مغربی، کرناٹک کے مسلمان صوبہ داروں نے جو خود مختار ہو چکے تھے۔ اور برائے نام شاہان مغلیہ کے نائب یا وائسرائے تھے انگریزوں کو کچھ اختیارات تفویض کیے۔ اور ۱۷۶۵ء کے فرمان شاہ عالم کی رو سے بنگال میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو ، جو ۱۸۵۷ء تک حکمران رہی، صرف اختیارات تفویض کیے گئے۔ اور فوجداری معاملات کا انصرام نواب ناظم کے ہاتھوں انجام پاتا رہا۔ اختیارات دیوانی میں بھی کمپنی پوری آزاد نہ تھی۔ بلکہ اس کو شرع محمدی اور قوانین سلطنت کا لحاظ کرنا ضروری تھا۔ اگرچہ بعد میں اس معاہدہ کی دفعات میں سے یہ جملہ حذف کر دیا گیا۔ تاہم اس کا اثر ایک عرصہ تک قائم رہا۔

دوم

۱۷۷۲ء میں مقدمات دیوانی شرع کی قید سے آزاد ہو گئے۔ البتہ مذہبی رسوم میں شرع کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ وارن ہیسٹنگ نے ریگولیشن نمبر ۲ ۱۷۷۲ء پاس کیا تھا۔ اس کی دفعہ ...ب ذیل ہے۔

...مقدمات میں جن کا تعلق میراث، جانشینی ونکاح اور دوسرے مذہبی رسوم سے ہو مسلمانوں ...لیے احکام قرآن اور ہندوؤں کے لیے قوانین شاستر پر عمل درآمد کیا جائے گا۔"

...لی سوم

۱۷۷۹ء میں نواب ناظم سے فوجداری اختیارات لے لیے گئے۔ اور اب رفتہ رفتہ اسلامی قانون فوج داری میں انگریزی قوانین نے دخل دینا ...ں۔

...لی چہارم

۱۸۶۲ء میں قانون تعزیرات ہند اور ضابطہ فوجداری کا نفاذ ہوا۔ اور ۱۸۷۲ء میں قانون شہادت جاری ہوا، شرع محمدی کے قوانین شہادت ...گئے، اسلامی شریعت کی رو سے مرتد وارث نہیں ہو سکتا۔ ایکٹ ۱۸۵۰ء میں مرتد کی وراثت ...ر قرار دیا گیا کہ تبدیل مذہب سے حقوق وراثت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اسی طرح بعض دوسرے ...ین کی رو سے قانون شفعہ اور وقف وغیرہ میں تبدیلی عمل میں آئی۔ اور بیع وشرار اور رہن وغیرہ ...ت میں بھی شرع محمدی کی جگہ انگریزی قوانین نے لی، یہ تبدیلیاں نہایت اہم ہیں۔ لیکن باوصف ...کے بعض معاملات میں اب تک وہی طرز عمل قائم رہا، جو وارن ہیسٹنگ کے ریگولیشن ...میں مذکور ہے۔ یعنی توریث، جانشینی، نکاح وغیرہ مسلمانوں کے لیے شرع محمدی اور ...کے لیے ہندو لا یعنی شاستر کے قوانین پر عمل درآمد ہوتا رہا۔ اور ان معاملات کو زمانہ غدر ...تی اور ہندو پنڈت فیصل کرتے رہے۔

...لی پنجم

مذہبی رسوم کے متعلق وہی قانون مرتبہ وارن ہیسٹنگ نافذ رہا۔ لیکن مسلمان مفتیوں اور ہندو پنڈتوں کی جگہ انگریزی ججوں نے لے لی۔ اور وہی مذہبی ...ر نفاذ کے لیے کافی سمجھے گئے۔ نیز قوانین وراثت بھی بعض جگہ رسم ورواج کے تابع ...اور رسوم کو شریعت پر ترجیح دینے کی وجہ سے غیر اسلامی قوانین کا مسلمانوں کو پابند بنایا گیا۔ ...اسلام کی ایک سب سے بڑی اصلاح یعنی عورتوں کے حقوق وراثت کو پامال کیا گیا۔ ...تبدیلیوں کے بعد ظاہر ہے۔ کہ مذہبی رسوم اور دینی امور کا نمبر باقی رہ گیا تھا۔ جب مراحل بالا بتدریج ...مسلمانوں نے اس پر لب کشائی نہ کی، بلکہ از خود اپنے مذہب کے خلاف احکام صادر کرائے

تو اس کا لازمی نتیجہ تو یہ ہے کہ اس کے بعد ایک ایکٹ ایسا نافذ ہو جس کی رو سے براہ راست مذہبی امور
اور دینی امور میں مداخلت کا راستہ صاف ہو جائے۔ چنانچہ شاردا ایکٹ ٹھیک اپنے وقت پر نافذ ہوا
اور اسی ترتیب کے ساتھ جس ترتیب کے ساتھ اس کو نافذ ہونا چاہیئے۔

شاردا ایکٹ کے نفاذ سے منصب افتا مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل رہا ہے

اب تک مسلمانوں کی جان و مال قانون الٰہی سے نکل کر قانون حکومت کے ماتحت ہو گئے تھے۔ بلکہ نکاح، میراث و دیگر مذہبی مراسم و دینی امور قانون حکومت کی زد سے محفوظ تھے۔ اب وقت آگیا ہے کہ شاردا ایکٹ کے ذریعہ مذہبی رسوم اور دینی امور تک قانون حکومت کے ماتحت آ جائیں۔ شاردا گو بظاہر صرف نکاح صغر سنی کو حاوی ہے۔ لیکن اس کی تہ میں جو چیز کام کر رہی ہے وہ تمام اسلامی امور کا خاتمہ کرنے والی ہے۔ وہ صرف ناموس شریعت ہی کو نہیں، بلکہ اصل شریعت کا استیصال کرنے والی ہے۔ عرصہ دراز ہوا کہ مسلمانوں سے منصب قضا سلب کر کے برطانوی ججوں کو دے دیا تھا۔ صرف منصب افتا مسلمانوں کے پاس رہ گیا تھا۔ شاردا ایکٹ کے ذریعہ منصب افتا بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر اسمبلی کے قبضہ میں چلا جائے گا۔

فرمائیے اس کے بعد (جبکہ قاضی بھی حکومت ہوگئی، اور مفتی بھی۔) مسلمانوں کے ہاتھ میں کیا باقی رہ گیا۔ افسوس زیادہ تر اس کا نہیں ہے کہ نکاح صغر سنی ناجائز ہوگیا، بلکہ ماتم اور مرثیہ اس کا ہے، کہ وہ صرف منصب افتا مسلمانوں کے پاس محفوظ رہ گیا تھا وہ بھی ان کے قبضہ سے نکل گیا۔ یہاں درحقیقت بکری کا مرثیہ نہیں ہے۔ بلکہ اصلی ماتم اس کا ہے کہ ملک الموت نے گھر دیکھ لیا شاردا ایکٹ کی اصلی غرض یہ ہے کہ خود ارباب مذہب اپنے مذہب میں آزاد نہ رہے۔ اور مذہبی فتویٰ اس کے ہاتھ میں آ گیا ہو، جو مذہب سے بالکل آزاد ہے۔ باقی رہیں اس ایکٹ کی جزوی و فروعی خرابیاں جو حد حصر سے خارج ہیں۔ علمائے کرام نے عموماً اور جناب مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نے خصوصاً اس کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے ان کو تفصیل وار لکھنے کی ضرورت نہیں۔

البتہ اس ایکٹ کی بعض نمایاں خرابیاں نمبروار بطور اشارات قلم بند کی جاتی ہیں، تاکہ اس بوالعجب ایکٹ کے تمام پہلو روشنی میں آجائیں۔

...ردا ایکٹ کا نفاذ مذہب اسلام کی اکملیت پر حملہ ہے

...وں کے لیے یہ ناقابل برداشت ہے کہ ان کے مذہبی اور شرعی احکام میں کسی قسم کی کوئی مداخلت
... وہ مجبور ہیں کہ اپنی زندگی کے جملہ شعبوں کا دستورالعمل اس آیت کریمہ (لَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ
...علی المؤمنین سبیلا۔) کے ماتحت مرتب کیں۔ ان کا اعتقاد ہے، کہ ان کا مذہب ہر
...ے مکمل مذہب ہے۔ وہ جس طرح عبادات کے تمام اقسام و انواع کو حاوی ہے، اسی
...ت دنیا کا کوئی شعبہ اس کے احاطہ احکام سے خارج نہیں۔

...لت لکم دینکم واتممت — آج کے دن میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی (مخصوص)
...علیکم نعمتی و رضیت لکم — نعمت سے پورے طور پر تم کو سرفراز کیا، اور تمہارے لیے
...دینا (القرآن) — اسلام جیسا دین پسند کیا۔

...ہے۔ کہ مسلمان اپنے ذاتی نظام اور اسلامی تمدن و معاشرت میں دوسروں کے مشورے یا اُن
...اصلاح سے قطعاً بے نیاز ہیں۔ وہ دنیا کے تمام دوسرے قوانین و اصلاحات کو ناقص اور غیر
...سکتے ہیں۔ لیکن قانون الٰہی کے ناقص یا غیر مکمل ہونے کا خطرہ اپنے دل میں نہیں لا سکتے۔
...مذہب میں ترمیم یا اصلاحات وہ قوم کر سکتی ہے۔ جو اپنے مذہب کو ناقص یا غیر مکمل سمجھتی ہے
...یا انہیں سمجھتے۔ مسلمانوں کے حق میں اس ایکٹ کے نفاذ کا صاف مطلب یہ ہے کہ مسلمانو
...مثل ہندوؤں کے قابل اصلاح اور لائق ترمیم ہے
اور ان کو بھی ہندوؤں کی طرح اپنے مذہب کو ناقص اور غیر مکمل سمجھنا چاہیئے۔ یہ در حقیقت
...داشت حملہ ہے۔ جو مسلمانوں کو کمزور اور کم وزن سمجھ کر ان کی مذہبی خودداری پر کیا گیا ہے۔

...سے اگرچہ نکاح صغر سنی ممنوع ہو جاتا ہے لیکن زنا کا دروازہ کھل جاتا اور ہے

زنا بالرّضا قانون حکومت میں جائز ہے

...میں شاردا ایکٹ کی مقبولیت اس بنا پر ہے کہ اس کے ذریعہ نکاح صغر سنی کا سد باب

ہوگیا۔ اور چونکہ عام طبائع نکاح صغرسنی کو بے ضرورت سمجھتی ہیں اور اس کو پسندیدہ نظر
دیکھتیں۔ اس وجہ سے اس ایکٹ کو ایک کوتاہ بیں جماعت کی حمایت حاصل ہوگئی
بیں ہمارے تعلیم یافتہ نوجوان خصوصیت کے ساتھ شامل ہوگئے ہیں۔ لیکن وہ یہ نہیں سمجھے
کا ایک رخ ہے اس ایکٹ کی رو سے جس طرح نکاح صغرسنی ممنوع ہوگیا ہے، اسی طرح نکاح
قرار پاگیا ہے۔ سے

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ میں تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانہ میں

یہ ظاہر ہے کہ سن بلوغ اسمبلی کے قبضہ میں نہیں ہے۔ کہ ٹھیک چودہ سال کی لڑکی اور اٹھارہ سال
کو بلوغ عطا کردے۔ اور اس سے کم عمر والے لڑکے اور لڑکی کو نابالغی کے درجہ میں رکھے
ہے تو وہ لڑکے اور لڑکیاں جو اسمبلی کے مقررہ سن و سال کے پیشتر بالغ ہوجائیں۔ ان کے لیے
کیا ان بالغوں کو نابالغین کے ساتھ ملحق کردیا جائے گا۔ کیا بالغ کی طرح نابالغ کا نکاح بھی
سمجھ کر اس کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائے؟ درآں حالیکہ اس قسم کے بالغین بھی دنیا میں
سے گذر کر لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ زمانہ انتظار کو کم سمجھ کر صبر کرلیا جاتا۔ لیکن مصیبت
ایسی مثالیں بھی بکثرت موجود ہیں، کہ لڑکی ۹ برس میں بالغ ہوگئی۔ وہ لڑکا ۱۳ یا ۱۴ سال میں سن
بلوغ کو پہنچ گیا۔ اس ایکٹ کی رو سے ایسے لڑکے اور لڑکیوں کے لیے بالغ ہونے کے بعد
تک تجرد کی زندگی گذارنا ناگزیر ہوگا۔ اس قدر طویل عرصہ میں بالغ لڑکے اور لڑکیوں کا مبتلائے
یا ان کا امراض تجرد میں مبتلا ہونا کوئی بعید امر نہیں۔ لطف یہ ہے اس ایکٹ کی رو سے مقررہ میعاد
پیشتر نکاح تو ناجائز ہے لیکن اس مقررہ میعاد کے پیشتر بالغ ہونے والے لڑکے اور لڑکیاں رضامندی
کے ساتھ مبتلائے زنا ہوجائیں تو اس کا کوئی بندوبست نہیں۔

ممکن ہے یہ کہا جائے کہ تعزیرات ہند میں رضامندی کے لیے بارہ برس کے بجائے لڑکی کی عمر ۱۴ سال
اس لیے قانون فوجداری کے ماتحت ان لوگوں کو سزا دی جاسکتی ہے۔ جو چودہ سال سے کم عمر والی لڑکی
مجامعت کریں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ فوجداری قانون کے ہوتے ہوئے نکاح جیسی ایک معاشرتی
کو کیوں جرم قرار دیا جائے۔ اگر قانون فوجداری اس وجہ سے ناکافی ہے کہ رضامندی سے مجامعت
واقعات عدالتوں کے سامنے نہیں آسکتے۔ تو اب بھی شاردا ایکٹ کے بعد رضامندی سے
عدالت کے روبرو کب آسکیں گے۔ معاملہ صاف ہے کہ شاردا ایکٹ سے آپ نکاح پر قیود
فطرت جو آپ کے قوانین کی تمام پابندیوں سے بالاتر ہے، اس کا بندوبست آپ کے بس

...کاری کو عام کر دینے کا دروازہ کھول رہے ہیں۔

...یکٹ مسلمانوں کے حق میں مضر اور ہندوؤں کے حق میں مفید ہے!

...مغرسنی کو قبیح ترین اشیاء کی فہرست میں داخل کرنے والے حضرات سے استفسار ہے۔ ...میں آپ نے کیا حرج محسوس کیا ہے۔ جس کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ کہ گواہوں کی موجودگی ...جاب وقبول کے وقت چند الفاظ بولے جاتے ہیں۔ جو چیز مضرت رساں ہے وہ اور ہے، ...نی مجامعت، اور شوہر کی وفات پر نکاح ثانی کا عدم جواز، شریعت اسلامی دونوں امور کے خلاف ...ہے۔ اور اس حالت میں مجامعت بلکہ لڑکی کی تفویض وسپردگی تک کو ناجائز قرار دیتی ہے۔ اور ...شدت کے ساتھ حمایت کرتی ہے۔ ایسی حالت میں مضرت کا پہلو بالکل ساقط ہے۔ اور بعض ...ت کی بنا پر اس نکاح سے جو فوائد حاصل ہو سکتے ہیں ان کا دروازہ بند نہیں۔ البتہ بعض اقوام ...وم و قانون چونکہ تفویض و مجامعت کے مانع نہیں۔ اور نکاح ثانی کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ اس ...کاح مسلمانوں کے حق میں مفید ہے وہ ان اقوام کے حق میں سخت مضرت رساں بلکہ عذاب الٰہی ...ہے مسٹر شاردا نے خاص ہندوؤں کے لیے اس ایکٹ کا مسودہ پیش کیا تھا۔ لیکن حکومت کی ...ائی تھی۔ اس وجہ سے اس نے اس ایکٹ کو عام کر کے گو ہندوؤں پر کرم کیا ہو، لیکن مسلمانوں کو ...ت مبتلائے مصیبت کر دیا۔

...اردا ایکٹ جس جذبہ کے ماتحت پیش کیا گیا ہے وہ ناخوشگوار ہے!

...ہر بلاس شاردا نے دیانند کالج لاہور کے طلباء کے خیر مقدم (ایڈرس) کے جواب میں تقریر ...ے اس ایکٹ کے پیش کرنے کا دلی مقصد خود ظاہر فرما دیا ہے کہ "انھوں نے سوامی دیانند کی ...میں ایسا کیا ہے، اور جب تک وہ زندہ رہیں گے، سوامی جی کے اصول و تعلیم کی تائید ...رہیں گے۔ گویا شاردا صاحب نے یہ ایکٹ پیش کر کے اپنے سماجی دھرم کا ایک کام ...لیکن ظاہر ہے کہ مسلمان سماجی دھرم کے اصول پر نہیں چل سکتے۔ مثلاً اگر کل کے روز ...اپنی آبادی بڑھانے کے لیے مسئلہ نیوگ (جس کی رو سے خاوند والی عورت خاوند کی موجودگی

میں بھی اولاد پیدا کرنے کے لیے غیر مردوں کے پاس جا سکتی ہے۔) اسمبلی سے پاس کرائیں تو کرا سکتے ہیں
دیانند سوامی کے مذہب کی اتباع اپنے ہم قوم افراد سے کرا سکتے ہیں۔

لیکن ظاہر ہے کہ مذہب اسلام اس کا متحمل نہیں ہو سکتا اور نہ مسلمان اس کو گوارا کر سکتے ہیں
وہ جذبہ جس کے زیر اثر یہ ایکٹ پیش کیا گیا ہے۔ بذات خود مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مجروح کرتا
ہے۔ اس اختلاف تمدن و معاشرت کی بنا پر ہم مسٹر سارداان کے ہم خیال افراد اور حکومت سے درخواست
کرتے ہیں کہ ہمیں ان اصلاحات سے معاف کیا جائے۔ اور ہمارے معاملات کو غیر اسلامی ذہنیت
جذبات کی دستبرد سے محفوظ رکھا جائے۔

شاردا ایکٹ آنحضرت صلعم کے نکاح کو حضرت عائشہ سے مستحق سزا و جرمانہ قرار دیتا ہے

(۵) وہ حضرات جن کو احکام شریعت سے محض ناآشنائی ہے۔ وہ اس ایکٹ کو خلاف شرع تسلیم نہیں کرتے
اور اس وجہ سے اس ایکٹ کے نفاذ کو مذہبی مداخلت تصور نہیں کرتے۔ ان حضرات کا یہ خیال قطعی غلط ہے
سہی کہ شاردا ایکٹ سن نکاح اور عمر ازدواج معین کرتا ہے۔ اور شریعت نے اس کے متعلق کوئی تحدید نہیں
کی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح شریعت اسلامیہ کی رو سے
نہ صرف جائز بلکہ اس کا عقیدہ فرض و واجب۔ لیکن شاردا ایکٹ کی رو سے نہ صرف ناجائز بلکہ مستحق جرمانہ و سزا۔ ادھر
حضرات کی خدمت میں باادب عرض کیا جاتا ہے کہ یہ ساری ہنگامہ آرائیاں اس پر نہیں کہ شاردا ایکٹ موافق شرع ہے یا خلاف شرع
حکومت سے ہے۔ کہ وہ اس معاشرتی مسئلہ کو جو سیاست سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ اپنے ہاتھ میں
لیتی ہے۔ معاشرتی اور فقہی مسائل میں دست اندازی حکومت کا کام نہیں ہے۔ آپ حضرات اگر
حامی ہیں تو اس کی ترویج میں بطور خود سعی کیجیے۔ اپنی مخالف جماعت کو دلائل سے مطمئن کیجیے
برائے خدا حکومت کو اپنے معاشرتی اور مذہبی معاملات میں دست اندازی کا موقع نہ دیجیے۔
اس مسئلہ پر مطمئن ہیں تو اس کی کیا ضمانت ہے، کہ کل حکومت ایسے معاشرتی اور مذہبی مسئلہ کو اپنے
ہے۔ جس سے آپ حضرات بھی چراغ پا ہو جائیں۔ اس وقت آپ کی صدائے احتجاج محض بے کار ہو
حکومت کے ہاتھ میں نظر آ گئی۔ نماز سے بڑھ کر موافق شرع اور متفق علیہ کون مسئلہ مسلمانوں کے نزدیک
ہے۔ لیکن اسمبلی کو یہ حق قطعاً حاصل نہیں ہے کہ وہ بہ جبر مسلمانوں پر اس کا نفاذ کرائے۔ نماز بے شک
پر فرض ہے۔ لیکن اس کا احتساب و اجرا از خود مسلمانوں کے ذمہ ہے۔ وائسرائے یا اسمبلی کو قطعاً

میں دخل دے۔

...ایک مخصوص مذہبی مسئلہ ہے صرف معاشرتی معاہدہ نہیں ہے

...ایکٹ کے ذریعہ جو ناواجب مداخلت کی گئی ہے، یہ نہ صرف اسلامی نقطہ نظر سے ناقابلِ برداشت
...زمانہ حال کے تمدن اور تہذیب کی رُو سے بھی ناجائز ہے۔ جناب محمد علی صاحب کی سرکردگی
...وائسرائے ہند لارڈ اِرون سے ملاقی ہوا ہے۔ اس کو وائسرائے نے مسلمانوں کے تمدن و
...اور قومی اخلاق کی حفاظت کا یقین دلایا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ تمدن، معاشرت اور
...سے کیا مراد ہے۔؟

...مجموعہ قوانین جن کی پابندی کوئی قوم اپنے اجتماعی اور معاشرتی معاملات میں کیا کرتی ہے کون
...مسلمانوں کی جماعت کا نظام خواہ وہ عبادات سے تعلق رکھتا ہو یا جماعتی اور انفرادی
...ہے اس کی تمام تر بنیاد قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس پر ہے، اور یہی مسلمانوں کا دین و
...ہے۔ اس روشن حقیقت کے باوجود یہ کہنا کہ نکاح مذہبی چیز نہیں ہے۔ محض تجاہل عارفانہ، مسلم
...آزاری کا ایک نہایت مکروہ اور خلاف تہذیب طریقہ ہے۔ شرع محمدی کی کوئی کتاب جو انگریزی
...زبان میں ہو، اٹھا کر دیکھ لی جائے۔ صاف معلوم ہو جائے گا کہ نکاح بھی ایک مذہبی چیز ہے۔ اور
...مسئلہ ہے، جس کا اثر جماعت ہی تک محدود رہتا ہے۔ اور حکومت کے فرائض میں دخل انداز
...اور اس وجہ سے اس بات کا مستحق ہے کہ حکومت اس کی حفاظت کرے۔ خود انگلستان میں
...یہودی جماعت کے لیے نکاح کا قانون ملک کے عام قانون کے خلاف ہے۔ جس کا مطلب
...معاشرتی معاملات میں تمام اقوام کے لئے جو کسی ملک میں بستی ہیں۔ یہ لازمی نہیں کہ ایک ہی
...پابند بنائی جائیں۔ بلکہ مہذب قانون وہی ہے، جس میں ہر قوم کا خواہ وہ کم تعداد ہو یا کثیر تعداد
...محفوظ رکھا گیا ہے۔ جب خود انگلستان اس اصول پر کاربند ہے، اور وہاں یہ اختلاف موجود ہے۔
...سارداایکٹ سے مسلمانوں کا استثنا، کوئی ایسی کسرِ شان نہیں ہے کہ حکومت اس کو برداشت
...یہ عہد حاضرہ کی ضروریات اور رفتار واقعات کے منافی

اسلامی اصول بجائے خود مکمل ہیں، دوسری قومیں ان پر عمل کر رہی ہیں

مسلمان اپنی جماعتی اصلاح کیلئے کسی ایکٹ کے محتاج نہیں

(۷) ہم کو جماعتی نظام قائم رکھنے کے لیے نہایت ضروری ہے کہ اپنے شرعی قوانین و احکام کا اجرا کریں
اس کی ضرورت و اہمیت تمام دنیا سے منوائیں۔ فقیر کو نہایت افسوس کے ساتھ اظہار واقعہ پر مجبور ہونا پڑتا
کہ آج نہ صرف غیر اسلامی بیرونی ممالک میں اسلام کے خلاف تعصب موجود ہے۔ بلکہ خود ہندوستان میں
اسلام کی مخالفت میں اخبارات کے ذریعہ ایسی فضا پیدا کی جا رہی ہے جس کا مقصد اسلام کی ہر چیز سے نفرت
پیدا کرانا اور اسلامی خوبیوں کو بُرے رنگ میں ظاہر کرنا ہے۔ ہمارا ایکٹ بھی ان اشیاء کی فہرست میں
ہے۔ جن سے مقصد یہی ہے۔ لطف یہ کہ خود اسلام سے اس طرح چوری کی جا رہی ہے۔ کہ دنیا کو خبر نہ ہو
یہ تو خوشی ہے کہ اسلامی اصول ہندوستان کی دیگر اقوام میں مقبول ہو رہے ہیں۔ لیکن افسوس صرف اس کا ہے
کہ نقال اقوام باوصف نقالی کے اسلام کو بدنام کرنے میں منہمک ہیں۔ آج (۱) شادی بیوگان (۲) ذات
کے امتیازات کو محو کرنا (۳) عورت کے لیے حقوق وراثت حاصل کرنا۔ (۴) طلاق کا جواز پیدا کرنا
کے نام سے موسوم کیا جا رہا ہے۔ اور نہایت سرگرمی کے ساتھ ان اصلاحات کے حاصل کرنے کی کوشش
کی جا رہی ہے۔ لیکن دنیا پر روشن ہے کہ اسلام ساڑھے تیرہ سو برس پہلے ایسی ہی اور ان کے ماسوا
سی جماعتی اصلاحات نافذ کر چکا ہے۔ اور اسلامی جماعت کا نظام اس حقیقت کا شاہد ہے کہ مسلمان
ان سب باتوں پر عمل ہے۔ اور مسلمان ان اصلاحات کے لیے کسی ایکٹ یا قانونی امداد کے محتاج نہیں
ان اصلاحات کے لیے قوانین وضع کر کے اس کے نفاذ میں مسلمانوں کو شامل کرنا اسلام اور اسلامی جماعت کی
سخت ترین توہین ہے۔ اور متمدن دنیا میں مسلمانوں کو یہ دکھا کر خواہ مخواہ بدنام کرنا ہے۔ کہ ان میں یہ
موجود ہیں۔ حالانکہ اسلام اور مسلمانوں کا دعویٰ یہ ہے کہ ان کا دین اس قسم کی برائیوں سے ساڑھے
صدی پیشتر نجات حاصل کر چکا ہے۔ یہ دلیل پیش کرنا کہ مسلمانوں کے ہاں تو یہ باتیں پہلے ہی سے
ہیں۔ ایسے قوانین سے اس کا کیا نقصان ہوتا ہے؟ محض طفل تسلی ہے۔ یہ چیزیں اور قوانین تو اسلام
اور جماعت مسلمین کی سخت توہین ہیں۔ اور ہرگز مسلمان ان کو برداشت نہیں کر سکتے۔

یکٹ بھی اسی قبیل سے ہے۔ اسلامی زندگی اور اسلامی قوانین میں اس کی قطعاً ضرورت نہیں۔
بازبوا مسلمانوں کی گردن پر رکھا جاتا ہے۔

ان تعزیرات ہند (ایکٹ ۱۰ سنہ ۱۸۹۱ء) نے ہندوستان میں بیوگان کی کثرت کو بغیر خاوند
ندوں کے ساتھ زنا کاری کے انسداد کے لیے کوئی قانون وضع کرنے کا سبب بتلا کر ہندوستان
میں کرلی ہے۔ اور مسلمان جن کا دامن اس بے ہودگی سے پاک اور جن کا شرعی قانون بیوگان
بحالی ہے۔ وہ بھی ضمناً اس توہین میں شریک ہو چکے ہیں، اب شارد ا ایکٹ کے ذریعہ سمندناز
یانہ کی تاب باقی نہیں ہے۔ قانونی ذریعہ سے جماعتی اصلاح اور وہ بھی غیر ملکی نظام حکومت کے
ہندوستانی قوم پرستوں کے نزدیک مستحسن ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سے زائد بے حسی
کی دوسری مثال نہیں مل سکتی، جماعتی اصلاح کے لیے ایثار نفس ترغیب اور امتثال امر کا طریقہ
ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ تعلیم اور روحانی اثر سے (نہ کہ واضعان قوانین کے
مان ساڑھے تیرہ سو برس پیشتر ان تمام مزخرفات سے پاک ہو چکے ہیں۔ فللّٰہ الحمد۔

...رائے ہند کا قول پارلیمنٹ کے اصولِ قانون سے ٹکراتا ہے!

...اب کو جواب دیتے ہوئے وائسرائے ہند لارڈ ارون ارشاد فرماتے ہیں کہ اسمبلی کو تمام اقوام
...قوانین کے کامل اختیارات حاصل ہیں۔ وائسرائے کے اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو
...کے قانون وآئین کی بھی اطلاع نہیں ہے۔ ان کے یہاں اب بھی ایسے قوانین موجود ہیں۔ جن
...نی اور خاندانی معاملات واختیارات کے خلاف اسمبلی کو وضع قوانین کے اختیارات نہیں
...نٹ سے تو مسئلہ صاف ہے کہ غیر مسلم کو مسلم پر اجتماعی قانون رائج کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ (اس
...میں بتفصیل بیان کر دیا ہے۔) اب قانونی حیثیت سے بھی اسمبلی کے اختیارات وضع قوانین
...گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی رُو سے محدود ہیں۔

...ٹ پارلیمنٹ کے ایکٹ کی رُو سے بھی ناجائز کالعدم ہے!

...یکٹ سنہ ۱۹۱۹ء کی دفعہ ۱۸ کی تصریح یہ ہے۔

اہل ملک (ہند) کے تمدنی، شہری، معاشرتی اور مذہبی دستور کا واجبی احترام ملحوظ رکھتے
یہ قرار دیاجاتا ہے کہ خاندانوں یا خاندانوں کے ولیوں کے حقوق و اختیارات ان کے خاندانوں کے
اندر اسی طرح محفوظ کیے جائیں، جس طرح وہ بحیثیت ہندو یا مسلم ان حقوق و اختیارات سے کار
لیتے ہیں۔ اور ان کا کوئی فعل جو وہ اپنے خاندان کے ممبران کے متعلق اپنی ذات کے قانون یا ضابطہ
کی بنار پر کریں، جرم نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اگرچہ وہ فعل انگلستان کے قانون کے بموجب حق
بجانب نہ بھی ہو۔"

اسی طرح ایسٹ انڈیا ایکٹ ۱۷۹۷ء کی تصریح ملاحظہ ہو،

اہل ملک تمدنی، معاشرتی اور مذہبی دستور کا واجبی احترام ملحوظ رکھتے ہوئے یہ قرار دیا جاتا ہے
کہ خاندانوں کے باپ اور ولیوں کے حقوق و اختیارات جو ان کو ہندو لا اور شرع محمدی کی رو سے
حاصل ہیں۔ وہ ان کے خاندانوں کے دائرہ کے اندر ان کے لیے محفوظ رکھے جائیں گے۔ اور
ان عدالتوں کی کارروائیوں میں جن کا تعلق اس ایکٹ سے ہے، نہ ان اختیارات و حقوق کی خلاف
ورزی کی جائے گی اور نہ ان میں مداخلت۔ اور ذات کے قانون و قواعد کی بنار پر جو فعل خاندان
کے ممبران کے متعلق کیا جائے گا۔ وہ جرم نہیں خیال کیا جائے گا، اگرچہ وہ انگلستان کے قوانین
کی رُو سے حق بجانب نہ ہو۔"

پارلیمنٹ کے ان ہر دو قوانین کی مذکورہ بالا دفعات کی رو سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ خاندان کے
دائرہ کے اندر باپ اور ولی کے وہی حقوق جو اس کو شرعاً حاصل ہیں محفوظ کیے گئے ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا اسمبلی کوئی ایسا قانون پاس کر سکتی ہے جو پارلیمنٹ کے ان ہر دو ایکٹ کی
بالا واضح دفعات کے خلاف ہو۔ اس کے لیے ہمیں گورنمنٹ آف انڈیا کی دفعہ ۹۴ کی طرف توجہ
کی ضرورت ہے۔ اس دفعہ کا منشار یہ ہے کہ:-

کوئی قانون ہندوستان میں کسی اختیارات کی بنار پر وضع کیا جائے۔ اور پارلیمنٹ کے اس ایکٹ
دوسرے ایکٹ کی کسی دفعہ کے خلاف ہو تو وہ اس خلاف کی حد تک کالعدم ہو گا ورنہ نہیں۔"

اسمبلی کو وضع قانون کے اختیارات پارلیمنٹ نے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی رُو سے تفویض کیے
اور یہ حق نہیں دیا ہے کہ وہ کوئی ایسا قانون وضع کرے جو خود پارلیمنٹ کے نافذ و رائج قوانین کی دفعات
کے خلاف ہو۔

سارڈا ایکٹ کی رُو سے، وہ باپ اور ولی جو اپنے ان اختیارات و حقوق کی بنار پر جو اس کو بموجب شرع

ممبران خاندان کے نکاح کے متعلق حاصل ہیں۔ ان اختیارات سے کام لینے کی صورت میں جرم قرار پاتا ہے۔ لہذا شاردا ایکٹ پارلیمنٹ کے مذکورہ بالا دو ایکٹوں کی دفعات ۱۸، ۱۲ کے ...نے کی وجہ سے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی دفعہ ۲۹۸ کی رو سے قطعاً کالعدم ہے۔ اس سے واضح ہو ...ک مروجہ قوانین و آئین کی رُو سے بھی کالعدم اور محض مردہ نعش ہے۔ اور یہ بھی واضح ہوگیا ...یمنٹ کے ایکٹ کو فسخ یا اس کی خلاف ورزی کا حق نہیں ہے۔ پارلیمنٹ کے ان دونوں ...ذکورہ بالا دفعات ۱۸، ۱۲ کے متعلق گورنمنٹ آف ایکٹ کی دفعہ ۱۲۰ کو جدول ۷ کے ساتھ ...ے معلوم ہوگا کہ یہ دفعات منسوخ نہیں کی گئی ہیں۔ بلکہ اب تک بدستور نافذ و رائج ہیں۔

...ن شاردا ایکٹ کے نفاذ نے تو بالکل حقیقت کو طشت از بام کر دیا، کہ یہ غیر ملکی حکومت ہماری ...ی معاشرتی خصوصیات کو فنا کرنے کا تہیّہ کر چکی ہے۔ اور اس کی تائید حال میں اس واقعہ سے بھی ...ریاست حیدرآباد میں سر ولیم مارٹن سابق رزیڈنٹ کی قائم کردہ کونسل جدید نے جس عہدہ کو ...ی سمجھا وہ وہی عہدہ تھا جو ایک اسلامی ریاست کی خصوصیت کا برقرار رکھنے والا تھا۔ اور جس عہدہ کی ...ے شاہان دکن کا امتیاز و تفوق عہد حاضر میں تمام اسلامی ریاستوں پر تھا۔ یعنی عہدہ شیخ الاسلامی ...صدارتی، چنانچہ یہ ہمیشہ کیلئے تخفیف میں آگیا۔ یہ ظاہر ہے کہ محکمہ جات متعلق رفاہ عام و مال گذاری و ...تعلیمی محکمے اور ان کے سوا دوسرے صدہا بے شمار شعبے خواہ کتنے ہی مفید اور ضروری ہوں، ...اسلامی خصوصیّت نمایاں کرنے والا نہ ان میں سے کوئی محکمہ ہے اور نہ کوئی شعبہ، جس عہدہ ...خصوصیت نمایاں ہوتی تھیں۔ وہی ایک انگریز کی نظر میں خار کی طرح کھٹکا۔ اور بالآخر اس کا ...اس قسم کے صدہا واقعات ہیں جن سے برای العین مشاہدہ ہو رہا ہے کہ اس کی ہر ایک ...حکومات کی قاتل اور اس کی ہر حرکت مذہبی ڈھانچ کے حق میں ایک سنگین ضرب ہے۔ ...ت میں مسلمانوں کے حق میں جو حکم الٰہی عائد ہوتا ہے وہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ...ئے۔

...منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ ...یستطع فبلسانہ فان ...بقلبہ وذلک اضعف ... (رواہ مسلم)

ترجمہ — جو کوئی تم میں سے کسی منکر (اور بدی) کو دیکھے تو اس کو چاہیئے کہ اپنے ہاتھ (کی قوت) سے اس کی تبدیلی (اور مدافعت) کرے، اُس کی اگر استطاعت نہیں ہے تو (کم از کم) دل سے (اس کو برا سمجھے) اور یہ (پچھلا درجہ) ایمان کا ضعیف ترین (اور آخری درجہ) ہے، یعنی اس کے بعد ایمان کا خاتمہ ہے۔

یہ نہ صرف مشورہ ہے بلکہ ہدایت ہے، معمولی خیر خواہ کی جانب سے نہیں۔ بلکہ رحمۃ للعالمین کی بارگاہ
صادر ہوا ہے۔ حالات مشاہدہ فرمائیے۔ اور ان تین درجوں میں سے اپنے حق میں جو چاہے
کیجئے۔ جمود و تعطّل انسان کو ایمان کی آخری سرحد پر لے آتا ہے۔ بلکہ درحقیقت ایمان کی
کا دوسرا نام جمود و تعطل ہے۔ ممکن ہے عہد حاضر کے مسلمان مصلحت شناسی کی بنا پر جمود
دیں۔ لیکن ان کے مالک و خالق اللہ جل جلالہٗ نے ہر حالت میں مجاہدانہ زندگی کو (خواہ
لحاظ سے کسی شکل میں ہو) جمود اور قعود پر ترجیح دی ہے، سنئیے اس کا ارشاد:۔

لا یستوی القاعدون من
المومنین غیر اولی الضرر والمجاھدون
فی سبیل اللہ باموالھم وانفسھم
فضل اللہ المجاھدین باموالھم
وانفسھم علی القاعدین درجۃ

ترجمہ (ہاتھ پر ہاتھ دھر کے) بیٹھنے والے مسلمان
(ضعیف البصری وغیرہ) نہیں، اور وہ مسلمان
اپنے جان و مال سے لڑنے والے ہیں دونوں برابر
اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کا (جو اپنی جان و مال سے
ہیں)) ان پر درجہ بڑھا دیا ہے جو بیٹھ رہنے

ارحم الراحمین خدائے برتر اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پیغمبر سے بڑھ کر
خیر خواہ اور مصلحت شناس ہو سکتا ہے۔ ان کے فیصلوں کے سامنے مسلمانوں کو سر جھکانا اور
عمل پیرا ہونا ان کی حیات ہے، ان کی آزادی ہے، ان کی ترقی ہے، ان کے اسلامی شعائر
کی مذہبی خصوصیات کی بقا ہے۔ اس سے روگردانی کرنا اور اپنی مصلحت شناسیوں کو اور
بینیوں کو ان فیصلوں پر ترجیح دینا درحقیقت ان کی موت و ہلاکت ہے۔ ان کے تنزل اور غلامی
ان کے شعائر اسلامیہ کا بتدریج زوال ہے۔ لہٰذا معاملہ صاف ہے۔ مسلمانوں کے لیے مناسب
ذہنیت ہے۔ نہ کہ تعطل و جمود ان کی ایمانی غیرت اور مذہبی خودداری اور حمیت
کہ وہ تحریک آزادی میں سب کے پیش پیش اور اس کے اولین علمبردار ہوں۔

حالات حاضرہ پر ایک سرسری نظر

اور مسلمانوں کے لیے لائحہ عمل

ن، مذہبی اسباب و وجوہ کی روشنی میں یہ امر واضح ہو چکا کہ مسلمانوں کے لیے حرکت و نہضت
ک نہایت اہم اور ضروری فریضہ ہے۔ حصول آزادی کی راہ میں تمام قوموں سے آگے
ہنا چاہیئے۔

مذہبی وجوہ کے علاوہ ملکی اور وطنی حیثیت سے بھی مسلمانوں کا سب سے اوّل یہ فریضہ ہے، کہ
ن کو برطانوی اقتدار سے آزاد کرایا جائے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ آج سے تقریبًا دس سال بیشتر
ہند نے ہندوستان کی مکمل آزادی کو اپنے مقاصد میں داخل کیا۔ اور دیگر اسلامی
کے علاوہ انڈین نیشنل کانگریس نے بھی آزادی کامل کو اپنا نصب العین قرار دیا۔ اور یہ ایک
ہے کہ اگر جمعیت علمار ہند اور عامہ مسلمین تحریک خلافت کے سلسلہ میں اگر کانگریس میں
ہوکے شریک نہ ہوتے تو کانگریس اس قدر جلد اس مرتبہ پر نہیں پہنچتی جہاں آج وہ نظر آ رہی ہے
کے حب وطنی اور شوق آزادی کا یہ ایک کرشمہ ہے، کہ آج پھر کانگریس نے ایک نئی
ہے۔

پورٹ اور مسلمانانِ ہند

علمائے کرام اور اعیان ملت! اس وقت میں گذشتہ ناخوشگوار واقعات کا ذکر کرکے آپ
وقت عزیز ضائع کرنا نہیں چاہتا۔ مگر اختصار کے ساتھ اس قدر عرض کرنے کی اجازت دیجئے
سے جیسے ہندو مہاسبھائی ذہنیت نے ملک کی آزادی کی راہ میں جس قدر روڑے اٹکائے
ت وہ ہے۔ اور اس سلسلہ میں ہندو مہاسبھا کے رہنماؤں کا طرزِ عمل خواہ کسی قدر افسوس
برداشت نہیں۔ لیکن افسوس اس امر کا ہے کہ کانگریس کے ذمہ دار ہند و برادران وطن جن کو
یدہ او علے وہ بھی سبھائی ذہنیت کے شکار ہونے سے محفوظ نہ رہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ نہرو کمیٹی نے جو ہندوستان کی قومی حکومت کا خاکہ تیار کرنے بیٹھی تھی، جمہوریہ
ایک ایسی رپورٹ تیار کی جس میں ہندو سبھائی اسکیم غالب ہے۔ اور مسلمانوں کو بحیثیت قوم دستور
سے نکال کر باہر کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اس لیے تقریباً تمام مسلمانوں نے اس سے
اظہار کیا۔

تھوڑے مسلمان بلاشبہ اس کے مؤید تھے۔ مگر وہ بھی چند ترمیموں کو ضروری سمجھتے
اسلامی جمعیتیں بغیر تحفظات اس رپورٹ کے خاکہ کو ایک لمحہ کے لیے قبول کرنے کو تیار نہیں
اس سلسلہ میں جمعیت علماء ہند کی کارگذاری تمام اسلامی جمعیتوں سے سب سے زیادہ
انہوں نے اس رپورٹ پر ایک مکمل تنقیدی رپورٹ تیار کر کے ملک میں شائع کر دی۔ اور
جس قدر خامیاں تھیں اور مسلمانوں کے جن تحفظات کو نظر انداز کر دیا گیا تھا، سب اس میں
تاکہ آل پارٹیز کنونشن اس پر غور کرے اور نہرو رپورٹ میں مناسب ترمیمات کر کے ان
سے برطانیہ کے سامنے رکھ دے جو اس وقت تک برطانیہ کے زیر سایہ آزادی کے خواہش
اس قسم کی مکمل تنقید نہرو رپورٹ کے متعلق کسی اسلامی جمعیت کی طرف سے شائع
ہوئی۔

اس تنقید کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے آئندہ جمہوریہ حکومت میں مسلمانوں کے
حقوق کے اصول کی وضاحت کے ساتھ خالص مذہبی امور کے تحفظ کے لیے دستور حکومت
دفعات کے اضافہ کا مطالبہ کیا ہے، جس سے عموماً سیاسی زعماء غفلت برتتے ہیں۔ لیکن افسوس
کنونشن نے ان تمام اسلامی مطالبات پر غور کر کے کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ اور قبل اس کے کہ
میں مناسب ترمیمات کر کے مسلمانوں کے شکایات کو دور کیا جائے۔ انڈین نیشنل کانگریس
سے بڑی غلطی یہ کی کہ اس نے نہرو رپورٹ کو ایک سال کے لیے قبول کر لیا۔

اگرچہ کانگریس کے پہلے اجلاس میں اس کی شدید مخالفت کی گئی۔ اور جوانان ہند
کو تو صرف اس بنیاد پر کانگریس کے پلیٹ فارم سے رد کرنا چاہتے تھے کہ یہ رپورٹ
نصب العین سے کانگریس کو پیچھے کی طرف ڈھکیل رہی ہے۔ اگر گاندھی جی کی شخصیت
کانگریس کے اجلاس میں ۱۹۲۷ء کی طرح مسلمانان ہند شریک ہوتے تو یقیناً یہ رپورٹ
ہی میں مردود ہو جاتی ہے۔

بہرحال گاندھی جی نے اس رپورٹ کو کانگریس کے پلیٹ فارم سے ۱۹۲۸ء میں منظور

یا۔ ایک طرف مسلمانوں کو بجا طور پر کانگریس کے ان رہنماؤں سے نفرت پیدا ہو گئی۔ دوسری
کو آگے بڑھانے کی بجائے انھوں نے پیچھے ہٹا دیا۔ اور پورا ایک سال اس منحوس
سے ضائع کیا گیا۔

اور مسلمان

الغرض ہندو رہنمایان کانگریس کی ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے کانگریس
کو ایک شدید نقصان پہنچا۔ اور اس نے عامہ مسلمین کی ہمدردی ضائع
نہیں یقین ہو گیا کہ کانگریس رہنما بھی ہندو مہاسبھا سے مرعوب ہو گئے۔ اور اب ان میں اتنی
کہ ہندو مہاسبھا کے خلاف کوئی قدم آگے بڑھائیں، لیکن اب جبکہ ۳۱، دسمبر ۱۹۲۹ء کو
نہرو رپورٹ کو تقویم پارینہ سمجھ کر دریائے راوی کے کنارے غرق کر کے پھر مکمل آزادی کی تجویز
اور اس وقت ملک کے سامنے کوئی دستور بنانے کا سوال وہ نہیں اُٹھاتی ہے۔
میں مسلمانان ہند کے لیے یہ معاملہ نہایت غور و فکر کا محتاج ہے۔ کہ وہ کیا
کریں۔

صاف ہے کہ آج ہندو رہنماؤں میں انصاف اور رواداری کے وہ جذبات موجود
میں وہ ظاہر کر رہے تھے۔ اور گذشتہ چند سالوں میں انھوں نے اپنے طرز عمل سے یہ
کردہ بھی مسلمانوں کے لیے ایک فریق کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور وہ یہ نہیں چاہتے، کہ
اور مذہبی روایات کے مطابق ہندوستان میں ایک نمایاں حیثیت سے باعزت زندگی

کے اعتراف کے باوجود غور طلب یہ بات ہے کہ ہمارا سب سے بڑا دشمن برطانیہ ہے، جو
قبضہ کر کے ہندوستان کی قوت سے تمام ممالک اسلامیہ کے لئے تباہی کا باعث بنا ہوا
ہندوستان میں ہماری تباہی و بربادی کا سبب اسی کا اقتدار ہے۔
. . اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جب تک اس کا اقتدار ہندوستان میں موجود ہے،
کیا جائے گا۔ انھیں وجوہ سے مسلمانان ہند ہندوستان کی آزادی کے بابت صرف ایک
ہیں۔ کہ جس طرح ہو، ہندوستان کو برطانیہ سے مکمل طور پر آزاد کرایا جائے۔
کر مسلمانوں کے لیے یہی راہ عمل ہو سکتی ہے کہ وہ بھی آزادی کے لیے متفقہ طور پر
ہیں۔ کیونکہ مکمل آزادی نصب العین ہے۔ اور اس مقصد کے لئے جب اور جس وقت

فضا اور موسم مناسب پیدا ہو فوراً عملی کارروائی شروع کردینی چاہیئے۔

جو لوگ کانگریس یا ہندوؤں کو سمجھتے ہیں ان کے لیے بھی یہی راہ عمل ہے، کہ ان کو دشمن
برطانوی اقتدار پر ضرب کاری لگانے کے لیے آمادہ ہو جائیں کیونکہ برطانوی خصوصیت ہے
اس پر جس قدر ضرب کاری لگاتی ہے اسی کے آگے وہ جھکتی ہے۔ اس لئے اگر اس وقت مسلمان
ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہے۔ اور اپنی وفاداری کے صلہ میں مراعات پانے کے امیدوار رہے
یقین کرنا چاہیے کہ وہ سخت دھوکہ میں رہیں گے، کیونکہ جو قوم جنگ کرتی ہے، اُسی کو راضی کرنے
کی جاتی ہے۔

پس اس وقت جبکہ ہندو قوم برطانوی اقتدار کے خاتمہ یا اُس کو کمزور کرنے کے لیے آمادہ جنگ
تو مسلمانوں کی دانائی کا اقتضاء یہ ہونا چاہیے کہ اپنے مقاصد کی تکمیل میں اس وقت کو غنیمت کو
اپنے بڑے دشمنوں کے مقابلہ میں میدان کارزار میں اتر آئیں تاکہ مکمل آزادی سے پہلے اگر
پر آمادہ ہو تو وہ اس وقت کس مپرسی کی حالت میں نہ رہیں۔ اور مال غنیمت میں ان کی جان نثاری
ان کو حصّہ ملے۔ اور کسی کو یہ کہنے کی جرأت نہ ہو کہ دوسروں کی قربانی کے صلہ میں بے حمیتی سے
بہم ہونا چاہتے ہیں۔ پھر اس دور کے بعد اگر خدانخواستہ ہندو قوم مسلمانوں سے برسرپیکار ہو
جنگ چھڑے، اور برطانیہ سے جنگ بند ہو جائے، تو مسلمان اس وقت اس قوم سے جنگ
میں بھی حق بجانب ہوں گے۔

الغرض آزادی اور حفاظت حقوق دونوں کے لیے مسلمانوں کو جنگ کرنی چاہیئے۔ اور اس جہاد
حیات و زندگی مضمر ہے۔ اس لیے اس سے کسی وقت گھبرانا نہیں چاہیئے۔

بہر حال اس وقت جب آزادی کی جنگ درپیش ہے۔ تو مسلمانوں کا اس میں صحیح رہنما
رساں ہو گا۔ **جو** لوگ ہندوؤں سے بیزاری کی وجہ سے کانگریس میں شریک ہو کر آزادی کی
میں حصّہ لینا گوارا نہیں کر سکتے ان کے لیے بھی تعطّل کسی طرح مناسب نہیں۔ ہے۔ انھیں چاہیئے
علمائے ہند برطانیہ کے خلاف جنگ کا جو پروگرام تیار کرے اس پر عمل کریں۔ اور جمعیت علمائے
کے جھنڈے کے نیچے جہاد میں شریک ہو جائیں۔ اور ہمیں توقع ہے کہ جمعیت علمائے ہند کے
ارکان غور و خوض کے بعد اس کی بابت فیصلہ کریں گے۔ کیونکہ شاردا ایکٹ کے سلسلہ میں وہ
جنگ کا اعلان کر چکے ہیں۔ اور مکمل آزادی ان کا غیر متبدّل نصب العین پہلے سے موجود ہے
اس وقت جمعیت علمائے ہند کو جدید اعلان جنگ کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ جنگ کے

…حاجت ہے کہ مذہبی مداخلت کے سدباب کے علاوہ نفس آزادی کو بھی مقصد جنگ قرار دیا جائے
…راہ جنگ کالائحہ عمل کیا ہونا چاہیئے ۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جس پر حضرات علمائے کرام غور
…موثر لائحہ تیار کر سکتے ہیں ۔ میں صرف اس قدر عرض کر سکتا ہوں کہ مقاومت مجہول اور غیر تشدد
…ضعفا اور کمزوروں کا ایک قدیم حربہ ہے ۔ جس سے بڑے بڑے سرکشوں کو زیر کیا گیا ہے ۔ اور
…تاریخ کے صفحات پر اس قسم کے حرب کے اہم واقعات آج تک درخشاں ہیں اور یقیناً آج ہندوستان
…اصول سے جنگ کی جا سکتی ہے ۔ اب ان کی تفصیل میں قانون نمک کی خلاف ورزی ہو، یا
…قوانین کی جو مناسب ہو وہ اختیار کیا جائے ۔ مگر اس سلسلہ میں ملک کے مفاد کو پیش نظر رکھ کر ایک
…طرف میں اشارہ کرنا چاہتا ہوں ۔ اور وہ یہ ہے کہ آج یہ مسئلہ متفق علیہ ہے ۔ کہ ہندوستان نہایت
…ہمارے مزدور و زراعت پیشہ طبقات جو ہندوستان کی آزادی کا ۸۰ فی صدی عنصر ہیں ۔ تباہ و
…حال ہیں ۔ ہندوستان کی حقیقی ترقی ان طبقات کی اقتصادی اصلاح پر منحصر ہے ۔ اور اب تک چرخہ
…جو کچھ تحریکات ملکی میں داخل کیا گیا ہے ۔ محض غرباء کے نام اور ان کی فلاح کے لیے بتلایا گیا ہے ۔
…تجربہ ملک کو ہو چکا ہے ۔ اور اعداد شاہد ہیں کہ اس نے ملک کا افلاس دور کرنے میں کوئی قابل
…نہیں لیا ہے ۔

…بھی دیکھنا باقی ہے ۔ میں سمجھتا ہوں کہ ملک کے قابل ہمدردی طبقات کا دکھ درد جاننے والے
…اس خیال میں میری تائید کریں گے ۔ کہ ان لوگوں کے حقیقی افلاس کا سبب نمک کا محصول اور مانچسٹر کا
…اور نہیں ہے ۔ جتنا کہ وہ سود ہے ۔ جو قرضہ پر ان سے وصول کیا جاتا ہے ۔ اور جس کی بدولت مزدور
…کی گاڑھی کمائی اور محنت کا پیدا کیا ہوا روپیہ اور اناج مہاجن کے خزانہ اور کھتہ میں جمع ہو جاتا ہے
…کے کچھ کام نہیں آتا ۔ مزدور اور کسان باوجود محنت و جاں فشانی کے بھوکے اور ننگے ہی نظر آتے ہیں ۔
…سرمایہ داری جو تمام دنیا کی اقتدار پسند و جاہ طلب حکومتوں پر مسلط ہے ۔ اور محنت و مزدوری کی قدر
…محنت کرنے والوں کو کچل رہی ہے ۔ اور جس کے خلاف نہ صرف ہندوستان بلکہ خود انگلستان و
…یورپ میں آوازیں بلند ہو رہی ہیں ۔

آج ہمارے ملک کے افلاس اور تباہی کا حقیقی سبب ہے !

…محنت کش اقوام کی مظلومیت کی ہمدردی اور سرمایہ داری کے ظلم و تعدی کے خلاف ہندوستان
…خلاق ہمدردی حاصل ہو سکتی ہے ۔ اور میرے خیال میں اگر مسلمان اور دیگر قومیں اپنا تمام زور و
…قوانین کو منسوخ کرنے میں صرف کریں ۔ جن کی رو سے سود کی ڈگریاں دی جاتی ہیں ۔ اور غریب

مزدور کسانوں کی تنخواہیں قرق اور جائدادیں نیلام کرائی جاتی ہیں۔ تو یہ نہ صرف ہندوستان بلکہ
آزادی کی سب سے بڑی خدمت ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ میں اس حقیقت سے بھی چشم پوشی نہیں
کہ کسان اور مزدوروں کی ضروریات بغیر قرض کے پوری نہیں ہو سکتیں۔ اور سود کا سد باب
میں مشکلات حائل کر سکتا ہے۔ کم سود سے بنک جن کو کواپریٹو سوسائٹیوں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
کارناموں کی رپورٹیں خواہ کتنے ہی خرم و احتیاط کے ساتھ شائع کی جائیں۔ غریب کسان اور مزدور
جائدادوں کو نیلام سے محفوظ رکھنے سے قاصر ہیں۔ اور محنت کش کو اس کی محنت کے پھل سے محروم
معاون ثابت ہوئی ہیں۔ لہٰذا میرے نزدیک ان کا بھی استیصال کیا جائے۔ اور غریب مزدور اور کسان
کے لیے امراء کے طبقہ پر ایک ٹیکس عائد کیا جائے۔ جو سالانہ ان سے وصول کیا جائے اور اخراجات
کے بعد جو کچھ بچے اس سے بلا سود غرباء کو روپیہ قرض حسنہ کے طور پر دیا جائے۔ اور ملک کے
بیوگان، لنگڑے، لولے، اندھے، اپاہج، یتیم لاوارثوں کی نگہداشت پر اور ملک میں
پر صرف کیا جائے۔ اگر آپ حضرات میری اس تحریک کو قبول فرما سکیں اور اس کی تفصیلات
ساتھ مسلمانوں کے تمام فرقے اور اگر ضرورت ہو تو ملک کی دوسری جماعتوں کے نمائندہ حضرات کے
جو اس کو تسلیم کر لیں۔ مشورہ کر کے طے فرمانے میں ساعی ہوں، تو میرے خیال میں ہم سب ایک
راہ عمل پر گامزن ہوں گے۔ اور ملک کی فلاحیت میں بہت جلد ترقی ہوگی۔ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ
اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ

جمعیۃ العلماء اور اس کی قیادت

یہ ظاہر ہے کہ ہر ایک ادنیٰ تحریک کے لیے بھی جبکہ قائد اور رہنما کی ضرورت ہو تو آزادی جیسی
تحریک کے لیے اس ضرورت کو شدید ہونا چاہیئے۔ اس وجہ سے سوال قائد کی ضرورت کا نہیں ہے
کی نوعیت کا ہے۔ جمعیۃ العلماء کی تاسیس اور سیاسی امور میں اس کی قیادت کے خطرات کو ملاحظہ کرتے
بعض مسلم اخبارات نے اس کی ضرورت کو اب محسوس کیا ہے۔ لیکن شریعت اسلامیہ نے تیرہ سو سال قبل
کی اہمیت اور ضرورت کو یہاں تک تسلیم کیا ہے کہ بحالت سفر تین اشخاص بھی بغیر قائد اور امیر
تین اشخاص میں سے ایک کو اپنا امیر ضرور منتخب کر لیا جائے۔

ی قیادت یا امارت کی ضرورت عام طور پر محسوس کی جارہی ہے۔ نیرنگی زمانہ سے جہاں یہ صورت نمودار
مسلم پر غیر مسلم کی حکومت ہے۔ اور الٰہی قوانین کی بجائے انسان کے خود ساختہ قوانٔد جاری اور
ان یہ بوالعجب اور مسموم فضا پیدا کی جارہی ہے۔ نیرنگی زمانہ سے جہاں یہ صورت نمودار ہو گئی ہے، کہ
ل نا آشنایان مذہب کے ہاتھ دینا چاہیئے" یا دوسرے الفاظ میں مذہبی قائد وہ ہونا چاہیئے۔ جو مذہب
دار واقع ہو۔ لفظ مسلم اگر کوئی قومی عنوان ہوتا تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہ تھا۔ کہ قوم مسلمان اور
وہ مذہب یا لیڈر نا آشنائے مذہب قرار دے لیا جائے، جیساکہ عام طور پر قومی اور وطنی تحریکات
علمبردار مذہب سے بالکل بے تعلق اور نا آشنا یا کم از کم غیر جانب دار ہوتے ہیں۔ ان کی اعلیٰ منقبت
بیان کی جاتی ہے کہ یہ نہایت روشن خیال یا وسیع الخیال ہیں۔ اور ان کا دامن مذہبی تعصب کی
کل پاک ہے۔ یعنی ان کی نظر میں تمام مذاہب کی حیثیت ایک ہے۔ اور ان کا خصوصی میلان کسی
طرف نہیں ہے۔ ان کی حقیقت بیں نگاہ تمام مختلف مذاہب کو ایک دیکھتی ہے۔ یا کسی کو بھی
نا مجتی۔ اسی وجہ سے ان کا زاویہ نگاہ مذہب کے بارے میں بے حد وسیع ہوتا ہے۔ لیکن یہی
نگاہیں ان کے پیش نظر مقاصد کے معاملہ میں بغایت تنگ ہو جاتی ہیں۔ اور ان کے متعلق ان
ن کے ساتھ تعصب ہوتا ہے جو مذہب کے بارے میں ایک مذہبی شخص کو ہو سکتا ہے۔ دونوں
نہیں بجز اس کے کہ ایک کو قوم یا وطن کے معاملہ میں تعصب ہے، تو دوسرا خدائے قہار کے
ب ہے۔ اگر ایک مذہبی شخص قوانین الٰہیہ کی ہر ایک دفعہ پر سختی کے ساتھ پابند ہے۔ اور اس سے
یک سر مو انحراف کو کفر یا مرادف کفر سمجھتا ہے۔ تو اسی کے بالمقابل ایک قومی انسان اپنے خود
قوانین کا اتنا ہی احترام کرتا ہے۔ اور اس کے نافذ کرانے میں اپنے تمام قوائے علمیہ و عملیہ کو صرف کر
نہیں کرتا۔ پہلے کی طرح یہ بھی اپنے خود ساختہ قانون کی خلاف ورزی کو جرم اور شدید ترین
ہے۔ البتہ خلاف ورزی کرنے والوں کو بجائے کافر و فاسق تاریک الخیال اور وحشی کا لقب
ن لفظی اختلاف ہے جس کا اثر معنوی اتحاد پر نہیں پڑ سکتا۔ لطف یہ کہ باوصف اس اشتراک و
ت اپنے کو روشن خیال سمجھتے ہوئے پابندان مذہب کو مقلد، جامد اور تاریک الخیال
ان کو اس کا بالکل احساس نہیں ہوتا۔ کہ بعینہٖ یہ حالت ان کی ہے، صرف مقاصد کا فرق
پیش نظر مقصد میں نہایت سخت اور پورا متعصب ہے۔ اور دوسرے غیر متعلق مقاصد
اور نہایت روشن خیال ہیں۔ لیکن یہ اپنی اپنی قسمت ہے کہ ایک کے حصہ میں جمود اور
اور دوسرے کے حصہ میں وسعت نظری اور روشن خیالی۔ تلک اذاً قسمة ضیزیٰ

اصل یہ ہے کہ وسیع النظری اور تنگ خیالی تعلق اور بے تعلقی کی دو خوبصورت تعبیریں ہیں۔ یعنی جس چیز سے
بے تعلق ہوتا ہے عموماً اس کے بارے میں وہ وسیع الخیال اور غیر جانب دار ہوتا ہے، بعض اوقات
اس قدر ترقی کر جاتا ہے کہ اس کی یہ غیر جانبداری اور بے نیازی اس شے کے خصوصیات اور متعلقات تک
محدود نہیں رہتی۔ بلکہ خود اس شے کے وجود تک سرایت کر جاتی ہے۔ برخلاف اس کے جس چیز سے
کو تعلق ہوتا ہے، اس کے ہر ایک پہلو سے وہ بحث کرتا ہے۔ اور اس کی ادنیٰ خصوصیت تک
اور برباد ہونا گوارا نہیں کرتا۔ یہی وہ زبردست خلیج ہے جو مذہبی گروہ اور روشن خیال طبقہ کے درمیان
ہے۔ ان دونوں میں صلح اسی وقت ممکن ہے جب دونوں کا زاویہ نگاہ مذہب کے معاملہ میں ایک
لیکن مشکل یہ درپیش ہو گئی کہ قبل صلح یا اتحاد خیال مسئلہ قیادت درمیان میں آگیا۔ اس کا فیصلہ اسی طرح
کہ نہایت کشادہ پیشانی اور فراخ حوصلگی کے ساتھ پہلے "اسلام یا مسلم" کے متعلق تنقیح قائم کرنا چاہئے
کیا چیز؟ اگر اس کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ وہ ایک قوم یا مخصوص نسل کا نام یا عنوان ہے، تو بیشک
ہے، ہر ایک ناآشنائے مذہب کے ہاتھ میں اسلام یا مسلم کی باگ دی جا سکتی ہے۔ بشرطیکہ وہ
کا جو مسلمان کہلاتی ہے بحیثیت قوم ہونے کے خیر خواہ اور مخلص ہو۔ لیکن اگر اسلام کا تعلق عقائد و اعمال سے
اور ان کے فقدان سے اسلام پر گہرا اثر پڑ سکتا ہے، تو ایسی حالت میں مسلمانوں کا قائد وہی ہونا چاہئے
یہ مذہبی روح موجود ہو اور جو کہ غیر ضروری وسیع الخیالیوں کی آمیزش و اختلاط سے کمزور اور فنا نہ ہو
ورنہ اس کی قیادت میں جو ترقی ہو گی وہ درحقیقت اسلام یا مسلمانوں کی ترقی نہ ہو گی۔ بلکہ اس کا تعلق
ملک سے ہو گا۔ جس کی پرستش اس عہد میں اعلیٰ درجہ کی روشن خیالی سمجھی جا رہی ہے۔ ایسی ترقی بعض اوقات
اور مسلمانوں کے حق میں سخت مضر بلکہ عذاب الٰہی کی صورت میں نمودار ہو جاتی ہے۔ اس ترقی کی فضا میں
اعمال اور جزئی عقائد بجائے خود رہے، اسلام کے اصول اور ضروری شعائر تک کے متعلق غیر ضروری
فتویٰ قابو یافتہ جماعت کی جانب سے صادر ہونے میں تامل نہیں ہوتا۔ اور اس طرح بتدریج تمام
بندشوں کے توڑ دینے کا سلسلہ قائم کر دیا جاتا ہے۔ اس وقت اس سے بحث نہیں کہ صحیح مسلک کیا ہے
غلط راہ کیا چیز ہے؟

سوال صرف یہ ہے کہ دنیائے اسلام میں ایسی جماعت موجود بھی ہے یا نہیں! جس کے پیش نظر
مذہب اور اس کے خصوصیات ہوں۔ اور اس کو مذہب سے اس قدر تعلق اور شغف ہو کہ وہ مذہب
ادنیٰ شعار اور خصوصیت کو کسی قیمت پر فروخت کرنا نہ چاہتی ہو، اگر ایسی جماعت موجود ہے اور
تو وہ حتمی طور پر اپنا قائد تلاش کرے گی۔ جس میں مذہبی روح موجود ہو، مذہب سے واقف ہو،

مذہب کے ماتحت چلانے کی اس میں قابلیت ہو۔ اسی مقصد کو مدنظر رکھ کر جمعیت العلماء کی تاسیس ی گئی تھی، کہ وہ تحریک کو مذہب کے ماتحت چلائے۔ چنانچہ اس نے اپنے فرض کو نہایت خوش ے ساتھ انجام دیا۔ اور ترک موالات کے عہد سے لے کر اب تک جس قدر اس کے کارنامے اور ہور پذیر ہوئے ہیں، ان کا اعتراف تقریباً تمام اسلامی حلقوں نے کیا۔ سب سے بڑھ کر یہ بات ہوئی، ن سیاسیات میں حصہ نہ لینے کی وجہ سے ناقابل اعتبار قرار پا چکی تھی۔ اور اپنی عزت اور گمنامی کی خطاب تک نہ تھی۔ اب اس کا دائرہ اثر نہ صرف اسلامی حلقوں میں وسیع ہو گیا تھا بلکہ اس کی آواز سلم اقوام بھی کرنے لگی تھیں۔ نہایت قلیل عرصہ میں اس کی یہ ہمہ گیر مقبولیت اور کارنامے ظاہر ہونے امر کی کامل توقع تھی کہ قومی حضرات یا روشن خیال طبقہ اپنے اس مشہور اعتراض کو واپس لے لے گا۔ جمعیت الجماعت کیا جاتا تھا۔ کہ یہ سیاسیات میں حصہ نہیں لیتے۔ اور مذہب کو محض نماز روزہ میں ان کے اس خوفناک طرز عمل سے مذہب کا دائرہ تنگ ہو جاتا ہے۔ حالانکہ مذہب زندگی کے حاوی ہے۔ جس میں سیاسیات بھی داخل ہیں۔ یہ اور اس قسم کے صدہا اعتراضات کی بوچھاڑ اس ت پر تحریر و تقریر کے ذریعہ کئے جاتے تھے۔ اور عام طور پر ان کو کاہل، مقلد، جامد، تنگ خیال جیسے سے یاد کیا جاتا تھا۔ سب سے زیادہ طرفہ یہ امر تھا کہ مصلحانہ خیر خواہی اور کامل ہمدردی ظاہر ان کو حجروں سے نکلنے کی تاکید کے ساتھ قیادت مسلمین کا معزز عہدہ ان کے سامنے پیش کیا ایت دل آویزی اور دلکشی کے لب و لہجہ میں یہ الفاظ ادا کیے جاتے تھے کہ آپ حضرات کو احساس نہیں ہے۔ قوم تباہ ہو رہی ہے اور آپ حضرات اس کی تباہ حالت کی جانب ت ہوتے۔ لیکن یہ کس قدر مقام تعجب ہے۔ کہ جب علماء نے بطور خود اپنے فرض منصبی کا احساس ت کی خیر خواہانہ تلقین سے متاثر ہو کر سیاسیات میں دخل دینا شروع کیا، تو اعتراض واپس ول در معقول کا جدید الزام علماء پر قائم کرنے لگے، کہ سیاست سے علماء کو کیا علاقہ اور ے کیا تعلق۔ اخبارات میں ان کی قیادت کے متعلق مستقل مقالات شائع ہونے لگے نے اپنے ایک تبالہ افتتاحیہ میں تحکمانہ انداز کے طور پر نہایت صفائی کے ساتھ یہ یہ ہے کہ علماء میں قید ہونے کی صلاحیت نہیں۔ ان کو چاہیئے کہ وہ سیاسی امور یہ کام دوسرے حضرات کا ہے، کیونکہ مذہب اور سیاست میں فرق ہے۔ علماء مذہب ت سے واقف نہیں۔ اس فیصلہ کے بعد علماء کی مشکلات ملاحظہ فرمائیے، کہ اگر وہ اس دستور سابق حجرہ نشین ہو جائیں تو اس کی کیا ضمانت ہے۔ کہ پہلا الزام عود نہ کر آئے۔

کسی کروٹ آرام وچین نہ ہونا اسی کو کہتے ہیں۔ کہ ہر ایک صورت میں علماء ... ان سے ...

ہے، کہ اعتراض درحقیقت جماعت علماء کے افعال و کردار پر نہیں ہے بلکہ اس کی اصلی زد اس جماعت ...

پر ہے۔ کہ اس روشن عہد میں یہ موجود کیوں ہے ع وجودک ذنب لایقاس بہ ذنب۔ ...

کے ساتھ ان کے وجود کو جرم قرار دینا اسی صورت سے ممکن ہے۔ کہ علماء کی زندگی کے ہر ایک پہلو ...

الزام بنا دیا جاتے۔ ان کی یکسوئی اور علحدگی کی حالت میں مذہب کو سیاست پر حاوی تسلیم ...

محسوس ہوتی ہے۔ تاکہ یہ اعتراض قائم ہو سکے کہ یہ جماعت اپنے فرائض سے غافل ہے۔ سیاسی امور ...

دینے کی صورت میں یہ ضرورت پیش آتی ہے، کہ مذہب اور سیاست، جداگانہ چیزیں بن جائیں ...

پر اہلیت اور دخل در معقول کا الزام قائم ہو سکے۔ گویا سیاست ایک آب دار خنجر ہے، جو اس جماعت ...

ذبح کے لیے ایجاد ہوا ہے۔ کبھی مذہب کے خلاف میں رکھ کر اس سے کام لیا جاتا ہے، کبھی ...

کر کے نتیجہ کے لحاظ سے دونوں صورتوں میں ایک ہیں۔ پس جبکہ ایک طبقہ یا قوم کا اصلی جرم یہ ہو ...

میں موجود کیوں ہے۔ ایسی قوم کی قیادت یا سیادت دنیا میں کیونکر تسلیم کی جاسکتی ہے۔ ......

... اصل حقیقت تو یہ ہے۔ باقی رہا سیاست کا کبھی جزء مذہب ہونا اور کبھی اس سے خارج ہونا ...

اصلی مقصد حاصل کرنے کا ایک خوبصورت حیلہ ہے، ورنہ مذہب اسلام وہ مکمل مذہب ہے جو ...

تمام شعبوں پر حاوی ہے۔ نہ تنہا سیاست بلکہ عقائد و عبادات تزکیہ نفس اخلاق معاملات اقتصادیات ...

ساتھ رحم و رافت، غیروں کے ساتھ حسن سلوک و رواداری، اقربا کے ساتھ صلہ رحمی، اعلائے دین کے ...

کے ماتحت صلح، جہاد، خراج، سب کچھ مذہب کے وسیع دامن میں آگیا ہے۔ اس میں نہ صرف کتاب ...

کتاب الصلوٰۃ پر اقتصار ہے۔ بلکہ کتاب البیع، کتاب الوکالت، کتاب الدعویٰ وغیرہ بھی اس میں ...

جن کے احاطہ سے زندگی کا کوئی شعبہ خارج نہیں ہے۔ اس کے مقابلہ میں جدید نظام اور کتب ...

غیر مکمل اور ناقص ہیں۔ لیکن کوئی شے خواہ وہ کتنی ہی ناقص کیوں نہ ہو اگر حکومت اس کی پشت پر ...

ضرور مقبول اور رائج ہو گی۔ اس کے مقابلہ میں اگر دوسری شے اپنے اندر بے شمار خوبیاں رکھتی ...

سکۂ غیر رائج کی طرح محض بے کار ہے۔ اگر حکومت کی امداد اُس کو حاصل نہیں ہے، علماء کی ...

سیاست دانی میں اگر کوئی نقص ہے تو وہ صرف یہی ہے کہ حکومت غیر ہونے کی وجہ سے کوئی ...

ہاتھ میں نہ رہا۔ حکومت نے نہ خود کسی کام پر ان کو لگایا نہ ایسا موقعہ دیا کہ وہ بطور خود کچھ کام کر سکتے ...

ان کو مجبور و بے دست و پا کر کے جب امور سیاسی سے پورا نابلد کر دیا تو وہ لوگ جو حکومت ...

پرزے بلکہ صحیح معنوں میں حکومت کے مظاہر قدرت ہیں۔ علماء پر زبان طعن دراز کرنے لگے ...

…ے ناآشنا ہیں۔ بلکہ مذہب خود سیاست سے بیگانہ ہے۔ حکومت کا جو مقصد تھا اس کو حکومت کے ان
…ں نے خوب پورا کیا۔ اس پر لطف یہ کہ مشائخ اور علماء کی ایک سادہ لوح جماعت نے اس
…ے مرعوب اور متاثر ہو کر قولاً اور عملاً اس کی تائید بھی کر دی۔ کہ مذہب کو سیاست سے کوئی علاقہ
…ھوں نے اپنے قول اور طرز عمل سے مذہب کو غیر مکمل تسلیم کرانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں
…ے جمود و تعطل کو بہترین تقدس تصور کرنے لگے۔ اس میں انھوں نے اس قدر غلو کیا، کہ بلا استثنا
…رایک ان کے نزدیک ناجائز اور منافی تقدس و مخالف شان علم و زہد قرار پاگئی اور بجز خلوت نشینی
…دات و اوراد و وظائف کے باقی تمام امور دائرہ مذہب سے نکل گئے، اور اس طرح وہ مذہب جو
…مل اور زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی تھا۔ اور جو قوائے عملیہ کو ہیجان میں لانے والا تھا۔ محدود
…تے اور سمٹتے سمٹتے مثل ایک نقطہ کے رہ گیا۔ اور اس کی تمام تشریحات و دفعات جو جہاد،
…جنگ، امارت، قضاء، تربیت یتامیٰ، امداد بیوگان و دیگر معاملات پر مشتمل تھیں۔ وہ وظائف
…میں تبدیل ہوگئیں۔ جن کی مکرر اور بار بار کی تلاوت سے ایصال ثواب کا کام لیا جانے لگا۔ اور
…قوائے عملیہ پر دائمی موت طاری کر دی گئی۔ اس سے حکومت کا مقصد خود انھیں کے ہاتھوں پورا
…وہ اپنے اصلی حریف کو شکست دینے بلکہ اس کو موت کے گھاٹ اتار دینے میں کامیاب ہوگئی
…میں جماعت علمائے کرام دوسروں کی نظر سے کیا خود اپنوں کی نظر سے گر گئی۔ اور وہ ان کو بیکاروں
…میں داخل کر کے ان پر زبان طعن دراز کرنے لگے۔ نظام دنیا سے دست بردار ہونے کے بعد
…بھی ان کے قبضہ میں نہ رہا۔ بیکاری اور بے چارگی کی یہ انتہا تھی جو ان کے حریف کی اعلیٰ حکمت عملیوں
…نصیب ہوگئی۔ لطف یہ کہ ان کو اس کی خبر تک نہیں ہوئی۔ کہ جس تیر سے یہ مجروح ہوئے ہیں، اس
…کے ہاتھ میں ہے۔ البتہ اپنے مجروح اور مردہ ہونے کا بھی ان کو علم نہ ہوا۔ ادبار کی حد ہوگئی کہ
…ان کو شہید کیا گیا تھا۔ (کہ مذہب و سیاست دو علٰحدہ چیزیں ہیں۔) اسی ہتھیا کو یہ خود اپنے اوپر
…نے لگے۔ اور یہ نہ سمجھے کر انھیں کی جماعت میں قاضی ابن شبرمہ، قاضی یحییٰ اندلسی، قاضی شریح،
…ابی لیلیٰ، قاضی یحییٰ بن اکثم تھے۔ جنکے ہاتھ میں مذہب کے ساتھ سیاست کی باگ بھی تھی۔ انھیں کے
…امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ تھے۔ جن کے اختیارات عہد کے شہنشاہ سے بدرجہا زائد وسیع تھے۔
…شمس الدین سامی گذرے ہیں۔ جو تقریباً کل سرزمین ہند کے مرکز احتساب تھے۔ آج جو حکومت
…سے متاثر ہو کر صوفیائے کرام کا ایک طبقہ ترک دنیا کا حیلہ کر کے آسائش و آرام کے ساتھ
…بیٹھ جائے، اور ہر ایک تحریک کو مذہب و تقدس کے خلاف سمجھ کر ہم دائرہ مصالح و احتیاط

سے یک سرمو قدم باہر نکالنا نہیں چاہتا۔ وہ یقیناً ان اکابر ملت (حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ، حضرت
معین الدین چشتی رح ، حضرت نظام الاولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ) سے تقدس و تقویٰ و خشیت میں
ہے۔ لیکن ان بزرگان ملت نے جہاد فی سبیل اللہ کا جو نمونہ پیش کیا وہ تمام دنیا پر روشن ہے۔ انہوں نے
کا خیال نہ کرتے ہوئے ہمت سے کام لے کر تمام ارباب سیاست کی مصلحتوں کو پامال کر دیا۔ اور اس
میں ایک انقلاب عظیم برپا ہو گیا۔ اگر یہ انقلابی تحریکات آج کی طرح مذہب سے نکل کر سیاست کا
جاتیں تو ان اکابر ملت کی تاریخ زندگی ان عظیم الشان کارناموں سے خالی نظر آتی۔ آج جو علمائے
مرگ طاری ہے، اس کا اصلی راز یہی عقیدہ ہے کہ مذہب کو سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔ اس
کی تلقین ہمیشہ حکومت اور اس کے مظاہر قدرت مسلمانوں کی جانب سے ہوتی رہتی ہے۔ اس میں
بڑی مصلحت یہی ہے کہ وہ طبقہ جو اس فتنے سے شہید کیا گیا ہے۔ کہیں زندہ نہ ہو جائے، حکومت اسی
اصلی حریف سمجھتی ہے۔ کیونکہ یہی طبقہ اس کی تہذیب و آئین میں اس کو سد راہ معلوم ہوتا ہے۔
پر اس کی نظر عنایت اسپر مبذول بھی ہونا چاہیئے۔ کہ اس کے خیال میں اپنا اقبال اس طبقہ کے ادبار
وابستہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ایک طرف حکومت کا آفتاب اقبال تمام ارتقائی منازل طے کر کے
النہار تک پہنچ چکا ہے۔ تو دوسری جانب تنزل کے تمام مدارج طے ہو چکے ہیں۔ حد ہو گئی کہ آج
کا ایک گروہ معاملات مذہب میں بھی حکومت کو دخیل بنا رہا ہے۔ اور اپنی بہبودی اس میں سمجھتا ہے
کی باگ حکومت کے دست قدرت میں دے دی جائے۔ یہی گروہ علمائے کرام سے اس قدر مستغنی
ہے کہ خالص مذہبی معاملات میں بھی علمائے کرام کی ان کو قطعاً کوئی احتیاج
اقبال و ادبار کی انتہا ہے۔ جس کا ہولناک منظر آپ کے سامنے ہے۔ کہ ایک الیہ ترجع الامور
ہے تو دوسرا محض بے ضرورت۔ جب اس طبقہ کی حالت یہاں تک پہنچا دی گئی کہ مسلمان اس کو
سمجھنے لگے، اور وہ تہذیب و آئین مسلمانوں میں رائج کر دیا گیا۔ جس کی رو سے احکام اسلام
طرح ہو گئے تو اس کے جاننے والوں کے لیے یقیناً وہ وقت آنا چاہیئے جس کی نسبت سے حضور
علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی ہے:-

یاتی علی الناس زمان الصابر
فیھم علی دینہ کالقابض
علی الجمر (رواہ الترمذی)

ترجمہ:- لوگوں پر ایسا زمانہ آنے والا ہے، کہ ان
و مذہب پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہے۔ وہ اس کی طرح ہو
میں انگارہ ہو جس کی سوزش ہر لحظہ بڑھتی ہے اور ہاتھ کی

تی تھی کہ علمار اپنے حالات کے ساتھ دین و مذہب کے انجام پر غور کرتے۔ چنانچہ انھوں نے غور
کی موت و ہلاکت کا جو اصلی سبب تھا اس کو دریافت کر لیا۔ اور اس کے اصلی حریف کو بھی پہچان
وں کے کندھوں پر بندوق رکھ کر شکار کھیل رہا تھا۔ انھوں نے اپنی زندگی اور مذہب کی آزادی
جمعیت العلمار کی بنیاد ڈالی۔ اور اس رمز سے واقف ہو گئے کہ کام کی نااہلیت کام نہ کرنے کی وجہ
نہ اس وجہ سے کہ سیاست مذہب سے خارج ہے۔ یا مذہب غیر مکمل ہے۔ یہ ان کا پہلا قدم
میدان زندگی میں اُٹھا۔ ان کا قدم اُٹھنا تھا کہ حکومت کے تمام سازوں سے (جو گو باہمی بہت کچھ
تے) ایک آواز نکلنا شروع ہو گئی۔ کہ (مذہب کو سیاست سے تعلق نہیں۔ اور نہ علمار ہیں سیاست
دان ہے) اس فرسودہ اور کہنہ آواز پر جب کوئی اثر نہ لیا گیا تو اس گروہ نے (جس کی سادہ لوحی پر
حکومت کی بنیاد قائم ہے اور جو اپنے قصد و تعمد کی بنار پر نہیں بلکہ نادانستہ حکومت کے حق میں
مفید ہے۔) یہ آواز بلند ہوئی کہ "جمعیتہ العلمار میں توسیع ہونا چاہیئے" یعنی مجلس علمار میں غیر علمار
گروہ کے شامل کیے جائیں تاکہ ان کی اس امتیازی شرکت سے سیاست کی کسر پوری ہو جائے ان
کرنے والوں کی نیت پر حملہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن نتیجہ کے لحاظ سے یہ ضرور عرض کیا جائے گا،
وہی آواز قدیم ہے جس کے ذریعہ اس گروہ کو مردہ اور بے کار بنایا گیا تھا۔ یہ توسیع نہیں ہے،
جس کے ذریعہ مجلس علمار کی مذہبی روح نکالنے کا سامان پیدا کیا جا رہا ہے۔ تجربہ اس کا شاہد ہے کہ جس
مجلس میں دوسرا عنصر شامل ہوا تو اس مجلس کی روح فنا ہو کر رہ گئی۔ غالباً علی گڑھ کالج نے اسی خیال
سے اپنی سالانہ کانفرنسوں میں اس عہد تک کوئی عالم دین صدر اجلاس قرار نہیں دیا۔ اور نہ اس
کی کمیٹیوں میں کوئی عالم دین ہے۔ اگر اس کے ارباب بند و کشاد ایسا نہ کرتے تو کیا عجب ہے کہ علی گڑھ
بھی ندوہ ہو جاتا۔ اصل یہ ہے کہ ہر ایک مجلس اپنا ایک مقصد لے کر اٹھتی ہے۔ اس مقصد کے لحاظ
سے اغیار کی کسی طرح متحمل نہیں ہو سکتی۔ ورنہ وہ مقصد فوت ہو جائے جس کی خاطر اس کا انعقاد
ہوا تمام ملکی اور قومی انجمنوں نے رکھا ہے۔ پس وہ امر جو ہر جگہ ناقابل تسلیم اور ناقابل عمل رہا ہے
وہ غریب علمار کو کیوں دیا جا رہا ہے، اور اگر اس مشورہ پر انھوں نے عمل نہیں کیا، اور نہ اپنی ہستی اور
رکھنے کے لیے اپنے دستور اساسی میں کسی قسم کا تغیر عمل میں نہیں لائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ان کو
کیا جائے کہ سه

"ایں گناہے است کہ در شہر شما نیز کنند"

مذہبی آزادی اور اپنی زندگی مطلوب ہے تو ان کو چاہیئے کہ اس قدر تلخ تجربوں کے بعد اب

کسی آواز سے متاثر اور مرعوب نہ ہوں - اور اغیار کی طعن وملامت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے اس[illegible] اساسی پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہیں - ان کا کام اعلاء کلمۃ اللہ اور نشر دین متین ہے - اس میں [illegible] جائیں، - اور اس عہد کے مصائب و آلام و مطاعن برداشت کرتے ہوئے اس ارشاد پر مطمئن [illegible] آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت اہل حق کے لیے فرمایا ہے ،۔

لا یزال طائفۃ من امتی قائمۃ بامر اللہ لا یضرھم من خذلھم ولا من خالفھم حتی یاتی امر اللہ وھم علی ذلک (مشکوۃ)

ترجمہ ،۔ میری امت میں سے ایک گروہ دین الٰہی پر مضبوطی [illegible] ساتھ قائم رہے گا - اس کی رسوائی کرنے والے اور اس کی [illegible] کرنے والے کوئی ضرر اس کو نہ پہنچا سکیں گے - وہ قیامت [illegible] ہونے تک امر حق پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہے گا۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین و الصلوۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین۔

فقیر معین الدین کان اللہ لہٗ

دُعَا

مجاہدین ریف کی فتح ونصرت کے لئے جو غازی عبدالکریم کی قیادت میں فرانس اور اسپین
کے خلاف معرکہ آرا تھے، جامع مسجد دہلی کے منبر سے جمعہ کی نماز کے بعد مولانا نے یہ دعا
مانگی تھی، اس وقت مولانا کے تاثیر کی یہ کیفیت تھی کہ روتے روتے گھگی بندھ گئی تھی، دوسری طرف
ہزارہا کا مجمع تھا جو زار و قطار رو رہا تھا، اور جامع مسجد کا وسیع صحن ایک ماتم کدہ بن گیا تھا۔ (از مرتب)

...ور اور خشک و تر کے مالک، اے ارض و سما، کون و مکان کے خالق و فاطر، اے کہ وہ تیرا آستانہ ہر عاجز و
...ں اور تیری چوکھٹ بے نواؤں اور بے کسوں کے لئے آخری جائے پناہ ہے، اے وہ کہ مسکینوں کی فریاد
...و افتادگی کو عزیز رکھتا ہے، آج تیرا ایک گنہ گار و عصیاں شعار بندہ تیرے حضور میں حاضر ہوا ہے،
...ی پر تیری اطاعت و فرمانبرداری کا کوئی نشان نہیں مگر عرق خجالت و انفعال سے تر ضرور ہے، گو اس
...کے سامنے کم جھکا ہے مگر خاک شرم ساری اور گرد خجالت سے وہ اٹ رہا ہے، اور اس کے چہرے پر
...لت و نخوت کی بجائے مذلت و خاکساری اور عجز و فروتنی موجود ہے اس کی جیب و دامن متاع طاعت سے
...ے دل کی جھولی عجز و شکستگی اور فروتنی و افتادگی کی دولت سے معمور ہے، وہ چشم خوں بار اور قلب پرسوز
...وہ عاجز نواز اور آستانہ ناز پر حاضر ہوا ہے کہ تیرے حضور میں اپنی خجل و شرم سار پیشانی کو رگڑ رگڑ کر تجھ سے
...کو جھکا کر کچھ طلب کرے۔ اے دردمند دلوں کی فریاد کو سننے والے اور اے عاجزانہ اور منکسرانہ صداؤں
...بدل دینے والے خدائے حی و قیوم، تیرے سوا کون ہے جو دلوں کی شکستگی کو دولت وحشمت کی اکڑ پر
...سی اور دردمندی کو طاعت و عبادت کے نخوت پر مقدم رکھتا ہو، یقیناً تیرے سوا کوئی نہیں، پھر ایک
...بندہ تیرے آستانہ قدس کو چھوڑ کر اپنے دل کی تڑپ سنانے کے لئے کہاں جاتا اور کس کی چوکھٹ
...اے بے کسوں کو کس اور بے بسوں کو سہارا دینے والے رب موسیٰ و ہارون! میں اس لئے حاضر
...ہنے کے لئے عالیشان محل مانگوں کیونکہ قلب مطمئن کے ساتھ میں خس پوش جھونپڑے کو شاندار
...میں اپنے لئے شاہانہ جاہ و جلال اور عظمت و جبروت کا بھی طالب نہیں کہ عجز و گدایانہ کے ساتھ
...کرتا ہوں، مجھے دولت کی فراوانی بھی درکار نہیں نہ عیش و راحت کے لئے امیرانہ کر و فر کی مجھے

---

۲۷ جنوری ۱۹۲۷ء

چاہ ہے بلکہ میں تو اس لئے تیرے حضور میں آیا ہوں کہ اگر تیری توفیق کرم فرمائے تو تجھ سے تیرے مجاہد وسرفروش
کے لئے جو صحرائے اعظم افریقہ کے ایک گوشہ ریف میں مصروف جہاد ہیں، دعا مانگوں کہ اے حق وصداقت کو دوست
رکھنے والے خدا تو اپنے ان بندوں کی اپنی نصرت بخشیوں سے مدد فرما اور ان کو ظلم وطغیان کے مقابلہ کرنے
طاقت عطا کرتا کہ حق سربلند وسرفراز ہو اور باطل خاسر و ناکام رہے۔

خداوندا! یہ مٹھی بھر آدمی جو بے سروسامانی مگر تیری نصرت فرمائیوں کے سازوسامان کے ساتھ اسپین اور فرانس جیسی
طاقت ور حکومتوں سے نبرد آزما ہیں تاکہ اسلام کا علم مغرب اقصیٰ کی سرزمین پر سرنگوں نہ ہونے پائے، اپنے خزانۂ رحمت
سے ان کی مدد فرما، کیوں کہ بغیر تیری نصرت بخشی ونصرت فرمائی کے یہ بے سروسامان مجاہد ایسی عظیم الشان سلطنتوں
کا کامیاب مقابلہ کس طرح کر سکتے ہیں جو اپنی شیطانی طاقت کے نشے میں سرشار ہیں اور جن کو اپنے جہنمی آلات حرب پر
قدر گھمنڈ ہے کہ جہاں کہیں بھی حق وصداقت کی روشنی نظر آتی ہے یہ چڑھ دوڑتے ہیں، تاکہ اس کو گل کر دیں اور اپنی سطوت
جبروت کا سکہ بٹھائیں اور جو اپنی ابلیسی قوت پر اس قدر مغرور ہیں کہ جس جگہ بھی کوئی کمزور اور ناتواں قوم بستی ہے یہ اس پر حملہ
بول دیتے ہیں تاکہ جن گردنوں کو تو نے آزاد پیدا کیا ہے، ان میں اپنی غلامی کا طوقِ لعنت ڈال دیں، اور جن سروں اور پیشانیوں
کو تو نے صرف اپنی بارگاہِ کبریائی میں رگڑنے کے لئے بنایا ہے ان کو اپنی ناپاک چوکھٹوں پر رگڑوائیں۔

اے خدائے بے نیاز! اے وہ کہ تو نے اپنی قدرتِ کاملہ سے کمزوروں اور ناتوانوں کو طاقت وتوانائی عطا کر کے
سرکش اور متمرد انسانوں کو شکست وہزیمت کی ذلت ورسوائی دلوائی ہے، تیرے یہ ریفی بندے جو بے سروسامانی کے ساتھ
سازوسامان نہیں رکھتے، بغیر تیری مدد کے فراعنہ اسپین وفرانس سے کس طرح سر بر ہو سکتے ہیں اور جب تک تیری حمایت و
نصرت بخشیاں بے سروسامان مجاہدین ریف کے ہمرکاب نہ ہوں، وہ ایسی قاہر حکومتوں کا کیوں کر مقابلہ کر سکتے ہیں۔ ملاحظہ
مفلوک الحال اور دنیاوی سازوسامان سے محروم قوم کی بے کسی ایک طاقت ور حکومت کے غرور وگھمنڈ کے سطوت سے
کی پامالی کی حفاظت کر سکتی ہے، البتہ تو نے فرعون کے گھمنڈ کو موسیٰ کی بے کسی سے شکست دلوائی، اور بدر کے چند نفوس سے
کفار قریش کے غرور کو پامال کرایا ہے، تیری ہی قدرت میں ہے کہ آج بھی تو پرستارانِ توحید کو غالب وسرفراز فرما۔
میں تو اس قابل بھی نہیں، کہ تیرے پاک بندوں کے لئے جو اعلائے کلمۃ الحق کی جدوجہد میں مشغول ہیں، دعا بھی کر سکوں۔
ومحکوم قوم کا فرد ایسے قدسی نفوس کے لئے دستِ دعا دراز کرنے کا کیا حق رکھتا ہے جو اپنی آزادی کی حفاظت میں جانیں قربان
کر رہے ہیں اور پانی کی طرح اپنا لہو بہا رہے ہیں لیکن اے خدائے رحیم وغفور! ہم اپنی بدبختی پر نادم ہیں اور جہاں اپنی
زبان سے فتح ونصرت کی تجھ سے دعا مانگتے ہیں یہ بھی عاجزانہ اور دردمندانہ التجا کرتے ہیں کہ مجاہدین حق کے صدقے میں ہم کو
عطا فرما کہ غلامی کے بندھن اور محکوموں کی زنجیروں سے نجات حاصل کرنے کے لئے سرفروشانہ جدوجہد میں مشغول ہوں۔

الٰہی! اگر تو نے بے کس اور بے سروسامان غازیانِ اسلام کی مدد نہ کی تو کفر کی تاریکی سارے اقصائے مغرب کو گھیر لے گی، پس اے
بدر وحنین کے صدقے میں اپنے جان فروش ریفی بندوں کو فتح ونصرت عطا فرما اور ان کے دشمنوں کو جو فی الحقیقت حق وصداقت کے دشمن ہیں

مسلم ایجوکیشنل کانگرس

از

۱۸۸۸ع

چاہ ہے بلکہ میں تو اس لئے تیرے حضور میں آیا ہوں کہ اگر تیری توفیق کرم فرمائے تو تجھ سے تیرے مجاہدوں کے لئے جو صحرائے اعظم افریقہ کے ایک گوشہ ریف میں مصروف جہاد ہیں، دعا مانگوں کہ اے حق رکھنے والے خدا تو اپنے ان بندوں کی اپنی نصرت بخشیوں سے مدد فرما اور ان کو ظلم و طغیان کے مقابلے طاقت عطا کر تاکہ حق سربلند و سرفراز ہو اور باطل خاسر و ناکام رہے۔

خداوندا! یہ مٹھی بھر آدمی جو بے سروسامانی مگر تیری نصرت فرمائیوں کے سازوسامان کے ساتھ طاقت ور حکومتوں سے نبرد آزما ہیں تاکہ اسلام کا علم مغرب اقصیٰ کی سرزمین پر سرنگوں نہ ہونے پائے سے ان کی مدد فرما، کیوں کہ بغیر تیری نصرت بخشی و نصرت فرمائی کے یہ بے سروسامان مجاہد ایسی جم کا کامیاب مقابلہ کس طرح کر سکتے ہیں جو اپنی شیطانی طاقت کے نشے میں سرشار ہیں اور جن کو اپنے قدر گھمنڈ ہے کہ جہاں کہیں بھی حق و صداقت کی روشنی نظر آتی ہے یہ چڑھ دوڑتے ہیں، تاکہ اس کو گل کر دیں جبروت کا سکہ بٹھائیں اور جو اپنی ابلیسی قوت پر اس قدر مغرور ہیں کہ جس جگہ بھی کوئی کمزور اور ناتواں قوم بستی ہے بول دیتے ہیں تاکہ جن گردنوں کو تو نے آزاد پیدا کیا ہے، ان میں اپنی غلامی کا طوق لعنت ڈال دیں، کو تو نے صرف اپنی بارگاہِ کبریائی میں رگڑنے کے لئے بنایا ہے ان کو اپنی ناپاک چوکھٹوں پر رگڑوائیں۔

اے خدائے بے نیاز! اے وہ کہ تو نے اپنی قدرتِ کاملہ سے کمزوروں اور ناتوانوں کو طاقت سرکش اور متمرد انسانوں کو شکست و ہزیمت کی ذلت و رسوائی دلوائی ہے، تیرے یہ ریفی بندے جو بے سروسامان کے سازوسامان نہیں رکھتے، بغیر تیری مدد کے فراعنہ اسپین و فرانس سے کس طرح سربر ہو سکتے ہیں اور جب تک نصرت بخشیاں بے سروسامان مجاہدین ریف کے ہم رکاب نہ ہوں، وہ ایسی قاہر حکومتوں کا کیوں کر مقابلہ کر سکتے ہیں مفلوک الحال اور دنیاوی سازوسامان سے محروم قوم کی بے کسی ایک طاقت ور حکومت کے غرور و گھمنڈ کے کی پامالی کی حفاظت کر سکتی ہے، البتہ تو نے فرعون کے گھمنڈ کو موسیٰ کی بے کسی سے شکست دلوائی، اور کفار قریش کے غرور کو پامال کرایا ہے، تیری ہی قدرت میں ہے کہ آج بھی تو پرستاران توحید کو غالب و سرفراز میں تو اس قابل بھی نہیں، کہ تیرے پاک بندوں کے لئے جو اعلائے کلمۃ الحق کی جد و جہد میں مشغول ہیں، دعا و محکوم قوم کا فرد ایسے قدسی نفوس کے لئے دستِ دعا دراز کرنے کا کیا حق رکھتا ہے جو اپنی آزادی کی حفاظت کر رہے ہیں اور پانی کی طرح اپنا لہو بہا رہے ہیں لیکن اے خدائے رحیم و غفور! ہم اپنی بدبختی پر نادم ہیں زبان سے فتح و نصرت کی تجھ سے دعا مانگتے ہیں پھر بھی عاجزانہ اور دردمندانہ التجا کرتے ہیں کہ مجاہدین حق کے عطا فرما کہ غلامی کے بندھن اور محکوموں کی زنجیروں سے نجات حاصل کرنے کے لئے سرفروشانہ جد و جہد میں مشغول

الٰہی! اگر تو نے بے کس اور بے سروسامان غازیانِ اسلام کی مدد نہ کی تو کفر کی تاریکی سارے اقصائے مغرب ... فتح و نصرت عطا فرما اور ان کے دشمنوں کو ...

مسلم ایجوکیشنل کانگرس

از

۱۸۸۸ع

ابتدائیہ

سر سید نے ، صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا کہ ایک درس گاہ قائم کرکے بیٹھ رہیں ۔ انھوں نے علمی اعتبار سے ہندوؤں کی بالادستی اور مسلمانوں کی پسماندگی دیکھ کر ، ایک درس گاہ کے قیام کے ساتھ ساتھ مسلم ایجوکیشنل کانگرس (جو بعد میں ''کانفرنس'' کے نام سے) یاد کی جانے لگی ، میں نے بھی یہی نام رکھا ہے) بھی قائم کی یہ ایک آل انڈیا جماعت تھی جس کا سالانہ اجلاس ، ہندوستان کے کسی شہر میں ، کسی نہایت ہی سربر آوردہ شخصیت کی صدارت میں ہوا کرتا تھا ۔ ایجوکیشنل کانفرنس کا مقصد صرف یہی نہیں تھا کہ مسلمانوں میں تعلیم عام ہو۔ بلکہ یہ بھی تھا کہ مسلمان تعلیم حاصل کرکے ترقی کریں ، عروج حاصل کریں اور اپنی پسماندگی دور کریں ۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اسلامی ہند کے بہترین دل و دماغ ہر سال کسی نہ کسی مقام پر مجتمع ہؤا کرتے تھے ۔

ایجوکیشنل کانفرنس نے حقیقت یہ ہے کہ برصغیر کے مسلمانوں کے نہایت گراں بہا خدمات انجام دیے ۔ اگر یہ کانفرنس نہ قائم ہوتی تو مسلمانوں میں سیاسی شعور بھی نہ پیدا ہوتا ، اور وہ اپنی قومی اور ملی انفرادیت کے قیام سے استحکام پر بھی متوجہ نہ ہوتے ، اسی قومی اور ملی انفرادیت کے تحفظ کا احساس اور جذبہ تھا جو بالآخر قیام پاکستان پر منتج ہؤا ۔

ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاسوں میں ۱۸۸۶ع سے ۱۹۴۷ع تک ، متعدد اکابر ملت نے اپنے بصیرت افروز اور فکر انگیز تصورات پیش کیے ۔

ان خطبات کے مطالعے سے ، جہاں آج سے ۸۰-۸۵ سال پہلے کے مسلمانوں کے زار و زبوں حالات کا اندازہ ہوتا ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اتنی مدت پہلے جن قومی اور ملی اصلاحوں کی ضرورت ملت کے اکابر نے محسوس کی تھی ، ان کی اہمیت آج بھی جوں کی توں قائم ہے اور ان کے متعدد پہلو آج بھی تشنہ توجہ ہیں ۔

یہ سارے خطبات تو اس کتاب میں دینا مشکل ہے کہ ضخامت ویسے ہی کافی بڑھ گئی ہے ، لیکن چند نہایت اہم خطبات آئندہ اوراق میں درج کیے جاتے ہیں ۔

رئیس احمد جعفری

خطبۂ صدارت (لاہور ۱۸۸۸ء)

الہند سردار محمد حیات خاں پوپلزئی ، خاں بہادر ، سی ۔ آئی ۔ ای ، ساکن واہ)

آنریبل سر سید احمد خاں صاحب بہادر و دیگر صاحبان ! بعد حمد ایزد متعال و
الابرار صلعم سب سے اول ہم کو اپنی قیصرۂ ہند (چیرز) دام ظلہا اور نیز
گورنمنٹ کا شکر ادا کرنا چاہیے جس کی عادلانہ سلطنت کے ظل کے نیچے ہونے
سلطنت میں بلحاظ وسعت سورج نہیں ڈوبتا) یہ امن و امان حاصل ہے کہ اس
دراز ممالک ہند سے اس قدر علماء و فضلاء و دیگر بزرگان قوم یک جا اس
صوبۂ پنجاب میں واسطے سوچنے طریق تعلیم اپنی درماندہ اور پس ماندہ قوم
ہونے ہیں ۔ (چیرز) جو برکتیں اور رحمتیں ہماری قوم کو خصوصاً اور میرے
اہل وطن کو عموماً حاصل ہوئی ہیں اُن کے شمار کرنے کا یہ وقت نہیں ہے۔

صاحبان ! سر سید نے اپنے نانا کی امت کے ڈبڈباتے جہاز کر طوفان جہالت کے
نکالنے میں وہ مسیحائی کی ہے کہ جس کے شکر کے ادا کرنے میں میرے پاس
نہیں ہیں اور میں خیال کرتا ہوں کہ اس شکر میں میں یا حاضرین جلسہ تنہا
ہیں ۔

بلکہ خیبر سے لے کر بھاموں (ملک برہما مفتوحات جدید) تک اور ہمالیہ سے لے کر
ہند تک جہاں جہاں کلمۂ طیب کے پڑھنے والے ہیں وہ اور اُن کی نسلیں
تک مشکور اور ممنون رہیں گے ۔ (چیرز)

صاحبان ! شاید اس کی چنداں ضرورت نہیں کہ میں اس موقع پر محمڈن ایجوکیشنل
کے مقاصد کا زیادہ تفصیل کے ساتھ ذکر کروں کیوں کہ پچھلے دو سالوں کے
کی کارروائی شائع ہو جانے سے اس مبارک کانگریس کے اصول و مقاصد پوری
کے ساتھ ظاہر ہو چکے ہیں ۔ مسلمانوں کی تعلیمی حالت ایک عرصۂ دراز سے رو بہ
اور ہماری مہربان گورنمنٹ کی نظر عنایت سے ہماری تعلیم کے جو وسائل اور
موجود ہیں اُن سے مسلمانوں نے بہت کم فائدہ اٹھایا ہے اس کے مقابل ہمارے

پیارے اہل وطن اور دوسری قومیں تعلیم میں آنہ سے سبقت لے گئی ہیں اور آج مسلمانوں
دوسرے فرقے کے لوگوں میں تعلیمی معاملات میں بہت بڑا فرق نظرآتا ہے - اگرچہ
کا شکر ہے کہ ہماری قوم میں بعض بعض اہل کمال موجود ہیں خاص کر مشرقی
کے استاد اکثر پائے جاتے ہیں تاہم علوم و فنون جدیدہ کے فاضلوں کی تعداد
قوم میں بہت ہی کم ہے اور عام طور پر اعلیٰ تعلیم مسلمانوں میں
مفقود ہے - یہ تو ہماری دنیوی تعلیم کا حال ہے - لیکن مذہبی کا حال اس سے بھی
نازک ہے - وہ ہمارے پرانے مکتب اور تعلیم گاہیں کہ جہاں سے سال بسال ایک
تعداد علماء و فضلاء کی دستار فضیلت پہن کر قوم کا باعث فخر ہوتے تھے
تعلیم گاہوں کا نام و نشان بھی نہیں -

حفاظ قرآن شریف کی تعداد بھی اب دن بدن کم ہوتی جاتی ہے اور یہ سب
قوم کے واسطے سخت ادبار و نکبت کا باعث ہیں -گویا یہ خرابیاں محمدن ایجوکیشنل کانگریس
کی محرک ہوئیں - جو اہل الرائے قوم کے خیال میں نہایت ضروری امر ہیں - صوبہ
میں جس کی دارالخلافہ" لاہور میں آج اس مبارک کانگریس کا تیسرا جلسہ ہے
مسلمانوں کی تعلیمی حالت کا بالخصوص ذکر کرنا مجھے مناسب معلوم ہوتا ہے -
پنجاب کی آبادی ایک کروڑ نوے لاکھ ہے جس میں سے اٹھانوے لاکھ مسلمان
اور بانوے لاکھ دیگر اقوام ۸۷-۸۸ء میں اس صوبے میں انگریزی کے آرٹس کالج
صرف ٦٦ مسلمان طالب علم تھے اور ۲۳۰ ہندو و سکھ صاحبان - میڈیکل کالج
میں صرف ۱۲ مسلمان اور ۳۷ ہندو و سکھ تھے اس حساب سے
آرٹس کالج میں مسلمان طالب علم بمقابلہ دیگر اقوام کے $\frac{1}{4}$ تھے اور میڈیکل
کالج میں بھی قریباً اسی نسبت سے مردم شماری کے لحاظ سے مسلمان بمقابلہ دیگر
پنجاب میں ٦ لاکھ زیادہ ہیں اس صورت میں یہ نسبت اور بھی زیادہ افسوس ناک ہے
اس سے آپ صاحبان اعلیٰ تعلیم کا اندازہ کہ ہماری قوم کس پستی میں پڑی ہوئی ہے
سکتے ہیں - ادنیٰ تعلیم میں مسلمانوں کی حالت دیگر اقوام کے مقابلے میں اچھی
پرائمری ، ٹریننگ ، آرٹ ، لا ، میڈیکل ، حرفت اور دیگر خاص اسکولوں میں مسلمانوں
تعداد ۵۱ اور ۴٦۰ تھی اور طلباء ہندو و سکھ صاحبان تعداد میں ۵۰۱۴ گویا
تعلیم میں بھی ہماری حالت اوروں کی بہ نسبت $\frac{1}{2}$ ہے ادنیٰ درجے کے اینگلو ورنیکولر
اسکولوں میں مسلمان فی صدی $\frac{1}{2}$ ہیں اور صاحبان ہندو و سکھ طلباء کی تعداد فی صدی
ہے - سرکاری اسکولوں میں مسلمان طلباء فی صدی تین ہیں - اور ہندو سکھ صاحبان

...ت اس سے آپ صاحبان ہمارے صوبے کی ادنیٰ تعلیم کا موازنہ کر سکتے ہیں ۔

...یز اس سے یہ بات بھی ظاہر ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں نے سرکاری وسائل تعلیم ...اپنی ہمسایہ قوموں کے کس قدر فائدہ اٹھایا ہے ۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ ہماری ...اہل کمال کی وہ کثرت تھی کہ ہر ایک قریہ و دیہہ ہیں علماء و فضلا کی ایک ...عداد پائی جاتی تھی ۔ مسلمانوں کے دارالعلوم میں نہ صرف مسلمانوں کو ہی ...کمت سکھلایا جاتا تھا بلکہ دوسری قوموں کے لوگ بھی ان میں تحصیل علم کرتے ...ہاری اس زمانے کی فضیلت و حکمت ضرب المثل ہے ۔ بغداد اور قرطبہ کے ...آج تک زمانے میں مشہور ہیں اور ان سے جو کثیر التعداد بے مثل فضلا نکلے ...مسلمانوں کی سنہری حروف میں لکھے ہوئے ہیں اور قوم کے دلوں میں نقش ...طرح منقش ہیں اور ہمیشہ رہیں گے ۔ مگر آج اس قوم کی وہ حالت ہے کہ ...سے بھی کوئی ان بزرگوں کا ہم پلہ نہیں ملتا ۔

...صاحبان ! جن وجوہات سے ہماری حالت اس درجے تک پہنچ گئی ہے ان کے ...بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ وہ اظہر من الشمس ہیں ۔ پرانے طریقہ ...کے بدل جانے سے مسلمانوں کی طبیعت اوچاٹ ہو گئی اور نیا طریقہ تعلیم انھوں نے ...سب حال ۔ سمجھا ۔ نیز انگریزی زبان کی تعلیم سے جو جملہ علوم و فنون جدیدہ ...ے مسلمان بوجوہات چند در چند علیحدہ رہے ۔ جس کا نتیجہ یہ ہؤا کہ ہم آج ...کو علوم و فنون جدیدہ کے فاضلوں سے قریباً خالی پاتے ہیں ۔

...نجاب کی تعلیمی حالت کی کمزوری کے بعض وجوہات ہیں ۔ زمانہ قدیم سے پنجاب ...کا دروازہ رہا ہے ۔ اور جو پولیٹکل انقلاب اور جنگی کارروائیاں ہوتی رہی ہیں ...کا میدان بھی صوبہ رہا ہے ۔ اس واسطے اس کے باشندوں کو نہ تو وقت اور نہ ...ہے کہ وہ تحصیل علوم و فنون میں مثل باشندگان دیگر صوبہ جات کے ...سکیں ۔

...جب مسلمانوں کی حکومت کا پنجاب میں خاتمہ ہؤا تو یہ صوبہ ایک ایسی ...کے ماتحت رہا کہ جس کے زمانے میں علم کا گویا چرچا ہی نہ رہا اس باعث ...پنجاب کے مسلمان تعلیم میں اور بھی کمزور رہ گئے مگر خدا کا شکر ہے کہ ...ایسی عادل قیصری گورنمنٹ کے زیر سایہ ہیں کہ نہ کسی بے امنی کا اندیشہ ...قسم کی رکاوٹ تحصیل علم دینی و دنیوی میں ہے ۔ اب جو کچھ کہ وجہ ہے

وہ صرف ہماری ہی غفلت اور افلاس ہے -

ہماری مہربان گورنمنٹ کی پالیسی کے مطابق سرکاری اسکولوں میں مذہبی تعلیم نہیں دی جاتی اس واسطے جو مسلمان طالب علم ان اسکولوں میں تعلیم پاتے ہیں ان کی دینی تعلیم رہ جاتی ہے - اس موقع پر میں ملک پنجاب کے مسلمانوں کی جانب سے سچے دل کے ساتھ گورنمنٹ پنجاب کا شکریہ ادا کرنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ اس نے اس کمی کے کس قدر پورا کرنے کا انتظام فرمایا ہے - ہماری مقدس درس گاہیں جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا ہے - ہماری ہی کم توجہی کے باعث سے قریباً مفقود ہیں - ایسی حالت میں ہماری مذہبی تعلیم جو کچھ کہ ظاہر ہے اور اس تعلیم میں کمی ہونے سے جو بڑا ہماری قوم پر ہو سکتا ہے اس کو غالباً ہر ایک اہل دل بخوبی سمجھ سکتا ہے جب تک کہ ہم سب متفق ہو کر اس پر غور نہ کریں اور وہ وسائل و اسباب جن سے کہ یہ خوف ناک کمی پوری ہو سکتی ہے مہیا نہ کریں گے - ہماری دینی و دنیوی حالت درست نہیں ہو سکتی - اس غرض سے آج ہم یہاں جمع ہوئے ہیں اور مجھے امید قوی ہے کہ آپ صاحبان کی توجہ و غور سے ایسی صائب تجاویز قرار پاویں گی کہ جن کے عمل درآمد سے ہماری تعلیمی ضروریات پوری ہوں گی - اخیر میں اس دعا کے ساتھ کہ خدا وند کریم ہماری قوم کے تعلیمی مقاصد کو روز افزوں ترقی دے کر گورنمنٹ قیصری کی نمک حلالی و فرماں برداری میں ثابت قدم رکھے ختم کرنا چاہتا ہوں -

اے بھائیو ! قوم کے نا خدا کے ساتھ شامل ہو کر قومی جہاز کو بحر جہالت سے کنارے پر لگانے میں ہم سب مدد کریں - اب میں خدا کے پاک نام سے پہلی ایجوکیشنل کانگریس کے تیسرے اجلاس کو با ضابطہ کھولتا ہوں اور صاحب سکرٹری کو اجازت دیتا ہوں کہ وہ کارروائی پیش کرے (بڑی دیر تک نہایت زور سے چیرز)

خطبۂ صدارت (علی گڑھ ۱۸۹۱ء)

(از نواب محمد اسحاق خاں ، خلف الصدق نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ)

ے حضرات اہل وطن و دیگر صاحبان! پروگرام کے ملاحظہ سے آپ کو ہوگا کہ اول اس ششم جلسۂ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے لیے آنریبل ـسن خاں بہادر سی - آئی - ای کا پریسیڈنٹ مقرر ہونا تجویز ہؤا تھا - لیکن وس ہے کہ وہ بسبب ناسازی مزاج تشریف نہ لا سکے - اب آپ صاحبوں نے ا کر مجھے اس خدمت جلیلہ کے واسطے تجویز فرمایا ہے - میں بلا شبہ آپ اس عنایت کا بے انتہا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھ سے بے سرمایہ شخص ظیم الشان جلسے کے صدر انجمن ہونے کی عزت بخشی ہے - یہ شکریہ بے شک دلی ہے کس واسطے کہ بہت سے اصحاب اس جلسے میں ایسے موجود ہیں جو ہیں زیادہ قابلیت اور فوقیت اور برتری رکھتے ہیں - ایسی حالت میں جو آپ مجھے پریسیڈنٹ ہونے کے لیے منتخب فرمایا ہے - اس کو میں اپنا کمال تصور کرتا ہوں ہر چند یہ ایک ایسی خدمت ہے کہ جس کے انصرام کو ت اور قابلیت سے بہت دور سمجھتا ہوں لیکن آپ صاحبوں کی مہربانی اور مجھے پوری اُمید ہے کہ آپ انڈلجنس کو جو کہ خاصہ اکابر قوم کا ہوتا ہے میں کام فرماویں گے - اور میں اس امر کی کوشش کروں گا کہ جہاں تک ے اپنی خدمت کو ادا کروں -

مارا کجاست ار زش رحم التفات تو
شد عام آں چناں کہ تمنا بما رسید

ـپ صاحب واقف ہیں کہ سال گزشتہ میں پانچواں جلسہ کانفرنس کا منعقد ہؤا وہ کس خوش اسلوبی اور خوبی شان و شوکت سے انجام پزیر ہؤا - زیادہ اور کوئی بات خوشی کی ہو سکتی ہے کہ جس کام کا آغاز نہایت دل سوزی سے کیا جاوے وہ آخر کار حسب مراد و کامیابی ختم ہو جاوے

اور یہ بہت بڑی خوشی کا مقام ہے کہ تعداد ممبران جو اُس جلسے میں شرکت کی غر
سے دور و دراز مقامات سے سفر کر کے جمع ہوئے تھے بہت کثیر تھی - مجھے پچھلے س
کی رپورٹ دیکھنے سے تمام و کمال کارروائیاں اُس جلسے کی معلوم ہوئیں اور جو فصیح
اور فصیح اسپیچیں کی گئی تھیں اُن کے دیکھنے سے بدیں وجہ کہ وہ کیسی مؤثر او
مفید ہیں مجھے اس قدر مسرت اور انبساط ہوئی ہے کہ میں اُس کا اندازہ نہیں کر سک
مگر یہ خوشی مجھے صرف اسی سے نہیں ہوئی کہ اُس جلسے میں کثیرالتعداد ممبر ش
ہوئے تھے اور ان کی وجہ سے جلسہ پر شکوہ ہو گیا تھا بلکہ خوشی ہونے کی واقعی
بات ہے کہ ہمارے قوم کے حضرات نامور کو بہبودی قوم کے خیالات پیدا ہوئے ہیں
ہماری آئندہ اُمیدوں اور خواہشوں کے بر آنے کی کامل توقع ہوتی ہے لیکن اس سے
زیادہ خوشی کی یہ بات ہو گی کہ گو کسی جلسے میں ممبروں کی تعداد کم ہو لیکن
خود بخود ہمارے اہل وطن اور اہل قوم کے دلوں میں ایسے جلسوں میں شریک ہونے
اور اپنی بہبودی اور اصلاح کا خود شوق پیدا ہو اور وہ قومی کام کو اپنے ضرور
کاموں پر مقدم تر اور بالا تر خیال کریں - تاہم مجھے سالہائے ماضیہ کے جلسوں
حالات دریافت ہونے سے قوی امید ہوتی ہے کہ اب اس پودے کی جڑ مستحکم ہو گئی
اور بلا شبہ اب قریب آر وقت آنے والا ہے کہ یہ پودہ بار آور ہونے لگے گا اور
اس سے بہرہ ور ہوں گے - اس بات کا بھی تذکرہ نا مناسب نہ ہو گا کہ امسال ہم
مہمان داری اور دعوت بدلا گیا ہے اور جملہ اخراجات خور و نوش خود ممبرو
وزیٹروں نے اپنے ذمہ لیے ہیں یہ بلا شبہ ایک نہایت عمدہ تحریک و تجویز ہے اور
سیدھے سادھے طریقے کی کارروائی کو میں اپنی رائے میں پہلی اینٹ خیال کرتا ہوں
کانفرنس کی بنیاد میں اُس کے استحکام کے لیے رکھی گئی ہے - اس طریقے پر جس قد
کی ترقی ہو گی وہ اصلی ترقی ہو گی - ایک انگریزی شاعر نے بہت عمدہ طور سے
خیالات ایسے ہی امر کی نسبت انگریزی الفاظ میں ظاہر کیے ہیں جس کا مطلب یہ ہے
وہ شخص کس طرح توقع کر سکتا ہے کہ اُس کے لیے اور لوگ مکان رہنے کے واسطے
تیار کریں زمین اُس کی خور و نوش کے لیے کاشت کریں اور جب وہ اس کی خواہش
کرے تو اُس کے ساتھ محبت کریں جب کہ وہ خود اپنی خبر گیری نہیں کر سکتا -
قاعدے کا میں نے ذکر کیا ہے اُس کا پہلا نتیجہ یہ ہے کہ میں اخباروں میں دیکھ
کہ اہل دہلی کی یہ خواہش کہ آئندہ سال دہلی میں جو ایک زمانے میں مخزن علم و
تھا کانفرنس کا اجلاس ہو -

الہ آباد کے اجلاس کانفرنس کو بلا شبہ بڑی مبارک بادی ہے کہ اس میں خوبی اور عمدگی سے اس بات پر کامیاب بحث ہوئی کہ فارسی زبان یونیورسٹی کی خارج نہ ہؤا اور نہ فارسی عربی کو مخلوط کر کے دونوں کی تعلیم کو خراب ہوے۔ اس طریقۂ تعلیم کے جاری ہونے سے جو نقصان ہماری قوم کو پہنچتا اور خرابیاں واقع ہوتیں اُن کا مفصل بیان اُن اسپیکروں نے جو کہ اس بحث میں نے کیا تھا۔ اور مجھے اس بارے میں آپ صاحبوں کی زیادہ سمع خراشی کرنے کی نہیں معلوم ہوتی البتہ یہ کہوں گا کہ اس بحث کا بہت عمدہ اثر ہؤا ہے اور اگر نہ ہوتی اور اُس وقت یہ طریقۂ تعلیم جاری کر دیا جاتا تو مسلمانوں کا صریح جس کے رفع کرنے کے واسطے شاید بہت زیادہ زمانہ درکار ہے ٹیکنیکل ایجوکیشن جو بحث ہوئی وہ نہایت مفید تھی ان بحثوں سے جو کامیاب نتیجے حاصل ہوئے کے لیے نہایت مبارک ہیں اور مجھے امید ہے کہ ان کا مفصل بیان ہمارے سکرٹری صاحب کی رپورٹ میں ہو گا۔

میں آپ کو اس امر کے اطلاع دینے سے بھی بہت خوشی ہے کہ امسال بھی عمدہ اور مفید لکچر ہونے اور تحریرات پیش ہونے کی اُمید ہے۔ سب سے زیادہ اور قابل بحث وہ رزولیوشن ہے جو مسٹر بک نے انگلستان میں طالب علموں کے لیے بھیجنے کی نسبت پیش کیا ہے اور مجھے امید ہے کہ تمام ممبر اُس پر کریں گے اور بخوبی اس پر مباحثہ ہو گا کیونکہ اس امر کا بخوبی مباحثہ ہو کر قوم کے لیے نہایت مفید ہو گا۔

مجھے چند الفاظ کارروائی کانفرنس کی بابت اور کہنے ہیں پروگرام جو اجلاس کارروائی کا ہے اس میں دیکھتا ہوں کہ قواعد کارروائی اجلاس اور قواعد کانفرنس لکھے ہوئے ہیں۔ سکرٹری صاحب نے بیان کیا ہے کہ وہ قواعد واسطے غور کے ممبروں کو تقسیم ہو چکے ہیں۔ مجھے اس کی نسبت کچھ کہنا ہے مگر جب صاحب اُن کو پیش کریں گے تو میں اپنا خیال آپ کے سامنے پیش کروں گا۔ میں اس کی نسبت کچھ کہنا نہیں چاہتا۔

اب مجھے اس بات کا اعلان کرنے سے بہت خوشی ہے کہ اجلاس ششم کانفرنس اور سکرٹری صاحب سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اُس کی کارروائی شروع کریں۔

خطبۂ صدارت (دہلی ۱۸۹۲ء)

(مولوی حشمت اللہ ایم ۔ اے آئی سی ایس)

اے قوم کے معززین و محترمین ! میں متردد ہوں کہ پہلے شکریہ اس اعزاز کا جو
مجھ کو آپ کے کرم نے دیا ہے ادا کروں یا اپنی نا قابلیت پر اظہار تاسف کروں
بہر حال یہ میرا آئندہ کے لیے فرض مقدس ہو گا کہ میں تمام عمر اپنی وقف کر دوں اس
بات کے ثابت کرنے کے لیے کہ شاید میری زندگی کا کوئی لمحہ ہو جاوے کہ میں اس
اعزاز کا مستحق ہوں ۔ اس کے بعد یہ عرض کرنا ہے کہ یہ جلسہ اور دہلی کا
اور افتتاح کانفرنس یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے ۔ ہر طرح سے یہ دیباچہ ہے
اور آنے والے زمانے کا جب کہ جس طرح سلطنت اور ملک کے لیے ہمارے بزرگوں نے
اپنے عمل دکھائے تھے اسی طرح ہماری دنیوی ترقی اور فلاح کے لیے یہ کانفرنس
محمود و مسعود ہوگی اسی کی ابتداء پر ہمارے خیالات کا تمام انقلاب اور ہماری کوششوں کا
سارا دار و مدار منحصر ہے ۔ اب وہ انقلاب کہاں تک مبارک اور محمود ہو گا ،
کوششوں پر منحصر ہے ۔ بڑے خضوع و خشوع کے ساتھ یہ دوبارہ گزارش ہے کہ
کانفرنس کو یعنی دہلی کی کانفرنس کو احباب اور بزرگان قوم معمولی کام نہ سمجھیں
یہ وہ جگہ ہے جس کو میں قوم کی عبادت گاہ سمجھتا ہوں ۔ اس کے بہت سے
ہیں ۔ اول یہ کہ یہ وہی جگہ ہے جہاں ہمارے بڑوں اور بزرگوں نے فتح کے
زمیں میں جا سونپے ایک زمانہ غفلت اور نکبت کا گزرا ۔ خدا کا شکر ہے کہ
سرسبزی کے فتح کرنے والے پھر جمع ہوئے ہیں ۔ ہم کو اب اپنے اُن بزرگوں کی
ثابت کرنا ہے کہ جن کے بازوؤں کے زور سے اُنھوں نے تمام عالم کو مسخر کر لیا
آج ہمارا پاک منصب یہ ہے کہ ہم اپنے کو اُن کا قایم مقام ثابت کریں ۔ اور آیا ہم
ہیں یا نہیں کہ میدان معاشرت میں اُسی زور سے میدان لے لیں ۔ اگر شرافت کے
میں اور مردانہ چتونوں میں اُس بزرگ قوم کے قایم مقام ہو تو ثابت کر دو کہ ہم
کر سکتے ہیں ۔ ورنہ خالی دعویٰ کہ ہم بادشاہ کی اولاد ہیں کچھ نہیں ۔
پیمبر زادگی منظور نیست ۔ آپ لوگوں نے اپنی غفلت اور نخوت سے یہ دن دیکھا

کرتا ہوں کہ میرا خطاب خاص نہ سمجھا جاوے گا - پہلا شخص آن میں
ور میرے بزرگ جنھوں نے قوم کو اس درجہ پر دیکھا ، کب تک اس خواب
ں رہو گے سمجھ میں نہیں آتا - بزرگوں کے نام لے لے کر زندگی خوش کرنے کا
وہی رہا - ملک ، روپیہ ، تجارت اور اگر غور کیجیے تو چپہ چپہ مسلمانوں کے
کے لیے سے نکلا جاتا ہے - یہ مقام غیرت کا ہے علم اور فضل عقل اور دانش
بیداری اور تعلقہ داری کے جتنے میدان تھے سب سے تمہارا نام مٹا جاتا ہے -
میں سولہ آنہ میں ایک آنہ بھی نہیں رہا - شان و شوکت ایک عشر عشیر باقی
الغرض مسلمانوں نے اپنی غفلت کا کیا کچھ نتیجہ نہیں دیکھا - اور سچ یہ ہے
کچھ نہیں دیکھا - جب یہ نوبت پہنچی آخر کو خدا نے ایک مقدس بندے کے
بات ڈالی کہ قومی اجزاء پریشان کو مرکب ہونا چاہیے مگر بڑے کاموں کے
دماغ کی ضرورت ہوتی ہے - بچہ جب پیدا ہوتا ہے اس کے بعد چھوٹی عمر میں
جب چاند کو دیکھتا ہے تو پوچھتا ہے کہ چاند کیا ہے - اس کے والدین
ہیں کہ چاند ہے - وہ نہیں سمجھتا کہ اس میں حرکت کیوں ہے - روشنی کے
ہیں - اسی طرح وہ لوگ جو اپنے فرائض سمجھ نہیں سکتے ان کے لیے دشوار
جانتے ہیں کہ قوم کے لیے کچھ کرنے کی ضرورت ہے مگر وہ سمجھ نہیں
س طرح وہ بچہ ہر چیز کو جو اس نے نہیں دیکھی ہے پوچھتا ہے - اسی طرح
سمجھتے ہیں مگر اس پیچیدہ کل کے پرزوں کو جو قوم کے لیے تیار کی جاوے
کے لیے دشوار ہے - آج کتنے برس ہوئے جب سے کانفرنس قایم ہے مگر اب
ستی ہے کہ کانفرنس کی کیا ضرورت ہے اور اس کا کیا فائدہ ہے - کوئی
کہ سوائے اس کے کہ وقت خراب کیجیے اور سو دو سو آدمی شعر و سخن
ع ہوں اور کچھ فائدہ نہیں - افسوس ہے ان کا جواب بھی یہی ہونا چاہیے کہ
کاموں کے سمجھنے کے لیے وقت خاص کی ضرورت ہے اور ہر شخص سمجھ
سکتا - اس بات کو سمجھنا چاہیے کہ افراد ہر چیز کی ہستی اور وجود میں
مگر جب اجزا کو مرکب کر دیجیے اس سے مجموعہ کلی پیدا ہوتا ہے اور وہ
جو افراد میں نہیں ہوتا دس اینٹوں میں کچھ نہیں ہے - جب ملا دیجیے
اسی طرح قوم کی قوت بڑھانے کو یہ پہلا جلسہ ہے اس میں مل کر اور
مسرت ہو جاتی ہے یہ انھیں سے پوچھیے جو اس میں شریک ہیں - علاوہ
سمجھنے کی بات ہے کہ ہر چیز کا نفع اپنے وقت پر ہوا کرتا ہے - اگر آپ

خطبۂ صدارت (علی گڑھ ۱۸۹۴ء)

(از نواب محسن الملک بہادر)

بزرگان قوم و برادران! جو عزت اس وقت آپ نے اس معزز اور قومی جلسہ کے صدر انجمن ہونے کی مجھے بخشی ہے وہ ایک ایسی عزت ہے کہ ہر ایک ... اس پر فخر کر سکتا ہے۔ مجھ سا نا چیز آدمی جس قدر اس پر فخر کرے اور آپ کا شکر، وہ کم اور در حقیقت بہت کم ہے۔ مگر جب کہ میں ایک طرف اس معزز خدمت کے مشکل فرائض کو دیکھتا ہوں اور دوسری طرف اپنی قابلیت کو، تو ... ہوں کہ اس بیچارے موسن کی طرح جسے نمازیوں نے زبر دستی نماز پڑھانے کے لیے آگے کر دیا تھا اور وہ نمازیوں کو سجدے میں چھوڑ کر مسجد سے چل دیا، میں بھی موقع پا کر نکل جاؤں۔ لیکن چوں کہ ایسے موقع کے ملنے کی بھی امید نہیں ہے اس لیے برا ہو یا بھلا، آپ کے سامنے حاضر ہوں اور بہ تعمیل آپ کے حکم کے اس کرسی پر بیٹھتا ہوں۔ اگر میں اپنی اس معزز خدمت کے فرائض ادا کرنے میں قاصر رہوں تو مجھے امید ہے کہ آپ معاف فرماویں گے۔

صاحبو! بہ حیثیت صدر انجمن ہونے کے اس وقت میرا پہلا فرض یہ ہے کہ آپ کا خیر مقدم کروں۔ اور آپ کی تشریف آوزی کا شکر ادا کروں۔ مگر میں متردد ہوں کہ آیا آپ مجھے اس کی اجازت دیں گے یا نہیں۔ اس لئے آپ یہاں اس فرض کے ادا کرنے کے لیے آئے ہیں جو قوم کا آپ پر ہے۔ پس ہر ایک متنفس جو یہاں موجود ہے خود میزبان ہے اور خود مہمان، خود داعی ہے خود مدعو۔ خود شاکر ہے اور خود مشکور۔ کوئی ان میں سے اپنی قومی خدمت کا صلہ نہیں چاہتا۔ نہ کوئی اپنے اس فرض کے ادا کرنے پر کسی سے شکر یا اجر کا طالب ہے۔ بلکہ ہر ایک مسلمان دل کی زبان سے کہہ رہا ہے کہ لا نرید منکم جزّاء ولا شکوراً مگر چوں کہ اس وقت قوم کے ہر گوشے سے آپ کے خیر مقدم کی صدا آ رہی ہے، اور اس قومی گھر کی در و دیوار سے مبارک باد کی آواز بلند ہے۔ میرے اختیار میں نہیں ہے کہ میں ان کا ...

آپ کا خیر مقدم نہ کہوں ۔

صاحبو! جس وقت میں ان مجلسوں پر نظر کرتا ہوں جو آئے دن ہمارے یہاں ہیں تو مجھے اس مجلس کے دیکھنے سے حیرت آمیز خوشی ہوتی ہے ۔ کل کی بات جب ہم مجلس کا نام سنتے تو بجز تہنیت یا تعزیت کی تقریب کے کسی اور طرف نہ ہوتا ۔ نہ سوائے شخصی اغراض کے قومی مقاصد کے لیے لوگوں کے جمع کا خیال دل میں آتا ۔ چند سال پہلے کسی نے سنا تھا کہ لوگ کہیں اس لیے جمع ہوں کہ قوم کا کچھ کام کریں ۔ اس کی تنزل یافتہ حالت پر متاسف ہوں اور اس کی تدبیر کریں ۔ لیکن اب حالت دوسری ہے ۔ بہت سے مسلمان ایسے پیدا ہوئے جو قوم کے لیے کام کرتے ہیں اس کا خیال رکھتے ہیں اس کی درد ناک حالت پر افسوس کرتے ہیں ، اس کی ترقی کے خواہش مند ہیں اور بعضے ایسے نظر آتے ہیں جو قوم کے اغراض کو اپنے ذاتی فوائد پر مقدم رکھتے ہیں ۔ نفسی نفسی کے قومی قومی پکارتے ہیں جس طرح اس انیسویں صدی میں بہت سی چیزیں بدل گئیں اسی طرح ہمارے مانوس الفاظ فرض اور دعوت اور مجلس کے معنی بدل گئے اور بجائے ذاتیات کے ان کا اطلاق قومی اغراض پر ہونے لگا ۔ اب فرض سے مراد ہے قوم کی بھلائی جو ہر ایک مسلمان پر بقدر اپنی طاقت کے ضروری ہے ۔ دعوت کے معنی ہیں کسی قومی کام کے لیے بلایا جانا اور مجلس کا مطلب قوم کی بہبودی کے لیے لوگوں کا جمع ہونا ۔ چنانچہ آج جو بہت سے نیک دل لوگ دور دراز مقامات سے سفر کی زحمت اٹھا کر اور اپنے کام کا ہرج کرکے آئے ۔ اس سے کوئی ذاتی فائدہ متصور نہیں ۔ نہ کسی خاص شخص کی خوشی ۔ بلکہ صرف قومی خیال ان کو یہاں تک لایا ہے اور فقط اس غرض سے یہاں آئے کہ قوم کی ترقی کی تدبیریں سوچیں اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کی تجویزیں کریں متفرق اور منتشر قوموں کو ایک جگہ جمع کریں ۔ خیالات کے تبادلے سے اصلاح کریں اور باہمی صلاح و مشورے سے قوم کی ترقی کا کوئی سیدھا راستہ ۔ اس لیے اس مجلس کے دیکھنے سے اور شریک ہونے سے میرے دل کو ایک عجیب انگیز خوشی ہے اور یہ خوشی اس خیال سے اور بھی زیادہ ہو گئی ہے کہ ہم جمع ہیں جو قومی خیالات کا گھر ہے اور جہاں یہ پیارے اور ہونہار بچے قومی تعلیم و تربیت کے پیدا ہوئے ہیں اور کانفرنس یہاں ہونا وہی لطف ہے جو بچے کا ماں کی گود میں بیٹھنا ۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ کانفرنس علی گڑھ کا

پیارا بچہ ہے ۔ اس شہر کو اُس سے مادری محبت ہے ۔ اُس کی محبت سے امیدیں
وابستہ ہیں ۔ آج وہ نہایت خوش ہے کہ اُس کا پیارا بیٹا ادھر اُدھر کی ہوا تازہ کھا کر
تازہ و توانا ، صحیح و تندرست ، اس وقت اُس کی گود میں بیٹھا پڑا کھیل رہا ہے
اور اُس کی آٹھویں سال گرہ کے جشن میں اتنے دوست و احباب جمع ہیں ۔

صاحبو ! میری یہ خوشی کچھ خیالی نہیں ہے بلکہ اس کا ایک اور قومی سبب
ہے ۔ میرے نزدیک جس طرح کہ کانفرنس قومی ترقی کے لیے نہایت مفید ہے ۔ ویسا ہی
کانفرنس کا یہاں ہونا اس کے اغراض اور مقاصد کے لیے فائدہ بخش ہے ۔ اس لیے کہ اس کا
اصلی مقصود ہے مسلمانوں کی ترقی اور وہ منحصر ہے اعلیٰ تعلیم پر اور یہ وہ مسئلہ ہے
جس کو ہم مسلمان نہایت مشکل اور لاینحل سمجھتے ہیں اور جس کی عظمت اور
ہماری ہمتوں کو توڑ دیتی ہے ۔ اور جس کے اسباب جمع کرنے کا ہم ارادہ تک نہیں
کرتے ۔ اور اُسی مسئلے کا سمجھانا اور اُسی مشکل کو آسان کرنا ، اور اُسی کا شوق
کرنا اور اُسی کی ہمت دلانا ہمارا اصل مقصود ہے ، اور یہ مقصود دوسری جگہ سیکڑوں
رزولیوشن کے پیش کرنے اور ہفتوں مباحثے کرنے اور مہینوں لیکچر دینے سے بھی حاصل
نہیں ہو سکتا ۔ جیسا کہ یہاں دو تین دن رہنے اور کالج کے ملاحظہ کرنے اور
طالب علموں کی حالت دیکھنے سے حاصل ہو سکتا ہے ۔ قومی تعلیم کے مشکل مسئلے کے
معنی نہایت آسانی سے یہاں سمجھ میں آ سکتے ہیں ۔ اُس کی مشکلات جن کا رفع ہونا ناممکن
سمجھا جاتا ہے ، یہاں حل شدہ دکھلائی دیتے ہیں اور قومی قوت اور قومی عزت کی
اور قومی ترقی کی تدبیر کی مجسم صورت یہاں نظر آ رہی ہے ۔

یعنی وہ کالج جس میں دماغی تعلیم کے ساتھ مذہبی اور اخلاقی تعلیم بھی
جاتی ہے ۔ جہاں لڑکوں کی تربیت کا خیال اور اُن کے اخلاق کی درستی کا لحاظ اور
کے چال و چلن کی نگرانی کی جاتی ہے جہاں انگریزی پڑھنے والوں میں ، قومی ولولے
اسلامی جذبات بھی پائے جاتے ہیں اور جہاں قومی قوت کے اجتماع اور سیلف ہیلپ
عمدہ نتیجہ دیکھنے میں آتا ہے اور جہاں کا طالب علم ہونا پبلک اور گورنمنٹ دونوں
کے نزدیک عمدہ تعلیم، پاکیزہ خیالات پسندیدہ اخلاق قومی محبت اور گورنمنٹ کی وفاداری
کی کافی سند سمجھی جاتی ہے اس حیرت انگیز کارخانے کو دیکھ کر ممکن نہیں ہے
لوگوں کے دلوں میں جوش نہ آوے ، اور آیندہ کے لیے ہمت پیدا نہ ہو
اپنی متفقہ کوششوں کو کام میں لانے کی رغبت نہ ہو ، بس اے میرے دوستو
خیالات سے میں آپ کا یہاں جمع ہونا اور قومی ترقی کی تدبیریں یہاں بیٹھ کر کرنا

کرتا ہوں - اور یہاں آنے پر مبارک باد دیتا ہوں -

اے میرے دوستو ! اگر صرف آپ کا خیر مقدم کہہ کر اپنی کرسی پر بیٹھ
تو میں اس فرض کے ادا کرنے میں اپنے آپ کو قاصر سمجھوں ، جو بحیثیت صدر
ہونے کے مجھ پر ہے مجھے ضرور ہے - کہ میں اس کانفرنس کے اغراض و مقاصد کی
جو غلط فہمیاں اور اس کی کارروائیوں پر جو نکتہ چینیاں ہو رہی ہیں ان کا کچھ
کروں -

صاحبو ! آپ کو معلوم ہے کہ ہماری اس کانفرنس کے اغراض کی نسبت
پھیلی ہوئی ہیں - اور اس کی کارروائی پر نکتہ چینیاں بھی کی جاتی ہیں -
کی نسبت ہم کو تعجب نہ کرنا چاہیے اس لیے کہ جو لوگ کوئی بڑا کام کرتے
معصوم نہیں ہوتے - نہ ان کی کارروائی غلطی ، خطا اور نقص سے خالی ہو سکتی
گو کیسی ہی لیاقت ، محنت اور ایمان داری سے وہ اپنا کام کریں نکتہ چینی کا
باقی رہتا ہے علاوہ بریں نکتہ چینی فی نفسہ نہایت مفید بلکہ ایک قسم کی مدد
بشرطیکہ نیک نیتی سے کی جاوے - ہمارا یہ مجمع خود نکتہ چینی کے لیے قائم ہے ،
چینی ہی اس کا اصل مقصود ہے تا کہ جو غلطی ایک کے خیال میں ہو وہ
کے خیال سے اصلاح پاوے - اے صاحبو! پھر ہماری کارروائیاں ہمارے مباحثے اور
، ملکیت عام ہیں - اور ہر ایک شخص کو اس پر بری بھلی رائے ظاہر کرنے
- ہم ہر ایک کی بات دل سے سننے کے لیے تیار ہیں - اور ہم ہر ایک کی نکتہ
خیر مقدم کہنے کو تیار ہیں مگر ہاں اس وقت ہم کو افسوس ہوتا ہے جب کہ
کانفرنس کے اغراض و مقاصد دیدہ و دانستہ غلط بیان کیے جاتے ہیں اور بے دردی
تضحیک کی جاتی ہے -

صاحبو ! بڑا اعتراض کانفرنس پر یہ ہے کہ کوئی عملی فائدہ اس سے قوم کو
میں خیال کرتا ہوں کہ کانفرنس پر یہ الزام عاید ہو ہی نہیں سکتا اس لیے کہ
کی مقصود اور اس کی قدرت سے خارج ہے - جو لوگ کانفرنس پر یہ اعتراض
غالباً انھوں نے کانفرنس کے اشتہار اور پچھلے سال کے پہلے رزولیوشن کو بھی
فرمایا - پہلا رزولیوشن جو ١٨٨٦ع میں جناب سر سید احمد خان بہادر نے
یہ تھا "کہ مسلمانوں کی ترقی تعلیم میں قومی اتفاق اور قومی امداد سے
اور ہر سال ان امور پر غور کرنے کے لیے مختلف اضلاع کے لوگوں کا

ایک جلسہ ہؤا کرے" - اس رزولیوشن کے پیش کرتے وقت سرسید احمد خاں نے
فرمایا تھا "گو ہم قوم ایک مسلمان کہلاتے ہیں مگر ایک جگہ کے رہنے والے دوسری جگہ
کے رہنے والوں سے ایسے ہی نا واقف ہیں جیسے کہ کوئی اجنبی قوم ایک دوسرے کے
حال سے نا واقف ہو - کوئی ذریعہ ہمارے پاس ایسا نہیں ہے کہ مختلف اضلاع کے لوگ
کسی موقع پر آپس میں ایک جگہ جمع ہوں - ایک کے حال سے دوسرے کو آگہی ہو -
ہم آپس میں مل کر اپنے خیالات جو قومی تعلیم اور قومی ترقی کی نسبت ہوں دوسروں
پر ظاہر کرسکیں - اور جو غلطی ہمارے خیال میں ہو ، وہ دوسروں کے خیال سے
اصلاح پاوے - اس مقصود کو جو کہ کانفرنس کے قایم کرتے وقت ظاہر کیا گیا تھا
پھر سر سید نے اپنے پچھلے سال کی رپورٹ میں ان لفظوں میں بیان فرمایا کہ "اس کانفرنس
کا کام یہ ہے کہ آپس میں صلاح و مشورے سے بالاتفاق جم غفیر مسلمانوں کے اس بات
کو قرار دے کہ کیا امر مسلمانوں کی بھلائی ، اور آن کی قومی ترقی کے لیے مفید ہے اور
سب پر ظاہر کرے اور آن کے فوائد کو قوم کے دل نشین کرے - ان کی تعمیل
کانفرنس کی قدرت اور اختیار سے باہر ہے یہ خود قوم کا کام ہے کہ جس تجویز کو
انھوں نے قوم کے لیے مفید قرار دیا ہے آس کے عمل درآمد میں کوشش
کریں - پس جس قدر افسوس ہو وہ قوم کی حالت پر ہونا لازم ہے کانفرنس
مثل ایک دنیاوی واعظ کے قوم کی بھلائی کی باتوں کو بیان کرتی ہے -
قوم کو جتلاتی ہے - آس کی خراب حالت سے آس کو مطلع کرتی ہے آس پر عمل کرنا
آس کی تکمیل کے لیے، کوشش کرنا ، قوم یا بزرگان قوم پر منحصر ہے مگر کانفرنس جو
کچھ کرتی ہے آس سے زیادہ کرنے کی وہ طاقت نہیں رکھتی -" یہ بیان سید صاحب
کانفرنس کے اغراض و مقاصد اختیار کرنے کی نسبت ایسا صاف ہے کہ اس سے ہر شخص
خیال کر سکتا ہے کہ صرف تجویز کرنا اور تدبیر بتانا اس مجلس کا کام تھا ، نہ کہ
تجویز کی تعمیل کرانا - اس پر اگر کوئی کہے کہ مجلس نے کچھ کام نہیں کیا وہ
ایسا ہے جیسا کوئی قانون بنانے والی کونسل کی نسبت کہے کہ آس نے کوئی عمدہ
نہیں کیا - یا عمارت کے نقشہ بنانے والے پر یہ الزام لگا دے کہ آس نے مکان نہیں
یا ڈاکٹر پر اعتراض کرے کہ آس نے نسخہ لکھا مگر بیمار اچھا نہ ہؤا - ہاں اگر کوئی
یہ کہے کہ مجلس کا قایم کرنا ہی بےسود اور لغو تھا تو یہ اور بات ہے - مگر
نزدیک ایسی مجلس کی نہایت ضرورت تھی - آس کے اغراض اور مقاصد بہت عمدہ
نے بہت عمدگی سے اپنا کام کیا اور قوم کو بہت فائدہ پہنچایا - اس میں نہایت مفید رزولیوشن
پیش کیے گئے - بہت خوبی سے اس پر بحثیں ہوئیں - نہایت آزادی سے رائیں دی

...ہو لیاقت سے تقریریں کی گئیں اور بہت سی تجویزیں قوم کو بتائی گئیں ۔ اگر
...ت پیش نظر رکھ کر کانفرنس کی کارروائی پر غور کیا جاوے ۔ اور بھلے مات
...والدادیں انصاف سے دیکھی جاویں تو میرے نزدیک کانفرنس کی کارروائی نہایت
...ے لائق اور اس کی کامیابی کی مبارک بادی کی مستحق ہے ۔ ہمارے پاس کانفرنس
...ے اس وقت ایک ایسا اچھا ۔ کارڈ ہے اور دفتر موجود ہے جس کا جمع ہونا بغیر
...ے ممکن نہ تھا ۔ اس نے ہمارے لیے سامان اور مواد مہیا کر دیا ہے کہ گر ہم
...یں لاویں تو ہم بہت جلد ترقی کر سکتے ہیں ۔ حقیقت میں کانفرنس نے قوم کے
...یار کر دی ہیں اور تمام مشکلات کو اُن کے سامنے سے دور کر دیا ہے ۔ اگر
...س پر چلنا شروع کرے تو وہ آج منزل مقصود کو پہنچ سکتی ہے ۔ اور نہ صرف
...ے تیار کرنے ہی پر اس نے قناعت کی بلکہ قوم کو چلنے کی بھی رغبت دلائی ۔
...ے ہونے نتیجے اسے بتائے ۔ سست پڑے رہنے سے جو مصیبتیں اس پر گزریں وہ
...۔ پیچھے رہ جانے سے جن دور ناک آفتوں میں وہ مبتلا ہونے والی ہے اس کا
...۔ بزرگوں کی کہانیاں سنا کر اس کے دل بڑھائے ۔ گذشتہ زمانے کی ثروت اور
...ے کہہ کر جوش دلایا ۔ تاریخی واقعات بیان کرکے قوموں کی ترقی و تنزل کے
...نے اوہام اور تعصبات اور خیالات جو سیدھی راہ چلنے کے مانع تھے دلوں سے
...ہیں سمجھ سکتا کہ کون سی تدبیر ایسی ہے ، جو قوم کو جگانے اور اس کو
...راستے پر چلانے کے لیے چاہیے تھی مگر اس نے نہیں کی ۔ میرے نزدیک تو اس
...رائض کو بہت اچھی طرح انجام دیا ۔ اور نہ صرف وہی کیا جو اسے کرنا چاہیے
...س سے بہت بڑھ کر کیا ۔ اگر ہم اور باتوں سے قطع نظر کریں اور صرف
...اور لکچروں اور مضمونوں کو دیکھیں جو کانفرنس میں پیش ہوئے تو ہم
...تے ہیں کہ کانفرنس کی کوششیں بے کار نہیں گئیں اور لوگوں نے
...نہیں کی ۔ میں اُن لوگوں کو نہایت بے درد اور نا منصف سمجھتا ہوں
...مونوں کو صرف شاعرانہ نظر سے دیکھتے ہیں اور اسے قوم کے حق میں مفید
...ے ۔ میرے نزدیک وہ لکچر جو مولانا مولوی نذیر احمد صاحب نے کانفرنس
...آب زر سے لکھنے کے لایق ہیں اور قوم کے دل کے پتھروں پر نقش کرنے
...یقین کیجیے کہ اگر یہ لکچر یورپ اور امریکہ میں دیے جاتے اور فرض کرو
...زبان کو سمجھ سکتے تو ہزاروں آدمی صرف اس کے سننے کے لیے جمع
...روپے اس پر نثار کرتے اور اس سے اتنی آمدنی ہوتی کہ ہمارے محمڈن کالج
...مصہ تیار ہو جاتا ۔

صاحبو ! یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کانفرنس ایک مجمع ہے صرف نو تعلیم یافتہ
نئے خیالات رکھنے والوں کا ۔ نہ اُس میں علماء نہ مشائخ شریک ہیں ، نہ امرا اور بزرگان قوم
اس میں داخل ہیں اور اُس کی تجویزیں صرف ایک محدود اور مختصر فرقے کی رائے ہیں
عام مسلمانوں کی نظر میں اس کے جواب میں نہایت ادب سے کہتا ہوں کہ اگر کل قوم تعلیم
یافتہ ہوتی ، اور زمانے کی ۔ ضرورتوں سے واقف اور اپنی ترقی کے وسائل مہیا کرنے کے
لائق تو ایسی کانفرنس کی ضرورت ہی نہ ہوتی اور جب خدا کی مہربانی سے قوم کا ایک
بہت بڑا حصہ تعلیم یافتہ ہو جاوے گا تو وہ وقت ہوگا کام کرنے کا نہ سوچنے کا ، وہ
زمانہ ہوگا ترقی کے نتیجوں کے دیکھنے کا نہ اُس کے اسباب جمع کرنے کا اور رغبت دلانے
کا ۔ وہ دن ہوں گے مبارک باد دینے کے نہ رونے اور رلانے کے ۔ وہ وقت ہوگا فصل
کاٹنے اور پھل کھانے کا نہ زمین جوتنے اور بیج بونے کا ۔ ہم خود قبول کرتے ہیں کہ
یہ مجمع ہے ایسے لوگوں کا جن کے خیالات نئے ہیں ، جو تعلیم اور تربیت کا اصول سمجھتے
ہیں ، جو قومی ترقی کی تدبیریں جانتے ہیں ، جن کو اپنی موجودہ حالت میں بہت کچھ
اصلاح اور درستی کی ضرورت معلوم ہوتی ہے ۔ مگر کوئی مہربانی کرکے مجھے بتائے کہ
دنیا کی تاریخ میں کسی قوم نے بغیر ایسے فرقے کے ترقی کی ہے ۔ اور جب تک
کوئی قوم ترقی نہ کرے ایسے خیال کے لوگ کہاں کثرت سے پائے گئے ہیں ۔

صاحبو ! قوم کی ترقی کا آغاز ہمیشہ اُسی طرح سے ہوتا ہے کہ پہلے کوئی
عالی دماغ مستقل مزاج جس کا دل و دماغ ایسے کام کے لیے بنایا گیا ہو ، قوم کی اصلاح
کے لیے آمادہ ہوتا ہے اور ایک ایک دو دو آدمی اُس کی باتیں سمجھنے اور اس کے کہنے
پر چلنے اور اس کی تائید کرنے لگتے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ اس کا ایک ایسا عمدہ
گروہ بن جاتا ہے اور وہ لوگ اپنے خیالات پھیلانا اور اپنی جماعت کو زیادہ
شروع کرتے ہیں ۔ یہاں تک کہ اُن کا اثر ساری قوم پر ہو جاتا ہے ، اور قوم ترقی
کے درجے پر پہنچ جاتی ہے ۔ مگر صاحبو ! بغیر خیالات کے بدلنے ، اور بغیر کسی شخص
کے پیشوا ہونے اور بغیر کسی ایک مضبوط اور مستعد لوگوں کی جماعت قائم ہونے کے ،
کسی قوم کی کبھی اصلاح ہوئی ہو ، تو مجھے اُس کی نظیر بتائیے ۔ غرض کہ صاحبو ! جو
چیز الزاماً ہماری نسبت کہی جاتی ہے ہم اُس پر فخر کرتے ہیں اور کہنے والوں کا شکریہ

رہا یہ امر کہ بزرگانِ قوم اور علماء اور مشائخ اس میں شریک نہیں ہیں اسے
تسلیم نہیں کرتا ۔ جو لوگ ایسا کہتے ہیں ان کو چاہیے کہ ذرا تکلیف گوارا کریں ،
کانفرنس کی فہرست ملاحظہ فرمائیں ، اور ایک لحظہ کے لیے اس ہال میں تشریف لائیں

بتائیں کہ اس سے بہتر مجمع مسلمانوں کا آنھوں نے کہاں دیکھا ہے اور اس
درجے کے مسلمان اور کسی قومی مجلس میں جمع ہوتے ہیں اور اگر فرض کیا
کہ یہ مجلس بے سود اور صرف مجمع چند بگڑے خیالات کے لوگوں کا ہے ، تو
ادب سے پوچھتا ہوں کہ براہ مہربانی وہ مجلس مجھے بتائیے جو مسلمانوں کے لیے
سود مند ہو اور جہاں علماء فضلا ، مشایخ اور اولیاء ، امراء اور دولت مند
کی بھلائی کے لیے جمع ہوتے اور اپنے وقت ، عقل ، اور دولت کا کچھ حصہ
کے کام میں بھی لگاتے ہوں اور اس جگہ کا نام بتائیے جہاں ہم جا کر قوم کی
اسلامی محبت اور قومی جوش کا ثبوت اور آن کی عمدہ تدبیروں اور مفید کاموں
دیکھیں اور قوم کی ترقی کی امید کریں - اور ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ آپ ہماری
توجہ دنیاوی ترقی کے کاموں میں دکھائیے اس لیے کہ یہ نجس اور ناپاک چیز
کی توجہ کے قابل نہیں ہے - الدنیا جیفۃ و طالبہا کلاب یہ کام دنیا کے کتوں کا
نیچری فرقے کے دنیا طلب لوگوں کا - مسلمانوں کی شان اس سے ارفع و اعلیٰ
بلکہ وہ تدبیریں بتلائیے جو آنھوں نے اپنے پاک اور پیارے دین کے لیے کی ہوں
کی اس توجہ کا ثبوت دیجیے جو آنھوں نے دین کی حمایت ، اور اس کی حفاظت ،
کی اشاعت میں کی ہو - مغربی علوم پر خاک ڈالیے ، انگریزی کو کفر سمجھیے -
طرز کے کالج اور اسکولوں کو جانے دیجیے کہ یہ سب وہ چیزیں ہیں جو صرف
دنیا کے کام آنے والی ہیں اور مسلمانوں کے اعتقادات اور خیالات کی بگاڑنے والی
مقامات بتائیے جہاں دین اور اسلام کی حفاظت کا بندوبست کیا گیا ہو ، اور وہ
دکھلائیے جہاں دینی علوم کی تعلیم دی جاتی ہو - اور ان دارالعلوم کا نشان دیجیے
اور قرطبہ کے نمونوں پر قایم کیے گئے ہوں اور ان علماء کا نشان دیجیے جن کو
کی توجہ اور فیاضی نے بچایا اور علمی مشاغل میں مشغول رکھا ہو ، اور آن
طلبوں کو دکھائیے جو صرف قوم کی مدد سے پرورش پاتے اور علم حاصل کرتے ہوں
صد افسوس کہ جہاں تک خیال کیا جائے اور جس حصے کو ہندوستان کے
، دین اور دنیا دونوں کا یکساں حال ہے - اگر ہم دیکھیں کہ مسجدیں
خانقاہیں گرم ہیں ، علماء اور فضلاء کا گروہ بدستور موجود ہے ، پرانے مدارس
بھرے ہوئے ہیں تو ہم سمجھتے صرف زہد اور تورع ، دنیاوی علوم کی تحصیل ، اور
مدارس میں مدد دینے کی مانع ہے اور فقط پابندی شریعت کی ، مغربی تعلیم کی مزاحم
دینی خیال دنیاوی ترقی کا سد راہ ہے - مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس کا حال اس
درجہ زیادہ برا ہے دینی مدارس قوم کی بے توجہی سے برباد ہیں - علماء فضلا

بھوکوں مر رہے ہیں - دینی علوم کے تحصیل کرنے والوں کو کوئی بھیک کے ٹکڑے تک نہیں دیتا اور اگر کہیں کچھ نیک دل بزرگوں نے کوئی مدرسہ کھڑا کر لیا ہے اور چند غریب طالب علم کابل اور بخارا کے جمع ہو گئے ہیں تو وہاں خاک اڑ رہی ہے اور قوم کی بے خبری کا نوحہ ہو رہا ہے - اور استاد و شاگرد دونوں بھوکوں مرتے ہیں تو اسے ہم کیا سمجھیں - مانا کہ ہم نے مغربی علوم کا شوق دلا کر مسلمانوں کو خراب کیا مانا کہ ہم نے انگریزی تعلیم و تربیت کے جاری کرنے سے الحاد پھیلایا - مانا کہ ہم نے کانفرنس قائم کر کے مسلمانوں کو بہکایا مگر ہم پر طعنہ کرنے والے خدا کے لیے ہم کو بتا دیں کہ انھوں نے اپنی قوم کے لیے کیا کیا اور اس ڈوبتی ہوئی کشتی کے بچانے میں کون سی کوشش کی - اگر ہم نے مسلمانوں کے لیے دیر و کنشت بنایا ، مانا کہ گناہ کیا - مگر یہ فرمائیے کہ آن کا بنایا ہؤا بیت المقدس کہاں ہے جہاں جا کر ہم سجدہ کریں - اگر ہم نے اپنے بھائیوں کے واسطے قومی کانفرنس قائم کی ہم قبول کرتے ہیں کہ ایک بے سود کام کیا مگر ہمارے دوست براہ مہربانی یہ فرماویں کہ انھوں نے قوم کے حال پر مرثیہ پڑھنے ، قوم کی مصیبت پر ماتم کرنے پر کون سی مجلس بنائی ہے کہ ہم وہیں جا کر نوحہ کریں اور سر پیٹیں - ہم اگر مضر یا بے سود کام کرنے سے گناہ گار ہیں ، تو قوم کو مرتے دیکھنے اور کچھ نہ کرنے کا ذمہ دار کون ہے -

گرد سر تو گشتن و مردن گناہ من
دیدن ہلاک و رحم نکردہ گناہ کیست
گیرم کہ وقت ذبح طپیدن گناہ من
دانستہ دشنہ تیز نہ کردن گناہ کیست

غرضیکہ اے میرے بھائیو ! یہ الزام جو ہم پر لگایا جاتا ہے اور وہ طعنے جو ہم پر کیے جاتے ہیں ، نہ دین داری کے خیال سے ہیں نہ مذہب کے لحاظ سے بلکہ در حقیقت غفلت اور کاہلی کا نتیجہ ہے کہ نہ پرانے طریقوں پر قوم کے لیے کچھ کرتے ہیں نہ دینی کاموں میں اپنی مستعدی کی شانیاں دکھاتے ہیں نہ نئی راہ پر چلنے کے لیے آن کا قدم اٹھتا ہے - نہ دوسروں کا چلنا پسند کرتے ہیں - غرض کہ نہ خود کریں نہ دوسروں کو کرنے دیں - ایسے لوگوں کی باتیں سن کر رنجیدہ ہونا اور طعن و طنز سے پریشان ہونا ہمت والوں کا کام نہیں ہے -

اے میرے بھائیو ! کیا آج تک کوئی بڑا کام بغیر طعنوں کی برداشت کرنے کے دل فگار باتوں کے سننے سے کہیں دنیا میں ہوا ہے -

صاحبو! قومی اصلاح اور قومی ترقی کوئی آسان کام نہیں ہے - بلکہ اس دنیا کے ...بی اور سب سے زیادہ مشکل ، نازک اور تکلیف دہ ہے - حقیقی اصلاح اور ...دینی اور دنیوی اصلاح ، اور معاش اور معاد کی فلاح ، یہ کام صرف پیغمبروں ...مگر دنیوی اصلاح اور دنیوی ترقی بھی ایسی مشکل ہے کہ اس کے لیے بھی ...ہی خاص لوگوں کو پیدا کرتا اور اس کے لائق ان کے دل و دماغ بناتا ہے ، ...ہوں یا مصلحان قوم ، خدا نے سب کے لیے یہ قاعدہ رکھا ہے کہ ان کی منزل مقصود تک پہنچنے میں بہت سے درجے طے کرنے پڑتے ہیں - اول ان کا ...جاتا ہے اور ایک نا ممکن کام کے خیال سے وہ دیوانے ٹھہرائے جاتے ہیں ...طعن و طنز ہوتے ہیں - پھر ان پر تہمتیں کی جاتی ہیں ، اور ان کے ارادے ...محمول کیے جاتے ہیں - پھر ان کے مقاصد میں غلط بیانیاں کی جاتی ہیں - پھر ...باتیں ان کی سمجھ میں آنے لگتی ہیں اور ان کے کاموں کی عظمت اور وقعت کا ...لگتا ہے اور آخر مفید سمجھ کر لوگ مدد دیتے ہیں اور اس کی کامیابی دیکھ کر ...اور خود ہی کہنے لگتے ہیں کہ پہلے کیوں ہم ایسا نہ سمجھے ، اور کیوں ...اس کام میں شریک نہ ہوئے -

اے میرے بھائیو! یہ واقعات ہیں جو ہر ایک اصلاح کرنے والے کو پیش آتے ہیں ...مجلس کا مقصود قومی اصلاح اور قومی ترقی ہے تو آپ کو بھی تمام درجات کے ...اور ان تمام دشوار گزار گھاٹیوں سے گزرنے کے لیے آمادہ رہنا چاہیے - مگر آپ ...تعجب ہیں کہ آپ کو ایسے سکرٹری ملے ہیں جو آپ کی طرف سے سب ...چکے ہیں ان کا مضحکہ اڑ چکا ، ان پر طعنے ہوئے - وہ دیوانے اور سودائی ...خود غرضی کا الزام ان پر لگ چکا تہمتیں جتنی ہونی چاہئیں ان پر ہولیں - ...وہ کافر بھی ٹھہر چکے - ان کے مقاصد میں غلط بیانیوں کی کوئی حد بھی ...اب وہ اس درجے پر ہیں - جہاں مصیبتوں کا خاتمہ ہوتا اور اس کے نتیجوں ...کا دور شروع ہوتا ہے - اب لوگ ان کے کاموں کی قدر کرتے ہیں ان کی بات ...کی وقعت اور عزت کرتے ہیں ان کو اپنا رہ نما جانتے ہیں - پس اے میرے ...وجود ان تمام مشکلات طے ہو جانے اور آپ کو ایک فدیہ میں مل جانے کے اگر ...طعن آمیز باتیں سننے سے رنجیدہ ہوں گے اور اس مجلس کی کامیابی کی نسبت ...رکھیں گے تو مجھے تعجب ہوگا - آپ کو چاہیے کہ آپ استقلال سے کام کریں ...کی کامیابی پر بھروسا رکھیں کیونکہ جس قدر آپ اپنے فرائض سے زیادہ واقف

ہوں گے ، جس قدر آپ میں ہمدردی کا جوش زیادہ ہوگا ، جس قدر آپ انسانیت کا
خیال رکھیں گے ، جس قدر آپ کا علم زیادہ ہوتا جاوے گا آپ اپنے آپ کو زیادہ
میں پاویں گے ، اور آپ پر زیادہ مصیبتیں نازل ہوں گی -

بھائیو ! عقل ، علم اور انسانیت ، یہ خود مصیبت کے اسباب ہیں اور
کو اس دنیا میں اسی قدر تکلیف اٹھانی پڑتی ہے جس قدر اس میں عقل اور علم ہے
ہم انسان نہ ہوتے تو ان مصیبتوں میں سے ایک مصیبت بھی نہ اٹھانی پڑتی - یہ وہ
خدا کی ہے جسے نہ آسمان اٹھا سکا نہ زمین نہ پہاڑ - ہم نے نادانی سے اٹھا لیا اور
جاہل ٹھہرے - انا عرضنا الا مانۃ الخ -

آسماں بار امانت نتوانست کشید
قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

صاحبو ! مجھے وہ دن یاد ہیں جب ہم لوگ غفلت کی بہشت میں رہا کرتے
نہ اپنی خبر تھی نہ دوسرے کا خیال - نہ قوم سے مطلب تھا نہ مدرسے سے
مسلمانوں کی درد ناک صورت ہم کو دکھا کر کوئی ستاتا تھا ، نہ ہائے قوم
قوم کی آواز ہمارے کان تک پہنچی تھی نہ کوئی چندہ مانگنے والا تھا نہ
بلانے والا - بے خبری کے نشے میں مست پڑے ہوئے کہا کرتے تھے -

بہشت آں جا کہ آزارے نباشد
کسے را با کسے کارے نباشد

اور اپنے پیشواؤں کے مشکور تھے جنھوں نے اوہام کا سنگین پہرا
درخت پر کھڑا کر دیا تھا اور ہم کو وہاں تک جانے نہ دیتے تھے کہ اتنے
سرسید سامنے آئے اور آواز دی ھل ادلکم علیٰ شجرۃ الخلد و ملک الا یبلیٰ ،
ہم کو علم کا درخت دکھایا اور اس کے پھل کھانے کی رغبت دلائی ان کا
کہ ہمارے بزرگ چلانے لگے کہ خبردار ان کے پاس نہ جانا اور ان کی بات
"انہ لکم عدو مبین". اور چاروں طرف سے آواز آنے لگی کہ "لا تقربا ھذہ الشجرۃ
من الظلمین" - مگر یہ بھی مزاج کے ایسے مستقل اور اپنے ارادے کے
ترغیب دیتے اور یہ کہتے رہے کہ تم حقارت کرو یا ملامت ، زجر کرو یا توبیخ
تو ضرور علم کا پھل اپنی قوم کو کھلاؤں گا اور بغیر اس کے
مانوں گا - آخر انھوں نے اپنا کہا پورا کیا اوہام کا پہرہ علم کے درخت پر سے

وگوں کو اس کا پھل کھلایا - واخرجھما مما کانا فیہ جن لوگوں نے وہ پھل کھایا دی کو پہچاننے لگے - اور اس گناہ میں غفلت اور بے خبری کی بہشت سے نکالے - وہ اپنے آپ کو ننگا دیکھ کر شرمندہ ہوئے اور اپنی عریانی چھپانے کی فکر کرنے - بھائیو یہ مصیبتیں کیوں ہوئیں - اگر ہم نیکی و بدی کی تمیز کا درخت نہ دیکھتے اپنے بزرگ سرسید کے کہنے سے اس کا پھل نہ کھاتے - ایک ان کی بات کے سننے سے ری مصیبتیں گلے پڑیں - اب ہم ہیں اور طرح طرح کی تکلیفیں ، قومی ہمدردی ، محبت ، قومی ترقی ، قومی تعلیم ، قومی تربیت ، قومی اصلاح اور خدا جانے کتنے ، گھر چھوڑنا ، سفر کی مصیبت اٹھانی ، کانفرنس میں آنا ، چندہ دینا اور پھر برا ستا -

من گریہٴ آتشیں نمی دانستم
من آہ دل حزیں نمی دانستم
نے نام بمن گزاشتی و نہ نشاں
اے عشق ترا چنیں نمی دانستم

مگر جب کہ ہم نے ان مصائب کو قبول کیا ، تو آسے اب مردانہ وار ت کرنا چاہیے - تا وہ دوامی راحت ، اور لازوال خوشی ، ہم کو نصیب ہو جو ان تکلیفوں کا اور ثمرہ ان مصیبتوں کا ہے مگر صاحبو! اس کے لیے صبر اور وقت کا ضرور ہے - میں ان لوگوں کو نتیجہ دیکھنے کی امید نہیں دلا سکتا جو صبر نہیں سکتے اور نہ ان مایوس طبیعتوں کو پھل کھانے کا متوقع کر سکتا ہوں جو وقت کا انتظار نہیں سکتا - قدرت کے قانون میں ان کی بے صبری سے کچھ تبدیلی نہیں - وقت سے پہلے کوئی بیج اپنا پھل نہیں لاتا نہ کسی کی بے صبری سے کھیتی قبل تیار ہو سکتی ہے - پس اے بھائیو! جو لوگ ہماری کانفرنس کے عملی نتائج کے ظاہر ے سے مایوس ہوتے اور اسے غیر مفید سمجھتے ہیں ان کو کسی کاشت کار سے جا کر چاہیے تا کہ معلوم ہو کہ صرف بیج ڈالنا پھل پانے کا مستحق نہیں کرتا - زمین ڈالنے سے فصل کے تیار ہونے تک کئی درجے طے کرنے پڑتے ہیں - پانی دینا ، کرنا (کسانوں کی اصلاح میں جس کو نلائی کہتے ہیں) پرند اور چرند سے بچانا - اور ان سب باتوں کے پورا کرنے کے لیے بہت بڑی محنت درکار ہے اور بہت کچھ ضرورت - اور سب سے بڑھ کر کھیتی کا آفات ارضی و سماوی سے محفوظ رہنا کے لیے خدائے ذوالجلال سے دعا کرتے رہنا پھر یہ محنت اور صرف آتنا ہی زیادہ ہوگا جتنی کہ جنس لطیف اور عمدہ ہوگی - میں نے کسی

کاشت کار کو نہیں دیکھا کہ وہ ان چیزوں کے تیار کرنے میں جو اس جسم خاکی کی
ہے صرف زمین میں دانے ڈال دینے پر قناعت کرتا اور ان تمام ضروری باتوں
کھیتی کے تیار ہونے تک مطلوب ہیں غافل ہوتا اور پیش از وقت اپنی محنت کے
پانے کی امید رکھتا ہو - پس اے میرے بھائیو ! جس شخص نے روح کی غذا تیار کرنے
ارادہ کیا ہو اور ایسی جنس لطیف پاکیزہ اور نازک زراعت شروع کرنے کا ارادہ کیا
بیج ڈالنے کے دوسرے دن اگر اس کے پھل کھانے کا متوقع ہو تو سوائے بوالہوسی
دیوانگی کے اس کی امید کو کیا کہیں گے یہی حال ہماری اس کانفرنس کا ہے
آدمیوں نے مل کر علم کی زراعت کا ارادہ کیا - انھوں نے ایک بڑے گھنے جنگل کو
اسے خار دار درختوں سے صاف کیا - اس کے ایک گوشہ کو کھیتی کے لائق بنایا اور
اس میں بیج ڈالا ہے - فصل تیار ہونے کا وقت ابھی دور ہے - تمام درجے محنت
اور نگرانی اور حفاظت کے ابھی باقی ہیں ، اس پر بعض لوگ ایسے ہیں کہ زراعت کے
نہ ہونے کے شاکی ، اور اپنی محنت کے پھل نہ ملنے پر مایوس ہیں - میرے نزدیک
لوگ ہیں جن کو از روئے قانون قدرت کے بالضرور مایوس ہونا چاہیے اور جن کی
بموجب قواعد فطرت کے ناممکن ہے -

عمرہا باید کہ تا یک پنبہ دانہ زاب و گل
شاہدے راحلہ بخشد یا شہیدے را کفن
روزہا باید کہ تایک مشت پشم از پشت میش
زاہدے را خرقہ گردد یا حمارے را رسن

اے میرے بھائیو ! ابھی ہم لوگ نہایت نازک حالت میں ہیں ، اور ہمارا
نہایت خطرناک ہے ، ہم امید اور یاس کے بیچ میں چل رہے ہیں جب ہم دیکھتے
قوم کے خیالات میں کچھ تغیر ہوگیا ہے ، وہ اپنی حالت سے واقف اور اس پر
اور سب کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ موجودہ حالت درد ناک ہے - اور
بدلنا قوم کی زندگی کےلیے ضرور ہے تو ہم کو بہت کچھ امید ہوتی ہے اور پھر
ایسے گروہ دیکھتے ہیں جو قوم کی ترقی کی تدبیروں میں سرگرم ہے اور اس کی
اور بہبودی کی فکریں کر رہا ہے ، اور ان میں ایک جوش قوم کی بھلائی کا پیدا ہو
ہے تو آئندہ کے لیے اور بھی دل خوش کن امیدیں نظر آتی ہیں - مگر جب اس
نظر جاتی ہے کہ بمقابلہ قوم کے یہ فرقہ بہت قلیل ہے اور ابھی اس میں بہت کچھ
باقی ہے تو قوم کی ترقی سے نا امیدی ہوتی ہے - اس لیے کوئی نہیں کہہ سکتا

قسمت میں آیندہ کیا لکھا ہے - ہم اپنے مقصود میں کامیاب ہوں گے یا ہماری کوششیں اور رائگاں جائیں گی۔ مگر جس راستہ پر ہم نے چلنا شروع کیا ہے وہ سیدھا راستہ ہے اور راہ پر چلنے والا اگر برابر چلتا رہے، بلاشبہ منزل مقصود پر پہنچتا ہے - اس لیے ہم امید ہے کہ ہم ضرور اپنے مقصد پر کامیاب ہوں گے ان اللہ لا یضیع اجرالعاملین

اے میرے دوستو ! میں نے آپ کا بہت وقت صرف کیا اور میں نے اپنی تقریر سے آپ کو بہت پریشان کیا - میں اپنی کرسی پر بیٹھتا ہوں اور آٹھویں سال اجلاس کے کھلنے کا اعلان کرتا ہوں -

خطبۂ صدارت (علی گڑھ ۱۸۹۴ء)

(جسٹس میاں محمد شاہ دین ہمایوں خان بہادر بیرسٹر ایٹ لا)

اے صاحبان! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے اس عزت نشان عہدے کے
منظور کرنے کی کبھی جرأت نہ ہوتی اگر مجھے اس امید کا سہارا نہ ہوتا کہ میرے
فرائض منصبی کے ادا کرنے میں آپ میری بے دریغ دوستانہ امداد فرمائیں گے اور
لیے نہ فقط آپ کی بزرگانہ امداد پر مجھے ہر طرح بھروسا ہے بلکہ میں بکمال ادب
ملتجی ہوں کہ اگر میری خدمات کی درست بجا آوری میں مجھ سے کسی قسم
کوتاہی سرزد ہو تو آپ بہ لطف کریمانہ میری عیب پوشی فرماویں۔

اے برادران قوم! قبل ازیں کہ آپ کو مقاصد کانفرنس کی طرف خاص توجہ دلائی
جائے میرا سب سے پہلا اور سب سے خوش آیند فرض ہے کہ آپ کی اس اخوت
استقلال مزاج، علو ہمتی اور سر گرمی کا تہ دل سے شکریہ ادا کروں جن کی بدولت
آج ہم اس عظیم الشان ہال میں اس کانفرنس کا نواں اجلاس شروع کرنے کو
مسلمانان ہندوستان کی تعلیمی ترقی کی تاریخ میں خیال کرتا ہوں کہ یہ مبارک و
واقعہ ہمیشہ کے لیے یادگار رہے گا کہ چند بیدار مغز بہی خواہان قوم نے ۱۸۸۶ء
اس بیت العلوم میں ایک ایسی قومی کانفرنس (مومنٹ) کی بنیاد ڈالی جس کا ایک
بہت سے مایوس دلوں کو حوصلوں سے بڑھا رہا ہے جس کے طفیل قوم اپنی منتشر
کو جمع کرنے کے موقعے پیدا کر رہی ہے جس کے باعث ایک ضلع اور ایک
مسلمانوں سے مل کر تبادلہ خیالات کے ذریعے سے نہ صرف قومی اتحاد کو مضبوط
ہیں بلکہ اپنی مقامی یا عام تعلیمی ضرورتوں کے رفع کرنے اور رفتار زمانہ کے
چلنے کی سب سے بہتر عملی تدابیر سوچتے ہیں جس کی وجہ سے وہ خوش اسلوبی
آنے والا ہے جب کہ بہت سے پنبہ در گوش لوگوں کو عالم بالا سے رعد کی سی
آواز سنائی دے گی۔ ع اٹھو سونے والو سحر ہو گئی۔ اور قوم جو ابھی
ایسی سوئی تھی کہ گویا حشر تک جاگنا اسے قسم تھا۔ آنکھیں مل کر

ہا کر جب دیکھے گی کہ آفتاب سر پر آ گیا تو مستوں کی طرح ایک انگڑائی لے گی اعضاء میں جو خواب کی بے کاری کی وجہ سے کم زور ہو گئے تھے ایک رسیلی حرکت پیدا کی تھی کہ آن کا متحرک کرنا قوم کو باعث انبساط معلوم ہوگا اور ضرور بتائید ایزدی سعی اور نیکو کاری کا مادہ قوم کے رگ و پے میں خون کی سرایت کر کے ایک حیرت زدہ زمانہ کو دکھا دے گا کہ مسلمان کیا تھے اور کیا ہے۔ از برائے خدا یہ نہ سمجھنا کہ مشرقی مبالغہ کا یہ بھی ایک نمونہ ہے یا کہ مائدہ کی نسبت میدان ترقی میں ، میں ایسی جولانیوں کی پیشین گوئی کر رہا ہوں کے لیے قوم فطرتاً بالکل ناقابل ہے - ہم میں اس وقت کون ایسا ہے جو یہ کہنے کا کرے کہ ہم ہندوستان کے مسلمانوں میں وہ قوتیں موجود ہی نہیں جو ضرورت کے مطابق ہر قسم کی ترقی کرنے کے لیے لابدی ہیں -

کون ہم میں ایسا قوم کا طرف دار ہے جو یہ کہنے کو تیار ہو کہ ہم میں ب کی بالکل طاقت نہیں ہے یا یہ کہ ہم دوسری قوموں کے مقابلے میں ہر بات بے ہیں کیونکہ ہمارے پاس نہ زمین ہے نہ سرمایہ نہ ثروت نہ دماغی اور جسمانی کون کہتا ہے کہ ہم میں چلنے کی طاقت نہیں - ہے تو ضرور اور چلتے بھی ہیں - ے افسوس عموماً ٹیڑھے راستے پر جہاں دو قدم بڑھ کر خار دار جھاڑیاں ملتی ور صاف میدان کا کوسوں تک پتہ نہیں لگتا - کون کہے گا کہ ہمارے پاس بیل ہل نہیں اور زمین نہیں - ہے تو سب کچھ مگر ہل چلانے والے کبڈی کھیل ہیں اور بے ہل چلائے مہربان آسمان کی بارش پر تکیہ کیے بیٹھے ہیں کہ تھوڑی زری سے کچھ تو ہو رہے گا - اور جب آن کی دنیا سے نرالی امیدوں کے ں کوئی کم نرخ غلہ پیدا ہؤا تو سر پر ہاتھ رکھ کر قسمت ظالم کو روتے ہیں کہ عمدہ قسم کے جو بوئے تھے گندم کیوں نہ ہوئے - اور نہیں سنتے کہ زمانہ بہ پکار رہا ہے کہ مکافات عمل کا Eternal Law (اٹرنل لا) یہ ہی ایک غیر قانون ہے - ع

گندم از گندم بروید جو ز جو

اے حضرات ! ہمارے یہاں آج جمع ہونے سے جو غرض مقصود ہے اس سے آپ واقف ہیں - اس کانفرنس کا اجلاس ہر سال اس بنیاد پر ہوتا ہے کہ ہندوستان کے مال مسلمانوں کی ابتر حالت کا باعث قطع نظر دیگر اسباب کے یہ ہے کہ وہ دوسری قوموں کے مقابلے میں جدید طریقۂ تعلیم سے بہت کم فائدہ اٹھاتے ہیں -

اس کا سبب مختلف اضلاع اور صوبہ جات میں حالات قومی کے لحاظ سے مو... مذہبی تعصب کہو خواہ کم استطاعتی اور خواہ محض عدم توجہی ۔ لیکن اس کا قا... افسوس اور دل خراش نتیجہ یہ ہے کہ سارے ہندوستان میں کوہ ہمالہ سے لے کر... راس کماری تک اور پشاور سے لے کر بنگال تک جہاں نظر ڈالو خوش دل اہل اسلا... کا نمایاں نشان یہی ہے کہ بلحاظ دنیاوی عز و شان ۔ بلحاظ ثروت اور ہر قسم کی... قومی ترقی کے وہ ملک کی ہر ایک جماعت کی نسبت نہایت پس ماندہ ہیں ۔ آخر اس... عالم گیر پس ماندگی کا باعث کیا ہے شاید اس سوال کا جواب یہی ہو ۔ جیسا کہ بعض... نکتہ رس علمائے قوم ہمیں اپنے مقدس جوش مذہبی کے وقت بتلاتے ہیں کہ دنیا مو... آزمائش کا مقام ہے ۔

اور ہم مسلمان بحکم ایزدی ہر طرح کی دنیاوی مصیبتوں میں اس غرض سے مبتلا... کیے گئے ہیں کہ اس خستہ حالی کے عوض میں قیامت کے روز ہم خیرالامم ہوکر دوسری... قوموں کی نسبت جو کہ آج دنیاوی عروج کے نشہ سے سرشار ہیں اس احکم الحاکمین کی... سرکار میں بہت بڑھ کر اعزاز حاصل کریں گے ۔ شاید یہ جواب ہر طرح سے باصواب ہی... ہو لیکن ہم کم بخت دنیا دار مسلمانوں کے لیے جو کہ اس گہری دلدل میں بکثرت... علماء دین کی طرح صرف ٹخنوں تک نہیں بلکہ سر کے بالوں تک پھنسے ہیں اور کتنی ہی... کوشش کریں نکل نہیں سکتے اس جواب کا تسکین بخش ہونا نہایت ہی مشتبہ ہے تو... کیا کریں کہ آج کل ہم میں سے ہر ایک کا دل گمراہ چلا رہا ہے کہ الدنیا مزرعۃ الآخرۃ... کے لحاظ سے دنیا و دین میں جو باہمی تعلق ہے اس کی وجہ سے دنیاوی ترقی قوم... کے لیے دینی سرخروئی کی مستحکم بنیاد ہے اور حالات زمانہ کو مد نظر رکھ کر... دنیاوی ترقی حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ قوم میں جدید طریقۂ تعلیم حاصل کرنے... کا گرم جوشی سے مذاق پیدا نہ ہو ۔

تعلیم سے مراد اس جگہ اس تعلیم سے نہیں جو ہمارے پرانی قسم کے دیسی مکا... یا ان سے زیادہ باقاعدہ درس گاہوں میں فارسی یا عربی زبان دانی اور چند مقرر شدہ او... بوسیدہ علوم قدیم کی تحصیل پر ختم ہو ۔ اس طریقہ کی تعلیم جو فوائد قوم کو پہنچا سکتی... تھی اپنے وقت اور مقام پر پہنچا گئی ۔ اب اس کا شاذ و نادر عربی درس گاہوں میں... کہیں کہیں نام و نشان جو کچھ باقی ہے صرف اس لیے ہے کہ ان لوگوں کے لیے جو... پرانی سنگ تراشی کے ٹوٹے پھوٹے نمونے دیکھنا چاہتے ہیں ، چند عجائب خانے قا... رہیں ۔ جہاں کہ وہ قدیم زمانہ کے سر شکستہ بتوں کا ملاحظہ کر سکیں ۔

ی کانفرنس کے وسیع احاطے کی نگرانی میں اگرچہ یہ عجائب خانے بھی داخل ہیں۔
ری جانب سے وہ بہر صورت اس قدر وقت اور توجہ کے مستحق نہیں جیسا کہ
گھر ہو سکتا ہے جہاں کہ اس تار برقی اور سٹیم اور گیس کے زمانے کے مطابق
م کی موجود ضروریات کے پورا کرنے کے لیے سب سے عمدہ اور اعلیٰ نمونے کے
ایک وسیع ذخیرہ موجود ہے۔

ایک عرصہ دراز کے افسوس ناک تجربے کے بعد قوم کو ثابت ہو چکا ہے کہ
لم کے مشرقی تعلیم کا پھٹا بادبان قومی ادبار کے ہولناک طوفان میں ہماری ڈوبتی
نہیں بچا سکتا۔ اگر ہوش و خرد کو خیر باد نہیں کہہ چکے اور کنار عافیت پر
کچھ کر دکھانے سے عاری نہیں ہو تو آؤ ہماری ڈگمگاتی کشتی کو دیکھو تمہاری
آہ و زاری کو سن کر ہزارہا بندگان خدا کے بچانے کو مغربی تعلیم کا مبارک
وٹ راج ہنس کی طرح سمندر کی لہروں کو چیرتا آیا ہے تا کہ تم باد مخالف کے
ہوں کو یورپین علوم و فنون کے اسٹیمر تک صحیح و سلامت پہنچا دے۔ یہ
شان اسٹیمر، اے کشتی شکستگان قوم خوب یاد رکھو، تمہارے لیے خدا کا
ہوا جہاز ہے جو ڈوبتی قوم کو خود ناخدائی کا کام دے گا۔ اسی کی تم کو نہایت
ت بھی ایسا نہ ہو کہ بے اعتنائی کی ترنگ میں بھی بکار خود دیوانہ بن کر کسی
لانے بول اٹھو۔

احسان نا خدا کا اٹھائے مری بلا
کشتی خدا پہ چھوڑ دوں لنگر کو توڑ دوں

یاد رکھو خدا پر توکل رکھنے کے طریقے، بے کاری اور بے پروائی کے طریقے
سے استغناء اسی ایک ذات کے لیے مخصوص ہے۔ تم اگر ڈوبتے ہو تو ہاتھ پاؤں
کسی چلتی ناؤ میں ہو بیٹھو اور کنارے پر پہنچ کر پہلے بصد عجز خدا کا شکر
رو اور پھر مہربان نا خدا کا دل سے شکریہ۔

اے بزرگان قوم! مسلمانوں کے لیے مغربی تعلیم۔ اور محض تعلیم نہیں بلکہ
تعلیم کی ضرورت۔ میں خیال کرتا ہوں یہ ایک ایسا مسلم امر ہے کہ اس پر
رنا تضیع اوقات سے خالی نہیں۔ اگر گذشتہ سالوں کے پے درپے آٹھ جلسوں کی
کے بعد آپ میں سے کسی صاحب پر یہ ضرورت ثابت نہیں ہو چکی تو کانفرنس
بے سود ہے۔

اور اگر اعلیٰ مغربی تعلیم کی ضرورت مسلم ہے تو کہہ سکتے ہیں کہ
نے آخر کار اپنا بنیادی پتھر جما دیا اور آج اس پتھر رکھنے کی تقریب
ہوئے بلکہ اس غرض سے کہ بنیادی پتھر کے بعد بنیادی عمارت کس طرح
چاہیے ۔ اس امر سے کسی شخص کو انکار نہیں ہو سکتا کہ مسلمانوں کی موجودہ
حالت کی اصلاح و ترقی کی تدابیر سوچنے اور ان پر عمل کرنے سے پہلے نہایت
ہے کہ ہم اس حالت سے پوری آگاہی پیدا کریں ہم کو سرسری طور سے یقیناً
کہ ہندوستان کے ہر حصے میں مسلمانوں کو دیگر قوموں کے مقابلے میں بلحاظ
سے ادنیٰ درجے پر ہونے کی عزت حاصل ہے لیکن ہمیں گذشتہ سال سے پہلے
تھا اور اب بھی کما ینبغی معلوم نہیں ہے کہ ہندوستان کے مختلف صوبجات اور
سرکاری اور پرائیویٹ اسکولوں اور کالجوں میں مسلمان بچوں کو بلحاظ تعداد دیگر
کے لڑکوں سے کیا نسبت ہے جس سے ہم کو ٹھیک طور سے علم ہو سکے کہ
ادنیٰ تعلیم کے اعلیٰ تعلیم میں مسلمانان نسبتاً کس قدر کم ہیں اور بلحاظ
کے اس کمی کے کیا وجوہات ہیں اور اس کے بعد ہم اس بات کی فکر کریں
مقامی یا عام موانع تعلیم کس طرح سے رفع ہو سکتے ہیں جن کے باعث مسلمانوں کی
حد اعتدال سے گزر گئی ہے ۔

جہاں تک مجھے یاد ہے لاہور کا اجلاس غالباً سب سے پہلا اجلاس تھا
کے ممبران کانفرنس نے اکثر اضلاع پنجاب اور چند دیگر مقامات کے متعلق
مفصل رپورٹ ہائے تعلیم پیش کی تھیں اور ان رپورٹوں کے مطالعہ کرنے سے
شخص دیکھ سکتا ہے کہ فی الحقیقت وہ رپورٹیں کارروائی کانفرنس کا فخر تھیں ۔

اگرچہ ان رپورٹوں میں اصلاح کی گنجائش ہے تاہم اگر اسی قسم کی
کم از کم شمالی ہندوستان کے سارے اضلاع کی نسبت مرتب کی جاویں اور
ایک سب کمیٹی ان سب کا انتخاب اس صورت سے کرے کہ ہر ضلع اور ہر
علیحدہ علیحدہ تعلیمی حالات کے علاوہ ہر مد میں سب اضلاع اور صوبجات کا
نسبتاً موازنہ کیا جاوے تو میں خیال کرتا ہوں کہ قوم کے لیے ایک ایسا مکمل
خانہ تیار ہو جاویگا جس میں ہم سب اپنے خط و خال دیکھ سکیں گے اور
شرمندہ ہوں گے کہ اس زمانہ میں ہم نے اپنے تئیں کیسا سیاہ رو بنا رکھا ہے ۔

ہمیں اس بیت العلوم کے فاضل پرنسپل مسٹر بیک کا ممنون احسان ہونا
کہ انھوں نے اس کانفرنس کے ماتحت اسٹیٹسٹیکل سیکشن بنا کر اس

شروع کی ہے جو بلا مبالغہ ہماری کارروائی کی جان ہے - پچھلے سال ہمارے
سکرٹری نے اس غرض کے پورا کرنے کے لیے ہر ایک صوبہ کے اضلاع میں
ممبران تجویز کر کے جو نقشہ جات ان صاحبان کو بغرض خانہ پری بھیجھے
اور جو کیفیتیں چند اضلاع سے بہ تعمیل ان کے ارشاد کے ان کو پہنچی تھیں ان کے
کرنے سے آپ کو بخوبی واضح ہو سکتا ہے کہ ہماری کارروائی کا یہ جزو کس قدر
ہے - اور اس لیے اس خاص سیکشن کو مکمل اور مستحکم کرنا ہم میں سے
کا سب سے اعلیٰ فرض ہے -

کانفرنس کے اس مقصد کے تکمیل کے متعلق یہ امر بھی نہایت ضروری ہے کہ
صرف مسلمانوں کی موجودہ تعلیمی حالت سے بذریعہ معتبر اسٹیٹسٹیکس جمع کرنے
واقفیت حاصل کریں - بلکہ اس تعلیمی حالت کا تاریخانہ نظر سے مطالعہ کریں جس
ہم کو معلوم ہو کہ جدید طریقہ' تعلیم کے آغاز سے لے کر آج تک مختلف وقتوں میں
علوم مغربی کی نسبت مسلمانان ہندوستان کا کیا برتاؤ رہا ہے - آیا پیشتر کی نسبت
حال میں ان علوم سے وہ کس قدر زیادہ مایوس ہیں تو پہلے کیوں نہ تھے اور کن
اسباب نے ان کو بدرجہ ضرورت ان علوم کے حصول سے باز رکھا - ان سب امور کا
ہم سب کے لیے لوازمات سے ہے -

اور فی الحقیقت نہایت خوش نصیب ہے یہ کانفرنس کہ ایک عالی دماغ اور
بے مثال فاضل نے جن کی خدا داد لیاقت پر ہماری قوم سچے دل سے نازاں ہے اس
کام کو ایسا بنایا ہے کہ انھیں کا حصہ ہے -

میری مراد اس وقت ہمارے فخر قوم جناب آنریبل سید محمود صاحب سے ہے
کہ پچھلے سال کا لکچر بلحاظ شستگی تحریر و فصاحت کلام اور باعتبار تاریخانہ تحقیق
مسلکی مطالب کے اس کانفرنس کی تاریخ اور اردو قومی لٹریچر میں ہمیشہ کے لیے
عظیم الشان یادگار رہے گا -

اس لکچر میں انھوں نے جو ایک نیا ڈھنگ قوم کو اپنی غفلت اور جہالت
کے نتائج سے آگاہ کرنے کا نکالا ہے اور جس جانفشاں محنت سے انھوں نے ہندوستان
کی یونیورسٹیوں کے آغاز سے لے کر آج تک مسلمانوں کی اعلیٰ تعلیم کے متعلق
اعداد جمع کر کے اس تعلیم کے ماحصل کو ڈایگراموں کی شکل میں دکھایا ہے
ہمارا علمی تنزل ہمیں ایسا محسوس ہو کہ ہم سوتے جاگتے اسے پیش نظر رکھیں -
اور یہ جاں فشاں محنت ہم میں سے کسی اور مرد خدا کا کام نہ تھا اور

اس بے نظیر کام کے لیے ہم اپنے اس مہربان محسن کا جس قدر شکریہ ادا کریں کم ہے اور بجز قومی شکریہ کے قوم ناتواں سے اور کسی صلہ کی امید کیا ہو سکتی ہے۔ مصرعہ

برگ سبز است تحفہ درویش

مگر جس قوم کا لہو بالکل پانی ہو چکا ہو اس پر تمہاری تقریروں کا اثر اگر کچھ ہو بھی تو صرف نقش بر آب ہوگا۔ اس لیے یہ امر ضروری اور نہایت ضروری ہے کہ آپ اس مجمع پر اس حد تک بھروسا رکھیں کہ وہ آپ کو تعلیم کے متعلق صرف چند اشارات دیتا رہے۔ یہ کانفرنس صرف ایک فنگر پوسٹ یعنی انگلی ہے جو بے بوجھے آپ کو سیدھا راستہ بتلاتی ہے اس راستہ پر تم کو چلانا آہستگی سے یا تیزی سے اس انگلی کا نہیں بلکہ تمہارے پاؤں کا کام ہے کیونکہ منزل مقصود تک پہنچنا چاہو تو صرف دیکھنے دکھانے سے نہیں بلکہ چلنے سے پہنچو گے۔

یاد رکھو وہ دل میں چبھتے ہوئے الفاظ جو کہ پچھلے اجلاس میں اسی چمنستان علم کے نغمہ سنج عندلیب مولانا محمد شبلی صاحب کی مؤثر زبان سے نکلے تھے۔

گئے وہ دن کہ ہم محتاج تھے عبرت دلانے کے
ہمارا حال خود عبرت فزا ہے آج سر تا سر
گیا وہ وقت جب تھا بس اسی کا نام ہمدردی
کہ دو آنسو بہالیں قوم کی درماندہ حالت پر
ضرورت اب ہے گر ہم کو تو بس ہے ان بزرگوں کی
کہ جن میں خیر سے کچھ کر دکھانے کے بھی ہوں جوہر
فقط باتیں نہ ہوں کچھ کام بھی بن آئے باتوں سے
کہیں جو کچھ وہ منہ سے کر دکھائیں اس سے کچھ بڑھکر
نہیں گر یہ تو بس اک گرمیٔ صحبت کے ساماں ہیں
یہ قومی مرثیے۔ یہ وعظ۔ یہ اسپیچ۔ یہ لکچر
طلب اور سعی سے کچھ کام بن آئے تو بن آئے
فصاحت اور بلاغت کا بس اب چلتا نہیں منتر
تمہیں جو کام ہیں درپیش گو مشکل سے مشکل ہیں
مگر کرنے پہ آ جاؤ تو آساں سے ہیں آساں تر

اے بزرگان قوم! میرا ارادہ تھا کہ میں اس موقع پر اعلیٰ تعلیم کی ضرورت کے ساتھ اعلیٰ قسم کی تربیت پر جس کے سوائے تعلیم کا اثر ہمیشہ غیر مکمل

...باتوں میں انسانی ترقی کے لیے نہایت ضرر رساں ہوتا ہے اپنے خیالات کا اظہار ... لیکن بحیثیت صدر انجمن بھی میں اپنے تئیں کسی صورت سے اس بات کا مستحق ... دے سکتا کہ آپ کے بے بہا وقت اور آپ کی بزرگانہ توجہ کا بہت سا حصہ ... صرف میں لاؤں -

مجھے جو کم و بیش حق اس وقت آپ کی عنایت سے حاصل ہے اس کو میں نے ...ازت سے بڑھ کر استعمال کیا ہے اور دل ہی دل میں نہایت شرمندہ ہوں کہ ایسی ...اور بے سود تقریر سے کس بے جا درجہ تک میں آپ کی سمع خراشی کا باعث ...ہوں - میں نے اپنے غیر موزوں الفاظ اور نا تراشیدہ جملوں میں جو کچھ کہا ہے ...ل سے نہیں کہا کہ مجھے اپنی طرف سے کچھ کہنا تھا بلکہ صرف اس وجہ سے ...ہے کہ کسی طرز میں برے یا بھلے چند لفظ بولنا صحیح ہوں یا غلط میرا فرض ...قرار دیا گیا ہے اور ستم یہ کہ رسم دیرینہ کے موافق اس فرض منصبی کے ادا ...ہے جب تک اس خوفناک کرسی کے نزدیک ہوں مجھے کوئی چارہ نہیں - میں جس ...آپ صاحبان کے روبرو پہلے کھڑا ہوا تھا تو یقین جانیے کہ صدر انجمن ہونے کے ...میں نہیں بلکہ اس جوش عقیدت سے کھڑا ہوا تھا کہ جیسے مرید اپنے مرشد کے ...رو میں ، غلام اپنے مہربان آقا کی خدمت میں اور ایک طفل مکتب اپنے آستاد کامل ...سے سبق سیکھنے کو کھڑا ہوتا ہے - آپ کی شفقت بزرگانہ اور تلقین کامل سے ...امید واثق ہے کہ جو سبق ان دنوں میں آپ سے لوں گا وہ میرے لیے تا دم مرگ ...مفید ہوگا -

اور اس سبق آموزی کے دوران میں اگر یہ نادان کسی نہج سے سوء ادب کا ...ہو تو بلحاظ اس حسن عقیدت کے جو مجھے آپ سے آستادان قوم کی نسبت ہے ...امید ہے کہ اس قصور سے در گزر فرماویں گے -

خدا کا شکر ہے کہ اس وقت اس خوش نما قومی ہال میں ایک معقول تعداد ...نام روشن کرنے والے روشن ضمیر بزرگوں کی موجود ہے جن کی بدولت آج ...علی گڑھ کے علمی شالا مار باغ میں گویا چراغوں کا میلا تماشا کر رہے ہیں -

مبارک ہے یہ ساعت جب کہ ایسے قومی میلے کے انعقاد سے قومی محبت ، قومی ...اور قومی اتحاد کی گرم بازاری ہے اور جب کہ آپ میں سے ہر ایک قوم پر ...کرنے والا قومی لباس میں خود دل فروش ہے اور خود تماشائی - اور جب کہ ...سے یہ دل خوش کن آواز آ رہی ہے -

آج رونق پہ ہے اسلام کا مینا بازار
نقد دل دے کے کوئی قوم کا سودا لے لے

اے صاحبان ! میں حسب معمول اعلان کرتا ہوں کہ کانفرنس کا نواں اجلاس کھولا گیا اور جناب سکرٹری صاحب سے التماس کرتا ہوں کہ وہ پچھلے اجلاس کی سالانہ رپورٹ پیش فرماویں -

---

خطبۂ صدارت (لاہور ۱۸۹۸ء)

ب حاجی فتح علی خاں قزلباش ، سی آئی ، ای ، رئیس اعظم لاہور)

احبان! اس معزز و مقتدر جلسے کی صدارت کے لیے آپ نے جو مجھے انتخاب کیا
دل سے مشکور ہوں - میں اپنے گرد و پیش اس قدر کثیر التعداد احباب کو
کم مسرور نہیں ہوا - اگرچہ ہم سب یہاں اپنا قومی فرض ادا کرنے کے
تاہم آپ صاحبان کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کرتا ہوں بدقسمتی سے چند
وستان کے بعض مقامات میں طاعون پھیلا ہوا ہے جو اب بعض صوبجات میں
کر گیا ہے - اہل ہند کو طاعون کے حملوں سے بچانے ، اس کی مزید ترقی کو
لظر حفظ ماتقدم مناسب مقامات کے ریلوے اسٹیشنوں پر مسافروں کا
ہے جس کی وجہ سے ممکن ہے کہ بعض نازک مزاج مسلمانوں نے اس جلسے
ت تکلیف خیال کی ہو - اس سے قطع نظر سال حال میں اجلاس میرٹھ کی طرح
ہر کر کانفرنس کے اغراض و مقاصد کی قوم میں منادی ہی نہیں کی گئی -
بھی بعض معزز مسلمانوں نے اس جلسے کی شمولیت میں جو قابل تعریف
ظاہر کی ہے وہ بہت کچھ ڈھارس بندھانے والی ہے -

احبان! سب سے پہلے میں اس امر پر اپنا دلی افسوس ظاہر کرنے سے باز نہیں
یقیناً اس رنج و اندوہ میں آپ بھی مجھ سے متفق ہوں گے کہ سنہ رواں کے
بانی مدرسۃ العلوم علی گڑھ و محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے انتقال سے قوم کو
ت صدمہ اٹھانا پڑا ہے - ان کے بعد اگر بعض ہمدردان و بہی خواہان قوم
سعی نہ کرتے تو قومی امیدوں پر پانی پھر جاتا - فقدان تعلیم کی وجہ سے
کبت و ادبار کسی تشریح و توضیح کا محتاج نہیں ، سرسید* مرحوم جو ہر وقت
جسم میں مغربی سائنس اور علوم کی روح پھونکنے کے تفکرات میں رہتے
میں انھوں نے یہ کانفرنس قائم کی جس کے شمال مغرب اودھ اور پنجاب میں
اجلاس ہو چکے ہیں - گزشتہ سال میں بوجہ طاعون اس کے عدم انعقاد کا
رہا - پس یہ پہلا اجلاس ہے جو بانی کانفرنس کے انتقال کے بعد منعقد

ہؤا ہے - ۱۸۸۸ع میں اس کا تیسرا جلسہ انجمن اسلامیہ پنجاب لاہور کے مدعو کرنے پر
لاہور میں ہوا تھا اب پھر اسی بزرگ قوم یعنی میرے معظم و مکرم دوست خان بہادر
محمد برکت علی خاں صاحب سکرٹری انجمن موصوف کی عین دلی خواہش ، نہ تھکنے والی
اور جوش قومی کا یہ نتیجہ ہے کہ آج ہم اس کا بارہواں اجلاس مکرر لاہور میں
ہیں - بعض اشخاص کانفرنس پر عملی کارروائی نہ کرنے کا اعتراض کرتے ہیں لیکن کانفرنس
افراد قوم کا مجموعہ ہے جو مسلمانوں کو ترقی کا راستہ بتاتی ہے - اگر قوم اس کے
ہوئے رستوں پر نہ چلے تو اس میں اس کا کیا قصور ہے - بالفاظ دیگر کانفرنس ایک طبیب
ہے اور قوم مریض اگر مریض اپنے ہمدرد طبیب کے نسخہ کا استعمال نہ کرے
الزام نہیں آ سکتا - اور اس کو مورد طعن بنانا انصاف اور دانش مندی سے بعید ہے -

کانفرنس مختلف صوبوں کے مسلمانوں کو اخوت کے مضبوط رشتے میں منسلک
ہے - دور دراز ممالک کے مسلمان یکجا جمع ہو کر قوم کی تعلیمی پست حالت پر غور
ہیں - تبادلۂ خیالات سے فائدہ اٹھاتے ہیں - اس کے جلسوں سے باہم میل جول اور
و اتحاد کو ترقی ہوتی ہے - مختلف اقطاع ہند کے مسلمانوں میں مغائرت کا غار روز
ہموار ہوتا جاتا ہے گویا کانفرنس ''الاسلام ملۃ واحدۃ'' کی زندہ مثال ہے -
گورنمنٹ کی نسبت مسلمانوں کے اُن خیالات وفا داری کو مزید استحکام و تقویت
جو پہلے سے اُن کے دلوں میں جاگزیں ہیں - اگر مسلمانوں کے کوئی لٹریچر کی طرف
جائے تو اسے بھی کانفرنس کے لکچروں ، مضامین ، رپورٹوں وغیرہ سے گراں قدر
ترقی نصیب ہوئی ہے اس کے جلسوں ، رپورٹوں اور لکچروں کی اشاعت نے مسلمانوں
خواب غفلت سے بیدار کر دیا ہے - جن ممبروں کو ان لکچروں اور اسپیچوں کے
موقع ملتا ہے ان میں قومیت کا ولولہ تازہ ہو جاتا ہے یہی جوش و فیلینگ ہے کہ
قومی مدارس اور تعلیمی انجمنوں کے قائم ہونے کی خبریں گوش زد ہوتی رہتی ہیں -
مسلمان ضروریات زمانہ سے آگاہ ہوتے جاتے ہیں -

سب سے بڑھ کر کانفرنس کا یہ فائدہ ہے کہ یہ مسلمانوں کو ''سلف ہلپ''
آپ اپنی مدد کرنے کا طریقہ بتاتی ہے - انگریزی میں ایک مثل ہے کہ ''خدا ان کی
کرتا ہے جو آپ اپنی مدد کرتے ہیں'' - گورنمنٹ کی اعانت پر ہاتھ پاؤں توڑ بیٹھنا
گویا خود اپنے ہاتھوں تباہی کا سامان فراہم کرنا ہے - حق تعالیٰ قرآن شریف میں
ہے - ''ان اللہ لا یغیر مابقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسھم'' خدا تعالیٰ کسی قوم کی حالت
نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنی حالت کو نہ بدلے - مجھے اس بات کا افسوس ہے

کانفرنس کے گزشتہ جلسوں کے مفید اور قیمتی رزولیوشنوں کی تعمیل کی طرف نہیں کی ۔ اگر اُن پر عمل کیا جاتا تو قوم کی حالت آج سے بالکل مختلف رزولیوشنوں میں سے صرف دو کی نسبت میں کچھ کہنا چاہتا ہوں ۔ ایک تو پرنسپل علی گڑھ کالج کا وہ رزولیوشن ہے جو اجلاس ہفتم میں تعلیمی مردم شماری پاس ہوا تھا کہ یہ معلوم ہو جائے کے ہر ایک ضلع میں کس قدر قابل تعلیم مدارس میں نہیں پڑھتے اور اس بے توجہی کی وجہ اُن کا مذہبی تعصب ہے تاکہ اُن موانعات کے دور کرنے کے وسائل بہم پہنچائے جائیں اگر اس کے مفہوم کے مطابق صحیح اور مفصل فہرستیں مرتب ہو جائیں اور عدم باعث رفع کرنے کی کوشش کی جائے تو مسلمانوں کی کایا پلٹ جانے میں کچھ ۔

صاحبان ! غفلت کے سوا مسلمانوں کی تعلیمی پستی کی ایک بڑی وجہ ان کا ہے ۔ سال گزشتہ کی رپورٹ سرشتہ تعلیم پنجاب سے اس صوبے کے مسلمانوں کا ناک اور غیر متوقع تعلیمی تنزل ظاہر ہوتا ہے جس کے سننے سے ممکن نہیں مسلمان کو بشرطیکہ اس کے دل سے قومی ہمدردی کا مادہ بالکل مفقود نہ سخت صدمہ نہ پہنچے ۔ اس رپورٹ پر ہز آنر لفٹنٹ گورنر پنجاب کا ریویو گزٹ پنجاب مطبوعہ یکم دسمبر ١٩٩٨ع میں شایع ہوا ہے ۔ میں اس کا دوسرا اقتباس کرتا ہوں ۔

"سال ٩٨ ، ١٨٩٧ع پر بلحاظ مذہب طلباء کے اعداد و شمار پر نظر ڈالنے سے ہے کہ ہندوؤں کی تعداد میں ٢٦٢٧ دیگر اقوام ١٦٥ اور یورپین طلباء کی ٣ کی بیشی ہوئی لیکن مسلمان طلباء کی تعداد میں ٦١١٨ اور دیسی عیسائیوں میں ٨٨ کا تنزل ہؤا ۔ اہل ہنود کی نمایاں ترقی کے مقابلے میں اہل اسلام کا تنزل غور ہے ۔ یہ کمی زیادہ تر پرائیویٹ مدارس و مکاتب میں واقع ہوئی ہے یہ چنداں وقیع نہ ہو لیکن سرکاری اسکولوں میں ١٥٦٣ مسلمان طلباء کا گھٹ قائم مقام ڈائریکٹر سرشتہ تعلیم پنجاب ریمارک کرتے ہیں ایک نہایت اہم معاملہ حال اس امر میں بہت کم شبہ کی گنجایش ہے کہ گزشتہ دو سالوں کے غیر حالات کا اثر کمیونٹی کے دیگر بڑے حصے کی نسبت غریب تر مسلمانوں پر نہایت موجودہ اعداد و شمار کی رو سے پبلک اور پرائیویٹ مدارس میں اسکول جانے کی میں سے مسلمانوں میں ١٢٠.٥ اور ہندوؤں میں ١٦٤١ اور سکھوں میں

۱۸٫۴ لڑکے تعلیم پاتے ہیں۔ لڑکیوں کے لحاظ سے اس کی فی صدی شرح علی الترتیب
۱۰۲۶-۱۰٫۴ اور ۲۰۳۹ - سرکاری مدارس میں طلباء کی حاضری کو قابل معیار
ترقی تصور کرنے سے' یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مسلمانوں کے ۱۴ لڑکوں میں سے ایک
۱۹۷ لڑکیوں میں ایک لڑکی - ہندوؤں کے ۷ لڑکوں میں ایک لڑکا اور ۸۷ لڑکیوں
ایک لڑکی مدرسے میں پڑھتی ہیں - سکھ لڑکوں کی تعداد ہندوؤں سے بھی زیادہ ہے
کی ۵۲ لڑکیوں میں سے ایک لڑکی مدرسہ جاتی ہے - سیکنڈری اسکولوں اور
مسلمان کامیاب طلباء میں کچھ اضافہ نظر آتا ہے - لیکن دیگر تمام صورتوں میں
قوم نے ترقی معکوس کی ہے جس نے اس تنزل کی تعداد بڑھا دی ہے اور جس
کیا جانا لازمی ہے -

پس یہ کس قدر چونکا دینے والا امر ہے کہ اور قومیں تو ہزاروں کی تعداد
ترقی کر رہی ہیں مگر مسلمان جن کی آبادی بلحاظ مردم شماری پنجاب میں دیگر
زیادہ ہے بجائے ترقی کے ایسا ہولناک تنزل حاصل کر رہے ہیں - ہم کو ہندو
کی ترقی کا حسد نہیں مگر اپنی قوم کی بے علمی اور مفلسی پر افسوس ظاہر کرنے
نہیں رہا جا سکتا -

ہز آنر لفٹنٹ گورنر پنجاب اس کمی کو نہایت اہم تصور فرماتے ہیں
سرشتہ تعلیم سے متفق ہیں اور آن کی رائے میں گزشتہ دو سال کے قحط کا
مسلمانوں کی تعلیم پر نہایت مضر ثابت ہؤا حالانکہ پنجاب میں خدا کے فضل سے
اثر اس سختی سے محسوس نہیں ہوا جس قدر کہ دوسرے صوبجات میں۔
مسلمانوں کا افلاس مغربی تعلیم کے حاصل کرنے میں کس قدر مشکلات اور
کر رہا ہے -

اس کا علاج صرف یہی ہے جو نواب محسن الملک بہادر نے تجویز کیا
غریب مسلمان طلباء کالج کے لیے کثرت سے وظائف قائم کیے جائیں اور ہر ضلع میں
کے قابل امداد طلباء کی اسکالرشپ سے اعانت کی جائے غرض کہ نواب صاحب کا
اس قدر ضروری ، وقیع اور بدیہی ہے کہ مجھے اس پر کچھ زیادہ کہنے کی حاجت
صاحبان ! جو قوم زمانے کی ضرورتوں سے بے پروا رہ کر تہذیب و
تعلیم میں اپنے آپ کو دیگر ہمعصر اقوام کے ہم پلہ بنانے کی کوشش نہیں کرتی
ایک ایسے قانون قدرت کے توڑنے کا ارتکاب کرتی ہے جس کا نتیجہ خود اس
میں سم قاتل ثابت ہوتا ہے ۔ ایسی قوموں کو زمانہ ایک فضول چیز کی طرح

اور آن کا نام و نشان صفحۂ روزگار سے مٹ جاتا ہے۔ ہندوستان کی قدیم جاہل بھیل اور گونڈ کے تنزل اور گمنامی کو ہمیں سرمایۂ عبرت بنانا چاہیے۔ امریکہ نڈیا کے اصلی وحشی باشندے بھی تقریباً ناپید ہو چکے ہیں۔

یہ درست ہے کہ مسلمانوں کی قوم اپنی غفلت اور سہل انگاری کے باعث ت میں گری ہوئی ہے اور اس نے بیش بہا مواقع ترقی سے فائدہ نہیں اٹھایا جو گورنمنٹ جیسی انصاف پسند آزاد اور روشن خیال حکومت نے اسے دیے تھے۔ کو ہدف مصائب دیکھ کر ذرا نہ پسیچنا اور آسے قسمت کے حوالے کر دینا اعلیٰ ی بیدردی ہے۔ گویا ہم قوم کی تکالیف اور رنج کا احساس نہیں کرتے۔

گرد سر تو گشتن و مردن گناہ من
دیدن ہلاک و رحم نہ کردن گناہ کیست

بعض انجمنوں نے ہدایات کانفرنس پر بہت کچھ عمل درآمد کیا ہے منجملہ آن یک انجمن حمایت اسلام ہے جس میں ١٨٢ طلبا تعلیم پاتے ہیں۔ ان میں سے ١١١ کی فیس بالکل معاف ہے اور ٦٢ ایسے ہیں جن کی نصف فیس معاف ہے اور ١٠٥ کو سامان تعلیم انجمن سے دیا جاتا ہے۔ غالباً اس انجمن کا اجلاس اخیر ہفتہ فروری ع کو بمقام لاہور منعقد ہوگا۔ امید کی جاتی ہے کہ کل ہی خواہان و ہمدردان مولیت جلسہ سے دریغ نہ فرمائیں گے تاکہ کانفرنس کی ہدایات کی زیادہ عمدگی سے ل ہوسکے۔

ممڈن ایجوکیشنل کانفرنس اسی غرض سے قایم ہوئی ہے کہ مسلمانوں میں مغربی رو علوم پھیلائے تاکہ مسلمان بھی ان قوموں کے دوش بدوش دیکھے جائیں جو ترقی میں آن سے آگے نکل گئی ہیں۔ کانفرنس ایسی تدبیر و وسائل پر غور کرتی و قوم کی کشت امید کو سر سبز و شاداب کرنے میں ابر رحمت ثابت ہوں۔ کانفرنس ملک کے کسی خاص طبقے و فرقے کی آرگن نہیں۔ بلکہ ہر ایک مسلمان خواہ وہ کسی و مذہب کا پابند ہو، اس میں شامل ہو سکتا ہے۔ اس کی تمام کارروائیوں پر ے بحث ہوتی ہے۔

اس مجھے امید ہے کہ جو رزولیوشن آپ کے سامنے پیش ہو کر آپ کے اتفاق یا رائے سے پاس ہوں گے آن کو ڈیڈلٹر کی طرح کانفرنس کی رپورٹ ہی میں لکھا نہ جائے گا بلکہ آن پر اسی سرگرمی سے عمل بھی کریں گے جس گرم جوشی سے

آپ آن کے مباحثے میں حصہ لیں گے - کانفرنس اس وقت تک پوری کامیابی حاصل نہیں کر سکتی جب تک کہ قوم اس کے رزولیوشنوں کی تعمیل میں دل و جان سے سعی کرے - اگر مسلمانوں نے برٹش گورنمنٹ کے پر امن اور مبارک دور حکومت میں ترقی کی تو معلوم نہیں پھر کب کریں گے -

اس قدر سمع خراشی کی معافی مانگ کر میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس دواز دہم کے افتتاح کا اعلان کرتا ہوں - فقط -

---

خطبۂ صدارت (کلکتہ ۱۸۹۹)

(از رائٹ آنریبل سید امیر علی ایم - اے -، سی - آئی ، ای)

میں اس امر کو اپنے لیے باعث عزت خیال کرتا ہوں کہ مجھے محمڈن ایجوکیشنل
کا صدر انجمن بننے کے لیے مدعو کیا گیا ہے - میں امید کرتا ہوں کہ پریسیڈنٹ
کی حیثیت سے میری کم لیاقتی کو اغماض کی نظر سے دیکھا جائے گا اور میرے
نفسی کا گزشتہ اجلاسوں کے معیار سے اندازہ نہ کیا جائے گا - کانفرنس کے اجلاس
مقامات پر ہوتے ہیں اور تمام بزرگان قوم جو مسلمانوں کی تعلیمی ترقی سے دل چسپی
ہیں ، اُس کے مقاصد سے بخوبی آگاہ ہیں - میں تمام مسلمانوں کو عموماً اور اسٹینڈنگ
کانفرنس کو خصوصاً مبارکباد دیتا ہوں کہ اُنھوں نے امسال کانفرنس کے اجلاس
شہر کلکتہ منتخب کیا ہے - کیونکہ میرے خیال میں یہی خاص وجوہات ہیں
وہ عالی حوصلہ بزرگ جو مسلمانوں کے تعلیمی معاملات میں ساعی ہیں اپنی
کو کسی خاص صوبے میں محدود نہیں رکھتے اور بنگال جس میں بہار اور اُڑیسہ
کرتا ہوں جو اس وقت خاص توجہ کا محتاج ہے - اُس مشہور اور نامور شخص کی
کوششوں نے جو آج ہم میں موجود نہیں ہے ممالک مغربی و شمالی میں ایک ایسا
کاہ بنا دیا ہے جو میرے نزدیک اس بات کا مستحق ہے کہ تمام ہندوستان کو
تقلید کرنا لازم ہے - کرانچی میں بھی ایک کالج ہے جو اُنھیں اُصولوں پر قایم ہے -
کہہ سکتا کہ یہ کالج اب بھی اپنے مقاصد کو پہلے کی سی عمدگی سے انجام دیتا ہے
حال میں مسلمانوں نے لاہور میں ایک کالج قایم کیا ہے لیکن مسلمانان بنگال ایسے
نہیں ہیں کہ اُن کا کوئی کالج ہو جو ہمدردی کہ ہندوستان کے اول گورنر
مسلمانوں کی ترقیٔ تعلیم سے تھی اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کلکتہ مدرسہ قایم کیا گیا
کہ اُس مدرسہ میں نہ صرف بنگالہ کے مسلمانوں کو بلکہ میں کہہ سکتا ہوں
ہندوستان کے مسلمانوں کو فائدے پہنچانے کے موجود ہیں - اُن کا ٹھیک اندازہ اُس
ہو سکتا ہے اگر ہم اُن مقاصد پر نظر ڈالیں جو کہ وارن ہیسٹنگز کو اس کالج
کے وقت مد نظر تھے - لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اس کا دستور العمل وہ نہیں
اُس کے بانی کا مقصد خاطر خواہ حاصل ہوتا - میں یقین کرتا ہوں کہ اس

بات کے ظاہر کرنے میں میں عہد شکنی اور راز افشانی کا مرتکب نہ ہوں گا کہ چند سال
کا عرصہ ہوا کہ مجھ سے خاص طور پر دریافت کیا گیا کہ اس مدرسہ کی عنان
سر بر آوردہ مسلمانوں کی ایک کمیٹی کے ہاتھ میں دے دی جائے تو اس کی اصلاح ممکن
ہے یا نہیں - چونکہ اس وقت کلکتہ کے مسلمانوں میں نفاق کی آگ شعلہ زن تھی میں نے
اپنا فرض سمجھا کہ اس سوال کا جواب نہایت شد و مد کے ساتھ نفی میں دوں - میں
اپنے اثناء اڈریس میں پھر اس مضمون کی طرف رجوع کروں گا اس وقت میں نے اس لیے
اس کا اشارہ کیا ہے کہ بزرگان قوم کی توجہ اس امر کی طرف خاص طور پر مبذول کروں
کہ مسلمانان بنگال و بہار کی تعلیمی ضروریات بھی آن کی توجہ کی محتاج ہیں - بارہا ظاہر
کیا گیا ہے کہ مروجہ انتظام تعلیم ملکہ معظمہ قیصر ہند کی رعایا کے اس حصے کی
ضرورتوں کو پورا کرنے میں قاصر ہے جو دین اسلام کے معتقد ہیں - اس بات کا تصفیہ
کرنا میرا کام نہیں ہے کہ موجودہ طریقہ تعلیم دیگر اقوام کی ضرورتوں کو کہاں تک
پورا کرتا ہے - میرے نزدیک کوئی تعلیم مکمل یا جامع نہیں کہلائی جا سکتی جس کا
مقصد کیریکٹر کی اصلاح و درستی نہ ہو - لیکن کوئی شخص اس بات کا دعویٰ نہیں
کر سکتا کہ اس سلسلہ تعلیم میں جو اس ملک میں مروج ہے کیریکٹر کی اصلاح اور
اخلاق قویٰ کی تربیت اور نفس کی تہذیب رکھی جاتی ہے ، ماسوا چند ایسی درس گاہوں
کے جو کسی خاص قوم نے اپنی ضرورتوں کو مد نظر رکھ کر قائم کیے ہوں اور اس وجہ
سے میری ہمیشہ سے یہ رائے ہے کہ تعلیم کو خصوصاً ابتدائی مدارج میں ہر قوم کی خاص مذہبی
ضرورتوں اور اخلاقی حاجتوں کے موافق کرنا چاہیے - ہندوستان کے مسلمان مختلف نسلوں کی
اولاد ہیں جو مختلف ممالک سے ہندوستان میں آ کر بسے ہیں - اکثر حالتوں میں آن کی زبانوں
میں ایسا ہی فرق ہے جیسا کہ آن کی وضع اور ظاہری خال و خط میں - مگر وہ بھی
مذہب کے تعلق کی وجہ سے ایک ہی قوم کے رکن ہیں - قدرتی طور پر عام مسلمان مذہبی
تعلیم پر زور دیتے ہیں اور اگرچہ میرے خیال میں اس جوش کی بے اعتدالی بعض حالتوں میں
قومی مضرت کا باعث ہوتی ہے - لیکن میری ذاتی رائے یہ ہے کہ اگر آپ اپنے نوجوانوں
کو مفید ، لائق اور کارکن بنانا چاہتے ہیں تو سب سے زیادہ آن کی اخلاقی تعلیم پر زور
دینا چاہیے - آپ کسی بچے سے ہرگز توقع نہیں کر سکتے کہ وہ نیک اور جاں نثار رعایا اور
سوسائٹی کا مفید اور کارکن ممبر بنے گا جب تک کہ آس کو راست خیالی کے فرض کو نہ
سکھاؤ جو عمدہ اور نیک زندگی کی شرط ماتقدم ہے - اگر میرا یہ خیال صحیح ہے تو اس
میں کوئی کلام نہیں کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو حتی الامکان کوشش کرنی چاہیے
اپنے نوجوانوں کے لیے اپنی درس گاہوں کی بنیاد ڈالیں جہاں آن کے لڑکے مغربی

ور تہذیب و سیاست سے مستفید ہو سکیں اور ساتھ ہی اُس کے اخلاق تربیت کو
کریں جس کا ہونا میرے نزدیک ہر فرد و بشر کے کیریکٹر کی اصلاح کے واسطے
ہے۔ کئی صدیاں گذر چکیں کہ تربیت اور سیاست کی برکتوں اور تہذیب کے فضائل
یاب ہونے کی غرض سے اہل مغرب عرب کے قدموں پر گر رہے تھے مگر آج وہی
شرق دنیا کو مغرب سے سیکھنے پڑے۔ دس صدیاں گذر گئیں کہ اسپین کے شایستہ
سانی تہذیب کی روشنیوں پر مفتوں ہو کر اپنی فاتح قوم کی زبان لکھتے اور
تھے اور اُن کے عادات اور خصائل کو اختیار کر لیا تھا۔ آج وہی اثر ہمارے
لب لوگوں کو یورپین تعلیم و تربیت کی طرف کھینچ رہا ہے اور اُن کو اپنا شیدا
رہا ہے۔ اس بات پر ناراض یا رنجیدہ ہونے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اور نہ یہ کہنے
جو حاصل ہے کہ مغربی خیالات کے بیش بہا خزانوں کا حاصل کرنا ذلت کی دلیل
ور قوم کو کسر شان اور بے وقری کی طرف مائل کرتا ہے۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے
کی اور سرگرم اور لکیر کے فقیر اور روز افزوں ترقی کرنے والے قوم کے باہمی
میل کا نا گزیر نتیجہ یہی ہے۔ پس اس حالت میں جو قوم زندہ اور ترقی پذیر قوم
بہ قدم چلنا چاہے اُس کا پہلا فرض یہ ہے کہ پرانے رواج کے بوسیدہ نقاب کو
رکھے اور مغربی تعلیم اور تہذیب کو اپنی ضروریات کے مطابق اور منطبق کرے
ثابت ہو جائے کہ وہ زمانے کی ضروریات کو بخوبی سمجھتی ہے۔ جس زمانے میں
کہ عربوں نے یورپ والوں کو تعلیم دی تھی اُس وقت سے اب تک بے شمار انقلاب
ہو آئے ہیں۔ علم قوت ہے، اس لیے علم کے ساتھ قوت بھی مشرق سے مغرب کو
۔ علم ایک دولت ہے، اس لیے علم کے ساتھ دولت و ثروت بھی اُسی سمت کو
گئی۔ جو قوم اپنا اقبال کھو بیٹھتی ہے علم حاصل کرنے سے ایک حد تک
تلافی کر سکتی ہے۔ آج ہم ایک نئی صدی کے آستانے پر کھڑے ہیں اور آیندہ
کے عرصے میں جو ترقی کی اُمیدیں ہو سکتی ہیں اُن کو سوچ کر خوش ہوتے ہیں۔
ہم میں سے جو لوگ نوجوان ہیں اُن کو اُمید رکھنی چاہیے کہ جس صدی کے آغاز
کوشش کر رہے ہیں وہ اُن کی قوم کی علمی ترقی اور بہبودی کا ایک دور ہوگا
بھروسا رکھنا چاہیے کہ ہر فرد بشر کی مساعی پر اُس کی قوم کی ترقی
ہے۔

لوگوں کی قسمت ایک عظیم الشان اور مہذب گورنمنٹ کے دست قدرت میں
میری بات کو باور کیجیے کہ دوسری گورنمنٹ ایسی نہیں ہے جو اپنی رعایا

کی بہبودی اور فلاح کو اس دل سوزی سے مد نظر رکھتی ہو اور جو قومیں اس کے
زیر حمایت ہوں اُن کو ترقی کی نشو و نما کے لیے ایسے موقعے حاصل ہوں جیسے کہ
سلطنت برطانیہ کے زیر سایہ حاصل ہیں ۔ غلطی کا واقع ہونا ہر حالت میں ممکن ہے اور
خطا سے معرا اور کامل صرف سلطنت ایزدی ہی ہو سکتی ہے ۔ لیکن دنیا میں کوئی
گورنمنٹ ایسی نہیں ہے جس کو بلا لحاظ قومی و مذہبی اختلافات کے اپنی رعایا کے ہر
گروہ کی ترقی کا یکساں خیال ہو جس قدر ہماری گورنمنٹ کو ہے جس کے زیر سایہ ہم
زندگی بسر کرتے ہیں ۔ جو افسر اعلیٰ اور ادنیٰ تک اس ملک میں آتے ہیں اُن سب کی
تمنا صرف یہ ہوتی ہے کہ حتی الامکان اپنی لیاقت اور اپنے اختیارات کے ذریعے ہندوستان
کی رعایا کو فائدہ پہنچائیں ۔ میں اپنی یہ رائے ظاہر کرنے کے لیے اس واسطے مجبور ہوا
کہ جو کچھ آیندہ بیان کروں اُس کے واسطے راستہ صاف ہو جائے ۔ آپ لوگ بخوبی واقف
ہیں کہ سر زمین ہندوستان میں مختلف اقوام اور مختلف مذاہب کے لوگ آباد ہیں ۔ ان میں
یک جہتی اور قومیت نام کو نہیں ہر قوم کے جدا جدا فریق ہیں ۔ ہر فریق کا مشرب
مختلف اور طبیعتوں کا رجحان جدا گانہ ہے ۔ ان وجوہات سے اس ملک پر حکمرانی کرنے
میں خاص مشکلات اور گورنمنٹ کے ہر ایک انتظام میں لاینحل دقتیں پیش آتی ہیں ۔ اس کا
فرض ہے کہ ہر فرقے اور ہر قوم کی ضروریات کا لحاظ رکھے اور کسی ایک کی طرف داری
یا اس کے ساتھ متعصبانہ برتاؤ نہ ہونے پائے ۔ ہماری گورنمنٹ کی یہی عام پالیسی ہے اور
کوئی منصف آدمی اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ یہ پالیسی دانش مندی ، آزادی اور
نیک نیتی پر مبنی ہے ۔ اور اگرچہ گورنمنٹ ایک خاص قوم کی ترقی کو توجہ اور ہمدردی
کی نظر سے دیکھے مگر یہ ہرگز امید نہیں کی جا سکتی کہ دیدہ و دانستہ ایک قوم
کو حرج اور مضرت کو گوارا کرکے دوسری قوم کو فائدہ پہنچائے ۔ میں نے
''دیدہ و دانستہ'' اس واسطے کہا کہ اکثر اوقات کوئی فعل نہایت نیک ارادے سے کیا
جاتا ہے اور اُس کا اثر ایک نہ ایک فریق کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے ۔ مگر جہاں
کوئی انتظام کسی خاص گروہ کے لیے حق تلفی اور نا انصافی کا باعث نہ ہو ہماری گورنمنٹ
دل و جان سے ہر فرقے اور ہر جماعت کی غائت درجے مدد کرنے کو مستعد ہے ۔ پس
صورت میں موجودہ انتظام تعلیم ہماری ضرورتوں کے لیے کیسا ہی نا کافی کیوں نہ ہو
ہرگز توقع نہیں کرنی چاہیے کہ گورنمنٹ ہمارے ذاتی فائدے کے لیے خاص طور پر
کرے گی ۔ میں ابھی بیان کر چکا ہوں کہ یہ ثابت کرنا کہ موجودہ طریقہ تعلیم
اقوام کے لیے کہاں تک موزوں حال ہے میرا کام نہیں ہے ۔ یہ طریقہ برسوں سے رائج
لہٰذا اگر اس کو منسوخ کرنا اور پلٹنا بھی ہو تو سخت مشکل ہے لیکن چونکہ

ے اور اس سے کوئی شخص انکار نہیں کرتا کہ یہ طریق ہندوستان کے مسلمانوں کی
روریات کو پورا نہیں کرتا اور کیا یہ غیر ممکن ہے کہ گورنمنٹ اسکولوں اور
ی درس گاہوں میں ایسی تبدیلیاں پیش کی جائیں جن سے ہماری ضروریات پوری
یں، میرے خیال میں یہ امر ناممکن نہیں ہے - جو امور جزوی اور متعلق بہ تفصیل
ں ہر ہر گروہ اپنی ضرورتوں کے لحاظ سے غور کرتا ہے - میں امید کرتا ہوں کہ
ں ادنیٰ تعلیم کا مسئلہ بھی اس بحث سے خارج نہیں رہے گا اور آپ اس پر غور
گے کہ موجودہ طریقہ تعلیم کو تہہ و بالا کیے بغیر کیا کیا مفید تبدیلیاں ہوسکتی
ے گورنمنٹ کا مدعا بھی پورا ہو اور آپ کی کوششیں بھی باور آور ہوں
ن کمیشن کی رائے موجود ہے اور آپ کی تجاویز کے لیے ایک مفید بنیاد کا کام
کتی ہے لیکن ایک امر جس کو ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ آردو زبان
ور بمبئی کے اسکولوں میں بطور اختیاری زبان کے رہنی چاہیے مگر یہ معاملہ زیادہ تر
ں کے ہاتھ میں ہے -

مجھے یقین ہے کہ کوئی مسلمان جو ایسی زندگی بسر کرتا ہو جہاں تعلیم کی
ت ہو ایسا نہ ہوگا جو انگریزی تعلیم کی قدر نہ کرتا ہو - مجھے یقین ہے کہ یہاں
ے اصحاب ایسے موجود ہیں جو یہ خیال کرتے ہیں کہ تحصیل علم خواہ وہ کسی
کے ذریعہ سے ہو ہر فرد و بشر کی اخلاقی ترقی کا باعث ہوتی ہے - عام لوگ اس کو
کرنے لگے ہیں کہ جہل خرابیوں کی جڑ ہے - اس مسئلے کو ثابت کرنے اور قوم کو
غفلت سے بیدار کرنے میں کئی سال خرچ ہوئے - اسی عرصے میں ہمارے ہم وطنوں
ا بڑا گروہ ہم سے اور آگے نکل گیا - اے کاش کہ یہی زمانہ انگریزی تعلیم میں خرچ
تا تو کس قدر مفید ہوتا - میں اس موقع پر اُن خارجی اسباب پر بحث نہیں کروں گا
ی غفلت کا باعث ہوئے ہیں - موجودہ حالت میں میرا یقین ہے کہ مسلمانوں کی فلاح
ودی خود مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے -

آپ سب صاحبوں کو وہ الفاظ یاد ہوں گے جو تیرہ سو برس پہلے کہے گئے
"خدا بندوں کی حالت تبدیل نہیں کرتا جب تک وہ خود اپنی حالت کو تبدیل
ے" مدد اور ترقی خدا کی طرف سے آتی ہے مگر کوشش اور اس کا خیال ہمارے
ے آنا لازمی ہے - غالباً میری اس گفتگو کا یہ جواب دیا جاوے گا کہ "ہماری
کو ترقی کرنے کی ہے مگر ہم کو وہ وسائل بتائیے جن سے ہماری تمنا پوری ہو -"
میں نے اس اہم مسئلے کے دونوں پہلوؤں پر سالہا سال کے غور کے بعد قائم

کیٔ ہے وہ مختصراً عرض کرتا ہوں - فی زمانہ دو کالج جو آپ کے موجود ہیں ایک تو
بزرگ شخص کی کوشش کا نتیجہ ہے جس کی یاد آپ کے دلوں میں ابھی تازہ ہے - دو
اس شخص نے قائم کیا ہے جس کا نام شاید اس کے صوبے کے باہر یا تو معلوم نہیں
اور اگر معلوم ہے تو لوگ اسے بھول گئے ہیں - ان دونوں درس گاہوں میں سے ایک
حالت تو اچھی سننے میں آئی ہے دوسرے کی نسبت تھوڑے دنوں سے کوئی خبر
نہیں ہوئی لیکن میں یقین نہیں تو امید تو ضرور کرتا ہوں کہ وہ بھی اچھی حالت
چل رہا ہے - جو کام مسٹر حسن علی نے سندھ جیسے صوبے کے لیے دو یا تین سال
عرصے میں کر دکھایا ہے وہ ہم سب کی رہنمائی کے لیے ایک مثال ہونی چاہیے - میں
اہم کام کا ذکر نہیں کرنا چاہتا جو سر سید احمد مرحوم نے کیا ہے کیونکہ وہ
کامیابی ہے جو بہت کم کسی کو نصیب ہو سکتی ہے لیکن جو کام میرے دو
اخوند حسن علی نے مسلمانوں کی تعلیم کے لیے کیا ہے وہ بہت سے لوگوں کے حیطۂ
میں ہے - جب ۱۸۸۴ء میں کراچی گیا تو ایک دوست کی خواہش سے میں نے
مسلمانان ہند کی خراب حالت تعلیم پر ایک لکچر دیا تھا - اسی وقت فوراً ایک کم
قائم ہو گئی اور بہت کچھ روپیہ اس غرض سے جمع ہو گیا کہ ایک اسکول ا
ڈھنگ پر کھولا جائے جیسا کہ علی گڑھ کالج ہے - امیر خیر پور نے ایک رقم
دے کر اس فنڈ کی امداد کی - اور اس کمیٹی کے ممبر مالی اور اخلاقی مدد حاصل کر
کے لیے تمام ہندوستان میں پھرے اور عرصہ ایک سال یا اٹھارہ مہینے میں حسن
اور ان کے ہمراہی ایک کالج قائم کرنے میں کامیاب ہوئے جس کے نصاب تعلیم میں علا
معمولی تعلیمی کورس کے ایک صیغہ صنعت و دستکاری کے لیے مخصوص کیا گیا -
ہی تعلیم گاہ کے لیے میں آپ لوگوں کو ترغیب دیتا ہوں - جو لوگ میرے ہم
بھائیوں میں سے روشن ضمیر اور سر گروہ ہیں میں نہایت زور سے ان کی توجہ اس امر
طرف دلاؤں گا کہ جہاں کہیں کافی وسائل مہیا ہوں اور ضروری امداد پہنچ سکے
تو ضرور ایسے اسکول قائم کیے جاویں جن میں اسی ڈھنگ پر تعلیم دی جائے -
آپ کے پاس ایک بڑا اور میں یقین کرتا ہوں کہ ترقی پذیر کالج علی گڑھ میں ہے
اور کالج کراچی اور لاہور میں موجود ہیں - میں دیدہ و دانستہ اس وقت کلکتہ
مدرسہ کالج کا ذکر کرنا نہیں چاہتا - لیکن دو یا تین کالج سات کروڑ ہندوستانی
بڑی جماعت کی تعلیمی ضروریات کو مشکل سے پورا کرسکتے ہیں - بڑی
ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر ضلع یا چند اضلاع کے واسطے علی گڑھ کالج کے نمونہ
اینگلو اورنٹیل محمڈن اسکول کھولے جائیں جو ممالک مغربی و شمالی کے

معاون کا کام دیں (احاطۂ بمبئی کے لیے غالباً کراچی نزدیک ہو گا) جو کام میں
کرتا ہوں وہ دیکھنے میں برا معلوم ہو گا ۔ کیونکہ صرف یہی نہ ہوگا کہ سنٹرل کالج
درجہ کی حالت میں قائم رکھا جائے اور وقتاً فوقتاً اس کی کارروائیوں میں ترقی
ہوے بلکہ ہم کو ایک بڑی تعداد ویسی ہی تمہیدی اسکولوں کے قائم رکھنے کی
کرنی پڑے گی جو سنٹرل انسٹیٹیوشن کی شاخیں ہوں گی لیکن اگر آپ صدق دل
کے ساتھ اس گاڑی کے پہیے کو دھکیلنے میں زور کریں گے تو میرے خیال
کام ایسا مشکل اور دقت طلب نہ ہو گا جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے ۔ احاطۂ
میں اس وقت بہت سی تعلیم گاہیں موجود ہیں جو محض ابتدائی حالت میں ہیں اور
آسانی سے عمدہ تعلیم دینے کے لائق ہو سکتی ہیں اور سنٹرل کالج کے لیے
کام انجام دے سکتی ہیں ۔ میں ان تعلیم گاہوں سے وہ مدرسے مراد لیتا ہوں جو
سے چلائے جاتے ہیں ۔ میں خوف کرتا ہوں کہ فی الحال ان تعلیم گاہوں کی
جیسی چاہیے ویسی قابل اطمینان نہیں ۔ ان کی بابت میں کچھ اور زیادہ کہنا نہیں
لیکن ہاں اتنا ضرور کہوں گا کہ میں اُن قواعد و اصول کو جن پر وہ مدارس
پسند نہیں کرتا ۔ اگر گورنمنٹ کو یقین ہو جاوے کہ سر بر آوردہ مسلمان
اپنی اور سچے دل سے اپنی قوم کی تعلیمی اصلاح کے درپے ہیں تو کوئی وجہ
وہ ان مدرسوں کا اہتمام مسلمانوں ہی کے سپرد نہ کر دے ۔ میں ان مدرسوں کا
لیے کرتا ہوں کہ وہ آپ کی توجہ کے سخت محتاج ہیں اور ایسا نہ ہو کہ آپ
حالت پر غور نہ کریں اسی سلسلے میں میرے خیال میں آپ اپنی توجہ بنگال کے
میں مسلمانوں کی ابتدائی تعلیم کی طرف بھی کر سکتے ہیں ۔ اگر یہ مکتب وہ کام
سکتے جو مدرسوں سے نکلتا ہے اور نہ وہ عملی طور پر اس قدر کار آمد ہیں
رائے میں اُن کے موجودہ انتظام میں تھوڑے تغیر و تبدل کرنے سے وہ بہت
ہو سکتے ہیں ۔

سنٹرل کالج کی نسبت مجھے بڑی امید ہے کہ شہزادگان ہندوستان خصوصاً
نظام حیدر آباد کی دریا دلی اور فیاضی سے جنہوں نے آپؐ کے قیام میں اس قدر
ہے اُس کی ترقی اور اُس کے نفع رسانی کے دائرے کو زیادہ وسیع کرنے
اعانت فرمائیں گے ۔ یورپ کی سب سے بڑی یونیورسٹیوں کی یہ عظمت و شان کیا
گزشتہ سلاطین و والیان ملک اپنی دریا دلی اور خدا ترسی سے اُن کے قیام اور
کے بیش بہا وقف نہ چھوڑ جاتے ؟ عربوں کے زمانے میں ازہریہ ۔ مقتدریہ ۔

مستنصریہ ۔ ناصریہ اور نوریہ تمام مدارس کی بنیادیں خلفائے عظام اور سلاطین کی فیاضی اور علمی شوق سے پڑیں ۔ دارالعلوم نظامیہ جس کی شہرت کی یاد علما کے دلوں میں اب تک تازہ ہے خواجہ حسن نظام الملک بیدار مغز شہنشاہ کے روشن ضمیر وزیر کا قائم کیا ہوا تھا ۔ ہم کو امید ہے کہ کوئی دن ایسا آوے گا جب ہم اپنے سنٹرل کالج علی گڑھ کو ہندوستان کا نظامیہ کالج کہہ سکیں گے جو نظامیہ کالج کے بانی سے زیادہ جلیل القدر نظام الملک کی فیاضی اور اعانت کی متفرق امدادوں سے مستغنی اور مسلمانان ہند کا مرکزی دارالعلوم ہو جاوے گا ۔

چھوٹے چھوٹے مدارس کے قیام اور اخراجات کے لیے علاوہ اس امداد کے جس کا میں نے ابھی اشارہ کیا ہے ہم اپنی قوم کے ذی استطاعت اور متمول بزرگوں کی فیاضی پر اطمینان کے ساتھ بھروسا کر سکتے ہیں ۔ میں یہ خیال کرنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ اگر ہم اس کام کو بے غرضی سے رفاہ عامہ کی نیت سے شروع کریں گے تو دوسری اقوام کے دولت مند لوگ اس اہم کام میں ہماری امداد کرنے میں دریغ نہ کریں گے ۔ مگر امداد کی درخواست صرف امرا اور دولت مندوں ہی تک محدود رہنی چاہیے ۔ ہر متوسط درجے کے آسودہ حال مسلمان سے استدعا کی جائے کہ اپنا چندہ خواہ قلیل ہی کیوں نہ ہو ان اسکولوں کی امداد کے لیے دے ۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے ایک اسٹینڈنگ کمیٹی نہایت مفید ہوگی جو وقتاً فوقتاً مختلف ضلعوں اور شہروں میں سرمایہ جمع کرنے کے لیے جائے ۔ پرانی انجمنیں جو اب مردہ ہو گئی ہیں دوبارہ زندہ کی جائیں تاکہ وہ اپنے خاص مقامات میں مسلمانوں کی ترقیٔ تعلیم کی نگرانی کریں ۔ ان کو مسلمانوں کی تعلیمی تمدنی مقاصد پورا کرنے کے لیے ہمیشہ بیدار کرتے رہنا چاہیے ۔ بہت سے لوگوں کا خاصہ ہے کہ اگر ان کو متواتر جوش نہ دلاتے رہیں تو وہ خواب غفلت میں پڑ جاتے ہیں اور ایسے سست اور نکمے ہو جاتے ہیں کہ کوئی ہمدردی کا کام نہیں کرتے ۔ ایسے لوگوں کو ہمیشہ مستعد رکھنا چاہیے ۔ ان سے اوقات معینہ پر اپنے اپنے ضلعوں کے مسلمانوں کی تعلیمی ، اخلاقی و تمدنی حالات پر رپورٹ طلب کرنی چاہیے اور ان کو ذمہ دار بنانا چاہیے کہ اپنے اپنے شہروں میں ضلع اسکول کے اخراجات کے لیے سرمایہ جمع کرنے کا انتظام کریں ۔ ممکن ہے کہ ہم کو گورنمنٹ اور ڈسٹرکٹ بورڈوں سے مدد ملے مگر اس کام کے لیے کوشش کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھنا چاہیے ۔ پیشتر اس کے کہ میں ایک دوسرے تعلیمی مسئلہ کی نسبت کچھ کہوں جس پر کانفرنس کی خاص توجہ درکار ہے میں کلکتہ مدرسہ کی نسبت اپنے خیالات ظاہر کرتا ہوں جس کا میں نے آپ صاحبوں سے

تھا - جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں اس تعلیم گاہ سے آیندہ بہت سی آمیدیں
ہیں - لیکن میری رائے میں آس کے اصلی اغراض پورے نہیں ہو سکتے جب تک کہ
بنیاد نئے طریقے پر نہ ڈالی جائے اور آسے موجودہ زمانے کے اخلاق و دنیاوی
کے مطابق نہ کیا جائے - میری ذاتی رائے میں کوئی وجہ نہیں معلوم
کیوں آسے علی گڑھ کالج کی وضع پر نہ بدل دیا جائے اور کیوں وہاں ایسی
دی جائے جس پر ترقی پذیر سوسائٹی کے کارآمد اور معزز ممبر بنیں - میں آپ
کے دلوں پر جہاں تک مجھ سے ممکن ہے نقش کرنا چاہتا ہوں کہ اس زندگی کی
میں جس میں آپ مصروف ہیں اگر آپ جدید طرز تعلیم کو پرانی تعلیم کے ماتحت
گے تو گویا آپ اپنے پیروں پر کلھاڑی ماریں گے - غالباً کلکتہ مدرسہ کا اثر
بنگال پر بہت زیادہ ہو جائے گا - اگر ایک عالم جو عربی و فارسی میں ماہر ہو
ہر رہے - چونکہ میری غرض صرف یہ ہے کہ جن آمور پر کانفرنس میں بحث
ہوگا آن کا ایک عام خاکہ کھینچ دوں اس لیے میں تفصیلی آمور کا ذکر نہیں
لیکن کلکتہ مدرسہ کی نسبت دو باتیں ہیں جن کو میں چھوڑنا نہیں چاہتا ، اول یہ
ے مدرسے کی ایف - اے کی جماعتیں پریسیڈنسی کالج سے ملحق کر دی گئی ہیں
امتحانات یونیورسٹی کے نتائج قابل اطمینان نہیں ہیں - دوسرے یہ کہ جو مسلمان
ہم ایلیٹ ہوسٹل میں رہتے ہیں آن کو پریسیڈنسی کالج میں لکچر سننے میں دقت
ہوتی ہے لیکن یہ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کے بہت سے حصوں اور خصوصاً
کے مسلمانوں کی عام حالت غریبی آن کو موجودہ انسٹیٹیوشن سے مستفیض ہونے
کی - بدقسمتی سے یہ بالکل صحیح ہے - جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں خارجی
جو ہمارے اختیار سے باہر تھے یہ نتائج ظہور میں آئے ہیں لیکن اب یہ تسلیم
ہے کہ اس میں زیادہ تر قصور ہمارا ہی تھا - اس واقعہ کو دیر کے بعد تسلیم
میری رائے میں ایک امید دلانے والا شگون ہے کیونکہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے
و معلول کے سمجھنے کی وہ طاقت جو مدت سے سو رہی تھی اب بیدار ہوئی ہے
کی یہ خواہش ہے کہ مصیبت کا مقابلہ کرے - تو اب ناممکن ہے کہ جو خاندان
کے عرصے میں تباہ ہوئے ہیں آن کو از سر نو زندہ کیا جائے - لیکن یہ ناممکن
کے آیندہ زوال اور افلاس کے اسباب کو روکا نہ جائے - عرب کے جلیل القدر
عقل مندانہ اور رحیمانہ قوانین ہمارے واسطے چھوڑے ہیں آن میں سے کوئی
ضروری نہیں ہے جیسا کہ ورثا میں تقسیم جائداد کا - لیکن چونکہ یہ تقسیم
کے منتشر ہونے کا باعث اور خاندانوں کے افلاس کا سبب ہوتی ہے للهذا ایک

تعجب انگیز دور اندیشی سے جس کو کہ حقیقت میں الہامی کہنا مناسب ہے اس نے
شرط لگا دی کہ جائداد منقولہ و غیر منقولہ دونوں وقف کی جا سکتی ہیں - ایک
کتب خانہ جو ایک شخص کی محنت شاقہ سے تیار ہؤا ہے اگر اس کا قیمتی خزانہ ورثا کی
ایک تعداد میں منقسم کر دیا جائے تو ایک قوم کے واسطے وہ بالکل جاتا رہے گا - ایک
بڑی ریاست جو کہ ایک دوسرے شخص کی کوششوں سے قایم ہوئی ہے اور جس سے
ہزار ہا انسانوں کو بے انتہا فائدہ پہنچتا ہے اگر وارثوں میں اس کا ایک ایک جزو
کر دیا جائے تو تھوڑے زمانے میں وہ بالکل نیست و نابود ہو جائے گی - مذہب
میں خاندان اور اولاد کے بسر اوقات کے اسباب مہیا کر دینا ثواب کا کام اور
فرض ہے - بموجب اس کے عربی پیغمبر نے یہ شرط کر دی کہ جائداد خاندان کی
کے واسطے اس مدت تک غیر منقولہ اور ناقابل میراث رہے گی جب تک وہ خاندان
ہے - لیکن جب اس خاندان میں کوئی نہ رہے تو اس کا فائدہ غریبوں کے کام میں
جائے - یہی قانون وقف ہے جو گزشتہ تیرہ صدیوں تک ہر ایک مسلمانی سلطنت میں
رہا ہے اور جو ابھی تک ہندوستان میں رائج تھا اور لوگ اس کو مانتے تھے -
آئین پر مسلمانوں کی سر سبزی منحصر تھی یہی قانون خوش حال فرقوں کو افلاس سے
بچاتا تھا اور علم کے پھیلانے میں فی الحقیقت بہت مدد دیتا تھا - بدقسمتی سے
گذشتہ چند سال کے عرصے میں ہندوستان سے اڑا دیا گیا اور اس کا نتیجہ آپ
دیکھتے ہیں - بہت سی بڑی بڑی مسلمانی ریاستیں دوسرے لوگوں کے قبضے میں چلی
ہیں جو گورنمنٹ کے واسطے اعلیٰ خدمات بجا لاتی ہیں -

مستحکم جائداد رکھنے والے فرقے کا موجود ہونا نہ صرف عوام الناس کے واسطے
بلکہ اسٹیٹ کے واسطے ایک ضروری بات ہے - اس سریع الزوال مجمع سے جو گروہوں کی
بے وقوفیوں اور عذر کاریوں سے فلاح حاصل کرتا ہے - مشکل سے امید ہو سکتی ہے
وہ مجمع وہ کام کرے گا جن کی ایک اعلیٰ اسٹیٹ اپنے مال دار باشندوں سے امید رکھتی
ہے - انھیں وجوہات سے وہ مدبر جن کے ہاتھ میں ہندوستان کی عنان حکومت ہے
عملی طریقے کی ایجاد کی فکر میں ہیں جس سے کہ صاحب جائداد فرقوں میں زندگی اور موت
کا متواتر چکر رک جائے - اسی وجہ سے میں مسلمانان ہند کو مجبور کرتا ہوں
گورنمنٹ سے اس بات کی درخواست کریں کہ وہ آئین جس کے بغیر وہ اس ناگزیر
سے محفوظ نہیں رہ سکتے جائز رکھا جائے - مسلمان لوگ اگر ان عطیات، جاگیروں
وقفوں کو جو نیست ہو گئے ہیں پھر زندہ نہیں کر سکتے ہیں لیکن چند جو باقی ہیں

ت تمام قایم رکھ سکتے ہیں - اب میں مسلمانوں کی اُس سنٹرل تعلیم گاہ کا ذکر
جو کہ چھوٹے چھوٹے مدارس کے واسطے نمونے کا کام دے - اگر وہ اسکیم
ی نے ان مختصر الفاظ میں خاکہ کھینچا ہے - آپ صاحبوں کے پسند خاطر ہو تو
یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کسی نہ کسی وقت سنٹرل کالج اپنے اغراض بستی
کرنے کے واسطے یونیورسٹی کے درجے پر پہنچا جائے جہاں پر کہ مغربی سائنس
کے ساتھ مسلمانی تہذیب کی (جو کہ گذشتہ زمانے میں بہت مفید ہو چکی ہے)
ہو - جہاں پر کہ طلبا کو زندگی کے تمام فرائض ادا کرنے کی تربیت دی
ور جہاں کہ تھوڑا سا علم الاخلاق بھی سکھایا جائے جو کہ لوگوں کے اخلاق
میں مدد گار ہو - جب کہ ملک کے مختلف حصوں میں اسکول موجود ہوں تو کالج
عمدہ حالت میں رکھنا ضروری ہے جس سے آپ کی قوم کے ہونہار نوجوان صرف
کے لکچر کے کمروں کی طرف رخ کریں لیکن اس درجے تک پہنچنے کے واسطے
ضروری ہے کہ گورنمنٹ اُس کے عطا کیے ہوئے استاد اور ڈپلوموں کو دفاتر میں
کے واسطے ایسا مستند سمجھے جیسا کہ وہ دوسری یونیورسٹیوں کے دیے ہوئے
سمجھتی ہے - جب آپ کو اُس درجے تک پہنچنے کا یقین ہو جائے تو آپ
ے اس امر کی استدعا کیجیے - اگر آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گے تو
صرف تعلیم دینے والے بلکہ ممتحن بھی ہوں گے - اس طرح آپ اپنے
وں کے دلوں پر لیاقت کی ضرورت کو نقش کر سکیں گے جس کے بغیر کم ازکم
کے کسی دفتر یا محکمے میں داخل ہونے کا راستہ ملنا مشکل ہے - گذشتہ سال
وجب درخواست اپنے دوست نواب محسن الملک کے جن کی سرگرمی اور جوش
سر سید احمد کے کار ہائے عظیم کا قیام اب تک ہم دیکھتے ہیں ، میں نے
کانفرنس کے روبرو اُس نصاب تعلیم کا جو میری رائے میں کالجوں اور مدرسوں
ہونا چاہیے ایک مسودہ پیش کیا تھا اور اِس وقت میں نے یہ بھی ظاہر کر دیا
کی کوئی مقررہ اسکیم بنانے کی کوشش کرنا گویا نا کامیابی کو بلانا ہے - جب
کرنے کا وقت آئے تو ایک کمیٹی تجربہ کار یورپین اور مسلمان اُستادوں کی
صاب تعلیم کو طے کرنا چاہیے - بہمہ وجوہ میری خاص تجویز جیسا کہ آپ کو
ی کہ تعلیمی کورس کے دو مختلف پہلو ہونا چاہییں ایک پرانی تعلیم اور
موجودہ کی تعلیم اور اُسی پر میں قایم ہوں -
لوگ غالباً امید رکھتے ہوں کہ میں مذہبی تعلیم کا بھی کچھ ذکر کروں -
نوجوانوں کے لیے مذہبی تعلیم کو بہت ضروری سمجھتا ہوں لیکن

مذہبی تعلیم سے میرا وہ مطلب نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر اُس کا مطلب لیا جاتا ہے مذہب کی میرے نزدیک دو قسمیں ہو سکتی ہیں - ایک لائق مجتہدین کی (جو کہ عالم کہے جا سکتے ہیں) عقائد اور اُصول اور دوسرا علم الاخلاق جو مذہبی اخلاق کا پہلو ہے - میرے نزدیک ایک دین کا پیرو ہونا اُس کے عقائد کو سیکھنا یا اُس کے واعظوں کے بیانات کو سننا بالکل بیکار ہے جب تک اُس کے ساتھ ہی اُس کے اخلاقی پہلوؤں کی پوری پوری قدر نہ کی جائے - میرے خیال میں یہ بے حد ضروری ہے کہ بجائے عقائد اور مذہبی رسوم سیکھنے کے ہمارے نوجوانوں کو پختہ اخلاقی تعلیم دی جائے - میری رائے میں مسلمان کے واسطے فقہ کی قسم کی کوئی چیز نہیں ہے اور اُس کو اُن مشکل عقائد سے تعلق نہ رکھنا چاہیے - اگر وہ چاہتا ہے کہ مجتہدین کے اقوال وغیرہ سے کماحقہ آگاہی حاصل کرے تو اُس کو علم قانون اور روایتوں کے مطالعہ کی طرف توجہ کرنا چاہیے یہی مسلمانوں کا علم فقہ ہے جو خود سائنس کا ایک وسیع میدان ہے جس میں برسوں کی محنت اور تعلیم کی ضرورت ہے لیکن یہ اُمید کرنا کہ جو نوجوان فی زمانہ زندگی بسر کرنا چاہتا ہے اور جس کے چاروں طرف نئی نئی باتیں پھیلی ہوئی ہیں اور جو کہ نئی ضرورتوں سے گھرا ہوا ہے اُس کو مغربی اور مشرقی لٹریچر اور مغربی سائنس کی تعلیم کے ساتھ علم قانون و حدیث بھی شامل کرنا چاہیے یہ ایک ناممکن بات ہے میری رائے میں مسلمانوں کی اَبتر حالت جو تمام عالم میں ہو رہی ہے اُس کی خاص وجہ یہی ہے کہ ہر جگہ بہ نسبت عمل کے عقائد پر اور بہ نسبت اخلاق کے اصولوں پر اور بہ نسبت صحیح خیالات کے ظاہری مطابقت پر زیادہ زور دیا جاتا ہے - معمولی مسلمان نوجوان کے واسطے اعتقاد سورۂ اخلاص اور اعتراف مذہب مسلمانی فقہ کا لب لباب ہیں - افعال انسانی کی جواب دہی اور پاکی اور پارسائی سے زندگی بسر کرنے کے فرائض اُس کے دل پر اوائل عمر میں منقش کر دینا چاہیے -

طالب علموں کو نماز سکھانے کے وقت ہم کو اُس طریقے سے زیادہ سکھانا چاہیے - ہم کو اُنھیں نماز کے معنی سکھانے چاہییں کہ یہ الفاظ ہیں جو انسان کے دل سے اُس سر چشمۂ نیکی کے سامنے نکل رہے ہیں اور اُس محسن ابدی کا شکریہ بجا لانے کے واسطے وہ الفاظ نکل رہے ہیں- ہمارے ایک شاعر نے کہا ہے کہ قرآن دو بڑا ورثہ ہیں جو پیغمبر صاحب اپنے پیرووں کے واسطے چھوڑ گئے ہیں :

جز کتاب اللہ و عترت ز احمد مرسل نماند
یادگارے کوتوان تا روز محشر داشتن

اس لیے میں اپنے نوجوانوں کو یہ کتاب پڑھانا چاہتا ہوں ۔ ہم کو یہ نہ بھولنا
علاوہ اس عالم گیر علم الاخلاق کے قواعد کے اس میں امور خانگی کے ایسے
طریقے درج ہیں جن کے اوائل عمر میں نوجوانوں کو ماہر کرنا عقل مندی نہ
ہاں ان کے ہاتھ میں میں صرف پہلا حصہ دوں گا ۔

مجھے اس مسئلہ کا بہت بڑا خیال ہے اور اسی وجہ سے مجھ کو یہ جرأت ہوتی
میں نے اپنے خیالات کا اظہار آپ کے سامنے کیا ہے گو کہ ان کی بابت یہ سمجھا
وہ بہت دور کے خیالات ہیں ۔ اگر آپ کو مجھ سے اختلاف ہو تو کم از کم اتنا
اعتبار کریں گے کہ یہ خیالات سال ہا سال کی کتب بینی اور غور و فکر کا
اور آپ کی خاطر میں یہاں اُن کو بیان کر رہا ہوں کہ ممکن ہے کہ وہ آپ کے
ثابت ہوں ۔ جن سے آپ ایک عملی تجویز ایسی پختہ تعلیم کی تیار کر سکیں جو
انگریزی طریقوں کو اصلی اسلامی تربیت سے جکڑ دے ۔ چاہے جو اسکیم بنائی جائے
وہ اختیار کیا جائے اگر کامیابی مد نظر ہے تو صدق دل سے کام لینا چاہیے ۔
ذاتی اختلاف اور نیز ذاتی خواہشوں کو ترک نہ کریں گے تو ہم اپنے آپ کو
دنیا کے سامنے قابل مضحکہ بنائیں گے ۔ نفسانیت مسلمانوں کی تباہی کا باعث ہوئی
ہندوستان کے قومی فوائد کے واسطے بہت مضر ثابت ہوئی ہے ۔ یہ حد درجے کی
کا خیال جو آیندہ زندگی میں ایک خصلت ہو جاتی ہے اور جو نسلاً بعد نسل
ابتدائی تعلیم سے درست ہو سکتا ہے ۔ ہم اپنے بچوں کو صرف جان نثاری
ضبط کی تعلیم دے کر اس خیال فاسد کو جڑ سے اکھاڑ سکتے ہیں ۔ تا کہ
کم دے ۔ اُن کی تعلیم آغوش مادر میں ہونی چاہیے ۔ اب یہ سوال ہوتا ہے کیا
اس قابل ہیں کہ اپنے بچوں کو وہ تعلیم دے سکیں جو ہم اُن کو دینا
ایک زمانہ تھا کہ ہمارے مذہب کی عورتیں امت الرجال کہلاتی تھیں ۔ کیا ہم
وہی نام دے سکتے ہیں ۔ عورتیں ہمیشہ ویسی رہی ہیں اور رہیں گی جیسا
ہیں ۔ اب اس بات کا مجھے پورا یقین ہے کہ ہم اگر تہذیب میں ترقی کرنا
دنیا کی نگاہ میں وقعت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی عورتوں کو اُسی
دینا چاہیے جو پہلے اُن کو حاصل تھا ۔ روم اور مصر میں بڑے بڑے اور
مدارس لڑکیوں کی تعلیم کے واسطے ہیں اور مسلمان عورتوں کو سوسائٹی میں
حاصل ہوتا جاتا ہے جو اسلام کے عروج کے زمانے میں تھا ۔ میری رائے
کی تعلیم لڑکوں کی تعلیم کے موازی چلنا چاہیے تا کہ سوسائٹی کی ترقی پر

آس کا سود مند اثر پڑے - جب ترقی کے دونوں جزو برابر تناسب سے نہ ہوں گے [illegible] عمدہ نتیجہ نہیں ہو سکتا - ایک کو تعلیم دینا اور دوسری کو جاہل رکھنا ضرور [illegible] نتائج پیدا کرے گا اگر سوسائٹی کا ایک حصہ تعلیم یافتہ ہو گا اور دوسرا جہالت میں [illegible] ہوگا تو آس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یا تو تعلیم یافتہ حصہ اپنی دل چسپی کے لیے بد [illegible] صحبتیں ڈھونڈے گا یا اپنی حالت کو نہایت نیچے درجے پر رکھے گا - اتھینس کی [illegible] اور اسلام کے قبل مکہ کی کیفیت میری دلیل کا ثبوت ہیں - اتھینس کے قدیم [illegible] اپنے نوجوانوں کو تعلیم دیتے تھے - مگر عورتوں کو بالکل جاہل رکھتے تھے [illegible] نتیجہ یہ ہوا کہ تعلیم یافتہ نوجوان اسپیسیس کے دوست بن گئے - میں سمجھتا ہوں اسلامی سوسائٹی کی ترقی مغربی علوم کے حصول کے مطابق ہونا ایک [illegible] میں جہاں آزاد خیالوں کو سوسائٹی یا ذات سے خارج کر دیے جانے کا خوف نہیں بہت آسان ہے - اسی وجہ سے میں ہندوستان کے نوجوان مسلمانوں سے ترقی اور اصلاح [illegible] کام کی امید رکھتا ہوں - لفظ اصلاح شاید آن لوگوں کو جو پرانے خیالات کے عادی [illegible] ناگوار معلوم ہوگا - اس لیے میں اس بات کو ظاہر کیے دیتا ہوں کہ اصلاح سے [illegible] مطلب مذہبی اصلاح نہیں ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ تعلیم کے طریقوں میں اصلاح [illegible] جائے پرانے خیالات اور تعصبات موجودہ ضرورتوں کے ماتحت کر دیے جائیں - [illegible] اصلاحوں کے لیے میں قوم کے آن نوجوانوں پر بھروسا کرتا ہوں جو کہ دنیاوی [illegible] میں پڑنے کو ہیں - ہم لوگ آن کے واسطے پہلا زینہ بنا سکتے ہیں اور چڑھنا آن کا [illegible] رہے گا۔ آپ لوگوں کے ذریعہ سے آن کے واسطے میں چند الفاظ بطور نصیحت اور [illegible] کہوں گا۔ جو لوگ کہ یہاں موجود نہیں ہیں آن کو آن سے جو یہاں ہیں آگاہی ہو جائے [illegible] اپنی دماغی اور اخلاقی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ ہم چند اعلیٰ نمونے اپنے [illegible] رکھیں اور انھیں پر انسان کی ہستی اور قوموں کی ترقی کا مدار ہے - اعلیٰ مثالوں [illegible] رکھنا گویا تاریکی میں زندگی کا بسر کرنا ہے - آن کو ہاتھ سے کھو دینا ذلت اور بد بختی کی نشانی ہے - ہم کو لازم ہے کہ آن مثالوں کو شباب اور [illegible] ہر وقت تازہ رکھیں تا کہ وہ ہم کو شرافت سے بسر اوقات کرنے، خوش اسلوب سے زندگی بسر کرنے اور آخر میں خدا کو یاد رکھنے میں مدد دیں -

پہلا اعلیٰ خیال فرض اور راستبازی کا ہونا چاہیے - کسی پیغمبر نے [illegible] پیغمبر سے زیادہ زور کے ساتھ اس امر کی فہمائش نہیں کی ہے - میں آپ کے سامنے ایک مصنف کے الفاظ عرض کرتا ہوں "ہمیشہ حق کے اوپر لڑے جاؤ اگرچہ [illegible]

ے ہمارا کچھ نقصان ہی کیوں نہ ہو اور تم آخر میں فتح یاب ہوگے - کیونکہ اس
طاعت قبول کر لینا گویا اس اعلیٰ اخلاقی خیال کی حقارت کرنا ہے جو ہماری
کرتا ہے اور اس پر غور کرنے کی قابلیت کو چھوڑ دینا ہے جس کو ہم کانشنس
ے تعبیر کرتے ہیں - جب کہ آدمی ایسا کرتے ہیں تو حق و باطل کی قوت
لکل کند ہو جاتی ہے اور وہ خیال جو کہ ان کو عمدہ رائے اور ارادوں کی
ل کرتا ہے اور جو تلون مزاجوں اور کمزوروں کو نصیب نہیں ہوتا ہے - دور
ے ہے۔"

ہمیشہ خیال رکھیے کہ اخلاق کون و مکان کی حضوری میں کام کر رہے ہیں
شہ اپنی کوششوں اور کاموں میں اس کی رہنمائی کا امید وار رہنا چاہیے - اگر آپ
ن میں یہ خیال رہے گا تو آپ کی زندگی دوسروں کے واسطے نمونے کا کام دے گی
خدا کے حضور میں آپ ضرور نیک زندگی بسر کریں گے - صدق اور پرہیزگاری
اعلیٰ خیالات ہیں جو نوجوانوں کو مد نظر رکھنے چاہئیں - ہر انسان کی زندگی
ک ایسا نازک وقت آتا ہے جب کہ اس کے دل میں دوسروں کی ہمدردی اور صحبت
ش پیدا ہو جاتی ہے - اس وقت میں ضبط اور ان لوگوں کی عقل مندانہ رہنمائی کی
ورت ہے جن کے سپرد ان نوجوانوں کی تربیت ہے - اپنی طبیعتوں کے اس فطرتی
وجو ہمیں برائیوں سے باز رکھتا ہے بڑی مثالوں کے مضر اثر سے نہ روکنا
گزشتہ زمانے کی دماغی قوتوں کو پھر حاصل کرنے کے لیے ہم کو اعلیٰ سوشیل اور
ل کے حصول پر منحصر ہے- ہم کو چاہیے کہ اپنی عورتوں کو ایسی عزت اور تعظیم
ے دیکھیں جیسا کہ قدیم زمانے میں دیکھتے تھے اور ان کو اس عزت و تعظیم کے
ں - ہم کو آج کل کے سوشیل تنزل میں یہ بھول جانا چاہیے کہ عورتوں کی
ت کرنا اعلیٰ ترین انسانوں کا وصف ہے - اگر ہم عورتوں کو اس عزت
اور ان کو نیکی و عفت کا جامہ پہنا دیں تو ہم کبھی ذلیل صحبتوں سے خوش
۔

دوسرا اعلیٰ خیال جو نوجوانوں کو اپنے دل میں رکھنا چاہیے ترقی کا خیال ہے
ت ہر ایک انسان میں ہوتی ہے - تعلیم اور تربیت ہی صرف اس قابلیت میں
تی ہے - تعلیم انسان کو تاریکی میں سے روشنی میں لاتی ہے - لیکن تعلیم
ے سود ہے جب تک یہ نہ خیال کیا جائے کہ علم و ترقی کی جو کہ
ں کوئی حد نہیں ہے اور سکون کے معنی پیچھے لوٹ چلنا ہیں - ہم آج
وں کو دیکھتے ہیں کہ شروع میں تو وہ بڑی تیزی دکھاتے ہیں اور تھوڑی

کامیابی کے بعد اُن کی قوت زائل ہو جاتی ہے - پہلے تو وہ ترقی کرنا چھوڑ دیتے ہیں
پھر تنزل شروع ہو جاتا ہے - ہمارے نوجوانوں کو یہ غلطی نہ کرنا چاہیے کہ
امتحانات کا پاس کرنا اُن کو ترقی کی حد پر پہنچا دے گا - اور اُن کو یورپ کی
یونیورسٹیوں کے فاضلوں کے برابر بنا دے گا اگر ہم اپنے اور اپنی قوم کے فرائض ادا کرنا چاہتے
ہیں تو ہم کو کسی خاص مقصد کے واسطے کام کرنا چاہیے کیونکہ جو بغیر مقصد کے کام کرتا ہے
وہ مثل ایسی کشتی کے ہے جس میں پتوار نہیں ہے - مستقل ارادے کا نہ ہونا اور تلون مزاجی
شکست کی نشانی ہے - وہ لوگ جو فتح حاصل کرتے ہیں وہی لوگ ہوتے ہیں جو مستقل
مزاجی اور ثابت قدمی کے ساتھ اپنے اُس مقصد کے حاصل کرنے کے لیے جس کا انھوں نے
پہلے ہی فیصلہ کر لیا چلتے ہیں - کامیابی انھیں لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو کہ
واقف ہیں کہ زندگی میں کام کرنے کے لیے ایک طریقہ ہونا چاہیے اور جو کہ وقت کی
قابل افسوس کمی کو سمجھتے ہیں - اس واسطے آپ کو اپنی طبیعت سے کام کرنا چاہیے
ایک کتاب میں جو کہ میں حال میں پڑھ رہا تھا ایک ایسا فقرہ دیکھا جو ہمارے ملک کی
حالت کے لیے بہت موزوں ہے - مصنف لکھتا ہے کہ "میں اُس نوجوان پر بالکل اعتبار
نہیں کرتا جو اپنی حالت پر نا رضامندی ظاہر کرتا ہے اور جلد یقین کر لینے والے لوگوں
سے کہتا ہے کہ اگر میری حالت بہتر ہوتی تو میں بڑے بڑے کام کرتا" عموماً یہ
حالت کا نہیں ہوتا ہے - بلکہ یہ نقص ادائے فرض میں جسمانی تکلیف کا مقابلہ کرنے کی
مستقل مزاجی اور مستعدی کے نہ ہونے، غور و فکر کے نہ کرنے اور کام کرنے کی
کی جو عادت سے حاصل ہوتی ہے نہ ہونے کا ہے -

اس لیے ہمارے نوجوانوں کو اعلیٰ حوصلے دل میں رکھنے چاہیں اور
سے اُن کے حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے - جس اعلیٰ رتبے تک ہم پہنچنا چاہیں
وہاں تو ہم شاید نہ پہنچ سکیں مگر ان اعلیٰ مثالوں کے خیال رکھنے کا اثر ہم پر
اچھا پڑے گا - امریکہ کے ایک شاعر نے انسانی زندگی کے مقاصد کو ایک نظم میں
کیا ہے جو ہمارے بہت سے نوجوانوں نے پڑھی ہوگی اور جس نے کہ غالباً
مستعدی کی طرف مائل کیا ہوگا لیکن ایک فارسی شاعر کے پاکیزہ الفاظ جو
پڑھے ہوں گے :

نخواہم لا جرم نعمت نہ در دنیا نہ در جنت
ہمی خواہم بہ ہر ساعت چہ در سراچہ درنظرا
کہ یارب مرسنائی راصناعی دہ تو در حکمت
چنان کزوی بہ رشک آید روان بو علی سینا

خطبۂ صدارت (مدارس ۱۹۰۱)

(آنریبل جسٹس باڈم ب ، چیف جسٹس مدراس ہائی کورٹ ، مدراس)

حضرات ! آپ صاحبوں نے مجھے محمڈن اینگلو اورینٹل ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس کا صدر مقرر فرمایا ، میں اس کو اپنے لیے موجب افتخار سمجھتا ہوں کے ساتھ ہی میں کئی وجوہ سے اس انتخاب پر تاسف کرتا ہوں ۔ بہت مناسب اگر آپ ہی کی جاعت سے کوئی صدر منتخب کیا جاتا کیونکہ قومی اتحاد کے کانفرنس کے متعلقہ اور اُس کے متوقعہ نتائج میں آپ کا اور اُس کا خیال یکساں وہ آپ ہی کی زبان میں تقریر کرتا اور دوسری تقاریر جو یہاں ہوتیں اُن کو بخوبی قطع نظر اس کے جو تحریکات کہ مجلس کے روبرو پیش ہوتیں اس کی نگرانی اور اچھے طور سے کرسکتا ۔ آپ کو بھی اس پر زیادہ اعتماد ہوتا اور اس کی رائے نسبت میرے خیالات کے بوجہ اس کے کہ میں غیر مسلمان ہوں ، آپ کی نظر میں وقعت ہوتی ۔

لیکن بد قسمتی سے اس صوبے کے مسلمانوں میں کوئی بڑا جوشیلا مسلمان لیڈر جس کی سرداری سب لوگ آسانی سے قبول کر سکتے موجود نہیں ہے ۔ نہ یہاں کی جماعت میں باہم دگر اتفاق ہے اور نہ کوئی مؤثر انتظام ان میں قائم ہے ۔ ہر کہیں چھوٹے مجمعے نظر آتے ہیں مگر قومی اغراض اور مقاصد سے بے خبر ۔ اس وجہ سے مسلمانوں کی ایک بڑی جاعت کی جہالت ، بد گمانیوں اور باہمی حسد کے سبب سے صدارت کے لیے کسی مدراسی مسلمان کا منتخب ہونا متعذر رہا ۔ مگر میں وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ اس دفعہ کانفرنس کا یہاں منعقد ہونا مسلمانوں میں ملاپ اور دلوں میں جوش پیدا کرے گا اور یہ بات اُن کے ذہن نشین ہوگی کہ وہ سب ایک ہی قوم کے اجزا ہیں اور سب کا بڑا مقصد ایک ہی ہے ۔ یہ خیال اُن کی باہمی نا اتفاقی کو دور کرنے اور آیندہ اپنی اولاد کی ترقی کے لیے ایک دل ہو کر کام کرنے میں مدد دے گا ۔ ان وجوہات سے میں نے صدارت کی خدمت قبول کی مگر بڑے تردد اور تامل کے بعد اس امید پر میں نے یہ کام قبول کیا کہ میری دلی خواہش جو ایسے

نازک وقت میں قوم کو مدد دینے کی ہے میری عدم لیاقت کی تلافی ہو جائے -
میں امید رکھتا ہوں کہ بہ حیثیت صدر جو قصور مجھ سے صادر ہوں آن
فرمائیں - میری وشش پر سختی سے اعتراض نہ فرمائیں اور میرے اڈریس
فاضلانہ تقاریر کے ساتھ موازنہ نہ کریں -

گزشتہ دو اجلاس کے بعد دو سانحے دنیا کے دو جدے مقامات میں
سے ہم سب کو سخت رنج و ملال ہؤا - مغرب میں جس ملک کا میں رہنے والا
عزیز کوئن ایمپریس وکٹوریہ نے رحلت فرمائی او آپ کے ملک کے آستان پر
کے ایک رکن رکین امیر عظیم الاقتدار افغانستان نے انتقال کیا - اس نئی صدی
سال میں ان دو بڑے بادشاہوں کے انتقال سے دنیا کو جو صدمہ پہنچا آن کا ہم
رنج و افسوس ہونا چاہیے آن میں سے ایک نے با وصف اپنے علو منصب کے تعلیم
میں جو عمدہ اور اعلیٰ خصائل ہونا چاہیں آن کا ثبوت اپنی ذات میں دے کر
عزت ، بزرگی اور ہر دل عزیزی حاصل کی - دوسرے نے اپنی مردانہ صفات سے
اپنا مداح اور قدر دان بنا لیا - ہر ایک نے اپنی جدا گانہ حیثیت زندگی اور
باوصف تخلف اوضاع نمایاں بزرگی پائی ان ہر دو کی زندگی سے اس سلطنت کو
اور سر سبزی حاصل ہوئی شاید آپ کا خیال ہوگا کہ ایسے مجمع میں ان واقعات
کریں - اس لیے میں نے اس مشترکہ اور عدیم البدل کی نسبت اسی چھوٹی
اکتفا کی -

آپ خوب جانتے ہیں کہ بانی مبانی اس کانفرنس کے سرسید احمد خاں
اور آنھوں نے ہی علی گڑھ کالج کو قایم کیا - ان دونوں کی دائمی کامیابی
کوئی یادگار کسی شخص کے واسطے نہیں ہو سکتی - ہر سال آن کی طلب پر ہندوستان
سارے مقامات سے لائق اور ذی ہمت اراکین اسلام آتے رہے تا کہ مسلمانوں
ضروریات پر مل کر غور کریں اور جو کالج کہ آنھوں نے قایم کیا آس میں
نوجوانوں کو وہ تعلیم دی جاتی ہے جو آن کو سود مند اور جوشیلے سٹیزن ہونے کے
مفید ہو اور ان ہی تعلیم یافتوں کی کوشش اور ہل چل سے اس کانفرنس نے بہت کچھ
کام کیا اور کر رہی ہے -

اس کانفرنس کی غرض یہ ہے کہ مغربی اعلیٰ درجے کے علوم کا
ہند میں ہو اور سینس و لٹریچر میں جو کچھ بہتر ہے اور جس کے لیے وہ اگلے
مشہور تھے ان میں محفوظ رہے - بلحاظ اس امر کے جو لوگ قوم کے بہی خواہ

ی کانفرنس کی تائید کریں گے - فی زمانا یہ خوشی کی علامت ہے کہ مسلمانوں نے
ی نے ان تعلیمی آسانیوں سے جو سرکار نے پیش کیں فائدہ حاصل نہ کیا تھا اب
ہو کر قومی تعلیم کے مسئلہ کے حل کرنے کے لیے تدبیریں سوچ رہے ہیں - ایک
ی مسلمان انگریزی تعلیم کو تعصب و بے پروائی اور نفرت سے دیکھتے رہے مگر
یہ بات کم ہوتی جاتی ہے - اس بڑے آدمی سرسید احمد خاں بہادر نے ایسی
کے دفعیہ کے لیے اینگلو اورینٹل کالج کی بنیاد ڈالی جو بذاتہ ایک پر کیفیت کالج
و اہل اسلام کو سمجھایا کہ قوم کی نجات ذاتی محنت و اعتماد پر موقوف ہے - آج تک
ی کارروائی اسی تعلیم کی تائید میں رہی اور میں امید کرتا ہوں کہ آیندہ بھی اس کا یہی
ہے گا - تاسف کی بات ہے کہ کانفرنس کے اغراض و مقاصد بعض مقامات میں صحیح
ے سمجھے نہیں گئے ہیں اور سب سے زیادہ ضرور تھا کہ اس سال کانفرنس کا اجلاس
میں ہو کیونکہ بلحاظ قومی ترقی کے مدراس دوسرے شہروں سے بہت پیچھے پڑا
ہے - اگر کانفرنس سے صرف اتنا ہی نتیجہ ہوا کہ مسلمانوں کے دلوں میں تعلیمی جوش
تو یہ خود اس کی تائید اور ہمدردی کے لیے بڑے استحقاق کی بات ہے - اس میں
ں کہ کانفرنس کے بلیغ اغراض و مقاصد ابھی حاصل نہیں ہوئے اور اس کے تمام
ورے نہیں ہوسکے مگر اس نے اچھا کام کیا اور کر رہی ہے - اگر کھوئی ہوئی
دوبارہ حاصل کرنا منظور ہو تو ذاتی تائید اور ذاتی بھروسا مسلمانوں کا نصب العین
ی - بے اعتنائی اور بحث کے عوض مسلمان اپنی نازک حالت پر غور کریں - زندگی
میں جو بے طاقت ہوتا ہے وہ ضرور شکست کھاتا ہے - یہ مسئلہ جیسا اشخاص
لیے صحیح ہے ویسا ہی قوموں کے واسطے بھی راست ہے -

کسی کو اس میں شک نہیں کہ کانفرنس سے مسلمانوں کو نفع پہنچتا ہے -
لیکن جب دوسری قومیں ترقی کرتی رہیں مسلمان سوئے رہے - کسی زمانے میں
ان کی قوم بڑی معزز تھی اور مجھے کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ وہ آیندہ پھر اپنا قدیم
دنیا میں حاصل نہ کرے - مگر یہ سب کچھ انھیں پر موقوف ہے - اگلے زمانے
مسلمانوں کی بزرگی صرف اُن کے جواں مرد اور فاتح ہونے سے نہ تھی بلکہ وہ علوم
مشہور تھے اور یہ بزرگی اُن کی جنگی ناموری سے فائق تھی - جو لوگ ان
عالم کہلانا چاہتے تھے عربی مدارس میں کئی سال تحصیل دینیات ، قانون ،
حکمت اور فلسفہ میں گزارتے تھے - مسلمانوں کے بڑے بڑے دارالعلوم قاہرہ ،
و سمرقند میں تھے جہاں ہر گوشے سے لوگ تحصیل علم کے لیے آتے تھے -
اس وقت فتح ہو چکا تھا وہ بھی ایک عربی دارالعلوم کا مستقر تھا اور اس

زمانے میں مسلمانوں کے لٹریچر کو بڑی ترقی تھی - اس بزرگی کے زمانے کو اسی وقت یاد کرنا مناسب ہوگا - جب اُس کی یاد سے اُس کو دوبارہ حاصل کرنے کا شوق دل میں پیدا ہو - مگر اُن کی یاد صرف اپنے دل کو ٹھنڈا کرنے کے لیے ایسی ہی حالت ہے جیسے کوئی اپنی آج کی اشتہا کو کل کی ضیافت کی یاد سے مارنا چاہے - وہ دن گزر گئے برسوں آپ سوتے رہے اور جو لوگ چالاک تھے اُن کو بڑھ جانے کی گنجائش دے دی - آپ اپنے کو دوسری اقوام سے دولت ، قدرت اور علم سے پیچھے پاتے ہیں - نواب عمادالملک سید حسین بلگرامی جو گزشتہ اجلاس کانفرنس کے صدر تھے اور جن کا نام اُن کے الفاظ کو لوگوں کی نظروں میں وقعت دلانے کے لیے کافی ہے یوں کہتے ہیں

"تنزل اور ادبار کا تخم جب ہی سے بویا گیا کہ ہم نے آرام کا ارادہ کر لیا ، اگلی فتوحات پر قناعت کی اور جدید علوم و جدید تحقیقات سے غفلت کی - اس سے سب کچھ کھو بیٹھے - ہمت ، جواں مردی اور اُمنگ قوم سے کم ہونے لگی اور اسی کے ساتھ قدرت اور دولت بھی - یہ بڑی غلطی ہے جو مسلمان سمجھے ہیں کہ دولت کے زوال سے راحت کا زوال ہوا - تاریخ اس کے برعکس سبق دیتی ہے - یعنی ہم نے اپنی قدرت کھو دی - کیونکہ قدرت کو بچانے اور قائم رکھنے کے جو اسباب تھے ہم نے اُن کو آگے ہی سے کھو دیا -"

اس زمانے میں علم قدرت ہے - جو لوگ جاہل، متعصب اور پیچھے رہ گئے ہیں وہ تباہ ہوتے ہیں جو زمانے کی رفتار کے ساتھ ہیں اور علم حاصل کرنے اور اُس کو بڑھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں دیتے وہ لوگ سبقت لے جاتے ہیں اور عزت و منصب حاصل کرتے ہیں -

بڑا مقصد کانفرنس کا یہ ہے کہ آپ اپنی اور اپنی اولاد کی بہتری کے ذریعے ڈھونڈ نکالیں اور ایسے علم کی تلاش کریں جس سے آپ کی اولاد دوسری اقوام کے ساتھ برابری کر سکے -

کانفرنس آج تک اس اصول پر برابر کارروائی کرتی تھی کہ مسلمان ... دوسری رعایائے شاہی کے ہم پلہ نہیں اور جب تک وہ اپنے کو صاحبان گزٹڈ سروس کے ہمسر نہ کریں ایسے پولٹیکل حقوق کے مستحق نہیں ہو سکتے -

مسلمانوں کے لیے یہ قابل قدر بات ہے کہ انھوں نے اس امر کو پیش نظر رکھا ہے اور اُن کو سرسید احمد خاں کی تعلیم کے موافق برٹش گورنمنٹ پر بھروسا ہے -

سرسید کی اور میری بھی یہی رائے ہے کہ جب گورنمنٹ اپنی گوری رعیت
مسلمانوں پر اعتماد کرے گی اُن کو بھی وہی حقوق دے گی - اب یہ سوال
کہ ایسا اعتماد کس طور سے حاصل ہو اور اسی مسئلے کو کسی قدر حل کرنے
کانفرنسوں کی ضرورت ہے ان کانفرنسوں کی بدولت متفرق حصص ہند کے لوگ
مسئلہ تعلیم مسلمانان میں مذاق ہے یکجا جمع ہوتے ہیں اور اعیان قوم اپنی اپنی
ک دوسرے پر ظاہر کرتے ہیں - اس طور سے باہمی موافقت زیادہ ہوتی ہے -

ایک صوبے والے دوسرے مقام کے بھائیوں کے تجربہ سے مستفید ہوتے ہیں -
مابین کتنا ہی بعد و مسافت رہے اور اُن کے پیشے کیسے ہی مختلف ہوں ، مگر
رشتہ قومی کے وہ ایک جسم ہیں - عام حاجتوں میں ایک دوسرے پر اعتماد
اور متحدانہ و متفقانہ کاروائی سے حتی‌الوسع اپنے کام کو فروغ دینے کی
کرتے ہیں -

مصاحبین قوم کی یہ اصولی رائے ہے کہ ہندوستان میں آجکل جو تعلیم دی
وہ مسلمانوں کی ضروریات کو کافی نہیں - اس لیے ان کو اپنی تعلیمی آسانیوں
دینے کے لیے جان توڑ کر کوشش کرنا چاہیے - ضروریات قوم جو مدارس میں
ہیں ہو سکتیں اُن کو آپ زیادہ جانتے ہیں اور آپ کا کام ہے کہ ایسی مجالس میں
بیان کریں اور اُن کو پورا کرنے کی تدابیر سوچیں - زمانہ گورنر جنرل اول سے
تک کہ حضور لارڈ کرزن اس میں لیاقت کے ساتھ نیابت شاہی کر رہے ہیں ،
ہند تعلیمی امور میں ہمیشہ اپنی دل چسپی بخوبی ثابت کرتی رہی - جس کسی
نے اُس کانفرنس کی کارروائی جو بہ صدارت لارڈ کرزن منعقد ہوئی تھی دیکھی
کو معلوم ہوگا کہ اس بارے میں سرکار کی پالیسی اب بھی وہی ہے جو پیشتر
اس خیال سے آپ حضرات ہرگز اپنی قوم کی تعلیمی ترقی میں سہل انکاری نہ
اس مقام پر میں آنریبل مسٹر جسٹس امیر علی صدر جلسہ کانفرنس کلکتہ کی
ایک حصے کا اقتباس کرتا ہوں - کیونکہ میرے خیالات اُنھوں نے مناسب اور
الفاظ میں بیان کیے ہیں - ''اب ایک نئی صدی کی ابتدا ہے - کوئی شخص اس
آئندہ کیا ہونے والا ہے خیال نہیں کر سکتا مگر یہ کہ اُمیدوں کی خوشی سے
دل بھر جاتا ہے - ہمارے نوجوانوں کو ضرور یہ امید ہونی چاہیے کہ یہ صدی
و ترقی کی یادگار ہوگی اور یہ ترقی انھیں کی ذاتی کوششوں پر موقوف ہے
ایک بڑی اور شایستہ گورنمنٹ کے ہاتھ میں ہے - میرے سخن کو باور

جانیے کہ دوسری کوئی گورنمنٹ اپنی رعایا کی بہبودی کا اس قدر خیال نہیں رکھتی
نہ اُن کو ترقی کرنے کے لیے اس قدر گنجائش و موقع دیتی ہے۔ غلطیاں تو اکثر
ہوتی ہیں وہ صرف خدائی سرکار ہے جو کامل ہے مگر موجودہ گورنمنٹوں میں کسی
اس قدر خیال اپنی رعایا کی ترقی کا بلا لحاظ قوم و مذہب نہیں جیسا اس گورنمنٹ
ہے جس کے زیر سایہ ہم ہیں - اعلیٰ سے لے کر ادنیٰ عہدے دار تک جو ہندوستان
آتے ہیں اُن کا یہی خیال رہتا ہے کہ حتی المقدور ہندوستانیوں کو نفع پہنچائیں۔
ان الفاظ کا کہنا ضروری ہے تاکہ باقی تقریر کے لیے مطلع صاف ہو۔ آپ جانتے ہیں
ہم قومی کا لحاظ ہندوستان کے کسی تفرق اقوام و مذاہب میں نہیں۔ یہ ملک
قوموں کا ہے ایک قوم کا نہیں اور ہر قوم قبائل پر منقسم ہے اور ہر قبیلے کے
اور قومی خیالات جدے ہیں اس وجہ سے سرکار کو بڑی مشقت کا سامنا ہوتا ہے
کیونکہ اس کو ہر فرقے کی بہبودی مد نظر ہے - یہی گورنمنٹ کی جنرل پالیسی ہے
کوئی راست باز آدمی انکار نہیں کر سکتا کہ یہی نہایت معقول اور شفقت آمیز پالیسی
اگرچہ گورنمنٹ کسی قوم کی اندرونی کوششوں کی مجو ترقی کے لیے کی جاتی ہیں
اور اچھی تائید کر سکتی ہے - مگر اس انداز تک کہ اس سے دوسری قوم کا
اتلاف حق نہ ہو کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بعض کام نیک نیتی سے
قوم کے ساتھ کیے جاتے ہیں اور اس کی وجہ سے میزان عدل میں اس قوم کا پلہ
ہو جاتا ہے - پس جہاں تک دوسری قوم پر صدمہ یا ظلم نہ ہو سرکار اپنی رعایا میں
ہر ایک قوم کے ساتھ حتی الوسع مدد کرنے کو تیار ہے - جب یہ بات ہے تو موجودہ
انتظام ہماری ضرورتوں کی نسبت کیسا ہی نا موافق رہے ہم یہ امید نہیں کر سکتے
سرکار صرف ہمارے خاص فائدے کے لیے اس کو بدل دے گی ۔"

میں بھی مسٹر جسٹس امیر علی کا ہم زبان ہوں - انتظام موجودہ تعلیم
گو دوسری اقوام کو کیسے ہی موافق ہوں اگر اہل اسلام کی ضرورتوں کو کافی نہ
اس کا تکملہ خود آپ کو کر لینا چاہیے - اگر سرکار اس امر میں دوسری اقوام پر
کیے بغیر آپ کی تائید کر سکتی ہے تو مجھے یقین ہے کہ وہ مدد کرے گی ۔

لارڈ کرزن نے فرمایا کہ کوئی تعلیم جو مذہب پر مبنی نہیں کامل نہیں ہو
اس قول کی صداقت کو ثبوت کی ضرورت نہیں - کیونکہ جس تعلیم سے آدمی
درست نہیں ہو سکتا وہ کامل اور سود مند نہیں ہوتی - دنیوی تعلیم جو مذہبی
مشتمل نہیں صرف ایک تادیبی انتظام ہے اور وہ جسمانی اور دماغی قوتوں کو

کو راستی پر لانے کے لیے موضوع ہے ۔ تاکہ اتفاقات زمانہ سے انسان جس کام
اس میں وہ قوتیں اس کے کام میں آئیں ۔ تعلیم اپنے پورے معنی میں اس سے
وکر ہے ۔ کیونکہ آدمی کیسا ہی لائق اور چالاک ہو جب تک اس کی
درست طور پر کام میں نہ لائی جائیں وہ اپنے آپ کو اور قوم کو نفع پہنچانے کے
خطر ہوتا ہے ۔ جب میں ولایت میں بارسٹری کرتا تھا اس وقت ایک مقدمہ
ہوا ، جس سے میرے دعوے کی تشریح و تصدیق ہوتی ہے ۔ کسی ریلوے کمپنی
ی نوجوان آدمی پر جھوٹے ٹکٹ تیار کرنے اور ان کو استعمال کرنے کی نالش کی ۔
ایک انجینئر کے آفس میں نقاش تھا ۔ گو اس کی تنخواہ کم تھی مگر نقشے اچھے
تھا ۔ وہ ہر شام کو اپنے کام سے فراغت پا کر دوسرے مقام کو جو وہاں سے
آدھ گھنٹے کی مسافت پر تھا جانے کا عادی تھا ۔ چونکہ ٹکٹ خرید کرنے کی
گنجائش نہ تھی وہ خود جھوٹے ٹکٹ بنانے پر آمادہ ہوا اور اس میں حروف اور
اور تاریخ ڈال کر کئی مہینے ریل پر بے اجرت جاتا رہا ۔ اس نے اس صفائی سے
ٹکٹ تیار کیے کہ مدت تک ریلوے کمپنی کو باوصف علم اس امر کے کہ
الی ہے گرفت کرنے کی گنجائش نہ دی ۔ دریافت کے وقت جب ٹکٹ پیش کیے
ان میں اصل کون ہے او جعلی کون ہے ، پہچاننا دشوار ہوا ۔ بہر حال اس پر
ہوا اور قید دراز کی سزا دی گئی ۔ اس سبب سے جو کچھ امید بہبودی اس کی
لیاقت سے متصور تھی وہ سب ہمیشہ کے لیے برباد ہو گئی ۔ دیکھنا چاہیے کہ
شخص نے ایک وجہ سے اچھی تعلیم حاصل کی تھی مگر ایسی تعلیم نہیں جو اسے
کا ایک رکن بنا سکے ۔ برخلاف اس کے اس تعلیم سے وہ موجب ضرر سوسائٹی
اگر اس نے سوائے خاص دنیوی تعلیم کے دوسری تعلیم پائی تھی تو اس سے نفع
جس تعلیم سے رویہ کی آراستگی اور اخلاق کی درستی متصور نہ ہو وہ تعلیم
سود مند نہیں ہو سکتی ۔

اہل اسلام ابتدائی مذہبی تعلیم کو زیادہ ضروری اور معتبر جانتے ہیں اور ان کا
صحیح بھی ہے ۔ اس تعلیم کی غرض یہ ہونی چاہیے کہ اعلیٰ خیالات اور
جو اچھی زندگی کے لیے شرط اول ہیں سکھائے جائیں ۔

یہ بات مسلم سمجھی جاتی ہے کہ ہر شخص تعلیم کے فوائد سے آگاہ ہے اور جو
خود تعلیم یافتہ ہو وہ اپنا فرض منصبی جانتا ہے کہ اپنی اولاد کو بھی اچھی
ے ۔ لیکن کیا فی الواقع ایسا ہی ہوتا ہے ؟ کیا ہم نہیں دیکھتے کہ بہت سے اچھا

لباس پہنے ہوئے مسلمانوں کے لڑکے گلی کوچوں میں کھیلتے رہتے ہیں اور جب بڑے ہوتے ہیں اپنی جوانی بیکاری میں ضائع کرتے ہیں"؟ کیا اکثر مسلمانوں کی یہ عادت ہے کہ جب اپنے بچوں کو کسی دہقانی اُستاد کے پاس پڑھنے کو بٹھلاتے ہیں یا کسی اسکول کو بھیجتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ جو کام اُن کے لیے کرنا تھا کرچکے؟ کیا لڑکوں کی تعلیم اُن کا کام تھا؟ کیا فی الواقع اکثر مقاموں میں ایسا ہی نہیں ہوتا؟ اور کیا وہ بچوں کو اسکول بھیجنے کے بعد پھر کبھی اُن کے تعلیمی اُمور کا خیال کرتے ہیں؟ تجربہ اس کا ہے کہ لڑکا کسی قدر پڑھنا لکھنا حساب کرنا سیکھ جائے کیا وہ اسکول سے الگ نہیں کیا جاتا اور کیا اس کی تعلیم کامل تصور نہیں کی جاتی؟ ایسے لڑکے جہالت میں پڑے رہتے ہیں اور اکثر برا چلن اختیار کرتے ہیں۔ اس کی جوابدہی اُن کے ماں باپ پر ہے کیونکہ اُنھوں نے خیال نہیں کیا کہ بچوں کے لیے کس قسم کی تعلیم ضروری تھی اور اس کو کیسے حاصل کرنا چاہیے تھا یا اُن کے بچاؤ کی کون سی صورت تھی۔

اس میں بالکل شک نہیں کہ لڑکوں کی ابتدائی مذہبی تربیت پر زور دینے سے یہ غرض ہے کہ اُن کے دلوں کو جو عالم طفولیت میں زیادہ اثر پذیر ہوتے ہیں پاک، نیک اور اعلیٰ خیالات سے مملو کریں اور اس اصول پر ایک مفید اور کار آمد تعلیم کی بنیاد قایم کی جائے۔ اس سے بہتر کوئی بات نہیں۔ مگر تعلیم کا سلسلہ اسی پر ختم نہ ہونا چاہیے۔ یہ ضروری امر ہے کہ جب لڑکا نشو و نما پاتا ہے اور اس کا دل وسعت پیدا کرتا ہے تو نیک اور پاک خیالات اور اچھے طور سے زندگی بسر کرنے کی خواہش اس کے دل میں اور بھی جمائی جائے۔ ہم انگریزوں کے یہاں لڑکا ماں کے زیر تربیت رہتا ہے وہ سب باتیں سیکھتا ہے۔ جس پر ابتدائی خیالات اور خواہشات بنا ہوتے ہیں۔ جب وہ اسکول جانے کے قابل ہوتا ہے تو کسی بورڈنگ اسکول کو بھیجا جاتا ہے جہاں اس کی مذہبی تعلیم برابر جاری رہتی ہے اور استادوں کی خبر گیری سے اس کے اخلاق درست ہوتے ہیں جب وہ کالج جاتا ہے تو پبلک اوپینین (جمہوری رائے)، دلی جواں مردی اور اگلی تربیت کا اثر اس کو برے کاموں میں پڑنے سے روکتا ہے۔ اگرچہ بہت سے ایسے بھی ہوتے ہیں اور ہمیشہ ہوتے رہیں گے کہ جب ان کو دنیا اور اس کے لبھانے والے فتنوں کا سامنا ہوتا ہے، تو اپنی اگلی تعلیم و تربیت کو نسیاً منسیا کر دیتے ہیں۔

اگر خفگی کا باعث نہ ہو تو میں یہ کہوں گا کہ کم سن بچے کو پاکی، سچائی اور درست فہمی سیکھنے کے لیے ماں کی آغوش سے کوئی مقام بہتر نہیں۔ تمام ابتدائی اور عمدہ خواہشات ماں سے حاصل کرنا چاہیے جیسا زندگی مابعد میں پاک اور اعلیٰ خیالات

عورت کے حاصل ہوتے ہیں - کوئی قوم بڑی نہیں ہو سکتی جب تک وہ اپنی اولاد ...ت و قدر نہ کرے اور عورتیں اپنے شوہروں کے مقاصد و اغراض کو نہ سمجھیں ...ں میں حصہ نہ لیں - ایسا ہونے کے لیے میری نظر میں یہ نہایت ضروری امر ہے - ...کانفرنس میں قومی لڑکیوں کی تعلیم پر اول خیال کیا جائے - ہر قوم کی لائف اور ہر ...ں کی حیات اور تعلیم میں اناث کے آئین اور ان کی پوزیشن کا بڑا اثر ہوتا ہے - آپ ...کیوں کی تعلیم تشفی بخش حالت میں ہے یا نہیں ، اس پر غور کرنا آپ کا کام ہے - ...تشفی بخش نہ ہو تو اس بارہ میں کیا کرنا چاہیے اس طرف میں آپ کے خیال کو توجہ ...تا ہوں -

مثل مشہور ہے کہ "لڑکا ہی بڑھ کر باپ ہوتا ہے" اس قلمرو میں مسلمان ...وں پر ابتدا ہی سے بوجھ زیادہ پڑتا ہے ، بلکہ ایک دو مقام کے سوا ہر کہیں ایسا ہی ...شاید منجملہ دوسرے وجوہات کے ایک وجہ یہ بھی قوم کی پسپائی کی ہو - مدارس ...وقت اور بھی زیادہ ہے ، کیونکہ ہندوستانی یہاں ملکی زبان تسلیم نہیں کی جاتی - ...سلطنت ہی میں اگر کچھ سیکھنا چاہے تو اپنی مادری زبان کے سوا دوسری زبان ...سکتا ہے اور علوم حاصل کرنے کے لیے اس زبان کو اچھے طور سے سیکھنا پڑتا ...رفتہ رفتہ ایک تیسری زبان میں اس کو لیاقت حاصل کرنے کی ضرورت داعی ہوتی ...نے وہ ملکی زبانوں میں امتحان دے کر کامیابی حاصل کرے ، یہ بلاشبہ بڑی ...کی بات ہے - اس کا دفعیہ ممکن ہے یا نہیں اس مسئلے پر اغلب ہے کہ آپ لوگ ...میں غور و بحث کریں گے - اگر مجھ سے پوچھتے ہو تو میں کہوں گا کہ اس کا ...نے پر سوائے زیادہ بار کشی اختیار کرنے کے اور کوئی نہیں - اس امر کو ظلم ...سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا - یہ بے شک بد نصیبی ہے اور اس کو سہنا ...ہے اور اس مشکل پر غالب آنے کے لیے کیا کرنا چاہیے یہ آپ کا کام ہے -

دوسری مشکل مذہبی تعلیم ہے - یہی تعلیم مسلمانوں کے پیچھے رہ جانے کا سبب ...ی ہے - تا آں کہ یہ ضرور نہ ہو کہ مذہبی تعلیم میں قوانین شرعی بھی لڑکے ...ھلائے جائیں - میں وثوق کے ساتھ رائے دے سکوں کا کہ دینی اور دنیوی تعلیم ...ہونا چاہیے - تا کہ ایک دوسرے کے مزاحم نہ ہو - یہ صحیح ہے کہ جب ...نے لڑکوں کو دنیوی تعلیم کے لیے صرف ایسے اسکول میں بھیج سکتے ہیں ...ی تعلیم نہیں ہوتی تو لڑکوں کو مشکل کا سامنا ہوتا ہے - کیونکہ آن کی ...علم دوسرے مقام میں ہونا چاہیے ، عمدہ اسکول مسلمانوں کے لیے وہی

ہے جہاں دینی تعلیم بھی منضم ہو۔ یہ جب ہی ممکن ہے کہ اسکول خاص
قومی ہو یا زیر انتظام قوم رہے۔ دوسرے صوبے کے اسکولوں سے ہم فائدہ اٹھا نہیں سکتے
کیونکہ ہم اُن سے بہت دور ہیں۔ اس صوبے میں صرف دو ہی اسکول ہیں جہاں
میٹریکولیشن کے درجے تک پڑھائی ہوتی ہے۔ ایک مدرسہ اعظم: جو سرکاری اسکول ہے
دوسرا ہارس ہائی اسکول، جو مشن سے تعلق رکھتا ہے اور جہاں عیسوی مذہب کی تعلیم
ہوتی ہے۔ مدرسہ اعظم ابتدا میں عربی و فارسی اسکول تھا اور نوابان کرناٹک کی فیاضی
سے اُس کا خرچ چلتا تھا۔ مگر قریباً پچاس سال سے وہ سر رشتہ تعلیم سرکاری کے علاقہ
میں آ گیا۔ وہاں صرف دنیوی تعلیم ہونے کی وجہ سے اُن کے تلامذہ کو مذہبی تعلیم دینی
جانے سے پہلے سیکھنے کی ضرورت داعی ہوتی ہے۔ میں سنتا ہوں کہ اگلے زمانے میں وہ
اسکول اچھا کام کر رہا تھا۔ مگر چند سال سے اُس کی وقعت جاتی رہی: اب اس کا
انتظام نئے سرے سے ہونا چاہیے۔ ہارس اسکول جیسا میں نے پہلے کہا مشن اسکول ہے
ہے اور چرچ مشنری سوسائٹی سے علاقہ رکھتا ہے۔ ۱۸۵۴ء میں جنرل ہارس پہلوان
سرنگ پٹن کی یادگار میں اُس کی بنا ہوئی اور تعمیر کا پہلا پتھر لارڈ ہارس گورنر مدراس
کے ہاتھ سے رکھا گیا۔ اُس میں انجیل پڑھائی جاتی ہے وہ بہت اچھا اسکول ہے اور
مسلمان اس کو پسند کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یوروپین پرنسپلوں نے یکے بعد
دیگرے اُس میں بڑی محنت کی۔ مغربی تعلیم کا وہاں اچھا اہتمام ہے۔ وہاں کے قدیم طلبہ
وفادار ہیں اور سوائے چند افراد کے سرکار میں شایستہ خدمات پر مامور ہیں۔ مدراس کے
سوائے دوسرے مقامات، میں مسلمان ہندوؤں کے لیے مقرر کیے ہوئے اسکولوں میں پڑھتے
ہیں اور کالجوں میں بھی ہندوؤں کے ساتھ رہتے ہیں۔ بڑا نقص مسلمانوں کے لیے سرکاری
مدارس میں یہ ہے کہ وہاں صرف دنیوی تعلیم ہوتی ہے۔ اگر یہ ناگزیر امر ہے تو بہتر
ہے کہ وہاں ہندو اور مسلمان دونوں داخل رہیں کیونکہ لڑکوں کے لیے مقابلہ اچھی چیز
ہے۔ یہاں کے مسلمانی مدارس میں صرف دنیوی تعلیم ہوتی ہے۔ مذہبی تعلیم کا انتظام
کرنا غیر ممکن نہیں۔ میں سنتا ہوں کہ پنجاب میں سرکار نے اجازت دی ہے کہ اسکولوں
میں کمیونٹی اپنے خرچ سے اپنے لڑکوں کی مذہبی تعلیم کا انتظام کر لے۔ یہ تعلیم
اوقات مقررہ میں اسکول میں نہیں ہوسکتی اور نہ اسکول کی معمولی درسیات میں اس کو
داخل کر سکتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب لڑکے اسکول کو آتے ہیں تو وہ
نہیں رہتے۔ ایسا انتظام یہاں بھی کر سکتے ہیں مگر وہ تشفی بخش ہوگا یا نہیں غور طلب
امر ہے اور آپ کی توجہ کے قابل۔

عمدہ مسلمانی مدرسہ وہی ہے جہاں دینی اور دنیوی تعلیم دونوں ہوں ، تا کہ
کول کو کم عمری میں جا سکیں اور دوسری قوم کے لڑکوں سے اول مکتب
نے کی ضرورت نہ رہے - اب جو مذہبی تعلیم سب لڑکوں کو دی جاتی ہے صرف
ے تعلق رکھنے کی وجہ سے دماغ کو کند اور وقت کو ضائع کر دیتی ہے اگر
وی تعلیم کے ساتھ ملا دی جائے تو تعلیم بھی اچھی ہوگی اور وقت بھی بچے گا -
وہیں دونوں قسم کی تعلیم ملی ہوئی ہے مگر وہ گورنمنٹ کالج نہیں ہے ، بلکہ اس کا
و اہتمام خاص مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے اور گورنمنٹ کی طرف سے گرانٹ ان ایڈ
ے - دوسری بات یہ کہ علی گڑھ کالج ایک بورڈنگ کالج ہے : جہاں دور دور سے
تے ہیں اور ان کی حفاظت کی جاتی ہے - یہی بات ہے جو آپ یہاں اور ہر ایک
ہیں چاہتے ہیں - یعنی ایک مسلمانی اسکول زیر انتظام مسلمانان جس کے لیے
ے گرانٹ ان ایڈ مقرر ہو اور جس کے متعلق بورڈنگ ہوس اور ہوسٹل بیرونی طلبہ
ہوں - بہتر تجویز مسلمانوں کے لیے یہ ہوگی کہ مدرسہ اعظم کو سرکار سے لے کر
و گرانٹ ان ایڈ اسکول کے طور پر قایم کریں ، تا کہ وہاں مذہبی تعلیم سکھلانے کا
ہوسکے اور مشکلات حال دفع ہو جائیں - اس کے لیے سیلف ہیلپ ضرور ہے - میں
ہوں کہ یہاں کے مسلمان مال دار نہیں - آیا اس کام کا سر انجام آپ ہی سے کسی قدر
تائید کے ساتھ خواہ وہ مسلمانوں سے ہو یا دوسروں سے ممکن ہے یا نہیں ، نہایت
ب امر ہے - آپ کو مطمئن رہنا چاہیے کہ جو لوگ اپنی مدد آپ کرتے ہیں
ان کی تائید رضا و رغبت سے کرتی ہے - یہ امر بہت دشوار معلوم ہوتا ہے ، مگر
ے زیادہ جوشیلے لوگوں سے جو کوششیں حال میں وقوع میں آئیں ان پر نظر کرتے
امر غیر ممکن نہیں - اگر یہ کام کرنے پر آپ آمادہ ہوں تو اس کا وقت یہی ہے ،
میں سنتا ہوں کہ مدرسہ اعظم کے لیے نیا مقام لینے کا انتظام ہوچکا
اور میں تائید کرتا ہوں کہ آپ جنوبی ہندوستان میں ایک
لے کے لیے جیسا سر سید احمد خاں نے شمالی ہند کے لیے بنایا کوئی کوشش
یں گے سچ جانیے کہ یہ امر غیر ممکن نہیں - آپ جانتے ہیں کہ یہاں
دوسری اقوام نے کانفرنس کی کامیابی کے لیے آپ کی تائید کی - کیا آپ شک
ں کہ جب آپ ویسا اسکول کھولنے کی کوشش کریں گے جہاں مسلمان لڑکے علم
کے موجب افتخار ملک و قوم ہوں تو وہ آپ کی تائید نہ کریں گے - یہ
اقوام سے بعید ہے - آپ کی کوششیں ان کی جوشیلی ہمدردی کے قابل ہوں گی

اور مجھے شک نہیں کہ آپ کو سرمایہ سے امداد ملے گی - بڑی بات یہ ہے کہ پہلے آپ
اپنے اسکول کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیجیے - بورڈنگ ہاؤس اور ہوسٹل امداد
ہو سکتے ہیں - ایک شخص چند کمرے اور دوسرا علیٰ ہذا القیاس بنا سکتا ہے
رفتہ رفتہ مستقل مزاجی سے آپ اپنا کالج یہاں بنا سکتے ہیں - آپ صرف ہاتھ
ہوئے نہ رہیں کہ ہم غریب ہیں - مجھے خوف ہے کہ اکثروں کا منشا یہ ہے کہ جو کچھ
ان کا مطلوب ہو گورنمنٹ مہیا کرے - یہ غیر ممکن امر ہے مگر مجھے یقین ہے
جب آپ اپنی مدد کرنے پر صاف آمادگی ظاہر کریں گے - گورنمنٹ بھی خوشی سے آپ
تائید کرے گی -

جیسا کہ آپ کے عروج کے وقت علوم و فنون کا مقام مشرق تھا ، ویسا
آج کے روز مغرب ان کا مقام ہے - علاوہ برآں سرکاری زبان انگریزی ہونے سے
ضروری امر ہے کہ ابتدا ہی سے یہ زبان سکھلائی جائے تاکہ مغربی لٹریچر اور
علوم حاصل ہوں - میں سنتا ہوں کہ مغربی علوم کو آپ کے بہت سے علما بد ظنی کی
سے دیکھتے ہیں - ان کا یہ دعویٰ ہے کہ جو کچھ مسلمانوں کی کافی تعلیم کے لیے ضرور
ہے وہ سب عربی لٹریچر میں موجود ہے - میں امید کرتا ہوں کہ یہ رائے اور خیال
بہت کم اشخاص کے ہوں گے - اگر ان کی مخالفت خرابی مذہب کے اندیشے پر مبنی
تو میں کہوں گا کہ اسلام کو کوئی اندیشہ نہیں - اسلام کبھی اپنے آپ کو مرنے
دے گا - ہمیشہ علما کا ایک طبقہ ہو گا جو اس کو زندہ رکھے گا - وہ ایسا بڑا مذہب
کہ اس کو ایسے امور میں تبدیل خیالات سے کوئی صدمہ پہنچنے کا اندیشہ نہیں -
مذہب کے بارے میں آپ کو خوف کا محل نہیں - آج کل کسی تمدنی صیغہ کی کامیابی
لیے اعلیٰ درجہ کی تعلیم بذریعہ انگریزی زبان کے ناگزیر ہے - ابتدا ہی سے لڑکوں
انگریزی اور اچھی انگریزی سکھلانا چاہیے تاکہ ان کے نشو نما کے ساتھ ان کی انگریزی
بھی نشو نما پائے اور ان کی ترقی کے ساتھ اس کی بھی ترقی ہو - یہ بات حاصل
ہو سکتی جب کہ لڑکوں کو انگریزی سکھانے کے پیشتر ایک ورناکلر زبان کے
کی ضرورت ہوتی ہے ، کیونکہ اس وقت لڑکا انگریزی جلد شروع نہیں کر سکتا
چاہتے ہیں کہ ہندوستانی کے ساتھ انگریزی پڑھائیں یہ خود ایک سبب ہے کہ
خاص ایک اسکول رکھیں یا اقل مرتبہ اسکا انتظام آپ کے ہاتھ میں رہے
نہایت لائق اور مسلم الثبوت استاد مقرر کیے جائیں جن کے ذاتی اثر سے لڑکوں
درست و اعلیٰ ہو جائے -

مگر صرف اتنا ہی کافی نہیں ، اس کے ساتھ ان کی اخلاقی درستگی کا بھی خیال
ی اور یہ بات اس وقت حاصل ہوگی کہ جب وہ بورڈنگ ہوس ہوسٹل یا اور
ی لیاقت اور ادیب لوگوں کی نگرانی میں رکھے جائیں جہاں وہ اچھے اثر سے
یاں اور ان کا رویہ درست ہو جائے اور اس ذریعہ سے ان کو ذاتی علم
علیٰ خصائل اور عمدہ انسانی خیالات حاصل ہوں اور وہ برے خیالات سے
ی نہاک رہیں - آج کل کی تعلیم میں یہ بات حاصل نہیں اور اسی سبب سے
ں اچھے برے کا تفاوت باقی ہے - بری صحبت بے اعتنائی اور اعلیٰ خیالات کا
بی ے اچھی دنیوی تعلیم کو بے کار کر دیتا ہے - کوئی لڑکا کیسی ہی
ل کرے جب تک اس لیاقت کو اچھے طور سے کام میں نہ لائے وہ بالکل
ق ہے ، اس لیے میں آپ کو تاکید کرتا ہوں کہ اس کا انتظام کیجیے -

یسا مدراس میں ایجوکیشن کمیشن کی سفارشوں پر جو اہل اسلام سے متعلق
رکھا گیا اور ۔ رکاری مالی حالت کے اقتضا کے مواقق ان کی تعمیل کی گئی
شہر میں ایسا نہیں ہوا - بہ نسبت دوسرے شہروں کے مدراس طلبا کی کثرت
ے سر بر آوردہ ہے ، اور اس امر میں بھی مدراس کو شرف ہے کہ بہ نسبت
ہ کے اہل اسلام کے طلباء کا حصہ بلحاظ اسکول کو جانے کی حیثیت رکھنے
ں کے زیادہ ہے مگر اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ اہل نسلام ہنود سے
ے ہیں - کیونکہ عدد مذکورہ بالا میں قرآن خواں لڑکے بھی شامل ہیں -

ر اعلیٰ تعلیم کے شعبوں میں ان کی تعداد کو دیکھیں تو بالکل تشفی بخش
لجوں میں ان کا حصہ ان کی تمام آبادی کے لحاظ سے ایک ثلث سے بھی
گرچہ بعض کالجوں میں ان کی تعداد کسی قدر بڑھی ہوئی ہے مگر اس میں
ہو ویسٹ پراونس کے ہیں -

ی قلمرو کی پرائمری اسکولوں میں اگرچہ لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم میں
اق ہے مگر لوئر سیکنڈری اسکولوں میں تعلیم کی حالت خراب ہے اور
میں رونے کے قابل - ۹۲-۱۸۹۱ع میں ۱۰۰ لڑکے اسکول جانے کی
لو ان میں سے لڑکے ۲٫۴۳۲ فیصدی اور لڑکیاں صرف ۲۰۸ فیصدی اسکول
۳۳ لڑکے میٹریکولیشن میں کامیاب نکلے - ۷-ایف اے میں ۱۱-بی-اے
۱۱ میں صرف ۳ بی-اے کی ڈگری انگریزی زبان کے ڈویژن میں کامیاب
اسکولوں میں جن میں خانگی اور مکتبی قرآن خوانوں کی تعداد شامل

نہیں) ٥٧٧٠۴ لڑکے تھے اور لوئر سکنڈری میں ١٥٢٩ - کوئی مسلمان ایم ایل
طبابت یا انجینیری وغیرہ میں پاس نہیں ہوا - دارالعلوم مدراس کی سالانہ رپورٹ
میں میسور تراونکور و حیدر آباد شامل ہیں معلوم ہوتا ہے کہ:

جملہ ٧٢٣٠ گریجوئیٹس میں صرف ٥٧ مسلمان ہیں

٧٠٧٥ بی-اے صرف ٣۴ مسلمان	٣٥ ایم-بی میں ایک بھی مسلمان نہیں
١١٦ ایم-اے " ٢ "	٦ ایم-ڈی " "
٩٠٠ بی-ایل " ٧ "	٧٣ بی-سی-ای " "
١١ ایم-ایل ایک بھی مسلمان نہیں	٢٣٢ ایل-ٹی " "
١٥٠ ایم-ایل-ایس میں " "	

یہ نتیجہ مسلمان لڑکوں کی عدم لیاقت کا نہیں - جن لوگوں نے ان کو کالج میں دیکھا ہے ان کی ذکاوت پر گواہی دیں گے اور بعض شمالی طالب علموں کو ولایت میں بڑی کامیابی حاصل ہوئی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بڑے ذہین ہندو لڑکوں کے ساتھ مقابلہ کر سکتے ہیں - اس وجہ سے بڑے افسوس کی بات ہے کہ انکے کم میں سے پرائمری یا سکنڈری درجہ تعلیم سے تجاوز کرتے ہیں - کیا یہ آپ کی قوم خصوصیت کا سبب ہے یا آپ کی بے پروایی کا ؟ یا یہ اس خیال کا نتیجہ ہے کہ دینی تعلیم کے کوئی تعلیم پوری نہیں ہو سکتی یا یہ اپنے علوم و فنون لٹریچر طرفداری کی وجہ سے ہے ؟ یا آپ آجکل جو اپنے چاروں طرف تغیرات دیکھ رہے ان کے ساتھ اپنے کو برابر نہیں کر سکتے - بایں سبب کہ آپ کے احکم دینی جو ان میں کا قرآن یا حدیث یا اجماع پر مبنی ہے بدل نہیں سکتے - ایک مشہور زاسورخ اس بارے میں لکھتا ہے کہ اسلام عرب کے واسطے تھا - نہ کہ دنیا کے اور وہ بھی چھٹویں صدی کے عرب کے لیے تھا ، نہ کہ تمام زمانوں کے عربوں کے اگر وجوہات بالا مسلم ہوں تو ہندوستانی مسلمانوں کی تعلیم کا مسئلہ جب ہی حل کہ دینی اور دنیوی تعلیم منظم ہو اور اسلام کے لٹریچر اور سینس کو باقی رکھ مغربی لٹریچر اور سائنس کو، بھی اس کے ساتھ شامل کریں ، تاکہ طالب علم زمانہ ضروریات پر حاوی ہوں اور دنیا کے نوخیز طالب علموں کی صف میں اپنے مقام کو یہی کام علی گڑھ کالج کی تعلیم میں سر سید نے کیا اور اسی وجہ سے اس کو کامیابی حاصل ہوئی - اب وہ وقت ہے کہ اگر اہل اسلام کامیابی اور اعلیٰ خدمت کرنا چاہتے ہوں تو جو کچھ کرنا ہو وہ جلد کریں -

بلحاظ اعداد مذکورہ بالا کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ گورنمنٹ سروس میں
باوصف اپنا پروپورشن پورا رکھنے کے کم خدمات پر ہیں - گورنمنٹ بلحاظ
سب سے فایق آدمی سو اس کو کام دیتی ہے اور اس کا معیار صرف تعلیمی
ہیں - بعض بے شک کہیں گے کہ خطا ہماری نہیں ، گورنمنٹ کو ہمارے لیے
زیادہ کرنا چاہیے - میں کہتا ہوں کہ بالفعل گورنمنٹ سے جس قدر ممکن تھا
کے لیے ہو چکا اور جب تک آپ اپنی تائید نہ کریں اور اپنے کو آپ نہ سدھاریں
اور کچھ زیادہ کر نہیں سکتی - رعایت کرنا دوسری اقوام پر ظلم ہوگا ،
قوم کے ساتھ گورنمنٹ کو بلا طرفداری کے رہنا ضرور ہے - ناظم صیغہ
مدراس کی رپورٹ ۱۹۰۰ء - ۱۸۹۹ء میں یہ لکھا ہے ''اس صیغہ کی توجہ کئی
مسلمانوں کی تعلیم کی طرف ہے - خصوصیت کے ساتھ اس قوم کی تائید کی گئی
سرکاری اسکول اور کالجوں میں انھیں آدھی فیس دینے کی رعایت حاصل ہے -
استادی کے لیے تربیت پاتے ہیں ان کو سرکاری اسکول اور کالجوں میں زیادہ
سے مدد دی جاتی ہے - گرانٹ ان ایڈ کے قانون کے موافق سب مسلمانی
بلا لحاظ اعداد غریب طلباء پورا سکولس شمار کیے جاتے ہیں - وہاں کے استادوں
ماہ کا گرانٹ زیادہ دیا جاتا ہے اور رزلٹ گرانٹ مسلمان لڑکوں کو فیصدی
ملتا ہے - خدمات کی تقسیم میں بھی مسلمانوں کا خیال رکھا جاتا ہے - اگر ان
بہ نسبت دوسری اقوام کے اس صیغہ میں کم ہے تو اس کی وجہ صرف یہ ہے
درخواست کنندوں میں سرکاری شرائط کے موافق لائق لوگ کم ہوتے ہیں''
مقام پر یوں لکھا ہے ''سال گزشتہ کے موافق ۱۰-۷-۶ اسکالرشپ مسلمان
کے لیے مقرر ہوئے مگر ۲۴-۹-۷ دیے گئے - سوائے اس کے ۴- اسکالرشپ بی-اے
جاری ہوئے - ان سب کے علاوہ خاندانی لڑکوں کی اسکالرشپ کے متعلق
گزشتہ پانچ سال میں سالانہ سات سو روپیہ خرچ کر کے ۴۵ لڑکوں کی جن
کی ماہواری آمد پچاس سے زائد نہ تھی مدد کی -

اس سال مسلمانی اور ماپلا اسکولوں کا خرچ ۲۳۳۵۲۵ روپیہ ہوا اور اس کا
ہے ؟ یعنی ۱۱ - بی-اے جن میں صرف ۳ انگریزی زبان کی لینگویج ڈویزن
اور ایک ایف اے میں - آپ کے برادران شمالی کے پیش کرنے کے لیے
کیفیت ہے مگر یہ وقت ہے کہ وہ آ کر آپ کو ترقی کے راستے بتلائیں وہ
خوش نصیب ہیں - میں امید کرتا ہوں کہ آپ کی مانند غریب نہیں ہیں

بہر حال وہ اسکول رکھتے ہیں جیسے مسلمانوں کے واسطے ہونے چاہئیں - آپ کو ال
سیکھنا چاہیے کہ ایک اسکول جس کا انتظام درست ہو اور جہاں دینی اور دنیوی تعلیم
دونوں دی جاویں ؛ بہت ضرور ہے جہاں اُستادوں کے ساتھ قوم اور لڑکے محبت کریں
اور ان کو عزیز رکھیں ، جہاں کم سنی سے اچھے طور سے انگریزی پڑھانے کا زیادہ
خیال رہے - تا کہ طلبا کو مغربی لٹریچر حاصل کرنے کا موقع ملے اور وہ آئندہ قوم کے
کارآمد اور قیمتی رکن ہوں ، لوگ ان کا ادب کریں ، اور وہ بھی ادب سے باہر نہ ہوں
اور جہاں تعلیم یافتہ طلباء اپنے یقینی عزتی مقام سے محبت کے ساتھ اپنے طالب علمی کے
زمانہ کو یاد کریں ، اور اپنے دارالعلوم اور اس کے بانی کے لحاظ سے تمام ہندوستان میں
پھر کر اپنی قوم کی تائید کریں اور اپنی مثال دکھلا کر ان کی اور ان کی اولاد کی
بہتری کا ذریعہ بنیں -

لوگ کہتے ہیں اور میں جانتا ہوں کہ وہ صحیح بھی ہے کہ یہاں کے مس
بے حد غریب ہیں - اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے موقع کو ہاتھ سے کھو دیا -
آپ پورے طور سے ڈوب جانا نہیں چاہتے ہیں تو نہایت ضرور ہے کہ اپنی اولاد کے
کچھ کریں ، تا کہ وہ ان فوائد کو جو آپ نے کھو دیے حاصل کریں - کیا آپ
رسوم میں خرچ کرنے کے لیے غریب نہیں اور اس خرچ سے آپ کو یا آپ کی اولاد
کیا نفع ہے ؟ کیا آپ کی عزت و وقار اس سے زائد ہوتا ہے کہ آپ کی مدت
تک ایک چکی کا پتھر آپ کے گلے میں باندھا جاوے تا کہ بعض جاہل احمق
کہیں کہ آپ کیسے بڑے آدمی ہیں - اگر آپ کو اپنے تباہ کرنے سے کچھ نفع ہوتا
تو ایسا کوئی راستہ نکالیے جو آپ کی اولاد کے لیے فائدہ مند ہو - مگر ایک روپیہ
ناموری اور نمائش کے لیے اپنے سرمایہ کو ضائع نہ کیجیے - اگر آپ کی رسوم ضرور
ہوں تو ان کو باقی رکھیے ورنہ وہ خرچ گھٹا دیجیے اور اس روپیہ کو اپنی اولاد
تعلیم و ترقی میں خرچ کیجیے آپ میں سے کسی متمول شخص کو اس بات کی
کرنا چاہیے تا کہ دوسرے لوگ اس کو اختیار کریں آپ کوئی انتظام کر کے
تعلیمی فنڈ قائم کیجیے جس میں ہر شخص بقدر استطاعت گو وہ کتنی ہی کم ہو
کرے - میں دیکھتا ہوں کہ آپ کی درخواست نادار بچوں کو تعلیمی تائید دینے
لیے بیکار نہیں ہوئی ، بلکہ لوگوں نے اس کو خوشی سے قبول کیا اور میں
دلاتا ہوں کہ بعض غیر اقوام نے تائید کا وعدہ کیا ہے چاہیے کہ آپ کے مالدار
اپنے غریب بھائیوں کی کشادہ دلی سے تائید کریں - یہاں نہ سر سید احمد خان

واکین قوم موجود ہیں جو ایک علی گڑھ ثانی جنوبی ہند میں قائم کر دیں ۔ یہ کام
پ کر کرنا چاہیے اور وہ اسی وقت ہوگا کہ جب اپنے اوپر مشقت جھیلیں ۔ اگر
پیچھے ہٹ جائیں تو یہ موقع ابد الآباد تک آپ کے ہاتھ سے نکل جانے کا ایک
وم کی یادگار بلا امید جاں بری ڈوب جاوے گی ۔

حضرات ! آپ لوگ جو دوسرے مقامات ہند سے آئے ہیں اور کانفرنس یہاں
راز ہائی ہے آپ کا دوہرا شکریہ ہم پر واجب ہے ۔ میں یہاں کے مسلمانوں کی
ے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں ، کہ آپ نے صرف یہاں کانفرنس ہی مقرر نہیں کی
نی دور آ کر اپنی شرکت ، تجربہ اور نصیحت سے ، جس کی نہایت ضرورت تھی
ی ۔ میں اندیشہ کرتا ہوں کہ علی گڑھ کالج کو واقعی فائدہ پہنچانے کے لحاظ سے
تو معقول مدد دینے کی امید نہیں کر سکتے ، مگر مجھے یقین ہے کہ آپ کو
نے سے پچھتانا نہ ہوگا ۔ کیونکہ مجھے امید ہے کہ یہ اجلاس کانفرنس یہاں کے
کے لیے ایک یادگار ہوگا اور ان کے جوش کو بڑھائے گا ، جس کی وجہ سے
ں کے مسلمانوں میں کامل ترقی ہوگی ۔ مجھے آپ سے امید ہے کہ آپ اس اجلاس
ہونے سے پہلے یہ ظاہر کر دیں گے کہ اس سے آپ نے کیا فائدے حاصل کیے
اس قلمرو میں کیا ۔ دوسرے قلمرو میں کس قسم کا انتظام کیا جائے جو ہر طرح
ثابت ہو تا کہ اس سلطنت کے تمام مسلمان اس کام کی انجام دہی میں باتفاق باہمی
اور جوش ترقی تعلیم اس قدر عالمگیر ہونا چاہیے کہ کوئی پراونس ، شہر ، قریہ
کوچہ اس سے خالی نہ ہو ۔ غالباً آپ میں سے بعض لوگوں نے یہ مشاہدہ کیا
برف کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا جو ٹینس بال کے برابر ہوتا ہے جب چکر کھانے
تو اجزاء برفی کو اپنے ساتھ اس قدر جمع کر لیتا ہے کہ ہوتے ہوتے بذات خود
چٹان کی صورت پیدا کر لیتا ہے ۔ اس طرح آپ کو بھی چاہیے کہ اپنی تعلیمی
لیے فراہمی رقوم کا ایسا انتظام کریں جس سے چھوٹی چھوٹی رقمیں کثرت سے
کر ایک ایسے خزانہ کی شکل پکڑیں جس سے آپ کے کالج اور دوسرے اسی
ڈھنگ کی جو ہندوستان کے ہر مقام پر قائم ہو سکیں ، سربراہی بآئین شایستہ
جو لوگ رقم سے مدد نہیں کر سکتے وہ اپنے وقت اور محنت سے مدد کریں ۔
ہر ایک رکن اس بات کا ذمہ لے کہ ہر ایک ڈسٹرکٹ یا شہر یا کوچہ کے
کچھ کچھ وصول کرے اور ایک وقت نہیں بلکہ ہر ماہ بھیں ، تو چند سال
بڑا سرمایہ جمع ہو جائے گا ۔ جس سے ہندوستانی مسلمانوں کی تعلیمی شکل

ہی بدل جا سکتی ہے اور جس سے سر سید احمد خاں کے ابتدائی ارادہ کو بھی پورا کر سکیں ۔ علی گڑھ کالج کو یونیورسٹی بنا سکیں اور دوسرے مقامات میں بھی ویسے ہی کالج کی جیسا اس محسن قوم نے علی گڑھ میں کھولا ہے بنیاد قائم کر سکیں ۔ میری رائے ہے کہ آپ اس کام کے لیے ایک فنڈ قائم کیجیے جس سے ہر پراونس کی اس کی ضرورت کے موافق مدد کی جائے ۔

حضرات ! میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے اس صبر کے ساتھ یہ تقریر سنی ۔ میں نے مدراس کے بارے میں تقریر کرتے ہوئے آپ کا بہت سا وقت لیا مگر کیا مجھے اس کے لیے سبب نہیں تھا ؟ مجھے بغض ایسی باتیں کہنا پڑیں جو اکثر صاحبان کو خوش نہیں معلوم ہونگی مگر یہ دوست کا کام نہیں کہ میٹھے الفاظ سے آپ کی خوشامد کرے ۔ جو کچھ میں نے کہا صحیح کہا اور ایسا کہنے سے آپ کے کام میں مدد کرنا منظور ہے ۔ اگر آپ اپنی خود مدد نہ کریں تو اور کوئی مدد دے نہیں سکتا ۔ گورنمنٹ کو جو کچھ کرنا تھا آپ کے لیے کر چکی اور جب تک آپ نہ بتلائیں کہ گمنامی کے گڑھے میں ڈوبنا نہیں چاہیے ، جب تک آپ اپنی ہستی کو جو آپ کا خاصہ ہے دور نہ کریں ، جب تک آپ اپنی نمائشی شان و شوکت کی خواہش دل سے خارج نہ کریں اور اپنے خرچ کو خواہ اپنی ذات پر ہو یا رسوم میں کم نہ کر دیں اور بچت کو اپنی اولاد کی تعلیمی ضروریات میں صرف نہ کریں اور جب تک آپ ایک انتظام کر کے رقم جمع نہ کریں تا کہ آپ کی اولاد کی تعلیم آپ کے ہاتھ میں اور آپ کی صواب دید کے موافق ہو ؛ میں اندیشہ کرتا ہوں کہ آپ کو اپنی مدد کے لیے گورنمنٹ سے اپیل کرنا بے فائدہ ہوگا ۔ اس لیے آپ اپنے وقت کو بیکار بحث میں ضائع نہ کیجیے بلکہ اپنے دلوں کو اس طرف متوجہ کیجیے کہ قوم کی تعلیمی حالت جو ابتر ہو رہی ہے اس کی کیا وجہ ہے اور اس کا کیا علاج ہے ؟ صرف اپنی ذات اور اپنی کوششوں پر تکیہ کیجیے اور اگر ہو سکے جیسا اب تک ہوتا آیا ہے گورنمنٹ آپ کی مدد کرے گی اور اس بات کی سب قدر کریں گے کہ مسلمانان ہند ناکارہ نہیں ۔

خطبۂ صدارت (دھلی ۱۹۰۳ء)

(ھز ھائی نس ، سر آغا خاں)

جنٹلمین ! میرا پہلا فرض اور خوشی یہ ہے کہ میں آپ صاحبوں کا شکریہ
ں کہ آپ نے مجھ کو اس کانفرنس کا پریسیڈنٹ ہونے کی عزت بخشی - اس
ریٹھنا ایک ایسا امتیاز ہے کہ ہر مسلمان کے واسطے باعث فخر ہو سکتا ہے -
پ نے مجھ کو ایک خاص اعزاز بخشا ہے کہ اس شاہی شہر میں اور تواریخی موقع
کو پریسیڈنٹ تجویز کیا - میں اس اعزاز کی بابت آپ صاحبوں کا صدق دل سے
ا کرتا ہوں -

جونکہ آپ صاحبوں نے مجھ کو اپنی طرف سے گفتگو کرنے کا حق عطا کیا
میں بلا تضیع وقت اس خیال کو ظاہر کرنا چاہتا ہوں جو یقینی ہم سب کے
ہے - من جانب محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس میں مہمانوں اور ڈیلیگیٹوں کا جو کہ
ز مقامات سے آئے ہیں خیر مقدم کرتا ہوں کہ اس جلسے میں شرکت کا اعزاز
کے واسطے ان صاحبوں نے دور دراز مسافت کی تکالیف گوارا فرمائیں -

بالخصوص میں اس مسلمان جلسے کا شکریہ ان معزز گورنران اور فرماں روایان
میں پیش کرنا چاہتا ہوں جنھوں نے اس جلسے میں شرکت کا وعدہ فرمایا ہے
ضرور خاص قابل شکر گزاری اور نیز اس کانفرنس کے واسطے باعث اعزاز ہے
بڑے مدبران و منتظمان ملک نے باوجود ملکی ترددات اور مشاغل کے یہ
مایا کہ اس جلسے میں شرکت فرما کر اپنی دلچسپی ایک ایسی قوم کے مذہبی ،
ور تعلیمی مسائل سے ظاہر کریں جو ان کی اپنی قوم نہیں ہے - حقیقت تو یہ ہے
بات سے تعجب بھی ہوتا ہے اور نیز مبارک باد دینے کو دل چاہتا ہے کہ
معزز حاضرین کے ایک صاحب ہی کو یہ خیال پیدا ہوا کہ شان و شوکت کے
کو جو کہ اس مقام سے تھوڑے فاصلے پر موجود ہے ترک کریں اور اس مقام پر
ائیں - قبل ازیں کبھی ہندوستانی والیان ملک کو اتنے بڑے شان و شوکت

کے کام میں شریک ہونے کا اتفاق نہ ہوا ہوگا ۔ نہ کبھی ہم نے سلطنت ہندوستان کی
شان و شوکت کو اس طرح پر ایک جگہ مجمع دیکھا ۔ اور نہ کبھی اس شاہی شہر کی
پرانی دیواروں نے اتنے بڑے شاہنشاہ کی تخت نشینی کا جلوس دیکھا ہوگا ۔

آپ کی اس کانفرنس میں محض تشریف آوری ایسے موقع پر جب کہ بہت سی
دوسری چیزیں قابل دید ہیں اس بات کا ثبوت ہے کہ ہم صرف اس بات پر بحث نہیں
کر رہے ہیں کہ مدارس میں کیا پڑھایا جائے اور کیا نہ پڑھایا جائے بلکہ اہم معاملات
زیر بحث ہیں ۔ اگر میں اس کانفرنس کے مقاصد کے سمجھنے میں غلطی نہیں کرتا تو ہم اس
بات پر غور کرنے کے واسطے جمع ہوئے ہیں کہ ہم کو اپنی قوم کے مقاصد کیا قرار
دینے چاہئیں اور کس طریقے پر وہ حاصل ہو سکتے ہیں ۔ اس سوال کا صحیح طور پر
حل ہونا کوئی چھوٹی بات نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ اسی پر منحصر ہے

اپنی قوم کے مقاصد اور خواہشات کی اصلاح کرنا ایک بہت بڑا کام ہے ۔ لیکن
اس کام کے انجام دینے کے واسطے ہم مسلمانان ہند کو خاص مواقع حاصل ہیں ۔ ہم کو
یہ ایک کتنا بڑا فائدہ حاصل ہے کہ ہم ایک ایسی گورنمنٹ کے تحت میں رہتے ہیں
جو امیر اور غریب اور مختلف مذہب اور ملت کے اشخاص کے ساتھ یکساں انصاف
برتاؤ کرتی ہے ۔ اس کے علاوہ ہم کو پوری آزادی حاصل ہے کہ اپنی قوم کی فلاح
کے واسطے جو تدابیر چاہیں اختیار کریں ۔ ہم کو اس بات کا کوئی اندیشہ نہیں ہے
کہ اگر ہم تعلیم کی ایسی اسکیم تجویز کریں گے کہ جو گورنمنٹ کی تجاویز کے مطابق
نہ ہو تو ہمارے مباحثے بند کر دیے جائیں گے ۔

ہم جانتے ہیں کہ کوئی کتاب اور کوئی علم ایسا نہیں ہے جو ہمارے واسطے
سرکاری طور پر ممنوع ہو اور بالآخر ہم کو یہ بھی معلوم ہے کہ ہم کو برٹش سلطنت
کے زیر سایہ پوری آزادی ہے کہ جو تدابیر خواہ وہ سوشل ہوں یا اکانومک ہم مناسب
خیال کریں ، ان پر انجام تک عمل کریں ۔ ہماری دولت سے لالچ پیدا نہیں ہوگا اور
ہمارے ترقی علم پر فرماں روایان ملک حسد کریں گے ۔ سب سے زیادہ قابل لحاظ
امر ہے کہ ہم ایک ایسی سلطنت کے ممبر ہیں کہ جس میں علم اور دولت کے لیے
مواقع ہیں جو ایشیا کے کسی دوسرے ملک میں حاصل نہیں ہیں ۔ ہم کو صرف یہ کرنا
چاہیے کہ اپنی سمجھ اور قوت کے ذریعہ سے مواقع کا استعمال مناسب کریں ۔ یہ مواقع
ہمارے ہم مذہبوں کو ٹرکی یا پرشیا میں حاصل نہیں ہیں ۔ ان ممالک کی بابت یہ
کہا جا سکتا ہے کہ وہاں تجارت اور صنعت اور نیز آزاد پیشوں کے ذریعہ سے دولت

ے مواقع حاصل ہیں ـ ان دونوں ملکوں میں علم اور آزادی خیال کے واسطے قیود
نہیں ہیں - پس ہم مسلمانان ہند کو لا جواب فوائد حاصل ہیں اور اپنے ہم مذہبوں
ی عجیب پوزیشن ہے - بشرطیکہ ہم فوائد سے مناسب طور پر مستفید ہوں اور
رائض ادا کریں تو ہم کو تمام دنیا میں اسلامی ترقی کا رہنما ہونا چاہیے - اس
یں ہم کو آزادی ہے کہ اپنی سوسائٹی کے مقاصد کے حصول میں سعی کریں ،
آزادی ہے کہ ان پر مباحثہ اور غور کریں اور ہم کو اندرونی اور بیرونی غنیموں
ں حاصل ہے - ہم بلا اندرونی اور بیرونی خدشات کے اپنی تدابیر کا سر انجام
ے ہیں - بر خلاف اس کے ہمارے بھائی بند جو ٹرکی اور پرشیا میں ہیں ان کو
ے پہلے فوجی تیاریاں اور ڈپلومیٹک انتظامات کی جانب خیال رجوع کرنا ہوتا ہے ،
کہیں ایسا نہ ہو کہ ادھر تو وہ تدابیر ترقی کر رہے ہوں اور اُدھر کوئی غیر لبرل
نار یورپین سلطنت ان کی آزادی کا خاتمہ کر دے اور اس طور پر یکبارگی آئندہ
ی کی مواقع ہاتھ سے نکل جائیں - ہم لوگ جو کہ انگلستان کی آزاد حکومت میں
ں اپنے خیالات کے موافق ترقی کرنے کے وہ کل ذرائع رکھتے ہیں کہ جن کی کسی
ضرورت ہوتی ہے -

جنٹلمین ! اب ہم کو اس سوال پر غور کرنا چاہیے کہ مسلمانان ہند نے اُن
ے کیوں کر فائدہ اُٹھایا ہے کہ جو مشیت ایزدی سے اُن کو حاصل ہیں - اس
بارہ کانفرنس سے خاص تعلق ہے ہم کو شرم اور افسوس کے ساتھ اقرار کرنا چاہیے
وقت تک ہم ناکام رہے ہیں - ہندوستان میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک
ہی اسکول ہیں کہ جن میں مسلمان لڑکے اور لڑکیاں جدید تعلیم اپنے مذہب کی
ساتھ حاصل کر سکتے ہیں ؟ کیا جہاں سو ہونے چاہییں وہاں ایک بھی اسکول
کہ جس کی ہماری قوم کو ضرورت ہے اور جو ہم قایم کرتے اگر ہم بھی منجملہ
اقوام کے ہوتے - بے شک ایک خاص تعداد ایسے مدارس اور مکاتیب کی ہے
کلام مجید طوطے کی طرح پڑھایا جاتا ہے - لیکن ان مقامات میں بھی اس بات کی
ش نہیں کی جاتی ہے کہ ان لڑکوں کی اخلاقی حالت کو ترقی دی جائے یا اسلام
ی دوامی اُن کو بتلائے جائیں بالعموم اول تو نماز پڑھی کم جاتی ہے اور اگر
ی جاتی ہے تو فی صدی ایک لڑکا بھی نہیں سمجھتا کہ اُس نے کیا پڑھا اور

میں ایک مثال اور اس بات کی لیتا ہوں کہ ہم نے اپنے ہم مذہبوں کے ساتھ
سر انجام نہیں دیے - جو قحط حال میں پڑا تھا اس میں من جانب قوم کے کوئی

کوشش اس بات کی نہیں کی گئی کہ مسلمان بچوں کی حفاظت کی جائے یا اُن کو
مدارس میں تعلیم دی جائے یا کوئی خاص پیشہ سکھایا جائے - اگر ہماری قوم میں کو
ہوا نہ ہوتا تو اس پبلک، فرض کی طرف سے ہرگز غفلت نہیں کی جا سکتی تھی -

مسلمان سوسائٹی میں بسا اوقات پولٹیکل قوت کے ہاتھ سے جاتے رہنے پر
نالہ کیا جاتا ہے - لیکن ہم کو یاد رکھنا چاہیے کہ فی زمانہ یہ ممکن ہے کہ کسی ایک
قوم کے ہاتھ میں قطعاً عنان حکومت اس طرح دے دی جائے جس طرح کسی زمانے میں
مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی - یہ وہ زمانہ ہے کہ سب کو عام آزادی ہے - ایسی حالت
میں کسی قوم کا یہ خواہش کرنا کہ کل پولٹیکل پاور اس کے ہاتھ میں آ جائے -
بے سود بلکہ امارل ہے - کسی منصف مزاج آدمی کو یہ خواہش بھی نہیں ہونی
دیگر اقوام سے نکل کر پولٹیکل قوت اُس کے ہاتھ میں چلی جائے - برخلاف پولٹیکل
قوت کے اس بات کی خواہش بالکل واجبی ہے کہ صنعت اور فنانس کے میدان میں
سب سے آگے بڑھ جائیں - کیونکہ یہ نتیجہ صرف اسی حالت میں حاصل ہو سکتا ہے
دماغی قوت کا استعمال بھی سب سے بہتر کیا جائے - مگر اس معاملے میں بھی ہماری قوم نے
اس امن و امان ، انصاف اور آزادی سے فائدہ نہیں اٹھایا جو ہم کو برٹش حکومت کے تحت
میں حاصل ہے - ہم نے صنعت اور تجارت کی طرف سے بھی اسی طرح پہلوتہی کی جس
طرح دیگر مواقع کی طرف سے -

یہ عام غفلت جو تمام کاروبار زندگی کی طرف سے ظاہر کی جاتی ہے ایک اخلاقی
بیماری کی دلیل ہے اور میں آج آپ سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ اس بیماری کے
پر میرے ساتھ غور فرمائیے - میں آپ کا خیال بالخصوص اس بحث کی طرف مبذول کرتا
ہوں کہ کیا اس بیماری کے اسباب لازمی قسم کے ہیں جن سے مفر نہیں ہو سکتا ؟ یعنی
اُن کا تعلق خود ہمارے مذہب سے زیادہ ہے یا وہ محض اتفاقی اور اکتسابی ہیں ؟ اس
کا محض اتفاقی ہونا اور اس کا جزو اسلام نہ ہونا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام نے
صرف ابتدائی پچیس سال میں مابعد ہجرت ترقی کی بلکہ بعہد ابوبکر و عثمان عرب سوسائٹی
کا اعلیٰ طبقے پر ہونا بھی یہی بات ثابت کرتا ہے - ہم کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے
جس سوسائٹی کو اسلام نے اعلیٰ طبقے پر پہنچا دیا اس کی حالت قبل اسلام کیا تھی
یہ وہ لوگ تھے جن کی جوانی یا تو مثل قریش امرا کے کاہلی اور تعیش میں گذری تھی
یا مثل عوام الناس کے قتل اور غارت گری اور رہزنی میں صرف ہوتی تھی - یہ اسلام
ہی کام تھا کہ یہ لوگ ہیرو ہوگئے اور نہ صرف میدان جنگ میں نامور ہوئے بلکہ

تندرست قوم کو جو مشکلات معمولی فرائض کے ادا کرنے میں روزمرہ پیش آتی
کے انجام دینے میں بھی سر آوردہ ہوگئے - بہ حیثیت مجموعی یہ لوگ پابند قوانین و
منصف اور کریم النفس تھے اور اپنے قول و قرار کے سچے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا
ایرانی کاشت کاروں نے فاتح قوم کو نعمت خدا داد متصور کیا - مابین
و ۱۸۶۰ع کے جب کبھی کسی غیر منتظم ہندوستانی ریاست کو زیر کر کے
اپنا قبضہ کرتے تھے تو ہندوستان کے کاشت کار ان کو بھی اسی نظر سے دیکھتے
نظر سے مسلمان ایران میں دیکھے جاتے تھے - ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ
مذہب ہے کہ جس زمانے میں اس کو لوگ بخوبی سمجھتے تھے اور اس پر عمل
اس وقت اس کا نتیجہ کاہلی نہیں تھا ، بلکہ غیر معمولی جوش اور قوم پر
قربان کرنے کا خیال پیدا ہوتا تھا - اور اس فرقے میں جو زمانہ جاہلیت میں
شہر مکہ تھے اور بس یہی لوگ تھے جن کو اسلام کے مصلح اثر نے اپنے
اہل عرب کو دوبارہ لاپلٹی اور جان نثاری میں ممیز و ممتاز بنا دیا تھا - مثلاً
خالد اور عمرو و فاتحان دمشق و مصر کو جب عمر و عثمان نے برطرف کیا
صبر و تحمل کے ساتھ ان فاتحوں نے خلفاء کے حکم کی تعمیل کی باوجودیکہ
کے وہ گورنر تھے وہ خود اس فوج نے فتح کیے تھے جس کے وہ جنرل اور
- ان دونوں افسروں کے دلوں میں حکام بالادست کے احکام کی پابندی کا خیال
تھا اور یہ لوگ جو اب ایسے پابند اصول اور مطیع تھے اپنی جوانی میں
امرائے مکہ محض نکمے تھے -

ان کل باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ کاہلی اور فرض منصبی کی طرف سے غفلت
عیوب نہیں ہیں جو اسلام سے خواہ مخواہ پیدا ہوتے ہوں - پس ہم کو غور کرنا
اس کاہلی اور لا پروائی کے اسباب کیا ہیں جو تمام ممالک اسلامی میں محیط
تغافل اس خیال سے اور بھی تعجب خیز ہے کہ وہ انگلستان کے زیر حکومت
آتا ہے ، حالانکہ یہ ایسی سلطنت ہے کہ اس کی رعایا کو تھوڑی محنت سے
عروج حاصل ہو سکتا ہے - کیونکہ فی زمانہ حقیقی عروج علم و دولت اور
ترقی کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور یہ ایسا عروج ہے جو استقلال کے ساتھ
کرنے سے ہم کو حاصل ہو سکتا ہے -

میرا یہ خیال ہے کہ جو بیماری مسلمانوں کو لاحق ہے وہ کسی ایک سبب
ہے بلکہ میں آپ کی اجازت سے چار مختلف اسباب ایسے بیان کروں گا کہ جن

کی وجہ سے یہ اخلاق تغافل مسلمانوں میں پیدا ہوا ہے اور آپ دیکھیں گے کہ بعض اسباب جن کا میں ذکر کروں گا زمانہ دراز سے اپنا فعل کر رہے ہیں ۔

سبب اول . کا سراغ لگانے کے واسطے یہ ضروری ہے کہ اسلام کے ابتدائی زمانے پر نظر ڈالی جائے ۔ حضرت عمر کا قابل افسوس قتل ایسا واقعہ تھا کہ جس سے ایسا صدمہ پہنچا کہ اس کا اثر اب تک زائل نہیں ہوا ۔ حضرت عمر نہایت نازک وقت پر قتل کیے گئے ۔ جب کہ نہ صرف سلطنت میں وسعت ہوئی تھی بلکہ ہر مسلمان کی ثروت میں ترقی تھی ۔ اور واضح ہو کہ حضرت عمر ہی ایسے شخص تھے جن کا خلوص اور پرہیز گاری اور انصاف اس درجہ کا تھا کہ سب لوگ نہ صرف ان کی اطاعت کرتے تھے بلکہ دراصل وہ اپنی ذات سے اعلیٰ اور مکمل نمونہ مسلمانی جوانمردی کا تھے۔ وہ ایسا زمانہ تھا جب کہ ہر نوجوان مسلمان نہ صرف ایک وسیع سلطنت کا دفعتاً مالک ہو گیا تھا ، بلکہ اس کی دولتمندی بھی اس کے وہم و گمان سے زیادہ ہو گئی تھی۔ ایسے نازک وقت میں حضرت عمر کے انتقال سے ایسی چیز مسلمانوں کے ہاتھ سے جاتی رہی جو ہر قوم اور ہر زمانے میں سوسائٹی کا 'خواہ قدیم زمانہ کی ہو یا جدید نہایت بیش بہا ورثہ ہوتا ہے یعنی حاکم وقت کی ذات میں ان صفات کا ہونا جو اعلیٰ درجہ کے درویشوں اور مشائخ میں ہوتی ہیں ۔ اس وقت حضرت عمر کی محض عدم موجودگی سے ایسا صدمہ پہنچا کہ اس کی عظمت میں کسی منصف مورخ کو شبہ نہیں ہو سکتا ، خواہ اس کا یہ خیال کتنا ہی پختہ ہو کہ زمانے پر عام اسباب کا اثر پڑتا ہے نہ کہ ذاتیات کا۔ جب حضرت عمر کے جانشین قتل ہو گئے اور جو خلیفہ ان کے بعد صدر نشین ہوئے ان کو مخالفین کے ساتھ مقابلہ کرنا پڑا تو ایک جدید پیچیدگی اسلامی سوسائٹی میں پیدا ہوئی ۔ تعجب کا مقام ہے کہ اس پیچیدگی کی طرف اعلیٰ درجے کے مؤرخین کا خیال نہیں گیا ۔ حالانکہ جو تغافل اس وقت زیر بحث ہے یہ اسی جدید ایلیمنٹ (Element) کا نتیجہ ہے ۔ منجملہ صحابیوں اور اعلیٰ درجہ کے پرہیز گار مسلمانوں کے بکثرت ایسے تھے جن کو اس معاملے میں تذبذب تھا کہ ان کو اس خانہ جنگی میں کس کا ساتھ دینا چاہیے اور کیا کرنا چاہیے تاکہ جو نقصان پہنچ رہا ہے وہ اس سے بری الذمہ رہیں ۔ ان میں سے طرز عمل کی وجہ سے ایک نہایت مخدوش اصول سوسائٹی میں داخل ہو گیا ۔ ان میں سے ہر ایک بزرگ نے بجائے اپنا اثر ڈالنے کے خانہ نشینی اختیار کر لی اور اپنی بقیہ زندگی عبادت اور زیارت میں صرف کر دی ۔ یہ ایک ایسی مثال ہے جس کو ہر مسلمان موجودہ زمانے میں اسی وقت سے بعض اعلیٰ درجے کے مسلمانوں نے پیش نظر رکھنا اختیار کر لیا ہے۔ نہایت صداقت مند اور اعلیٰ اخلاق کے مسلمانوں سے بسا اوقات تم سنو گے جب

نے ہزاروں مرتبہ قسطنطنیہ ، قاہرہ ، یا زنجبار میں ان کو کہتے سنا ہے کہ جس
ک وہ لوگ اپنی قوت عبادت اور زیارت میں صرف کریں گے اس وقت تک کو ان
وہ نہ پہنچے ، تاہم نقصان بھی نہیں پہنچ سکتا ، اور اس طرح پر جو وقت کہ
کی خدمت میں صرف ہونا چاہیے وہ محض عبادت او زیارت میں صرف کیا جاتا ہے -

وہ اسی قماش اور خیالات کے لوگ ہیں جن سے میں بالخصوص خطاب کرتا
اور اپیل کرتا ہوں اور نہایت پختہ طور پر میں ان کے ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں
کو اس بات کا یقین کامل ہے کہ اگر وہ اسی طرح الگ الگ رہیں گے تو
کا خاتمہ ہو جائے گا ، بہر کیف وہ عالمگیر مذہب نہ رہے گا یعنی ایسا کہ جو
یا میں پھیلا ہوا ہو - ہم لوگ جو اس کانفرنس میں شریک ہیں پرہیز گاروں سے
چاہتے ہیں اور درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہمارے ساتھ ہو کر کام کریں اور ہم
دلی جوش کے ساتھ متنبہ کرتے رہیں کہ اگر وہ اسی طرح اپنا تمام وقت عبادت
ور اپنا تمام روپیہ زیارات میں صرف کرتے رہیں گے ، تو ایک وقت ایسا آئے گا کہ
یز گاری جس کی ان کو آج اتنی قدر و منزلت ہے ان کی سوسائٹی سے مفقود
نے گی اور اس نازک وقت میں امداد نہ ملنے کی وجہ سے ہماری آئندہ نسلوں میں
متنفس بھی ایسا نہ نکلے گا جو یہ جانتا ہو کہ نماز کیوں کر پڑھتے اور زیارت (حج) میں
خوبیاں ہیں - اس موقع پر ہم انھیں اصلی اور سچے پرہیزگاروں سے خطاب اور اپیل کرتے
تو چاہیے کہ وہ قدم بڑھا کر آگے آئیں اور اپنے ہم مذہبوں کی ترقی میں وہ حصہ
واجب ہے - اور آن کا خاص حصہ ہے اور یہ کہ وہ اپنے بھائی بندوں اور
کی اخلاق اور مذہبی تعلیم پر متوجہ ہوں - یہ بہت کشا کشی کا زمانہ ہے اور جس
کے اپنے گروہ کے آن اشخاص سے مدد نہ ملے جو نہایت پرہیز گار اور جن کی
حالت اعلیٰ درجے کی ہے ، آس قوم کو کامیابی کا موقع اتنا ہی کم ہے جتنا
شخص کو ہے جو اپنے ہاتھ پیچھے باندھ کر تیرنے کی کوشش کرتا ہے - اسلام پر
ک وقت آ گیا ہے ، اور اگر آس گروہ کے حضرات ضروریات زمانہ کو نہ سمجھے
جوانوں کی تعلیم و نگرانی کی طرف متوجہ نہ ہوئے تو اسلام کی بقا بھی معرض خطر
ئے گی - اس گروہ کے پرہیز گار مسلمانوں کو سمجھ لینا چاہیے کہ اب اسلام جس چیز
کی ہے وہ یہ ہے کہ جو وقت کہ عبادت میں اور جو روپیہ زیارات میں صرف کیا
ہے اس کا ایک حصہ نوجوانوں کی تربیت میں صرف کیا جائے - جن زیارات یا
کے سلسلے میں روپیہ اور وقت صرف کیا جاتا ہے وہ ایسی ہیں کہ جن کا
مد زمانۂ گزشتہ سے ہے ، اور اب وہ اس مذہبی نفاق کو تازہ کرتے رہتے ہیں جو

فی زماننا اسلام کے مصائب میں سے ہے آنحضرت صلعم اور ابوبکر عمر اور علی کے کارناموں اور مثالوں سے ان لوگوں کو اس بات کا یقین ہونا چاہیے کہ ہر مسلمان کا پہلا فرض یہ ہے کہ اپنا وقت قوم کی خدمت میں صرف کرے نہ یہ کہ ایک گوشے میں بیٹھ کر عبادت کیا کرے -

ایک دوسرا سبب اختلال کا یہ ہے کہ پردہ سسٹم کی وجہ سے ہماری عورتوں کی پوزیشن افسوس ناک ہے - یہ جو ایک ناسور تقریباً ایک ہزار برس سے اسلامی سوسائٹی کا اندر ہی اندر کام تمام کر رہا ہے اس کی سند اسلام سے یا قرآن شریف سے نہیں ملتی ، نہ اس کی مثال ابتدائی دو صدیوں میں ملتی ہے ، زمانہ جاہلیت میں اہل عرب اور بالخصوص نوجوان امرائے مکہ نہایت عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے تھے اور قبل فتح مکہ کی حالت یہ تھی کہ شوقین طبع فیشن پسند قریشی نوجوان اپنا وقت زیادہ تر نابکار عورتوں کی صحبت میں صرف کرتے تھے ، اور اُن کے ساتھ اکثر شادی کرتے تھے - غرض کہ قبل فتح مکہ کی حالت بہ درجہ غایت شرم ناک تھی - پیغمبر خدا نے جو احکام صادر فرمائے ان کا نتیجہ نہ صرف یہ ہوا کہ دن دہاڑے جو قبیح افعال بے شرمی کے ساتھ سر زد ہوتے تھے اُن کا انسداد ہوگیا بلکہ بعض حکیمانہ قیود کی وجہ سے غیر مردوں اور عورتوں کا پہلا سا خلا ملا ناممکن ہوگیا - یہ قیود ایسی تھیں کہ بلا اُن پر عمل کیے کوئی سوسائٹی قائم رہنے کی توقع نہیں کر سکتی -

یہ قواعد بذات خود ضروری اور مفید تھے ، مگر اُن کو بڑھاتے بڑھاتے ساسانی بادشاہوں کی دیکھا دیکھی عباسیوں نے موجودہ پردہ سسٹم کی بنیاد ڈال دی ، حالاں کہ اس پردے کے معنی یہ ہیں کہ گویا قوم کا نصف حصہ مستقل طور پر مقید اور غلامی کی حالت میں رہتا ہے - تم ایسی ماؤں کے بچوں سے ترقی کی امید کیوں کر کرسکتے ہو جنھوں نے شرکت تو درکنار موجودہ زمانے کے آزاد مراسم ملاقات کو دیکھا ہی نہیں - اب صرف دو صورتیں ہیں یعنی یا تو یہ خوف ناک ناسور جو تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں بڑھا ہے کاٹ کر علیحدہ کر دیا جائے ، ورنہ قوم کی عورتوں کے باستقلال زیان کی وجہ سے تمام سوسائٹی میں زہر سرایت کر جائے گا اور باعث ہلاکت ہوگا - جس طرح پر پردہ اب کیا جاتا ہے - اس کا وجود پیغمبر خدا کی وفات کے بعد دو عرصہ تک نہیں تھا اور وہ داخل اسلام نہیں ہے - بعد جنگ بدر اور حنین کے جو دو بڑی لڑائیاں ہوئیں وہ جنگ قادسیہ اور یرموک ہیں ، اور جس خوبی کے ساتھ ان لڑائیوں میں مسلمان عورتوں نے مجروحین کی خدمت کی اس سے ہر منصف مزاج آدمی کو ثابت

طرح کا پردہ اصحاب کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا - ہم لوگوں نے جو ایک
یج کو اختیار کر رکھا ہے جو اوّل عباسیوں نے ایرانیوں سے لی تھی وہ اس
کہ ہم لوگ ابتدائی زمانے کے اسلام سے ناواقف ہیں، اور یہ ناواقفیت
نے کے حیرت انگیز واقعات میں سے ہے -

ن دو اسباب کا قبل ازیں ذکر کیا گیا ہے وہ اسلامی سوسائٹی کا گلا گھوٹنے
کافی تھے ، مگر مزید برآں خاندان عباسیہ نے نفسانیت کی ایک ایسی مثال
کا تواریخ اسلام پر بہت بڑا اثر پڑا ہے - پیغمبر خدا کے یہ ناقابل رشتہ دار
یہ سے جن کی اطاعت وہ قبول کر چکے تھے اور جن سے بارہا آنھوں نے
کی کھائی تھی بوجہ بنی امیہ کے اعلیٰ قابلیتوں کے حسد رکھتے تھے اور اسی
وں نے خراسانیوں سے جو اسلام کی فتوحات کے دائرے میں تازہ داخل ہوئے
یا ، اور اپنے خاندان کی تعریف میں ہزار ہا روایات اور احادیث اختراع
گوں کو جو اسلام کی آزاد اور ڈما کریٹک اسپرٹ سے ناواقف تھے بہکا دیا
یوں کی مدد سے خاندان بنی امیہ کو زیر کیا - یہ دغا بازی ذاتی افزائش کی
ی گئی ، اور چونکہ اس کا اظہار ایسے خاندان سے ہوا جس کو پیغمبر خدا سے
لہذا اس سے پایا جاتا ہے کہ اپنے ذاتی یا خاندانی مقاصد کے حصول کے لیے
کثر اوقات اپنی سلطنت ، قوم یا بادشاہ کو قربان کر دیا ہے کیوں کہ جو
پرہیز گار نہیں ہوتے اُن کے واسطے یہ آسان بات ہے کہ اپنے نفع کے مقابلے
قع کو بھول بیٹھیں -

وہا سبب اس لا پروائی اور کاہلی کا جو زیر بحث ہے بلا شبہ مسئلہ جبر و
کوئی منصف مزاج آدمی جس نے کلام مجید پڑھا ہے اس بات میں شبہ نہیں
س کے بموجب انسان آزاد اور با اختیار ہے - لیکن ابوالحسن اشعری جس
ہیز کار اور قابل ہونے میں مطلق شبہ نہیں کیا جا سکتا - بد قسمتی سے
کیا اور اپنی قابلیت کا غلط استعمال کر کے اسلام پر وہ اثر ڈال دیا
ہ سعی کرنے کی تحریص نہیں ہوتی اور یہ سبب منجملہ اُن خاص اسباب کے
سے موجودہ زمانے کے اسلام میں ترقی کی اسپرٹ مفقود ہے - جبر و اختیار
دوسری صدی ہجری کے آخر تک مباحثے شروع نہیں ہوئے - اگر یہ معاملہ
کے روبرو کسی ایسے خلیفہ کے عہد میں آیا ہوتا کہ جو خوش خصلت
تی تمام بلاد اسلام میں وقعت ہوتی اور جس کی پرہیز گاری اور ایمان میں

شبہ نہ ہوتا (مثلاً جس طرح کہ نیک اور قابل پیروی عمر بن عبدالعزیز تھے) تو مکمل
طور پر یہ فیصلہ کر دیا جاتا کہ انسان با اختیار ہے اور یہ بات ہمیشہ کے لیے طے
ہو جاتی - لیکن بد قسمتی سے اس کلام کے سچے مسئلے کا حامی مامون الرشید کا
آدمی ہوا - کیفیت یہ ہے کہ مامون عجیب خیالات کا تھا اور اس کا جو الوکھا انداز
اصول شریعت کے معاملے میں تھا ان کی وجہ سے پرہیز گار مسلمان اس کو شبہ کی نظر
دیکھتے تھے ، اور صرف ایسے شخص کا حامی ہونا اس بات کے واسطے کافی تھا کہ
اور پرہیز گار مسلمان ان لوگوں کی طرف سے بد ظن ہو جائیں جو سمجھتے تھے کہ انسان
کا با اختیار ہونا اسلام کے اصل اصول میں سے ہے اور کسی ایسی سوسائٹی کو کبھی
کامیابی نہیں ہو سکتی جو تقدیر کی اس درجہ پابند ہو اور اس بے اختیاری سے جو نتائج
نکلتے ہیں ان کو قبول کرے -

یہ رواج ہو گیا ہے کہ اسلام کی تباہی کو چنگیز اور جملہ تاتاریوں
منسوب کیا جائے - مگر میری عاجز رائے میں پہلا سبب عباسیوں کی خراب
خود غرضی کی ہے - دوئم موجودہ پردہ سسٹم جو مہلک ہے اور مستورات کی
ترقی کا مانع ہے - تیسرا سبب یہ ہے کہ اعلیٰ درجہ کے پرہیز گار اور نیک
مسلمان برابر خاموشی کے ساتھ گوشہ نشینی اختیار کر کے عبادت میں مصروف
آخری سبب مسئلہ تقدیر ہے ، جس کے باعث تباہی نازل ہوئی ، جو رائے میں نے
کی ہے یہی رائے بہت سے ذی علم اشخاص کی ہے کہ جنھوں نے ان معاملات
غور و خوض کیا ہے - میں کہتا ہوں کہ میری رائے میں یہ چار اسباب ہیں جن
وجہ سے مسلمان سوسائٹی دماغی اور اخلاقی لحاظ سے موجودہ پستی کی حالت
گئی ہے - اگر اس بات کا اندازہ کرنا ہو کہ ہماری پستی کس درجہ کی ہے تو
طریقے سے ہو سکتا ہے کہ عام مسلمانوں کی سمجھ بوجھ کا مقابلہ ایسے ممالک
سے کیا جائے جو سب سے پست ہیں یعنی جس میں سلاد اقوام رہتی ہیں - جو
تنزل کی طرف ہے اگر اس کو روکا نہ گیا تو اندیشہ ہے کہ موجودہ زمانے میں جو
قوم کے لایق ترین اور ذکی الطبع اشخاص ہیں ان کی تربیت اس طور کی ہوگی کہ وہ
کی خوبیوں سے محض بے خبر رہیں گے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہماری قوم میں لائق
اشخاص ہوں گے وہ ہم سے جدا ہو جائیں گے، جس کی وجہ سے ان میں اسلامی
مثل پختہ مزاجی ، دیانت اور ایثار نفسی کے نہ ہوں گی ، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ
اور دماغی ترقی کے رہنما اشخاص ان اوصاف سے مبرا ہوں گے جو مستقل ترقی کے

ہی۔ پس جوگریہ و زاری ہم قوم کی تباہی پر کرتے ہیں، اگر وہ صدق دل سے ہے
کو چاہیے کہ آن کو اس حالت سے نکالنے کے واسطے متفق ہو کر کوشش کریں اور
وش میں سب سے پہلا اور سب سے مقدم کام یہ ہے کہ اب ایک یونیورسٹی قایم
کی کوشش کی جائے۔ یہ یونیورسٹی ایسی ہو کہ جہاں علاوہ علوم جدید کے
ن کو یہ بھی بتلایا جائے کہ ان کا زمانہ گزشتہ کیسا با عظمت تھا اور ان
کیسا ہے، اور وہ یونیورسٹی ایسی جگہ ہو کہ جہاں طلباء رہیں اور جہاں
فورڈ کے کیرکٹر پر بہ نسبت امتحانات کے زیادہ توجہ کی جائے۔ علاوہ ازیں
خیال رکھنا چاہیے کہ مسلمانان ہند کو اس بات کا جوازاً حق حاصل ہے کہ ان
مذہب جو ٹرکی، پرشیا، افغانستان اور دیگر ممالک میں ہیں، ان کی دماغی ترقی کی
وہ ہوں اور ان کو مدد دینے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ علی گڑھ یونیورسٹی گویا
کا آکسفورڈ بنا دیا جاوے کہ جہاں لائق ترین مسلمان طلبا بھیجے جائیں، اور
ں اس غرض سے کہ علوم جدیدہ حاصل کریں، بلکہ دیانت اور ایثار نفسی بھی
جو پہلی صدی کے مسلمانوں میں پائی جاتی تھی۔ صاحبو! یہ صرف میری رائے نہیں
کہ مسلمانان ہند کے خیالات کے جو اعلیٰ درجے کے رہنما ہیں ان سب کے یہی رائے
اس یونیورسٹی ہماری گئی ہوئی عظمت کو تازہ کر دے گی۔ اس میں تو کوئی
ی نہیں سکتا کہ یہ نسخہ کار گر ہو گا البتہ اس کی تیاری میں شک ہے۔ سوال
موجودہ زمانے کے مسلمان اس قدر کوشش گوارا بھی کریں گے جتنی ایسی
کو قایم کرنے کے واسطے ضروری ہے۔ کیا نفس کشی اور اسلام کے فائدے پر
متوجہ ہو جانے کا مادہ جو اوائل زمانہ کے مسلمانوں میں پایا جاتا تھا ہم میں سے
مفقود ہو گیا ہے کہ اپنی دولت کا ایک حصہ اس بڑے کام کے واسطے علیحدہ
سکتے؟ ہم کو یقین ہے کہ اس یونیورسٹی کے قایم کرنے سے ہم اسلام کے
روک سکتے ہیں اور اگر ہم ایسے مقصد کے حصول کے واسطے بھی بلا خیال
کی کوشش نہیں کر سکتے، تو کیا مجھ کو یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ہم کو
اس بات کی پرواہ ہی نہیں ہے کہ مذہب اسلام زندہ ہے یا مردہ۔

حضرات! آپ سب صاحبوں سے جو اس وقت میری تقریر سن رہے ہیں، میں
ہوں کہ نہ صرف اپنا روپیہ بلکہ اپنا وقت اور محنت اس بڑے کام کے انجام دینے
کریں اور آن لوگوں سے جو بہ پابندی احکام دینی بڑی بڑی رقمیں راہ خدا میں
دیتے ہیں، میں بالخصوص نہایت زور کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ اس بات پر

غور فرمائیں کہ آیا احکام اور سنت رسول کا اتباع کس طریقے سے زیادہ ہوگا، مسلمان بھائیوں کی مدد کرنے سے یا زیارات اور ایسے عرسوں کے کرنے سے جن میں زرِ کثیر صرف ہوتا ہے -

جس رقم کی ہم استدعا کرتے ہیں وہ ایک کروڑ ہے - کیونکہ ہم ایک ایسا انسٹی ٹیوشن قایم کرنا چاہتے ہیں کہ جس سے اتنے اہم کام سر انجام ممکن ہوں ہم چاہتے ہیں کہ ایسا انتظام کریں کہ مسلمان نوجوانوں کو نہ صرف بہترین تعلیم دی جا سکے بلکہ تربیت بھی اتنی عمدہ ہو کہ جتنی دنیا کے کسی ملک میں ممکن ہے - ہم یہ نہیں چاہتے کہ اگر کوئی مسلمان طالب علم علم کے یا صنعت و حرفت کے کسی صیغے میں اعلیٰ درجہ حاصل کرنا چاہتا ہو تو وہ آیندہ بھی انگلستان یا جرمنی جانے پر مجبور ہو - ہم چاہتے ہیں کہ علی گڑھ ایسا دارالعلوم ہو کہ اس کی اتنی ہی قدر و منزلت کی جائے جو برلن ، اکسفورڈ ، لیپزک یا پیرس کی کی جاتی ہے اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ اسلامی علوم کی جو شاخیں مرجھاتی جا رہی ہیں اُن کو تر و تازہ کرکے علوم موجودہ کے دائرے میں بذریعہ مسلمان علماء کے داخل کیا جاوے - سب سے زیادہ ہم کو جس بات کی خواہش ہے وہ یہ ہے کہ اپنی قوم کے واسطے اخلاق اور دماغی ترقی کا مرکز قرار دیں ، اور ایسا مرکز ہو کہ جہاں سے روشنی اور ہدایت کی شعاعیں تمام مسلمانان ہند میں پھیلیں بلکہ ہندوستان کے باہر تک جائیں اور جو ہمارے پیارے مذہب کی خوبی اور صفائی انصاف کا اعلیٰ نمونہ دنیا کو دکھلا سکتے ہیں -

حضرات ! کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ اسلام کی عظمت کو تازہ کرنے کے واسطے ایک کروڑ روپیہ زیادہ ہے ؟ اگر آپ کو واقعی اس برتر مذہب کی پروا اور چاہ ہے جس کا آپ کلمہ پڑھتے ہیں ، تو بے شک آپ اس قدر صرف بھی گوارا کر سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر اس زمانے کے مسلمان اپنا فرض اس طرح ادا کریں جس طرح اسلامی صدی کے مسلمانوں نے کیا تھا ، تو ایک سہ ماہی کے اندر آپ اس قدر روپیہ اسلام کو معرض زوال سے نکالنے کے لیے جمع کر سکتے ہیں - آپ یہ خیال کریں کہ ہندوستان میں ساٹھ ملین مسلمان ہیں اور منجملہ اُن کے کم از کم دس ملین یعنی ایک کروڑ ایسے ہیں کہ ایک روپیہ فی اسم دے سکتے ہیں - ہر مسلمان خاندان کے مورث اور سرغنہ سے ایک روپیہ طلب کرتے ہیں حالاں کہ ہم کو معلوم ہے کہ ان میں ایسے بھی ہیں جو ہزار بلکہ دس ہزار بہ آسانی دے سکتے ہیں -

حضرات ! یہ واقعات قابل لحاظ ہیں ۔ اگر ہمارا مقصد پورا نہ ہوا تو اس کی یہ سمجھنا چاہیے کہ تقلید کی وجہ سے اصل پرہیز گاری مفقود ہوگئی اور سمجھنا چاہیے کو ہم دین اور پیغمبر کی ظاہرا توقیر کرتے ہیں مگر یہ سب زبانی باتیں ہیں اور اتنی کی زحمت بھی عظمت دین اسلام کی تجدید کے واسطے گوارا نہیں ہے ۔

خطبۂ صدارت (بمبئی ۱۹۰۳ء)

(آنریبل مسٹر جسٹس بدر الدین طیب جی ،)

یور اکسلنسی ، یور ہائی نسز ، لیڈیز اینڈ جنٹلمین !

میں اس کو اپنا پہلا فرض سمجھتا ہوں کہ آپ صاحبوں نے مجھ کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا پریسیڈنٹ منتخب کرکے جو عزت بخشی ہے اس کا تہ دل سے شکریہ ادا کروں ۔ یہ انسٹی ٹیوشن ایسا عظیم الشان ہے اور اس کا اثر تمام ہندوستان میں اتنا بڑا ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ میرا پریسیڈنٹ منتخب ہونا سب سے بڑی عزت ہے جو مجھ کو اس سلطنت کے مسلمانوں کی طرف سے مل سکتی ہے ۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ درالحالیکہ مجھ کو اپنے فرائض منصبی میں پوری طرح انجام دینے کی قابلیت کے متعلق شبہ ہے ۔ میں اس کانفرنس کے پریسیڈنٹ ہونے کو اپنی زندگی کا ایک قابل فخر موقع سمجھ کر ہمیشہ یاد رکھوں گا ۔

حضرات ! اس کے بعد مجھے آپ کے بطور ڈیلیگیٹس تشریف لانے پر آپ کے خیر مقدم کرنے کا فرض ادا کرنا چاہیے ۔ اس مقام پر آپ کی موجودگی سے نہ صرف وہ بڑی دل چسپی ظاہر ہوتی ہے جو مسلمانان ہندوستان کے مختلف فرقے اس اہم معاملے کی نسبت لیتے ہیں جس کا ہم نے بیڑا اٹھایا ہے ۔ بلکہ اس سے مسلمانوں کی تعلیم کے معاملے میں آپ کی ذاتی دل چسپی بھی ظاہر ہوتی ہے ۔ میں واقف ہوں کہ آپ میں سے اکثر حضرات اپنا قیمتی وقت صرف کرکے اور سفر کی صعوبتیں اٹھا کر اس سلطنت کے دور دور مقامات سے یہاں تشریف لائے ہیں ۔ اور مجھے یقین ہے کہ آپ نے طویل مسافت اس لیے طے کی ہے کہ آپ ان اعلیٰ مقاصد اور اغراض سے بخوبی اثر پذیر ہیں جن پر امید ہے کہ آج ہم غور کریں گے اور جن سے مجھے بھروسا ہے کہ ہندوستان کے ہمارے تمام ہم مذہب بھائیوں کے لیے مفید اور کارآمد نتائج مرتب ہوں گے ۔

حضرات ! جو ذمے داریاں اس مقام پر جمع ہونے سے ہمارے ذمے عائد ہوتی ہیں ان کا بیان کرنا مبالغہ نہ ہوگا ۔ مہینوں سے مسلمان فرقوں کے لیڈر ہندوستان کے ہر حصہ

اور ہمارے تعلیم یافتہ اور روشن خیال ہم مذہب بھائی سلطنت کے ہر صوبے میں
تمام حضرات جنھوں نے مسلمانوں کی تعلیم کے معاملے میں دل چسپی لی ہے - بڑے
انتظار کے ساتھ اس امید پر کانفرنس کے جلسے کی طرف آنکھیں لگائے رہتے ہیں
ایسی تدابیر نکال سکیں گے جو مفید ثابت ہوں اور جو ہمارے طریقہ تعلیم اور
ہندوستان میں ہمارے مختلف انتظامات تعلیم کو زیادہ تر معقول اور زیادہ تر مستحکم
قائم کر سکیں - صاحبو ! میں یہ خیال کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ تمام ہندوستان میں
جماعتوں کی آنکھیں اس وقت اس جلسہ کی طرف لگی ہوئی ہیں اور اس بات کا انکار
کیا جا سکتا کہ جس قدر عظیم الشان امیدیں ہم نے دلائی ہیں اسی قدر ہماری
ہماری فرائض کے انجام میں زیادہ ہونی چاہییں - محمڈن ایجوکیشن کانفرنس اب ایک ایسا
انسٹی ٹیوشن سمجھا جانے لگا ہے جس کی طرف ہندوستان کے مسلمان امداد اور مشورہ اور
حاصل کرنے کے لیے رجوع کرتے ہیں - ہماری ذمے داری اس لیے بڑی ہے - ہم
ہے ہر ایک کو اور سب کو یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ جو رزولیوشن ہم پاس
وہ فکر صحیح اور عقل سلیم اور غور کامل کا نتیجہ ہوں -

حضرات ! اب میں ان تعلقات کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ جو کانفرنس کے
بیت جماعت صدر) اور تمام سلطنت کے مختلف اسلامی انسٹی ٹیوشنوں کے درمیان
چاہییں اور اس انسٹی ٹیوشن کی نسبت میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ انسٹی ٹیوشن
کہ آپ سب حضرات بے شک واقف ہیں بہت سال سے قائم ہے اور میں یقین کرتا
کہ اس نے مسلمانوں کی خصوصاً اس صوبے کے مسلمانوں کی اخلاق تمدنی اور تعلیمی
میں ترقی دی ہے - لہٰذا میں اس کانفرنس کے ڈیلیگیٹوں اور ممبروں کو یقین دلاتا
کہ یہ انجمن کانفرنس کی ان کوششوں میں نہایت خوشی کے ساتھ ہمیشہ شریک ہوگی
کہ مسلمانوں کی تعلیم کے معاملے میں ترقی ہو اور ہمارے ہم مذہب بھائیوں کی حالت
ہے - ان دونوں انسٹی ٹیوشنوں کے درمیان پورا اتحاد اور کامل ہمدردی ہونی چاہیے
یقین کرتا ہوں کہ ہے اور رہے گی - اور شاید اس موقع پر میرے لیے چند
اس حالت کے متعلق کہنے - کہ ایک طرف میں انجمن کے پریسیڈنٹ اور دوسری
کانفرنس کے پریسیڈنٹ کی حیثیت سے میں ہوں نامناسب نہ ہوں گے -

حضرات ! آپ بے شک واقف ہیں کہ اگرچہ یہ کانفرنس کئی سال سے قائم ہے -
لیکن اس کے غور و مشورے کے معاملات میں مستعدی کے ساتھ کوئی حصہ نہ
بلاشبہ اس کے بہت سے وجوہات رہے ہیں جن کا ذکر غیر ضروری ہے - لیکن

ایک ایسی وجہ ہے جس کے متعلق مجھے چند کلمات کہنے ضرور ہیں۔ صاحبو! آپ بے شک واقف ہیں کہ میں ہمیشہ انڈین نیشنل کانگریس کا حامی رہا ہوں۔ اپنی نوعمری اور زیادہ آزادی کے زمانے میں جب میں اپنی موجودہ خدمت کی ذمے داریوں سے دبا ہوا نہیں تھا اور اس لیے میں پبلک زندگی میں زیادہ مستعدی کے ساتھ حصہ لینے کے قابل تھا میں نے اپنا فرض سمجھا کہ کانگریس کی اعانت کروں۔ اور جیسا کہ آپ شاید جانتے ہوں چند سال ہوئے مجھے کانگریس منعقدہ مدراس کے پریسیڈنٹ ہونے کی عزت حاصل ہوئی تھی۔ اس موقع پر میں نے اپنے انتخاب کو سب سے بڑی عزت بیان کیا تھا جو کسی ہندوستانی شخص کو اس کے ہم وطنوں کی طرف سے دی جا سکتی ہے۔ چونکہ اس وقت میری یہ رائے تھی اور اب بھی یہی رائے ہے اس لیے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ میرے لیے کسی ایسے انسٹی ٹیوشن میں حصہ لینا ناممکن تھا جس پر کانگریس کے دشمن ہونے کا ذرا سا بھی گمان ہوتا یا مخالف ہونے کا خیال ہوتا ہو۔ اب چونکہ کانفرنس کی حالت واضح ہے کہ وہ ایک تعلیمی اور سوشل انسٹی ٹیوشن ہے اور پولیٹکل انسٹی ٹیوشن نہیں ہے اور اس وجہ سے جب دونوں انسٹی ٹیوشنوں میں دشمنی یا مخالفت کا کوئی شبہ نہیں ہوسکتا میں کامل مسرت کے ساتھ آپ کے جلسہ مشورہ میں صدر ہونے کی اعلیٰ عزت قبول کر سکا۔

صاحبو! اس موقع پر میرا خیال قدرتاً اس سوال کی طرف راجع ہوتا ہے کہ ہماری کانفرنس کے کیا فرائض و خدمات ہیں اور کیا ہونے چاہییں۔ مجھے یقین ہے بغیر کسی مقررہ نظام کے ہمارے فرائض ضرور کسی نہ کسی قدر مبہم اور مشکوک رہیں گے۔ لہٰذا میں آپ کی اجازت سے چند کلمات اس امر کے متعلق کہنا چاہتا ہوں کہ میری رائے میں ہمارے فرائض کی کیا حدود ہونی چاہییں۔ حضرات یہ کانفرنس ہمیشہ اب تک تعلیمی کانفرنس کے نام سے نام زد رہی ہے۔ اس لیے اس کے بڑے فرائض کو صرف ان مسائل پر محدود رہنا چاہیے جو تعلیم سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر لفظ تعلیم فی نفسہ ایک ایسا کلمہ ہے جس کے معنی وسیع ہیں۔ لہٰذا اگر ہم ان مسائل پر غور کریں جو تعلیم کے ایک اور نیز شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں، جس میں اخلاق، تمدنی، دماغی، جسمانی اور ان حدود کے مناسب حد تک پولٹیکل تعلیم شامل ہے۔ تو میں کہہ سکتا ہوں کہ ہم ان حدود سے متجاوز نہ ہوں گے جو ہمارے اعمال کے لیے قرار دی گئی ہیں۔

مگر میں سمجھتا ہوں کہ ہم کو ان مسائل پر خاص طور سے زیادہ توجہ کرنی چاہیے جو ہماری دماغی تعلیم سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن بلاشبہ ہماری دماغی ترقی اخلاقی

پولٹیکل اور جسمانی ترقیوں پر منحصر ہے اس لیے مجھے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ
یہ ناممکن ہوگا کہ ہم بالکل ان مختلف متعدد مسائل سے قطع نظر کریں جو مختلف
ں اور پیرایوں میں جن کا میں نے ذکر کیا ہے مسئلہ تعلیم سے متعلق ہیں - اگر
ہیں سے کسی ایک طرف ترقی کریں تو ہم لازمی طور پر دوسری طرف بھی ترقی
گے - اگر ہم ان میں سے کسی ایک میں پیچھے ہیں ہم لازمی طور پر دوسری باتوں
ی اپنی ترقی کو روک دیں گے - لہٰذا ہم کو خیال کرنا چاہیے کہ ہماری خدمات محض
تربیت پر محدود نہیں ہیں - بلکہ اس غرض کے حصول کے لیے ہم کو ان تدابیر
رکرنی چاہیے جو ہم کو اخلاقی ، سوشل اور جسمانی دنیا میں زیادہ رفیع القدر بنادیں -
یہاں میں نے پولٹیکل تعلیم کو اپنے فرائض کی ایک شق مان کر شامل کیا ہے -
رے لیے یہ بات ملحوظ خاطر رکھنی ہوگی کہ جہاں تک پولٹیکل معاملات ہماری
ترقی سے علیحدہ ہو سکتے ہیں اور جہاں تک وہ ہماری دماغی ترقی سے کوئی
رکھتے - ہم کو ان میں دخل در معقولات دینا نہیں چاہیے - میں سمجھتا ہوں
ل مندی کے ساتھ کام کریں گے اگر ہم اپنے مباحثوں میں پولٹیکل بحث طلب
کے شامل کرنے سے احتراز کریں - بالعموم پولٹیکل امور کا اثر تمام سلطنت پر
ے اور قریباً مختلف قوموں پر جو اس سلطنت میں آباد ہیں مساوی اثر پڑتا ہے -
ونادر ہی ہوتا ہے کہ ایسے پولٹیکل مسائل پیدا ہوں جو صرف ایک ہی قوم پر
ی - اس لیے ہمیشہ میں اس اصول کا پابند رہا ہوں کہ جہاں تک عام پولٹیکل
بنی ان معاملات کا تعلق ہے - جن کا اثر نہ صرف مسلمانوں پر بلکہ تمام سلطنت
قوموں پر یکساں اثر پڑتا ہے - مسلمانوں کو ہندوستان کی دوسری قوموں کے ساتھ
کام کرنا چاہیے - ایک دوسرے سے علیحدہ ہوکر اور مخالفانہ طور پر نہیں - لیکن
یکل معاملات صرف مسلمانوں سے واسطہ رکھتے ہوں - یا بہ نسبت دیگر اقوام
نوں کے ساتھ زیادہ تر واسطہ رکھتے ہوں اس صورت میں صرف جائز اور مناسب
وگا بلکہ ہمارا عین فرض ہوگا کہ ہم اپنی آواز کو بہ حیثیت ایک علیحدہ جماعت کے
کے گوش گزار کریں - اور ہر ایک قانونی تدبیر سے حتی الوسع اس چیز کی
یں جو ہمارے اغراض کے خلاف اور ہمارے مقاصد کے لیے مضرت رساں متصور
طرح اگر کوئی تدابیر ایسی ہوں جو ہماری جماعت کو خاص طور پر فائدہ پہنچا
ہم کو ان کی تائید اور ان کے لیے سرگرمی سے کوشش کرنا میرے خیال میں
ہوگا -

مگر حضرات ! میری رائے میں ان پولٹیکل مسائل کی نسبت سب سے اچھی طرح

علیحدہ پولٹیکل انسٹی ٹیوشنوں میں بحث کی جا سکتی ہے - اور ایک ایسی انسٹی ٹیوشن میں یہ بحث نہ ہونا چاہیے جیسی کہ یہ تعلیمی کانفرنس ہے - میں خیال کرتا ہوں کہ ہم کو تمام پولیٹیکل مسائل کی بحث سے بالکل احتراز کرنا اور اپنے تئیں صرف تعلیمی مسائل پر جیسا کہ عام طور پر وہ کہلائے جاتے ہیں ، محدود رکھنا چاہیے - مگر باوجود ان حدود کے کانفرنس کے لیے بے شمار کام نہایت مفید اور اعلیٰ قسم کا موجود ہے -

میں سمجھتا ہوں کہ اس سے آگے بڑھنا دانائی نہ ہوگی اور میں بالکل کسی ایسے مسئلہ یا مضمون کے اختیار کرنے کو برا سمجھوں گا جس سے ہمارے دوسرے ہم وطنوں کے دلوں کو رنج یا ان کے فیلنگس کو صدمہ پہنچے - حضرات جو کچھ میں نے کہا ہے میں سمجھتا ہوں وہ اس بات کے ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے کہ میری رائے میں بجائے دشمنی یا مخالفت کی کوئی وجہ موجود ہونے کی ، ہر طرح اس امر کی وجہ موجود ہے کہ دو بڑے انسٹی ٹیوشن ، کانفرنس و کانگرس کو مل کر کام کرنا چاہیے ایک کا مقصد بالخصوص ملک کی پولیٹیکل ترقی ہو اور دوسرے کا مسلمانوں کی تعلیمی ترقی - میں کوئی وجہ نہیں دیکھ سکتا کہ یہ دو انسٹی ٹیوشن کامل صلح و اتفاق کے ساتھ کام نہ کریں - اور کیوں مسلمان فرقہ کے تعلیم یافتہ اور روشن خیال تجربہ کار اور با اثر لوگ جہاں تک ان کے حالات اور ضروریات اجازت دیں ، دونوں انسٹی ٹیوشنوں کے غور و مشورہ کے معاملات میں حصہ نہ لیں - ہم ہندوستان کی دیگر اقوام کے ساتھ کامل اتحاد و مشارکت میں جب تک ہمارے خاص اغراض کو نقصان نہ پہنچے کام کر سکتے ہیں پھر اگر ہمارے اغراض میں نقصان کا خوف ہو جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں ہمارا فرض ہوگا کہ ان تمام مضرت رساں معاملات کی حتی المقدور تمام قانونی ذرائع سے مخالفت کریں اگرچہ میری رائے میں ایسی مخالفت کانگرس یا علیحدہ پولیٹیکل انسٹی ٹیوشن میں ہو سکتی ہے اور ایسے انسٹی ٹیوشن میں نہیں ہو سکتی جیسی کہ یہ کانفرنس ہے -

حضرات ! میں سمجھتا ہوں اب مجھے چند کلمات بلحاظ ان تعلقات کے کہنے چاہییں - جو اس کانفرنس میں اور دیگر مقامی اسلامی انسٹی ٹیوشنوں میں ہونے چاہییں بعض جگہ یہ بتایا گیا ہے کہ کانفرنس ان مقامی انسٹی ٹیوشنوں کی رقیب ہے یا کانفرنس کا یہ منشاء ہے کہ مسلمانوں کی تعلیم کے معاملے میں مقامی کوششوں کو کمزور کرے -

حضرات ! اصلیت اس کے بالکل برعکس ہے اور مجھے آپ کو یقین دلانے کی ضرورت نہیں - اگر میں خیال کرتا کہ ان اعتراضات میں کوئی بات بھی سچی ہے

ہیں خود تو اس کانفرنس کے غور و مشورہ میں حصہ نہیں لے سکتا تھا ۔ برخلاف اس کے آج میں یہاں موجود ہوں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے یقین کہ یہ صدر کانفرنس بجائے ہماری مقامی انسٹی ٹیوشنوں کو کمزور کرنے کے کچھ مضبوط کرے گی ۔ میں نے اس بات پر اطمینان کر لیا ہے کہ مقامی یشنوں اور کانفرنس کے درمیان ہمیشہ انتہا درجے کا اتحاد ہونا چاہیے ۔ اور کو جہاں تک اس کے موجودہ وسائل اجازت دیں مقامی انسٹی ٹیوشنوں کی مدد لاح بتانی اور رہنمائی کرنی چاہیے اور دوسری طرف مقامی انسٹی ٹیوشنوں کو ں بطور ایک مرکز کے جس کے گرد ہماری قوم کے نہایت روشن خیال اور با اثر ہوتے ہیں مدد کرنی چاہیے ۔

ہر کانفرنس کے اور خصوصاً ان اجلاسوں کے مختلف مقامات میں منعقد ہوتے ہیں ہیں ؟ صاحبو ! میں سمجھتا ہوں کہ اول تو اس کانفرنس کے اجلاس سلطنت کے ں سے ذی عقل مسلمانوں کو ایک جگہ لا کر جمع کرتے ہیں ۔ کانفرنس ایک ے بہتر واقفیت کو بڑھاتی ہے ۔ اس سے ہم کو تبادلہ آرا و خیالات کا فائدہ ہے اور ہم کو اپنی مقامی انسٹی ٹیوشنوں اور ان کے طریقہ تعلیم کے ساتھ نے کا موقع ملتا ہے ۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ اس کانفرنس کے چند بڑے مقاصد یں ۔ اس وقت اس حال میں مسلمانوں کی قوم کے نہایت سر بر آوردہ لوگ جنہوں نے دماغی اور پولیٹیکل دنیا میں نام آوری اور شہرت حاصل کی ہے نے حتی الامکان اپنی زندگیاں ہمارے اغراض کی ترقی میں وقف کر دی ہیں ۔ سامنے مصنفین ، شعرا ، پولیٹیشنوں ، بیرسٹروں ، سولیسٹروں ، انجینئروں ملک زندگی کے ہر قسم کے آدمیوں کو دیکھتا ہوں جو سب ہمیں مدد دیتے ۔ تجربے اور اعلیٰ دماغی قابلیتوں سے ہم کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے ۔ کیا یہ ہم بمبئی والوں کو کچھ تھوڑا فائدہ ہے کہ ہم میں (اگرچہ کے لیے) ہندوستان کے تمام حصوں سے ہماری قوم کے سب سے اعلیٰ اور نہایت حضرات موجود ہیں ؟ کیا یہ سب کا اکٹھے ہو کر ملنا ، مل کر باتیں کرنا ، اور تبادلہ خیالات کرنا ان کے ساتھ مل کر جہاں تک ممکن ہے اپنے تئیں ، تھوڑا نفع ہے ؟ حضرات میں یقین کرتا ہوں کہ اگر کانفرنس جو کچھ پنشد کھینچا ہے اس سے کچھ زیادہ نہیں کرتی تاہم ہماری قوم کے حضرات کی طرف سے امداد اور حوصلہ افزائی کی مستحق ہوگی ۔

لیکن مجھے اب اس معاملے کی نسبت جس کو میں نے اپنے اجتماع کی بڑی
سمجھنے کی جرأت کی ہے - یعنی ہماری دماغی تعلیم کی نسبت چند کلمات کہنے کی
دیجیے - حضرات ! مجھے آپ کو یہ یاد دلانا ضروری نہیں ہے کہ اور قوموں کے مقابلے
ہم کس قدر پیچھے ہیں - ہمیں یہ سمجھنے کے لیے کہ ہم ان سے کس قدر پیچھے
ہیں صرف اپنی آنکھیں اپنے اوپر سے اٹھا کر اور قوموں کی طرف دیکھنا ہے
گورنمنٹ کے کسی پبلک محکمہ میں ہو یا کسی آزاد پیشہ میں - ہم اور قوموں سے
ہی پیچھے ہیں - ہمارے سول عہدہ دار بیرسٹر ، سولیسٹر ، ڈاکٹر اور انجینئر
قوموں کے مقابلے میں گنتی کے ہیں - ہم اس معاملے میں واجبی طور پر گورنمنٹ
شکایت نہیں کر سکتے - وہ ہمارے ساتھ منصف اور غیر طرفدار رہی ہے تو
موجودہ نا قابل اطمینان حالت کی کیا وجہ ہے ؟ حضرات ! میں نے اکثر لوگوں کو
کہتے سنا ہے کہ ہماری آپس کی نا اتفاقیاں اور ہمارا افلاس ہمارے پیچھے رہ جانے
باعث ہے - بلا شبہ ہمارے راستہ میں بہت سی رکاوٹیں حائل رہی ہیں - مگر حضرات
سمجھتا ہوں کہ ہمارے تنزل اور انحطاط کے بڑے اسباب اولاً ہمارے مذہبی اور
تعصبات ہیں اور ثانیاً تعلیم نسواں کا نہ ہونا ہے - مذہبی تعصبات سے میری مراد
وہی اختلافات نہیں ہیں جو بد قسمتی سے اہل اسلام کے مختلف فرقوں میں مذہبی
کی نسبت پائے جاتے ہیں - بلکہ ان میں وہ تعصبات بھی شامل ہیں جو ہماری قوم
ایک گروہ کثیر مغربی علوم و فنون کے ساتھ رکھتا ہے - ہم فخر کرتے ہیں اور شاید
کہہ سکتا ہوں کہ ہم واجبی فخر کرتے ہیں اپنے علوم و فنون پر جو بے شمار
ضخیم کتابوں میں مدفون ہیں - ہم واجبی فخر کرتے ہیں ، اسلامی علوم دینیات
عربی اور فارسی علم و ادب پر - اپنے شاعروں اور اپنی شاندار تاریخ پر ، اپنے علوم
اور علم و ادب کے ہر شعبہ کی ہزاروں کتابوں پر - میں کہتا ہوں کہ ہم کو اپنے
کے کارناموں پر فخر کرنے کا کافی سامان موجود ہے - لیکن حضرات ! کیا اپنے
اور اپنے علم و ادب کے ساتھ محبت رکھنے کے لیے یہ بات بھی ضروری ہے کہ
عظیم الشان لٹریچر اور جدید علوم و فنون کو برا کہیں ، حقارت کی نظر سے دیکھیں
نفرت کریں جنھوں نے مغرب میں نشو و نما پائی ہے ، اور یورپ اور امریکہ کو
اور امریکہ بنا دیا ہے ، جو نہ صرف مغربی قوموں کے لیے لائٹ ہوس کا کام دیتے
ہیں ، بلکہ وہ ہمارے لیے بھی مشعل ہدایت ہو سکتے ہیں - بشرطیکہ ہم میں ان سے
اٹھانے کی ہمت اور طاقت ہو -

حضرات ! میرا ہمیشہ یہ اعتقاد رہا ہے کہ جہاں ہمارا اپنا مشرقی علم

ے - ہم کو اس کے ساتھ حتی المقدور علوم و فنون کی ان شاخوں میں ملکہ حاصل
اہیے جو اس وقت یورپ کی قوموں کے لیے مابہ الامتیاز ہیں - ہم کو اپنے تبدیل شدہ
ے آنکھیں بند کرنی نہیں چاہییں - ہمارے پاس اب ایک مضبوط طاقتور اور
کم طور پر قائم گورنمنٹ ہے - جو اپنے معاملات میں ان تمام اقوام کے ساتھ جو اس
ں میں آباد ہیں کسی کی طرفدار نہیں ہے - ہم کسی خاص حقوق یا مراعات کی
وں کر سکتے ہمارے لیے صرف گورنمنٹ کی مرحمتوں پر تکیہ کرنا بے عقلی کی
ہوگی - ہم کو اپنے اور ہم وطنوں کے ساتھ مساوی شرائط پر مقابلہ کرنا چاہیے -
و اتفاق کے ساتھ مل جانا چاہیے - ہم کو یاد رکھنا چاہیے کہ ہمارے مقدس
ر (صلعم) نے علم کو جہاں کہیں وہ ملے حاصل کرنے کی ہم کو تاکید کی ہے -
ے ہم کو یورپ کے علوم و فنون کی طرف اپنی توجہ مبذول کرنی چاہیے - صرف
ہیودہ دماغی تعلیم کے بڑے سر چشمے ہیں -

حضرات ! جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں کہ ہم کو فارسی اور عربی زبان کی ان
ان تصانیف پر جو سائنس کے ہر ایک شعبہ میں لکھی گئی ہیں فخر کرنے کی
ہ موجود ہے لیکن ہم کو یاد رکھنا چاہیے کہ ان کتابوں کی تدوین کو صدیاں
کی ہیں - ان تصانیف سے ہم کو علمی تحقیقات کے وہی نتائج حاصل ہوتے ہیں جو
ت موجود تھے - جب کہ مصنفوں نے اپنی کتابوں کی تدوین کی تھی لیکن
ن اس زمانے کو صدیاں گزر چکی ہیں اور اب محض حماقت اور نادانی ہوگی ، اگر ہم
ور امریکہ کی اس حیرت انگیز اور عظیم الشان ترقی سے انکار کریں جو ان ممالک نے
ک شعبہ علم میں اور بالخصوص طبعی علوم میں کی ہے - کیا ہم کو اپنی توجہ
یئت ، جغرافیہ اور علوم طبیعات کی پرانی کتابوں کے مطالعہ پر محدود رکھنی
ور کیا ہم کو موجودہ ماہرین سائنس کی تحقیقات نے جو روشنی ڈالی ہے اس کے
ے اپنے تئیں محروم رکھنا چاہیے ؟ کیا ہم کو بجلی کی روشنی ، تار برقی ، ریلوں
ر جہازوں سے فائدہ اٹھانے کے بجائے پرانی بیل گاڑیوں اور اونٹوں پر ڈاک لے جانے
وڑے کے تیل سے مٹی کے چراغ جلانے پر قناعت کرنی چاہیے - حضرات !
اور دخانی انجنوں میں اس سے زیادہ فرق نہیں ہے جس قدر کہ ہمارے گزشتہ
کے بہترین مصنفین کی طبیعات اور زمانۂ موجودہ کے مصنفین کی طبیعات میں
ے -

حضرات ! دوسری چیز جو ہماری ترقی میں سنگ راہ ہے وہ عورتوں کی تعلیم کا
، اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ تعلیم اپنے حقیقی اور اصلی معنوں میں ہماری

عورتوں میں نہیں ہے ۔ یہ ایک ایسی بات ہے جو صرف ہماری قوم کے ساتھ مخصوص ہے ۔ یہ ایک ایسی بلا ہے جس کی نظر صرف ہماریٔ ہی طرف ہے ۔ ہم جہاں کہیں اپنی نظر ڈالتے ہیں اس کا تکلیف دہ احساس ہم کو ہوتا ہے ۔ عربی یا فارسی کی کسی قدر شد بود یا حساب اور تواریخ سے سرسری واقفیت اصلی تعلیم نہیں ہے اور نہ ہو سکتی ہے ۔ اصلی تعلیم سےؑ میری مراد وہ تعلیم ہے جو انسان کی تمام دماغی اور اخلاقی قوتوں کو ترقی دے ۔ حضرات ! اگر تعلیم نسواں ہماری قوم میں موجود نہیں ہے اور اگر اس کو ہم اپنی قوم میں جاری کرنے کے لیے ضروری کوشش نہیں کرتے تو کیا ہم کبھی روشن خیال اور ترقی یافتہ قوم بن جانے کی امید کر سکتے ہیں ؟ کیا ہم ایک روشن خیال قوم ہونے کی مفقود حیثیت کو دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں ؟ اور کیا ہم ہندوستان کی زیادہ خوش نصیب قوموں کے ساتھ ترقی کی دوڑ میں برابر ہو سکتے ہیں ؟

ہم کو تھوڑی دیر کے لیے خیال کر لینا چاہیے کہ تعلیم نسواں کے نہ ہونے سے کیا مراد ہے ۔ اس کے معنی اول تو یہ ہوتے ہیں کہ ہماری قوم کا کم از کم نصف حصہ غیر تعلیم یافتہ ، جاہل ، تنگ خیال اور پست ہے ۔ اور ابدالآباد تک ایسا ہی رہے گا ۔ کیا یہ بات ظاہر نہیں ہے کہ جب ہماری مائیں ، ہماری بیویاں ، ہماری لڑکیاں اور ہماری بہنیں ، نا تعلیم یافتہ ہیں ، تو خود ہماری تعلیم ضرور بہت ناقص قسم کی ہوگی ، اور ہم ایک تاریک عالم اور مضر صحت آب و ہوا میں رہیں گے ۔ ہم کیونکر اپنے بچوں کی تربیت اور تعلیم پانے کی امید کر سکتے ہیں جب ان کی مائیں جاہل ہیں ۔ ہم کیوں کر اعلیٰ اخلاقی اصول ان کے دلوں پر نقش کرا سکتے ہیں ۔ جب بچے ایسی عورتوں میں زندگی بسر کرتے ہیں ۔ جو کبھی اعلیٰ اخلاق اور دماغی تربیت سے مستفید نہیں ہوئی ہیں ؟ حضرات ! اگر یہ بات ممکن ہے کہ ایک جھیل میں جس کا آدھا حصہ ناپاک اور مضر صحت پانی سے بھرا ہوا ہے ، پاک شفاف اور صاف پانی کی امید کی جائے ۔ اس جھیل کا ایک حصہ دوسرے حصے پر اثر کرے گا ، اور تاوقتیکہ آدھا ناپاک حصہ نکال دیا جائے گا ساری جھیل ناپاک رہے گی ۔ اچھا اگر تعلیم نسواں ہم میں موجود نہیں ہے ، اور اگر یہ ضروری ہے کہ اس کا رواج دیا جائے تو کیا خاص روکیں ہیں جن کو ہمیں دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے ؟ اب حضرات میں یہ سمجھ لیتا ہوں کہ اس مجمع میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جو فی نفسہ تعلیم نسواں کے خلاف ہے ۔ مجھ کو یقین ہے کہ کوئی شخص استدلال نہیں کرے گا کہ عورتوں کو جاہل ، ان پڑھ اور ناتعلیم یافتہ چھوڑ دیا جائے ۔ میں آگے یہ فرض کر لیتا ہوں کہ ہمارے مذہب میں

نہیں ہے جو ہماری عورتوں کی اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم کی مانع یا ناموافق ہے۔
عورتوں کی تعلیم کی موجودہ ناقابل اطمینان حالت کی کیا وجہ ہے؟ میں یہ
ہوں کہ وہ تمام وجوہات جنھوں نے ہماری قوم کے مردوں کی پست حالت پیدا
تعلیم کے معاملے میں ہماری عورتوں کی پست حالت کے معاون رہے ہیں۔ مگر علاوہ
مشکلات اور روکوں کے جن سے کہ مسلمان مردوں نے نقصان اٹھایا ہے ایک بڑی
ہے جو عورتوں کی ترقی کے لیے خاص ہے۔

میں پردے کی رسم کا ذکر کرتا ہوں جو ہندوستان کے مسلمان فرقوں میں رواج
۔ حضرات! میں بخوبی واقف ہوں کہ پردے کا مسئلہ ہمارے فرقوں میں بڑا
مسئلہ ہے اور اس لیے صرف مجھے ہی نہیں بلکہ ہماری قوم کے تمام احباب کو
ہے کہ اس مسئلے کو اپنے ہم مذہب بھائیوں کے خیالات اور محسوسات کا
مناسب لحاظ کرکے چھیڑنا چاہیے۔ حضرات! میں یقین کرتا ہوں کہ میرے منہ
لفظ ایسا نہیں نکلے گا جو کسی طرح کے خیالات کو، خواہ وہ اس ہال میں ہو
کے باہر ہو، آزار پہنچائے۔ میں اس مسئلے کی نسبت ایسے پیرایہ میں بحث کرنا
ہوں جو مجھے یقین ہے کہ کسی کو جو میرے لفظ سنے یا پڑھے ناگوار نہ
ہو۔ یہ مسئلہ بے شک ایک نازک مسئلہ ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ اس پر چار
عورتوں میں، یعنی مذہبی، تمدنی، حفظان صحت اور دماغی پہلو سے بحث کی
ہے۔

مذہبی صورت کے متعلق میں زیادہ بیان کرنا نہیں چاہتا۔ میں مسلمانوں کے
میں مستند شخص ہونے کا مدعی نہیں۔ نہ میں مولوی ہوں نہ مفتی، نہ
کے مذہبی مسائل میں مستند شخص ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں۔ اس ہال میں
موجود ہیں جو زیادہ عالم ہیں، مذہبی اعتبار سے اس مسئلے پر بحث کرنے اور
کے زیادہ اہل ہیں۔ اس لیے میں اس سے زیادہ نہیں کہوں گا کہ میں نے ایک
کی حیثیت میں اس غور اور توجہ کے ساتھ جس کو اس مسئلہ کی اہمیت
، چھان بین کی ہے اور میری رائے میں یہ مسئلہ حقیقتاً اس قدر مذہب سے
رکھتا جس قدر رسم و رواج سے۔ بلا شبہ قرآن شریف اور احادیث نبوی میں
فقرے ہیں جو اخلاق اور حیا کے سب سے اعلیٰ اصول مقرر کرتے ہیں جو
سکھاتے ہیں، جو حسن اور زیبائش کے نمائشی دکھاوے کو منع کرتے
کو مذموم بتاتے ہیں۔ لیکن میں قرآن شریف میں کوئی ایسی آیت نہیں

پا سکا جو ایسے پردے کی جو آج کل ہمارے ہاں مروج ہے ، ہدایت کرتی یا اجازت دیتی ہو۔ ہماری مذہبی کتابوں میں کوئی فقرہ ایسا نہیں ہے جو یہ کہتا ہو کہ ہماری عورتیں باہر نہ نکل سکیں یا عورتیں اپنے گھر کی چار دیواری میں محبوس رہیں یا یہ کہ وہ تازہ ہوا نہ کھائیں یا یہ کہ وہ ورزش نہ کریں - حضرات ! یہ جدید ایجادیں ہیں اور جہاں تک میں معلوم کر سکا ہوں رسم سے زیادہ کسی بات پر ان کی بنیاد نہیں -

حضرات ! میں خوش ہوں کہ میری رائے کی تائید مصنف تاریخ اسلام کے ایک بڑے شخص نے اپنی جدید تصنیف ''الاسلام'' میں کی ہے - علاوہ اس کے میری رائے کی تائید میرے دوست آغا خان نے بھی سال گزشتہ میں کانفرنس کے موقع پر کی ہے - آغا صاحب جیسا کہ آپ کو معلوم ہے مغربی ہندوستان کے ایک بہت بڑے اور مقتدر فرقے کے روشن خیال مذہبی پیشوا ہیں اور اگر میں نے ان کا مطلب صحیح سمجھا ہے تو وہ اس بارے میں میرے ہم خیال ہیں کہ موجودہ رسم پردے کا ثبوت قرآن مجید کی کسی آیت سے نہیں مل سکتا -

پھر حضرات! اس مسئلے کی تمدنی صورت کے متعلق یہ ہے کہ ہم اپنے بچپن سے اس کے بہت عادی ہوگئے ہیں ، ہم نے اس کو کم و بیش دنیا کے تمام اسلامی ممالک میں رائج دیکھا ہے اور اس لیے ہم قدرتی طور پر تعصب کے ساتھ اس کے موئد ہوگئے ہیں اور اس کی سختی کی ہر قسم کی اصلاح کے سخت مخالف ہوگئے ہیں - چونکہ ہم پردے کے معاملے میں بہت متعصب ہوگئے ہیں اس لیے اس کے فوائد کو بڑھا چڑھا کر مبالغے کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور جو فائدے اس کے ترک کرنے سے متوقع ہیں ان کی طرف سے ہم اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لیتے ہیں - ہم اور سوسائٹیوں میں خصوصاً یورپ کی سوسائٹیوں میں نقائص اور عیوب معلوم کرنے سے بہت ہی خوش ہوتے ہیں - ہم خوشی کے ساتھ ہر ایسے معاملے کو جو ہم اخباروں میں پڑھتے ہیں جس سے کامل آزادی کی وجہ سے عورتوں کی بے حیائی کا ثبوت ملتا ہے پکڑ لیتے ہیں مگر ہم اپنی آنکھوں کو لاکھوں پاک شریف دل ، با حیا، روشن خیال عورتوں کی طرف سے بند کر لیتے ہیں جو مغربی ممالک میں مکانوں اور سوسائٹیوں کو زینت دیتی ہیں - بے شک حضرات! یہ مسئلہ اتنا اہم ہے کہ چند فقروں میں اس کو ختم نہیں کرسکتے - لیکن میں یہ ظاہر کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ عورتوں کی آزادی کے نقصانات چند بے اطمینانی کی قسم کی مثالوں سے جن کا ذکر اخباروں میں پڑھیں ، لازمی طور پر قائم نہیں ہوسکتے -

اب میں اس مسئلے پر حفظان صحت کے پہلو سے بحث کرتا ہوں اور اس

حضرات میرا اعتقاد ہے کہ خواہ کتنا ہی اختلاف آرائے ہم میں اور باتوں کے متعلق ہو اس معاملے میں کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا ۔ تمدن کے اعتبار سے پردہ اچھا ہے یا نہیں جس طرح بعض لوگ مذہبی مسائل کا مفہوم لیتے ہیں ان کے اجتہاد کے بالکل ہے یا نہیں ۔ ایک بحث طلب بات ہو سکتی ہے ۔ مگر میں خیال کرتا ہوں کہ عورتوں کو صحت اور ان کے جسم پر پردہ کا برا اثر ہونے میں کوئی کلام نہیں ۔ اس میں کوئی بات دوسری بات سے زیادہ روشن ہے تو وہ یہ ہے کہ انسانی جسم کو ہوا اور مفید ورزش کی ضرورت ہے ۔ اگر پردے کا موجودہ طریقہ قائم رکھا جائے تو ضرورتیں کس طرح پوری ہو سکتی ہیں؟ ہاری عورتوں کو کیونکر اور کہاں سے ورزش میسر آ سکتی ہے؟ اس سے ہاری عورتوں کے جسموں پر پاک ہوا اور ورزش میسر آنے کا خیال کرو ۔ ان کے جسم اور قوموں کی عورتوں کے جسم سے مقابلہ جو پردے کے دباؤ سے آزاد ہو کر کھلے میدانوں میں جاتی اور آزادی سے پھرتی ہیں، جسم کے مختلف حصوں کو ورزش کراتی ہیں ۔ ہاری عورتوں کی صحت کا دوسری عورتوں کی صحت سے مقابلہ کرو ۔ اعداد کو دیکھو اور ہاری عورتوں کی بڑی تعداد کو دیکھو ۔ جو حبس، نا پاک ہوا، اور ورزش نہ ملنے کی وجہ سے دق کے مرض میں مبتلا ہو جاتی ہیں ۔ حضرات! ہم کبھی تندرست، مضبوط اور توانا عورتوں کی امید نہیں کر سکتے جب تک ہم ان کو اسی طرح قید میں بند رکھیں گے جس طرح ہم نے سالہا سال سے رکھا ہے اور مضبوط، تندرست اور توانا بچوں کی امید نہیں کر سکتے جب تک مائیں کمزور، بیمار اور نحیف جسم کی رہیں گی ۔

حضرات! اب میں اس مسئلے کے آخری پہلو کو لیتا ہوں جو سب سے زیادہ اہم اور جس سے میری بحث کو زیادہ تر تعلق ہے ۔ اس سے میری مراد تعلیمی پہلو ہے ۔ ہماری عورتوں کی نسبت جو کچھ میں نے بیان کیا ہے وہ اس معاملے پر بھی صادق آتا ہے ۔ پردے کے رواج کی حالت میں جیسا کہ میں نے دکھایا ہے ہاری عورتیں کمزور اور نحیف اور بیمار جسم کی ہوں گی لیکن اگر پردے کی موجودہ سختی آئندہ بھی قائم رکھی جاوے تو کیا ان کو کافی طور سے تعلیم دی جا سکتی ہے؟ لڑکیاں زیادہ سے زیادہ جب سن بلوغ کو پہنچیں گی یعنی بارہ تیرہ برس کی ہوں گی ان کی تعلیم ختم ہو جائے گی ۔ کیا ہم حقیقتاً اس قدر تھوڑی مدت میں اپنی عورتوں کو صحیح اور لبرل تعلیم دینے کی امید کر سکتے ہیں؟ یہ نا ممکن ہے ۔ لہٰذا اس نقطۂ نظر سے آپ اس مسئلے کو دیکھیں ۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ تاوقتیکہ ہم کسی

حد تک پردے کی موجودہ سختیوں کو ہلکا کرنے کا تہیہ نہ کریں گے ہم ہمیشہ ایک پیچھے رہ جانے والے نیم تعلیم یافتہ ، ایک کمزور اور نحیف قوم رہیں گے - یہ معاملہ ہے جس پر میں اپنے روشن خیال دوستوں کی توجہ کو مبذول کراؤں گا ، بہ ایں امید کہ ان برائیوں کو رفع کرنے کے لیے جن سے ہم تکلیف اٹھا رہے ہیں جو کچھ بن پڑے کیا جاوے -

اب میں محمدن یونیورسٹی کے مضمون پر آتا ہوں جس نے تمام ہندوستان کے مسلمانوں میں اس قدر دلچسپی پیدا کر رکھی ہے - میری حقیر رائے یہ ہے کہ ایک محمدن یونیورسٹی اگر مناسب طورسےچلائی جائے اور کافی طور سے اس کی امداد کی جائے تو ہماری قوم کے لیے بڑے فائدے کی چیز ہوگی - مجھے یقین ہوتا ہے کہ ایک اچھی یونیورسٹی جو ایک صحیح و مستحکم بنیاد پر چلائی جائے - ہم میں ضرور ایک جوش قائم رکھے گی اخلاق اصول دل نشین کرائے گی ، عمدہ اطوار کی تربیت دے گی اور سب سے زیادہ یہ کہ صحیح مذہبی تعلیم دے گی جس کے بغیر ہم علیحدہ ٹکڑوں میں منتشر ہو جائیں گے اور کبھی ایک اور متحدہ قوم بن جانے کی امید نہ کر سکیں گے - مگر حضرات ! دقتیں ہمارے راستے میں بہت بڑی ہیں - ایسی مذہبی تعلیم دینا جو وسیع اور روشن اور عام ہو اور جو تنگ اور فریقانہ تعصبات کی اکسانے والی نہ ہو کوئی آسان کام نہیں - ہم بد قسمتی سے اتنی جماعتوں اور فرقوں میں منقسم ہو گئے ہیں کہ مجھے کسی ایسی تعلیم سے مایوسی ہے جو ایک حد تک ان ہی مباحثوں اور اختلافات کو تازہ نہ کر دے، جن کو رفع کرنے اور جن کی بیخ کنی کرنے کی ہم سب کو خواہش ہے - علاوہ ازیں ایک محمدن یونیورسٹی کے قائم ہونے میں مسلمانوں کے لیے تمام ہندوستان میں بہت سے مفید کالجوں اور تعلیمی انسٹی ٹیوشنوں کا موجود ہونا فرض کر لیا جاتا ہے - ہم بغیر یونیورسٹی کے کام چلا سکتے ہیں - مگر ان مقامی تعلیمی انسٹی ٹیوشنوں کے بغیر کام نہیں چلا سکتے - بنیاد پہلے رکھی جائے اور وہ مضبوط اور ٹھوس ہو - یونیورسٹی کی بالائی عمارت کا ایک کمزور بنیاد پر ، جیسی کہ آج کل ہے ، قائم کرنا عبث اور فضول ہے - بمبئی ہی کو دیکھو ، جس سے شاید میں بہ نسبت اور بہت سے حضرات کے جو یہاں میری تقریر سن رہے ہیں زیادہ واقف ہوں - اس بڑے شہر میں ہم کو تعلیم کے لیے کیا آسانیاں ہیں ؟ ہمارے ہاں اول تمام بمبئی میں پھیلے ہوئے چند چھوٹے مکتب ہیں جو بہت اطمینان کے لائق حالت میں نہیں ہیں - پھر ہمارے ہاں انجمن اسلام کے اسکول ہیں جو بے شک اتزام تک تعلیم دیتے ہیں مگر مدارس کو کافی طور سے امداد میسر نہیں ہے - اعلیٰ جماعتوں

لی ہیں ۔ رہے کالج تو ہمارے پاس محمدن کالج تو بالکل نہیں ہیں اور ہمارے مذہب
تھوڑے طلباء ایسے کالجوں میں جو موجود ہیں داخل ہوئے ہیں ۔ میرے نزدیک
بانی نہایت بے اطمینانی کی ہیں ۔ احاطہ بمبئی کے مسلمانوں کی آبادی کا لحاظ
ئی اسکولوں اور کالجوں میں بہت تھوڑے ہیں ۔ حضرات ! میں پہلے ان برائیوں
کرنا پسند کروں گا ۔ میں پہلے اپنے سکنڈری اور ہائی اسکولوں کو اور کالجوں
احاطے کے مسلمان لڑکوں سے بھرنا پسند کروں گا ۔ پیشتر اس کے کہ میں اس کا
لوں کہ اس احاطے کے مسلمان لڑکوں کے فائدے کے لیے ایک محمدن یونیورسٹی
ہے ۔ فرض کیا کہ ہمارے پاس ایک محمدن یونیورسٹی ہے احاطۂ بمبئی سے کتنے
س میں داخل ہوں گے ؟ مجھے خوف ہے کہ داخل ہوئے تو بہت ہی تھوڑے
۔ اس لیے جہاں تک اس پریسیڈنسی سے تعلق ہے ۔ ابھی ہمیں کسی محمدن
ی کی ضرورت نہیں ہے ۔ میں اور صوبوں کی ضرورتوں کے متعلق وثوق کے
ے کا دعویٰ نہیں کرتا ۔ حضرات ! یہی وہ سب باتیں ہیں جن پر میں آپ کو
نی ضروری سمجھتا ہوں ۔

ی خوف ہے کہ میں نے آپ کا وقت بہت زیادہ صرف کیا اور مجھے آپ کی معافی کا
ہونا چاہیے ۔ آخر میں میں شوق سے امید کرتا ہوں کہ جو کام اس کانفرنس میں
ئے وہ عملی قسم کا ہوگا جس سے عمل و فعل پیدا ہوں گے نہ محض الفاظ اور
۔ ہمیں جس چیز کی ضرورت ہے وہ ایمان داری اور دل سے کام کرنا ہے اور اس
لیے روپیہ ملنا ہے ۔ نرے رزولیوشن کافی نہیں ۔ اور اگر ہم صرف تقریروں سے
ں اور تدبیروں پر ختم کریں تو ہمارا آج کا یہاں اجتماع بہت تھوڑی عملی قیمت کا
تر اس کے کہ میں بیٹھ جاؤں میں ایک دفعہ اور اس عزت کا جو مجھے دی گئی
لیکیٹس کا اس بڑی تکلیف کی بابت جو انھوں نے ہمارے اجلاسوں میں شریک
ے کی ہے شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں ۔ اور مجھے کانفرنس کے عہدہ داروں اور
کا بھی ان کی محنت کی بابت جس کے بغیر ہم مل کر جمع نہیں ہو سکتے تھے
کرنا چاہیے ۔ مجھے ابھی اور وزیٹر صاحبان کا ان کی امداد اور ہمت افزائی کی
شکریہ ادا کرنا چاہیے اور میں فرض کر کے پیشگی شکریہ چندہ دینے والوں کا
الانہ چندوں کی بابت کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ ان کی ذاتی سرگرمی اور
ور اداروں کی کوششوں کی جنھوں نے کانفرنس قائم کی ہے پسند فرمانے کی
۔ میں بھروسا کر کے کہ خدائے تعالیٰ ہم کو طاقت اور عقل اپنے غور و

مشورے کے کام چلانے کے لیے عطا فرمائے اور ہمارے رزولیوشن ہماری قوم کی ترقی اور فائدے کے لیے عملی اور مفید نتائج پیدا کریں گے - اپنی جگہ پر بیٹھنے کے لیے آپ کی اجازت چاہتا ہوں -

---

جملہ حقوق بہ حق ناشر محفوظ

تحریک ہجرت کی تاریخ

اس تحریک کے داعی ، نقیب اور مبلغ کی زبانی

ایک غیر مطبوعہ تحریر

(کرنل) عزیز ھندی امرتسری کے قلم سے !

مولانا ابوالکلام آزاد
مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری
خان عبدالغفار خاں
مسٹر آصف علی
مولانا ظفر علی خاں
مولانا عارف ہسوی
مولانا عبدالباری فرنگی محلی
ڈاکٹر انصاری
حکیم اجمل خاں
مولانا حسرت موہانی
مولانا شوکت علی
مولانا محمد علی

اور دوسرے رہنمایان بر صغیر سے متعلق ان کہی کہانی

کی کہانی

کرنل عزیز ہندی تحریک خلافت کی پیداوار ہیں - انھوں نے مجاہدانہ جوش وقت کی اس سب سے بڑی تحریک میں عملی حصہ لیا ، قید و بند کی صعوبتیں کیں ، حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا سنی ، جیل کی سختیاں سہیں اور یت کو کامیاب بنانے کے لیے تن من دھن کی بازی لگا دی - حکومت کا مقابلہ وستوں کے وار سہے اور دشمنوں سے کلہ بہ کلہ لڑے - زندگی کے کم و بیش جیل میں گزار دیے - آخری ۷ سال افغانستان کی جیل میں قید تنہائی کی صعوبت برداشت کرتے رہے ، جہاں لکھنے پڑھنے تک کی کوئی سہولت نہ تھی ، مگر ریا پائی ہے - کوڑے کرکٹ کے ڈھیر سے کاغذ کی دھجیاں فراہم کیں ، ایک ی پڑی تھی ، اس کی نوک سے نب کا کام لیا ، درختوں کی پتیوں اور چھالوں سے روشنائی تیار کی اور تصنیف و تالیف کا کام نظم و نثر میں شروع کر دیا - کے بعد چھوٹے تو دو کتابیں ساتھ تھیں - جو اب زیور طبع سے آراستہ ہونے - زندگی کا قافلہ سبک گام ۵۷ منزلیں طے کر چکا ہے ، ضعف اور کہولت اور ے اللہال کر دیا ہے ، مگر دم خم اب بھی وہی ہے ، شیر جب بوڑھا ہو جاتا ہے . ہی رہتا ہے -

تحریک ہجرت پر اردو زبان میں بالکل مواد نہیں ملتا - حالانکہ یہ بڑی ، انقلاب انگیز اور نتائج کے اعتبار سے دور رس تحریک تھی - خوش قسمتی مان و گمان کرنل صاحب سے میری ملاقات ہو گئی - وہ اپنا ارمغان زنداں ، کی تصنیف کردہ کتابیں چھپوانا چاہتے تھے - میں نہ ناشر ، نہ اس راہ کا راہی - ے فرمائش کی آپ کی یہ کتابیں انشاء اللہ چھپ جائیں گی اور اپنے محدود تر ع کو کام میں لا کر کوشش کروں گا کہ کوئی ناشر انھیں چھاپ دے - لیکن م دوات لے کر بیٹھ جائیے اور ''اوراق گم گشتہ'' کے لیے تحریک ہجرت کی کر دیجیے - دوسرے جو کچھ لکھیں گے وہ سنی ہوئی باتیں لکھیں گے - آپ لکھیں گے ، وہ مشاہدہ اور تجربہ ہوگا - موصوف نے میری یہ استدعا قبول کر لی

اور علالت و نقاہت کے باوجود ۳-۴ مہینے میں یہ اوراق مختلف اقساط میں مرحمت فرمائے -

تحریک ہجرت کی یہ تاریخ ایک ایسے شخص نے لکھی ہے، جو اس تحریک کا داعی ، نقیب اور مبلغ تھا اور جس نے اس تحریک کو کامیاب بنانے میں مال و زر اور فرزند و زن کی کوئی پروا نہیں کی - اس تحریر میں جو معلومات ہیں ، ان کا اکثر حصہ موجودہ زمانے میں انکشاف کی حیثیت رکھتا ہے اور بڑا قیمتی ہے - واقعات کے بیان کرنے میں کہیں بھول چوک ہو سکتی ہے ، طرز تحریر بھی کہیں تلخ نظر آئے گا ، افراد اور اشخاص کے ذکر میں کہیں توازن کی ، کہیں تعمق کی کمی نظر آئے گی ، یہ بھی ممکن ہے ، بعض لوگوں کے لیے وہ بجنسہ و بلفظہ قابل قبول نہ ہو ، لیکن اس طرح کی باتیں کس کتاب میں نہیں ہوتیں ؟ اس تحریر کی اصل قدر و قیمت اس کے واقعات و حقائق اور انکشافات پر مبنی ہے اور یہ بہت بڑی چیز ہے -

رئیس احمد جعفری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تحریک ہجرت

کا

آغاز

تحریک ہجرت کا آغاز ۱۹۲۰ء میں اپریل کے مہینے میں دہلی شہر کے اندر ۔ مولانا حسرت موہانی نے یہاں ''خدام خلافت کانفرنس'' منعقد کی تھی، جس میں ...سم ہندوستان کے تقریباً تمام صوبوں کے مسلمان نمائندے شریک ہوئے تھے۔ میں ...ہی نمائندوں میں سے ایک تھا، جو مولانا سید عطاءاللہ شاہ بخاری اور مولانا داؤد غزنوی ...راہ امرتسر سے منتخب ہو کر آیا تھا ۔ اس کانفرنس میں گوجرانوالہ سے ملک ...مال؛ مشہور خلافتی کارکن اور چار سدہ پشاور سے عبدالغفار خان، جو بعد میں ...ی گاندھی اور سرخپوشوں کی تحریک خدائی خدمتگاروں کے لیڈر مشہور ہوئے، ...ہوئے تھے ۔

اس کانفرنس کے منعقد کرنے کا مقصد جو ہمیں بعد میں جا کر معلوم ہوا یہ ...ل انڈیا خلافت کمیٹی کے مرکزی دفتر کو دہلی میں تبدیل کیا جائے جو صرف دو ...لے مولانا شوکت علی نے بمبئی میں قائم کیا تھا ۔

دہلی ہندوستان کا دارالخلافہ بن چکا تھا اور اہل دہلی کی یہ خواہش تھی کہ ...خلافت کمیٹی کا مرکزی دفتر بھی دارالخلافہ ہی میں ہونا چاہیے ۔ تمام مندوبین ...وں کو اس در پردہ کشمکش کا بالکل علم نہ تھا ۔ مولانا حسرت موہانی اس ...ی سربراہی فرما رہے تھے، تمام مندوبین کانگرنس ''خدام خلافت'' کے نام سے ...کر اس کانفرنس میں شرکت کے لیے آئے تھے ۔ اگر انھیں معلوم ہوتا کہ اس کے ...وئی اور محرک بھی کام کر رہا ہے تو شاید وہ اس کثرت سے اس میں شریک

نہ ہوتے اور نہ اتنے بڑے جوش و خروش کا مظاہرہ ہی کرتے جو انھوں نے اپنی آمد پر آپس میں مل جل کر کیا - انھیں اپنے گھروں سے نکلتے وقت یہی خیال تھا - کہ مرکزی خلافت کمیٹی کے ماتحت یہ کانفرنس منعقد ہو رہی ہے ، جس میں غالباً خدام خلافت کے لیے کوئی جالب نظر لائحۂ عمل تجویز ہوگا - میں نے بہت سے بھوپال کے مندوبین کو دیکھا جو اپنی ماؤں سے دودھ بخشوا کر آئے تھے - ان کا خیال تھا کہ وہ جہاد کے لیے بلائے جا رہے ہیں اور شاید اپنے گھروں کو واپس نہیں لوٹ سکیں گے - واقعی جو پوسٹر جلب توجہ کے لیے دہلی سے بھیجے گئے تھے ، اس میں خدام خلافت کے نام یہی تاکید کی گئی تھی کہ ''کفن باندھ کر سر پر آؤ - ''

ان مندوبین کو جب یہ معلوم ہوا کہ اس کانفرنس کا در پردہ مقصد ہی کچھ اور ہے تو ان کا سارا جوش و خروش ٹھنڈا پڑ گیا ، جو میری تحریک ہجرت کے لیے براہ راست معاون ثابت ہوا -

مجھے ہجرت کرنے کا خیال کیسے آیا ؟

میں یہ بیان کرنے کے لیے کہ ''مجھے ہجرت کرنے کا خیال کیسے آیا'' بہت پیچھے نہیں جاؤں گا مجھے انگریزی حکومت نے ۱۹۱۹ میں مارشل لاء کے دوران جو جلیانوالہ باغ، امرتسر کے قتل عام کے سلسلے میں پنجاب اور شمال مغربی صوبۂ سرحد میں جاری کیا گیا تھا ، امرتسر کے مقدمۂ سازش میں گرفتار کر کے بیس سال قید یعنی ٹرانسپورٹیشن آف لائف کی سزا دی تھی - مجھے لاہور سنٹرل جیل میں اور قیدیوں کے ساتھ رکھا گیا جہاں میری ملاقات ایک شخص ماسٹر محمد حسین چولی سے ہوئی جو وزیر آباد کا رہنے والا تھا - میں اس کا ذکر بعد میں کروں گا ، میں ابھی جوان سال تھا اور میرا یہ اضطراب کہ یہ بیس سال کیسے بسر ہوں گے ایک طبعی امر تھا اور چونکہ دین کا شغف اپنے اندر پاتا تھا میں نے خدا سے عہد باندھا کہ اگر تو یہاں سے مجھے نجات دے دے تو میں اپنی تمام زندگی تیرے لیے وقف کر دوں گا -

مجھے جلد ہی نجات مل گئی - جلیانوالہ باغ کے قتل عام نے ملک بھر میں انگریزی حکومت کے برخلاف ایک کہرام برپا کر رکھا تھا - ہندوستان سے باہر بھی انگریزوں کے اس ظلم کی خبریں جا چکی تھیں - خود انگریزی پارلیمنٹ بھی اس سے متاثر تھی - ہندوستان کو لارڈ چیمسفورڈ مانٹیگو اسکیم کے ماتحت آئینی اصلاحات ملنے والی تھیں لہٰذا پہلے تو یہ ہوا کہ لاہور ، امرتسر اور گوجرانوالہ کے سیاسی لیڈروں کی بیس بیس سالہ کی قیدیں دو دو سال کی قیدوں میں تخفیف کر دی گئیں اور بعد

میں کرسمس کی چھٹیوں کے ایام میں ہم سب قابل ذکر لوگوں کو جیل سے
دیا گیا ۔

مارشل لاء اپریل ۱۹۱۹ کے دوسرے ہفتے میں جاری ہوا تھا ۔ میری گرفتاری
کو عمل میں آئی تھی اور ۲۶ دسمبر کو اسی سال مجھے جیل سے رہائی نصیب
اس طرح میں انگریزوں کی جیل میں پہلی بار صرف آٹھ مہینے رہا ۔

جیل سے باہر نکل کر مجھے اپنا عہد نبھانے کی فکر تھی ۔ جیل کی مختصر سی
نے میرے اندر انگریزوں کی غلامی اور محکومی سے نجات حاصل کرنے کے جذبات
ئے تھے ۔ مجھے اپنے اہل خانہ کی چنداں فکر نہ تھی کیونکہ میں ایک اچھے خاصے
گھرانے سے تعلق رکھتا تھا ۔ میرے بزرگ اپنے آبائی پیشۂ تجارت میں مشغول تھے
تھے کہ میں بھی ان کے اسی پیشۂ تجارت میں ان کا ہم دست اور شریک رہوں ۔
اور یہی دھن سما چکی تھی ۔ جیل سے نکلتے ہی پے درپے جو واقعات پیش آئے
نے میری سیرت کا رخ یکسر بدل کر رکھ دیا تھا ۔

آل انڈیا کانگریس اور آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ جلسے امرتسر میں منعقد
مولانا شوکت علی ، مولانا محمد علی وغیرہ جو مختلف جگہوں پر انگریزی سرکار نے
کر رکھے تھے چھوٹ کر سب کے سب ان سالانہ جلسوں میں شرکت کرنے کے
آئے ، قسطنطنیہ اور مقامات مقدسہ پر اتحادیوں کے قبضہ کر لینے کی وجہ سے
کے بر خلاف مسلمانوں میں بے حد جوش و خروش پایا جاتا تھا ۔ کانگریس اور
کے پلیٹ فارموں پر سے انگریزی سلطنت کے بر خلاف بڑی دھواں دھار
کی گئیں ۔ ان دنوں ہندو مسلمان اتحاد کی لہریں اپنے عروج پر تھیں ، کانگریس
مونٹ‌فورڈ مانٹیگو اصلاحات سے ناراض تھی وہ کم سے کم ہندوستان میں سیلف
اور ڈومینین اسٹیٹس چاہتی تھی اور مسلمان ترکی سلطنت کے سقوط و شکست پر
اور مقامات مقدسہ پر انگریزی قبضے سے آتش بجاں ہو رہے تھے ۔ مسلمانوں کے
خروش کو دیکھ کر ہندو قوم میں آزادی کی آمنگیں پیدا ہو رہی تھیں یہاں تک
بعض مسلمان مقررین نے اپنی تقریروں میں یہ اعلان کیا کہ اگر انگریزوں نے
سے اپنا فوجی قبضہ نہ اٹھایا تو ہم اس ملک سے ہجرت کر جائیں گے تو
کے بعض مقررین نے بھی ان کے ہمنوا ہوتے ہوئے کہہ ڈالا کہ اگر مسلمانوں
سے ہجرت کی تو ہم بھی اپنے ان بھائیوں کو اکیلا نہیں چھوڑیں گے بلکہ
بھی ہجرت کر جائیں گے ۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہندو مسلمانوں کے اس گٹھ جوڑ سے انگریزی حکومت پہلی دفعہ خوفزدہ ہو کر رہ گئی ہے۔ افغانوں کی تیسری جنگ لڑی جا چکی تھی افغانستان اپنی مکمل آزادی کا انگریزوں سے مطالبہ کر رہا تھا۔ جلیانوالہ باغ کے کا واقعہ ابھی تازہ تھا۔ رولٹ بل کے بر خلاف جو اس وقت تک قانون بن چکا تھا، ابھی تک ملک بھر میں مخالفت جاری تھی۔ ان حالات میں انگریزی حکومت ہند کو حوصلہ پڑا کہ مقررین کی آتش بیانی اور باغیانہ تقریروں کے بر خلاف کوئی قانونی اقدام کرتی ان پر مقدمہ چلاتی اور انھیں سزائیں دیتی۔ اس پر مستزاد یہ کہ علی برادران نے امرتسر میں بڑی آؤ بھگت ہوئی، مقامات مقدسہ اور خلافت کو آزاد کرنے کا بیڑا اٹھایا ان کی بھاری بھرکم شخصیتوں سے ہندو مسلمان دونوں ہی متاثر ہوئے، ہندو "متحدہ قومیت" کے لیے اور "مسلمان آزادی خلافت" کے لیے۔

مسلمانوں سے مولانا شوکت علی نے کہا کہ تیس لاکھ روپے جمع کر دو خلافت آزاد ہوتی ہے۔ اس وقت تیس لاکھ بہت بڑی بات تھی اور مسلمانوں نے اپنی پوری "تاریخ محکومی" میں کبھی اتنی بڑی رقم کے جمع کرنے کا تصور تک نہ کیا تھا۔ مگر مولانا شوکت علی کی ولولہ انگیز قیادت نے اس کے لیے کمر ہمت باندھی اور ملک میں چندہ جمع کرنا شروع کر دیا۔ انھوں نے بمبئی شہر کو اپنا مرکز بنایا اس کے مسلمان بر صغیر کے سب شہروں سے زیادہ خوش حال اور ثروت مند زندگی بسر کر رہے تھے۔ اسی بنا پر اس شہر کو انھوں نے اپنی تحریک خلافت کے مرکز کے طور پر چنا اور فروری ۱۹۲۰ میں آل انڈیا بنیادوں پر پہلی خلافت کانفرنس کے منعقد کرنے کا اعلان کر دیا۔

بر صغیر کے مسلمان ہر طرف سے امڈ امڈ کر اس کانفرنس میں شرکت کے لیے آئے، خلافت کا جھنڈا لہرایا گیا پر جوش نظمیں پڑھی گئیں، ولولہ انگیز تقریریں ہوئیں آل انڈیا خلافت کمیٹی کے لیے ممبر چنے گئے، مجلس عاملہ کا انتخاب عمل میں آیا، پر جوش ریزولیوشن پاس ہوئے، مگر بات یہاں آ کر ٹوٹی کہ برطانیہ کی حکومت کے پاس لندن وفد بھیجا جائے اور اس سے کہا جائے کہ مقامات مقدسہ کے قبضے سے دست بردار ہو جائیے۔ قسطنطنیہ سے ہاتھ اٹھا لیجیے، ورنہ ہم بر صغیر کے مسلمان آپ سے ناراض ہو جائیں گے۔ وفد کے بھیجے جانے کا مقصد یہی تھا، یہ وفد مولانا محمد علی کی سرکردگی میں جا رہا تھا۔

اس ریزولیوشن سے ان مسلمانوں کو، جو ڈائریکٹ ایکشن یا جہاد کا ولولہ

...وں میں رکھتے تھے بے حد مایوسی ہوئی ۔

میں اس کانفرنس میں آل انڈیا خلافت کمیٹی کا ممبر منتخب ہوا تھا اور اسی ...بی میں مولانا ابوالکلام آزاد کی شخصیت سے پہلی بار ملاقی ہوا ۔ اس سے پہلے ...برادران سے امرتسر میں مل چکا تھا اور ایک ورکر کی حیثیت سے ان کی خدمت ...ض کر چکا تھا کہ مجھے اپنی سر پرستی میں لے کر میری تربیت کریں کیونکہ ...ی خدمت کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دینا چاہتا ہوں ۔ خدا غریق رحمت ...مولانا محمد علی کو کہ انھوں نے یہ سن کر مجھے ''خوفناک دیوانہ'' کے نام سے ... عجیب اتفاق ہے کہ انگریزوں نے بھی کچھ عرصہ بعد مجھے ''خوفناک آدمی'' ...کر پکارا ۔ تاہم میں یہاں اپنی سوانح نہیں لکھ رہا ، یہ بات یونہی بر سبیل تذکرہ ...ہے ۔

مولانا ابوالکلام آزاد سے میرا آمنا سامنا ایک نہایت ہی ڈرامائی صورت میں ہوا ۔ ...ٹ کمیٹی میں مدعو تھے ۔ بعض کی آمد کا انتظار ہو رہا تھا کہ اتنے میں معلوم ... مولانا ابوالکلام آزاد تشریف لا رہے ہیں ۔ مولانا آئے اور ایک کرسی پر آن کر ...میری یہ اولین دید تھی۔ ان کی شخصیت بڑی جاذب اور دلکش تھی ۔ شوق اور ...ت سے میری ٹکٹکی ان کی طرف بندھ گئی ۔ میں نے حیرت کے ساتھ محسوس ...وہ بھی اس بھرے مجمع میں بار بار صرف میری طرف ہی دیکھ رہے ہیں ۔ یقیناً اس ...ک انھوں نے میرا نام بھی نہ سنا ہوگا اور میں اپنے موجودہ نام سے اس وقت ...معروف بھی نہ ہوا تھا ۔ مجھے اس وقت تک لوگ غلام محمد عزیز کہہ کر پکارتے ...را موجودہ نام ''عزیز ہندی'' کابل افغانستان میں جا کر معروف ہوا ۔ انگریزی ...مجھے ''غلام محمد المعروف عزیز ہندی'' کے نام سے یاد کیا گیا ہے ۔

الغرض : باہمی جذب و شوق اس امر پر منتج ہوا کہ دوسرے دن میں ان سے ...بمبئی سے ماہم گیا ۔ جہاں وہ مولانا عبدالقادر قصوری کی جائے رہائش پر اترے ...ماہم ان دنوں بمبئی کے اطراف میں ایک خوب صورت قصبہ تھا جہاں اکثر متمول ...نے بنگلے بنا رکھے تھے ۔ مولانا عبدالقادر قصوری کا خاندان اسی قصبے میں اپنی ...مصروفیتوں میں مشغول تھا ۔ مولانا ابوالکلام جب کبھی بمبئی تشریف لے جاتے ...کے مہمان ہوتے مولانا عبدالقادر قصوری کو بھی مولانا ابوالکلام آزاد سے گہری ... جب میں مولانا ابوالکلام آزاد سے ملنے گیا تو وہ اپنے عقیدت مندوں سے ...ت چیت کر رہے تھے ۔ میں نے اپنی اطلاع کروائی تو انھوں نے مجھے بھی اندر

بلا لیا - علیک سلیک کے بعد میں نے ان سے عرض کیا کہ میں کچھ خلوت میں عرض کرنا چاہتا ہوں - انھوں نے کہا کہ اسے بھی خلوت ہی سمجھیے اور پھر تھوڑی دیر سکوت کے بعد کہا کہ میں ابھی ابھی بمبئی جا رہا ہوں آپ میرے ساتھ چلیے - تھوڑی دیر بعد ہم ماہم کے سٹیشن پر پہنچ گئے وہاں انھوں نے پیش دستی کرکے فرسٹ کلاس کی ٹکٹیں خریدیں اور ہم گاڑی میں سوار ہو کر بمبئی کی طرف چل پڑے - راستے میں میں نے انھیں اپنا ماجرا سنایا کہ میں کس طرح مارشل لا میں قید ہوا اور کیسے رہا ہوا - میں نے انھیں اپنا وہ بیج بھی دکھایا جو انڈین نیشنل کانگریس نے مارشل لاء کے قیدیوں کے لیے بنوایا تھا اور جس پر کلابتوں کی ڈوری سے انگریزی میں (Martyr of Freedom) ''شہید آزادی'' کے الفاظ لکھے ہوئے تھے - میں نے ان سے اپنے خاندانی کوائف بھی بیان کیے اور کہا کہ میں ایک کاروباری گھرانے سے تعلق رکھتا ہوں - اس کے بعد میں نے ان سے اس عہد کا ذکر کیا جو میں نے جیل کی چار دیواری میں اپنے خدا سے باندھا تھا اور یہ کہتے ہی میں نے جوش عقیدت سے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ میری تربیت کیجیے - میرا جوش عقیدت دیکھ کر انھوں نے مجھے مشفقانہ نگاہوں سے دیکھا اور مجھے ایسا معلوم ہوا کہ وہ اپنے آغوش تربیت میں لینے کے لیے فوراً ہی اپنی رضامندی کا اظہار کریں گے لیکن انھوں نے اس بارے میں ابھی کچھ نہیں کہا تھا کہ گاڑی بمبئی کے گرانٹ روڈ سٹیشن پر آ کر رک گئی - یہیں ہمیں اترنا تھا، ہم اتر کر سیدھے سبجکٹ کمیٹی کی جلسہ گاہ کی طرف چلے گئے - پھر راستے میں کوئی بات نہ ہوئی -

مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے خلافت کمیٹی کے کھلے اجلاس میں ایک پر جوش نظم پڑھی تھی ، جس سے جلسہ گاہ میں بڑی گرمی آئی تھی - مجھے ہر ہر شعر پر داد و تحسین ملتی اور اللہ اکبر کے نعروں سے میرے ہر شعر کا استقبال کیا جاتا - میں نے ایک مشہور شعر کو سامنے رکھ کر یہ نظم کہی تھی؛ وہ شعر یہ تھا :

ہم کون ہیں ہم کیا ہیں ہم کچھ بھی نہیں لیکن
وقت آنے دو وقت آنے دو ہم تم کو بتا دیں گے

خلافت کمیٹی کا اجلاس، بڑے جوش و خروش کے ساتھ ختم ہوا اور ہم مندوبین جو اطراف و آکناف ملک سے اس میں شرکت کے لیے آئے تھے - نئے ولولوں اور نئی امنگوں کے ساتھ اپنے اپنے صوبوں کی طرف لوٹے ، اسی کانفرنس کا اثر تھا کہ تمام ملک بھر میں خلافت کمیٹیاں قایم ہوگئیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مسلم لیگ جو اس وقت تک اعتدال پسند مسلمانوں کی ایک جماعت تھی) خلافت کی تحریک کے

ہو کر رہ جائے گی اور یقیناً کہا جا سکتا ہے کہ اگر ترکی سلطنت خلافت کا جوا
گردن سے اتار نہ پھینکتی تو بر صغیر میں خلافت کمیٹی ہی مسلم لیگ کی
جگہ لیتی ۔

موجودہ نسل کے لیے یہ ایک یادداشت کرنے کی بات ہے کہ مسلمانوں کے تمام
سرگرم عناصر خلافت کمیٹی نے اپنے اندر سمیٹ لیے تھے ۔ قوم کا مجاہد اور انقلابی عنصر ،
قانون داں، مفکرین اور اہل سیاست سب اس کے گرد جمع ہو چکے تھے، خود کانگریس
اسی تحریک سے اپنے آپ کو فروزاں کر رہی تھی ۔ مسلم لیڈر شپ کا رہنمایانہ انداز
کانگریس کی لیڈر شپ پر اثر انداز ہو رہا تھا ۔ یہاں تک کہ گاندھی صاحب بھی یہ کہہ
اٹھے تھے کہ مجھے تو شوکت بھیا اپنی جیب میں لیے لیے پھرتے ہیں ۔ خلافت کی تحریک
کے ختم ہو جانے ہی سے یہ بات ہوئی کہ جب آل انڈیا خلافت کمیٹی ، میں کوئی جاذبیت نہ
رہی تو عناصر اس سے متفرق ہو کر کچھ کانگریس میں جا ملے اور کچھ اپنی اپنی راہ
لگ گئے ۔

کانگریس میں مدغم ہو جانے والوں میں ڈاکٹر انصاری ، حکیم اجمل
خاں، مولانا حسرت موہانی ، مولانا ابوالکلام آزاد اور ڈاکٹر کچلو وغیرہ کے نام قابل تذکرہ
ہیں۔ اپنی اپنی راہ لگنے والوں میں مولانا محمد علی ، مولانا ظفر علی خاں اور لکھنؤ کے
فرنگی محلی علماء کے نام لیے جا سکتے ہیں ۔ اس کے بعد تیسرے درجے میں وہ عناصر
ہیں جنھوں نے خلافت کمیٹی کی جگہ لینی چاہی مثلاً جماعت احرار اسلام اور خاکسار
وغیرہ ۔

میں یہ بھی یہاں بیان کیے دیتا ہوں کہ خلافت کمیٹی کے انتہاء پسند عناصر
نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر بھی اپنا قبضہ کر لیا تھا ۔ جب تک خلافت کی تحریک اپنے
عروج پر تھی، معمول یہ تھا کہ آل انڈیا مسلم لیگ اور آل انڈیا کانگریس کے سالانہ اجلاس
ایک ہی مقام پر منعقد ہوتے تھے اور مسلم رہنما ایک دوسرے کے پلیٹ فارموں پر آ کر
تقریریں کیا کرتے تھے ۔ لیگ کے لیڈروں کے لیے یہ ضروری ہوتا کہ وہ پبلک میں
اپنی پوزیشن کو محفوظ رکھنے کے لیے خلافت کمیٹی کے سالانہ اجلاس میں خواہ مخواہ
شرکت کریں اور جب خلافت کی تحریک ترکی سلطنت میں خلافت کے ترک کیے
جانے کے بعد ماند پڑ گئی تو مسلم لیگ بھی اسی کے ساتھ انحطاط کا شکار ہو گئی۔ بیسویں صدی
کی تیسری دہائی کے دس سالوں میں مسلم لیگ دو حصوں میں بٹ کر رہ گئی تھی ، ایک
شفیع لیگ کہلاتی تھی اور دوسری جناح لیگ ۔

اس موقع سے صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ انتہا پسند عناصر اور ترقی پسند مسلمان
اور ان کے ساتھ ہی عام پبلک اس وقت تک مسلم لیگ کو اپنا نمایندہ نہ سمجھتی تھی
اور اپنے مقدرات کے لیے اس میں اپنا عقیدہ نہ رکھتی تھی -

میں اپنے موضوع سے قدرے باہر نکل گیا ہوں ، تاہم مجھے یہ سمجھانا مقصود تھا
کہ تحریک ہجرت سے پہلے اور اس سے بعد کے واقعات کیا تھے ؛ تاکہ جن لوگوں نے ہجرت
کی تحریک کو قومی مفادات کے برخلاف یا انگریزوں کی ایک چال سمجھا ہے ، انھیں تحقیق
اور چھان بین کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے -

مجھے یہ سن کر روحانی صدمہ ہوا ہے کہ مولانا آزاد جیسی شخصیت نے ایک
موقع پر اظہار خیال کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ تحریک ہجرت میں انگریزوں کا ہاتھ تھا
میں سمجھتا ہوں کہ ان کے خیالات میں یہ تغیر بعد کی پیداوار ہے اور اس وقت کی
جب کہ وہ ہندو کانگریس کے ہاتھوں بری طرح مسموم ہو چکے تھے - در اصل ہجرت کی
تحریک ہندوستان کے متحدہ نیشنلزم کے تصور پر ایک کاری ضرب تھی - ہندوؤں کے دل و
دماغ پر یہ خطرہ مسلط ہو چکا تھا کہ مسلمان ہندوستان میں اسلامی حکومت کا پھر سے
احیاء چاہتے ہیں اور چونکہ انگریزی حکومت کو بھی روس کے انقلاب سے یہ خطرہ
لاحق ہو چکا تھا کہ وہ کہیں مسلمانوں سے گٹھ جوڑ کرکے ہندوستان میں اس کے برخلاف
انقلاب برپا نہ کر دے - اس لیے وہ مسلمانوں کی اس انقلابی روش کی ہرگز متحمل نہ
ہوسکتی تھی - اگر انگریزوں نے اس وقت ہجرت کی تحریک کو نہ روکا تو اس کی وجہ
یہ تھی کہ وہ پہلی عالمی جنگ کے نتیجے کے طور پر بے حد مضمحل اور کمزور ہوچکے
تھے - اس جنگ کے فوراً بعد ہندوستان کے اندر ان کے برخلاف داخلی شورشیں برپا تھیں
اور عین اس وقت جب کہ جلیاں والہ باغ میں قتل عام اور مارشل لا نافذ کرنے کی
وارداتیں ہو رہی تھیں افغانستان کے اندر بھی انقلاب برپا ہو چکا تھا - وہاں کے لوگوں
نے اپنے بادشاہ امیر حبیب اللہ خاں کو قتل کر ڈالا تھا اور امیر امان اللہ خان نے
تخت سلطنت پر بیٹھتے ہی انگریزی حکومت کے برخلاف جنگ شروع کر رکھی تھی -
جنگ نے سرحدی قبائل اور اٹک سے پار ہمارے سرحدی اضلاع میں انگریزوں کے برخلاف
بے حد جوش پیدا کر رکھا تھا ، جس سے انگریز مجبور ہو چکے تھے کہ جنگ بند کرکے
گفت و شنید کے ذریعے ان کے مطالبہ' آزادی پر غور کریں - ہم ابھی قید ہی میں تھے
افغانوں کا ایک وفد سردار علی احمد جان کی قیادت میں راولپنڈی میں آکر ناکام واپس
جا چکا تھا اور جب ہم نے قید سے آزاد ہوکر اپریل ۱۹۲۰ع میں دہلی کے مقام

کا علم بلند کیا ہے تو عین اس وقت افغانوں کا دوسرا وفد امیر امان اللہ خاں کے
دار محمود طرزی کی قیادت میں منصوری میں بیٹھا انگریزوں سے بات چیت کرنے
غول تھا ۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ایسے حالات میں انگریزی فکر و تدبر کا
کی دنیا مانے ہوئے ہے یہ تقاضا ہوسکتا تھا کہ وہ ان واقعات اور مسلمانوں کے
جوش کی موجودگی میں جو ترکی سلطنت کے سقوط اور مقامات مقدسہ پر انگریزی
نے بر صغیر میں انگریزی حکومت کے برخلاف پیدا کر رکھا تھا ، جلتی آگ پر آپ
یں اور مسلمانوں کو جو ان کی رعیت اور ان کے اپنے قبضہ و گرفت میں تھے ، اپنی
ے آزاد کرکے ہجرت کے راستے پر ڈال دیں اور ایک ایسے ملک کی طرف جانے دیں
ل گذشتہ تاریخ ہندوستان پر ہمیشہ آگ برساتی رہی ہے اور جس کا خود انگریزوں
ی خاطر خواہ تجربہ ہو چکا تھا ۔ اگر کوئی ایسا خیال کرتا ہے تو سیاست کے میدان
س کے دیوالیہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں ۔

اور مولانا ابوالکلام آزاد—اس کے متعلق مجھے آج بھی یقین نہیں آتا کہ انھوں
ہی ایسا کہا ہو ۔ ہو سکتا ہے کہ کسی نے اپنے خیال یا اپنی رائے کو مستند قرار
کے لیے ان کے نام کی پناہ لی ہو اور یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ جب میں ہجرت
ریک کو مضبوط بنیادوں پر کھڑا کرکے مہاجرین کے ایک قافلے کے ساتھ خود بھی
کرکے افغانستان جا چکا تو میرے جانے کے فوراً بعد ملک کے اندر بے پناہ جوش و
پھیل گیا اور مسلمان ہزاروں کی تعداد میں اپنا گھر بار چھوڑ کر افغانستان کی طرف
کرکے جانے لگے عین اس حالت کو دیکھ کر خود مولانا ابوالکلام آزاد نے
اور دینی لیڈر ہونے کی حیثیت سے ہجرت کی باگ ڈور خود اپنے ہاتھوں میں
اور ہر ایک صوبے میں اپنی طرف سے ناظم مقرر کر دیے تا کہ ہجرت کا سلسلہ
ظم طریق پر جاری رکھا جائے اور صرف وہی لوگ ہجرت کر پائیں جو کارآمد
نجاب کا ناظم مولانا سید محمد داؤد غزنوی کو مقرر کیا گیا ۔ انھی نے ہجرت کے
کی دہلی میں صدارت کی تھی اور انھی کی زیر صدارت ہجرت کرنے کا ریزولیوشن پاس
۔ مولانا داؤد غزنوی بعد میں مولانا آزاد کے اثر میں آ کر کانگریس میں شامل
ور صوبہ پنجاب کی کانگریس کمیٹی کے صدر منتخب ہوئے ؛ مگر آخری سالوں میں
ستان بننے کے قریب ہم میں آ ملے ۔ قائد اعظم نے انھی کانسٹی ٹیو اینٹس اسمبلی کا
بنا دیا ۔ یہ اہل حدیث فرقہ کے صدر بھی تھے اور میں یہاں اس فرقہ کا نام اس لیے
ہوں تا کہ پاکستان کی تاریخ لکھنے والے اس حقیقت کو جان سکیں کہ تحریک ہجرت کا

آغاز خالص دینی اور اسلامی سیاست کے ماتحت ہوا تھا ۔ اس میں کسی غیر کا دخل و تعلق بالکل نہ تھا اور یہ سب کچھ جو اس کے بعد کہا اور سنا گیا بعد کی پیداوار اور ہجرت کی تحریک کی ناکامی کے سبب سے تھا ۔ صرف مولانا داؤد غزنوی ہی نہیں بلکہ گوجرانوالہ کے مشہور و معروف لیڈر ملک لعل خاں بھی ہجرت کے رزولیوشن کے موید تھے۔ دہلی کے ریزولیوشن کی جس شخص نے مخالفت کی تھی وہ تنہا مولانا سید عطاء اللہ بخاری تھے۔ کانگریس کی طرف سے عدم تعاون اور انگریزی مال کے بائیکاٹ کی جو تحریکیں پیش کی جا رہی تھیں وہ ان سے بے حد متاثر تھے لیکن بعد میں جب دیکھا کہ مسلمان ان کی نہیں سنتے تو وہ بھی تحریک ہجرت کے پر جوش موید و مبلغ بن گئے اور میرے جلے جانے کے بعد یہ انھی کی دھواں دھار اور آتشیں تقریروں کا اثر تھا کہ برصغیر کے کئی صوبوں سے ہجرت کی اسپیشل گاڑیاں چھوٹنی شروع ہوئیں جو مہاجرین سے بھری ہوئی ٹرینوں کو پشاور پہنچاتی تھیں ۔ ایک سپیشل لاہور سے بھی چھوٹی تھی جس کے سربراہ لاہور کے مشہور عالم دین مولانا احمد علی صاحب امام مسجد شیرانوالہ تھے ۔

میں نے ابھی یہ بیان نہیں کیا کہ مجھے ہجرت کی تحریک کا خیال کیسے آیا ۔ اس کا تخم پہلی عالمی جنگ کے دوران میرے دل میں بویا جا چکا تھا ۔ میں فطرتاً انقلابی تھا ۔ اس جنگ میں جب انگریزی سیاست کی دسیسہ کاریوں نے ترکوں اور عربوں میں تفریق ڈال دی اور شریف مکہ خلافت عثمانیہ کا باغی قرار پایا تو ولولہ' جوش جہاد نے مجھے اس منافقت کا سد باب کرنے پر آمادہ کر دیا ۔ میرے بمبئی میں چند رفقائے کار تھے ان کے صلاح و مشورے سے میں ۱۹۱۸ء میں ایام حج میں حجاز جانے پر آمادہ ہو گیا تا کہ ڈائریکٹ ایکشن کے ذریعے اس منافقت کی سرکوبی کروں ۔ لیکن میں جہاز پر سوار ہونے سے پہلے گرفتار کر لیا گیا اور چونکہ بظاہر کوئی ثبوت میرے خلاف موجود نہ تھا انگریزوں نے مقدمہ چلائے بغیر مجھے چھوڑ دیا ۔ اس سے پہلے میں اپنے کاروبار سے دل برداشتہ ہو چکا تھا کیونکہ اس میں سود کا لین دین تھا ۔ غرضیکہ یہ دو مذہبی انقلابی لہریں تھیں جو ہجرت کی تحریک شروع کرنے سے پیشتر میرے دل و دماغ پر مسلط ہو رہی تھیں ، میرے ذہن کی افتاد فکری اور میرے عمل کے جذبات ولولہ انگیز تھے اور جب کیفیت یہ ہو تو عمل کی نشو و نما فکری الہام سے ہوا کرتی ہے لیکن اگر عمل کی کوئی متعینہ راہ سامنے نہ ہو تو فکری الہام انتہا پسندی کا میلان طبیعت کے اندر پیدا کر لیتے ہیں ۔

عمل کی کسی متعینہ راہ کو منضبط کرنے سے پہلے یہ ضروری ہوتا ہے کہ

علم ایک کافی حد تک موجود ہو مجھے اعتراف ہے کہ میں نہ دین کا عالم تھا اور کا ۔ میں ایک خلا محسوس کرتا ، اسی خلا کو پر کرنے کے لیے میں چاہتا تھا کسی مقتدر شخصیت کے زیر سایہ رہ کر اپنی تربیت کروں ۔ میں نے مولانا امرتسر میں اس کی خواہش کی تھی ؛ جیسا کہ میں اوپر کسی جگہ بیان کر چکا نے مجھے قبول نہ کیا تھا اور پھر جب میں فروری ۱۹۲۰ء میں آل انڈیا کانفرنس کے موقع پر مولانا ابوالکلام آزاد سے ملاقی ہوا جن کے تبحر علمی کا کو اعتراف تھا ، تو میرے دل میں ان سے فیض حاصل کرنے کی خواہش بھی تھی چنانچہ میں نے اپنی اس خواہش کا اظہار ان سے بھی بمبئی میں کیا تھا ، یونکہ فیصلہ کن بات وہاں ہمارے درمیان طے نہ پائی تھی اس لیے میں مارچ کے میں دوبارہ کلکتے میں ان سے ملاقات کی غرض سے گیا تھا ۔ انھوں نے وہاں اپنے مجھ سے بیعت تو لے لی تھی مگر ساتھ ہی مجھے گھر واپس چلے جانے کا حکم بھی تھا ۔ میں نے ان کے حکم کی تعمیل تو کر دی تھی لیکن میرے دل کو اس سے تسکین حاصل نہ ہوسکی تھی ۔

ان سے مایوس ہو کر میں سخت شش و پنج میں پڑ گیا تھا ، مگر عین اس مایوسی ماسٹر محمد حسین جولی کا خیال آیا؛ یہ وزیر آباد کے ایک ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر مارشل لاء کی بڑبونگ میں گرفتار ہوکر سنٹرل جیل میں مجھ سے متعارف ہوچکے ان سے میں نے مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی کا ذکر سنا تھا جن پر قریب ہی آباد ''بمب کیس'' کا مقدمہ چل چکا تھا ، اس سلسلے میں مجھے ماسٹر صاحب کی معلوم ہوا تھا کہ ان کا جماعت مجاہدین ہند سے تعلق ہے ؛ جن کا مستقر آزاد قبائل کی میں ہے اور وہ مسلمان انقلابیوں اور ان کے مدد کرنے والے انصار سے جو میں ہر جگہ پھیلے ہوئے تھے ، گہرے تعلقات رکھتے ہیں اور جو مسلمان بھی یہاں مجاہدین میں شامل ہونے کے لیے ہجرت کرنا چاہے وہ اسے خفیہ طریقوں سے کی شمالی مغربی سرحدوں کے پار پہنچا دیتے ہیں ۔

میں ہندوستان کے اندر اپنی تربیت حاصل کرنے سے تقریباً مایوس تو ہو ہی چکا وزیر آباد پہنچا اور ماسٹر محمد حسین جولی کی وساطت سے مولانا فضل الٰہی سے ان کے گھر پر ملاقی ہوا ۔ مولانا فضل الٰہی کے گھر کے آس پاس خفیہ چکر کاٹتی رہتی تھی اور یہ بڑا مشکل تھا کہ کوئی آدمی ان سے کھلم کھلا سکے ۔ انگریزوں کو پورا علم تھا کہ مولانا فضل الٰہی جماعت مجاہدین چمر کنڈ

کو مالی امداد پہنچانے کا اہتمام اپنے ہاتھوں میں رکھتے ہیں -

غرضیکہ جب میں ان سے ملا تو انھوں نے آزمائش کے طور پر مجھ سے احت
برتی وہ مجھے اس سے پہلے بمبئی میں مولانا ابوالکلام آزاد کی محفل میں دیکھ چکے تھے
یہ بات خود انھوں نے بتائی اور جب میں نے اپنی نسبت ان کے دل کی گرانی کو
محسوس کیا تو میں بھڑک اٹھا اور میں نے ان سے برملا پوچھا کہ مولانا اپنی دینی دیانت
کو سامنے رکھتے ہوئے مجھے بتائیے کہ آپ سال بھر میں کتنے آدمیوں کو ہجرت کروا
ہیں ؟ انھوں نے مجھے اس کا جواب دیا کہ یہی آٹھ دس آدمیوں کو - میں نے یہ سن کر
جوش کے عالم میں قسم کھاتے ہوئے ان سے کہا "مولانا سن لیں کہ میں عنقریب
ہزاروں آدمیوں کو کھلم کھلا ہجرت کرواؤں گا -

"یہی دن ہجرت کے متعلق میرے ارادے کی تصمیم کا دن تھا" میں وزیر آباد
سے امرتسر لوٹ آیا اور دوسرے دن مولانا سید حبیب ایڈیٹر و مالک روزنامہ "سیاست"
کے دفتر میں تھا -

مولانا سید حبیب ان دنوں خلافت کی مہم کے سلسلے میں پنجاب کے اضلاع
ایک دورہ کرنا چاہتے تھے - میں بھی ان کے ساتھ ہوگیا - وہ اپنے اخبار "سیاست" کی توسیع
اشاعت کا پروگرام بھی اپنے ساتھ رکھتے تھے - ان کے تعلقات بڑے وسیع تھے، ہم جس جگہ
جاتے ، جلسے منعقد ہوتے اور ہم ان میں تقریریں کرتے - میں ہر جگہ آزادانہ مسلمانوں
ہجرت کرنے کی تبلیغ و تلقین کرتا - وہ میرے مانع نہ ہوتے اور نہ میرے جذبات
خیالات کے برخلاف کچھ کہتے - یہاں تک کہ ہم متعدد شہروں سے پھر پھرا کر وا
لاہور شہر پہنچے - اتفاق سے ان دنوں انجمن حمایت اسلام کا تعلیمی جلسہ ہو رہا تھا -
سال بھر میں ایک دفعہ منعقد ہوتا اور دور دور سے مسلمان اس میں شرکت کے لیے آ
ہم بھی اس کے ایک اجلاس میں شریک ہوئے - مولانا سید حبیب نے پہلے تقریر کی
اس کے بعد ان کے کہنے سے انجمن کے کار پردازوں نے مجھے بھی تقریر کرنے کا موقع دیا
میرے سامنے تو ہجرت کا مشن تھا، میں اسی موضوع پر بولا- تقریر سرتاپا سیاسی تھی
انگریزی حکومت کے خلاف تھی ، اس سے انجمن کے کارپرداز بھڑک اٹھے اور انھوں
مجھے روکنا چاہا -. میں نے ان کی تعلیمی پالیسی پر بھی نکتہ چینی کی جو انگریز
بیوروکریسی کے لیے غلام مہیا کر رہی تھی - میں نے اسلامیہ کالج لاہور کے ان
بہادر لڑکوں کو بھی موضوع سخن بنایا جو پہلی عالمی جنگ ۱۹۱۵ء میں سلطان ترکی
کے اعلان جہاد سے متاثر ہو کر آزاد قبائل کے راستے افغانستان کی طرف ہجرت کر

ی لڑکوں میں مولوی ظفر حسن، مولوی اللہ نواز خاں، خوشی محمد اور رحمت علی وغیرہ تھے ، جنھوں نے مولانا عبیداللہ سندھی کی سرکردگی میں ہندوستان اور ں کی انقلابی تحریکات میں بہت نمایاں کردار ادا کیا اور ان میں سے بعض بہت بڑی ں پر پہنچے -

میری تقریر سے جلسہ گاہ میں بہت جوش پھیل گیا تھا ، جس سے انجمن کے اروں کی بڑی دل شکنی ہوئی ، انھوں نے میری تقریر کے اثر کو زائل کرنا چاہا ، ے حبیب فوراً میری حمایت پر کھڑے ہوگئے ۔ جلسہ گاہ میں افرا تفری پھیل گئی ۔ کے بعد جب سکون ہوا تو آپس میں ایک دوسرے سے معذرت کرتے ہوئے ہوئے -

یہ مارچ ۱۹۲۰ء کے واقعات ہیں ۔

ابھی ہجرت کی تحریک شروع نہیں ہوئی تھی اور نہ میں نے ابھی اس کا اعلان ا تھا ، اور نہ میں اس وقت تک جانتا ہی تھا کہ اسے کب اور کیسے شروع کر ۔ کچھ بھی ہو ، میں ملک کے اندر اس وقت کوئی نمایاں حیثیت نہ رکھتا تھا ۔ میں مولی پڑھا لکھا نوجوان تھا ، جسے وقت کے سیاسی اور دینی بحرانوں نے سطح پر ا ہو -

مارشل لا کے زمانے میں میں نے امرتسر شہر کو مزید تباہی سے بچانے اور رکھنے کے لیے دفعتہً مسلمان رضا کاروں پر مشتمل ایک ''تنظیمی کور'' مرتب کی ہی میرا عملی تجربہ تھا جو محرک بن کر عمل گاہ سیاست میں مجھے اور آگے بڑھا مارشل لا کی قید و بند سے نکل کر میں خلافت کی تحریک میں شامل ہوچکا اس سے میری تسلی نہیں ہوئی تھی مسلمانوں کو اگرچہ اپنی غلامی کا احساس ، لیکن اس وقت کوشش محض خلافت عثمانیہ کو بچانے اور مقامات مقدسہ کو بضے سے نجات دلانے تک محدود تھی ۔ ظاہر ہے کہ ان کی یہ کوشش انگریزوں پر لگانے بغیر پوری نہ ہوسکتی تھی ۔ ملک کو اصلاحات مل چکی تھیں ، ہندو اس سے مزید کچھ اور چاہتی تھی ، وہ اس مقصد کے لیے مسلمانوں کو اپنے ساتھ تھی اور خلافت کے مسئلے پر انگریزی حکومت کے ساتھ ان کی ناراضگی سے ئدہ اٹھانا چاہتی تھی ۔ اس وقت کانگریس کے سامنے بھی اپنے ہدف تک پہنچنے ریزی مال کے بائیکاٹ اور سوشل امور میں ان سے عدم تعاون کے پروگرام کے

سوا اور کچھ نہ تھا -

پہلی عالمی جنگ اور مارشل لا کے خونی واقعات کے دباؤ کے ماتحت انگریزی حکومت جو اپنی تازہ دی گئی اصلاحات کو ملک میں کامیاب بنانا چاہتی تھی ، نہیں چاہتی تھی کہ ہندو یا مسلم لیڈروں کی حد درجہ اشتعال انگیز تقریروں سے چنداں تعارض کرے اور ان ہندوؤں میں مسلمان لیڈروں کی یہ حالت تھی کہ وہ جگہ بہ جگہ کہتے پھرتے تھے کہ اگر انگریزوں نے مقامات مقدسہ اور خلافت عثمانیہ کے متعلق ہمارے جذبات کا احترام نہ کیا تو ہم اس ملک سے ہجرت کر جائیں گے اور ہندو لیڈروں میں سے بعض ان کے ہمنوا ہو رہے تھے کہ ہم بھی اپنے مسلمان بھائیوں کو تنہا نہیں چھوڑیں گے بلکہ ان کے ساتھ ہی ہجرت کر جائیں گے - اور یہ حقیقت ہے کہ ہجرت میں بعض ہندوؤں اور سکھوں نے بھی ہمارا ساتھ دیا اور ہمارے قافلوں میں شریک ہو کر افغانستان پہنچے - پس اس طرح ملک میں خود بخود وہ فضا تیار ہو چکی تھی جو ہجرت کی تحریک کے لیے انتہائی سازگار تھی - اسی فضا نے میرے قلب کو تقویت بخش رکھی تھی ورنہ میری معمولی ابتدائی شہرت و شخصیت ہرگز وہ کامیابی حاصل نہ کر سکتی ، جو اس تاریخی مہم کے سلسلے میں مجھے نصیب ہوئی -

اسی پر جوش فضا میں میں نے اپریل ۱۹۲۰ع میں برصغیر کے دارالسلطنت دہلی میں خدام خلافت کانفرنس کے اجلاس میں شرکت کی تھی - اس کانفرنس کے کنوینر جیسا کہ پہلے لکھ چکا ہوں، مولانا حسرت موہانی تھے اور دہلی کے مشہور و معروف کانگریسی لیڈر مسٹر آصف علی بیرسٹر اس کانفرنس کے منعقد کرنے میں ان کے ہمنوا اور دست راست تھے -

یہاں اس سے قبل کہ میں ہجرت سے متعلق براہ راست گفتگو کروں ، میرے لیے یہ ضروری ہے کہ میں قارئین کے سامنے اُس وقت کے بلند مرتبہ مسلمان رہنماؤں کی ذہنی ترکیب و ساخت کا وہ منظر پیش کروں ، جس کی روشنی میں وہ ملک میں اپنا سیاسی کردار ادا کر رہے تھے -

(۱) ہمارے قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح شروع میں نیشنلسٹ خیال کے تھے اور کانگریس میں شریک تھے - ان کا ذہن ابھی ہندوستانی نیشنلزم کے مسئلے پر نقطہ نگاہ سے صاف نہ ہوا تھا اور یہ اس لیے کہ وہ اپنے مسلمان ہونے کی اہمیت کو نظر انداز نہ کر سکتے تھے - اسی اہمیت کو برقرار رکھنے کے لیے وہ مسلم لیگ کے جلسوں میں بھی برابر شریک ہوتے اور وہاں مسلمانوں کے سیاسی حقوق کے تحفظ کے

عمل رہتے ۔ ان کے مشہور چودہ نکات نے جو انھوں نے ۔ ۱۹۲۶ میں مسلم لیگ کے فارم پر سے پیش کیے اسی بات کی غمازی کر رہے ہیں ۔ وہ اس وقت تک مسلم حقوق ظ کے ساتھ برصغیر میں ایک مشترکہ قومیت کی بنا و تعمیر کا احساس اپنے ذہن رکھتے تھے ، جس کا اگر اوپر کے بیان کی روشنی میں تجزیہ کیا جائے تو یقیناً وہ دو ی تھیوری ہی پر جا کر منتج ہوتا ہے ۔ قارئین کرام اس سے فوراً معلوم کرلیں مسٹر جناح نے اسی احساس کے ماتحت بعد میں کانگریس سے مایوس ہوکر مسلمانوں ایک مستقل اور علیحدہ وطن کا مطالبہ کیا ، تاہم ان کا یہ احساس ہجرت کے تقریباً ل بعد جا کر کہیں اپنے بلوغ کو پہنچا ۔ لہٰذا جہاں تک ہجرت کی تحریک کے برپا والوں کا تعلق ہے وہ اپنے فکری اساس میں مسٹر محمد علی جناح سے تقریباً بیس سال ے ۔

(۲) مولانا محمد علی جوہر ، جو علی گڈھ کالج کے ممتاز ترین فارغ التحصیلوں میں پہلی عالمی جنگ کے دوران اپنے دو اردو انگریزی اخبارات ''ہمدرد'' اور ''کامریڈ'' پبلک کے سامنے آئے اور پہلی عالمی جنگ کے دوران ترکوں کی حمایت کے جرم اور ان کے بڑے بھائی مولانا شوکت علی حکومت ہند کے حکم سے نظر بند کر دیے ۱۹۲۰ع کی اصلاحات کے شاہی اعلان کی رو سے انھیں بھی نظر بندی سے رہا کر تھا ۔ نظر بندی سے رہا ہوتے ہی وہ سیدھے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں شرکت ے امرتسر آئے ، جہاں مسلمانان امرتسر نے ان کا نہایت جوش و خروش کے ساتھ کیا ۔ ان کی شخصیت کا یہ عالم تھا کہ وہ بغیر کسی کے کہے سنے خود بخود ہند کے مانے ہوئے مسلمہ لیڈر قرار پائے ۔

دسمبر ۱۹۱۹ع میں منعقد ہونے والے سالانہ اجلاس میں مسلم لیگ کے صدر اجمل خاں قرار پائے تھے ۔ انھی کی صدارت میں علامہ ڈاکٹر اقبال نے ان دو کی مدح سرائی میں یہ ذیل کے چند شعر الاپے تھے :

ہے اسیری اعتبار افزا جو ہو فطرت بلند
قطرۂ نیساں ہے زندان صدف سے ارجمند
مشک ازفر چیز کیا ہے ؟ اک لہو کی بوند ہے
مشک بن جاتی ہے ہوکر نافۂ آہو میں بند
ہر کسی کی تربیت کرتی نہیں قدرت مگر
کم ہیں وہ طائر جو ہیں بند و قفس سے بہرہ مند

شہپر زاغ و زغن در بند و قید صید نیست
این سعادت قسمت شہباز و شاہین اس الد

چلتے ہوئے یہ بات بھی یہاں قابل ذکر ہے کہ علامہ ڈاکٹر اقبال کو ان دنوں تازہ تازہ انگریزی حکومت کی طرف سے (سر) کا خطاب ملا تھا - لوگ ان سے اس بنا پر ناراض تھے کہ کیوں انھوں نے انگریزی خطاب کو قبول کیا ہے - چنانچہ اس کا اظہار انھوں نے اسی جلسے میں کیا ، جس میں وہ مندرجہ فوق اشعار الاپنے کے لیے اسٹیج پر آئے تھے - مسلمانوں نے ان سے کہا کہ ہم ان کے شعر ہرگز نہیں سنیں گے - وہ انگریزی سامراج کے پٹھو بن چکے ہیں ، لیکن مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی کے کہنے سے جو صدر مسلم لیگ کے دائیں بائیں بڑی شوکت و شان سے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے سامعین ان کے ان اشعار سننے پر رضا مند ہوگئے -

یہی حال مولانا ظفر علی خاں کا بھی تھا - انھوں نے بھی اپنی طویل نظر بندی کے دوران حالات سے تنگ آ کر ''ستارۂ صبح'' کے نام سے اخبار نکالنے کی معذرت کے ساتھ انگریزی حکومت سے اجازت طلب کی تھی جو دے دی گئی تھی - اسی بنا پر مسلمان ان سے بھی بپھرے ہوئے تھے - انھیں اس جلسہ گاہ میں کوئی پوچھتا تک نہ تھا اور گو وہ نظر بندی سے رہا ہوکر آئے تھے ، لیکن ان کی زبان بندی اب تک قائم تھی عین رات کے کھلے اجلاس میں جب ان کی زبان بندی کے ختم ہونے کا حکم بذریعہ ٹیلیگرام موصول ہوا ، تو ان کے ہوا خواہوں نے کہہ سن کر جلسے میں انھیں تقریر کرنے کی اجازت دلوا دی ، لیکن وہ اپنا رنگ جمانے میں بالکل نا کام رہے ، کیونکہ ان سے پہلے سید عطاء اللہ شاہ بخاری جو سیاست کے میدان میں تازہ وارد ہوئے تھے ، اپنی فصاحت و بلاغت اور اپنی پر جوش تقریر کی بنا پر پورے جلسے پر چھا چکے تھے - انھوں نے اس جلسے میں فیقتلون ویقتلون کی تفسیر کرتے ہوئے کھلے بندوں مسلمانوں کو جہاد کرنے کی تلقین کی تھی -

اور یہ اوپر اس لیے کہا گیا ہے تاکہ پاکستان کے موجودہ مسلمان اس زمانہ کے مسلمانوں کی ذہنی افتاد سے اپنے آپ کو نسبت دے سکیں - آج کا مسلمان اپنی اسلامی بساط اور اخلاق کردار سے گر رہا ہے - اگر ایسا نہ ہوتا تو اپنے وقت کا ایک کمزور شخص جو بعد میں ''عزیز ہندی'' کے نام سے مشہور ہوا ، تحریک ہجرت کی کبھی سربراہی نہ کر سکتا - وہ تحریک جس نے خواہ کچھ بھی ہو مسلمانوں کو ہندوستان سے الگ ہستی کے قیام اور آزادی کا الہام بخشا -

ہاری تاریخی جد و جہد میں مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی ، ادران" کے نام سے مشہور ہوئے اور ان کی والدۂ مکرمہ تمام ملت اسلامیہ کی ں" کہلائیں اور یہ اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے اپنے نہایت ہی وجیہ اور بیٹوں کو کھلم کھلا اجازت دے دی تھی کہ وہ خلافت پر اپنی عزیز جانیں یں -

جان بیٹا خلافت پہ دے دو

یہ اسی بہادر ماں کی گفتار کی ترجمانی تھی جو ہمارے کسی شاعر نے اوپر کی ں ہمارے لیے یادگار چھوڑی ہے -

علی برادران ہماری قوم کے مجاہدین "احساسات و شعور" ہیں انھوں نے ہمارے و شعور کو ولولہ انگیز الہام بخشا ہے اور بہت بڑی حد تک عمل کی ڈگر پر خلافت کی تحریک جو ان کے دم خم سے برصغیر میں پروان چڑھی، صرف پاکستان ی کا پیش خیمہ نہیں بلکہ سارے برصغیر کی آزادی کا پیش خیمہ بنی ، خود ں کو اعتراف تھا کہ شوکت بھیا مجھے جیب میں اٹھائے لیے پھرتے ہیں ، مگر وہ کسی کی تعریف اور توصیف کرنے کے لیے یہ سطور نہیں لکھ رہا ، مولانا شوکت ے مولانا محمد علی گو ہماری قوم کے لیڈر تھے ، تاہم وہ ابتدائی زمین تیار کرنے کے دہ ورنہ کرسکے - اگر وہ چاہتے تو وہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے ر چل کر بہت کچھ کرسکتے تھے - جنھوں نے مولانا عبیداللہ سندھی کو انگریزی کے برخلاف انقلابی تحریکات برپا کرنے کے لیے سرحد پار بھیجا تھا ، جہاں سید وی اور شاہ اسماعیل کی قائم کردہ مجاہدین کی جماعتیں موجود تھیں - اس طرح نہ تھا کہ ہم افغانستان سے مل کر ہندوستان پر ایک دفعہ اسلامی پرچم ے -

پاکستان کی آزادی کی تاریخ قلم بند کرنے والوں کے سامنے یہ نقطہ رہنا چاہیے ؤں کے ساتھ افغانوں کی تیسری جنگ کے برپا کرنے میں مولانا عبیداللہ سندھی ہاتھ موجود تھا ، جس کے متعلق ہم آگے چل کر قدرے تشریح کریں گے - خلافت اور ہجرت کی تحریک کے ایک سال پہلے یعنی ۱۹۱۹ع میں لڑی گئی ، نے برصغیر کے مسلمانوں اور ہندوؤں کی آزادی کی امنگوں کو پروان چڑھایا

ے ایسا کیا تھا جس کی تفصیل چوہدری خلیق الزماں کی نو مطبوعہ کتاب ہ پاکستان" میں دیکھی جا سکتی ہے (رئیس احمد جعفری)

اور اسی جنگ کے بعد سے برصغیر کی آزادی کی جد و جہد براہ راست شروع ہوئی۔

(۳) علیؔ برادران کے بعد مولانا ابوالکلام آزاد کا نمبر آتا ہے۔ مسلمانوں کے اس
مولانا ایک بہت بڑی دینی اور علمی شخصیت کے مالک تھے۔ ان کے "الہلال" اور
"البلاغ" نے نہ صرف برصغیر بلکہ اسلامی دنیا میں ایک خاص شہرت اور مقبولیت
حاصل کر رکھی تھی۔ انگریزی حکومت پان اسلامزم کی تحریک کے سلسلے میں مولانا کی
عالمی شہرت اور شخصیت سے بہت خائف تھی۔ مولانا آزاد تقریباً ۱۹۳۰ء تک پان
اسلامزم کی تحریک کے حامی رہے۔

یہ تحریک جو سید جمال الدین افغانی کی مجاہدانہ تگ و دو کا براہ راست نتیجہ
تھی، تقریباً ہر اسلامی ملک میں باوجود ان ممالک کے حکمران طبقوں کی مخالفت کے اپنا
سر نکالنے میں کامیاب رہی۔ ترکی سلطنت میں اس تحریک نے انجمن اتحاد و ترقی کو جنم
دیا تھا اور مصر میں جو اس تحریک کا مرکز تھا، اسی نے جماعت اخوان المسلمون کی بنا
ڈالی تھی۔ برصغیر کے مسلمانوں نے بھی اس کا اثر قبول کیا۔ گو بہت دیر سے، جس کا
سبب ان کی محکومی اور غلامی تھی، خدام کعبہ کی بنا اسی تحریک نے ڈالی تھی۔

جہاں تک برصغیر کے مسلمانوں کی دلبستگی کا ترکوں کی خلافت سے تعلق ہے اس
کا آغاز اپنی پوری حساسیت کے ساتھ تحریک پان اسلامزم سے ہوتا ہے اور تعجب ہے کہ
اس تحریک کا اپنے نام سے کہیں بھی کوئی مرکز نہ تھا چونکہ ترکی میں سلطنت و خلافت
قائم تھی اور مسلمانان عالم کی اس سے دلبستگی تھی اور انگریزوں کی سیاست براعظم یورپ
ایشیا اور افریقہ پر یکساں چھائی ہوئی تھی اور مسلمانوں کے ساتھ عیسائیت کی دشمنی
قدیمی تھی، اس لیے مسلمانوں کی ہر جنبش سیاسی انگریزی سامراج کی نظروں میں
پان اسلامزم کا ہوا بن کر نظر آتی تھی اور وہ اپنی حفاظت اور سیاسی گٹھ جوڑ کے لیے
ساری دنیا میں اس کا پروپیگنڈا کرتے تھے۔ یورپ کی وہ طاقتیں جو ترکی سلطنت
مٹانے میں انگریزوں کی ہمنوا تھیں مثلاً فرانس روس آسٹریا اور ہنگری وغیرہ وہ ان
پروپیگنڈے کو نہ صرف قبول کرتی تھیں بلکہ یورپ کی ہستی کے خلاف اسے ایک عظیم
سمجھ کر ہوا دیتیں اور اس خطرے کو دور کرنے کے لیے آپس میں ساز باز
کرتی رہتیں۔ انھی سازشوں کے ماتحت اٹلی نے ۱۹۱۱ء میں لیبیا (طرابلس المغرب)
حملہ کر دیا تھا۔ ابھی یہ زخم مندمل نہ ہونے پایا تھا کہ ۱۹۱۲ء میں بلقان
ریاستوں کو اکسا دیا گیا کہ ترکی سلطنت کی سیادت کا جوا اتار پھینکیں۔ جن
چاہتی تھیں کہ مملکت مصر پر ترکوں کی جو برائے نام سیادت رہ گئی ہے، اسے ختم

ئے۔ تاکہ نہر سویز بلا شرکت غیرے انگریزوں کے زیر اثر رہ سکے
کچھ اس لیے ہو رہا تھا کہ مسلمانوں کے اندر پان اسلامزم کی تحریک سے
جذبات اور ولولے ہیں انھیں ہمیشہ کے لیے خام ش کر دیا جائے ۔ ان سازشوں کا
برصغیر کے مسلمانوں میں جو محکوم اور بے بس تھے بڑی شدت کے ساتھ ہو رہا
سلطنت ترکی کا بہر حال استحکام چاہتے تھے جو مسلمانوں کی عالمی خلافت کا
محور تھی ، وہ اپنے اس مرکز کو کمزور ہوتے یا بٹتے ہرگز دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔
المغرب کی جنگ کے شروع ہوتے ہی اپنی بے چینی کا اظہار کرنے لگے
چونکہ اس کے بعد کے واقعات پے در پے ترکی خلافت کے خلاف ہی وقوع پذیر
ے اس لیے ان کی بے چینی میں بھی لگاتار اضافہ ہی ہوتا رہا اور ان کی اور ان کے
روں کی توجہ اپنی محکومی کا علاج سوچنے کی بجائے اسی طرف بٹی رہی ۔ میرا کہنا
کہ ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب کے بعد ۱۹۲۰ء تک برصغیر کے مسلمان طوعاً اور
محکومی پر رضامند ہو چکے تھے اور شاید یہ اس وجہ سے تھا کہ برصغیر میں
کی کثرت آبادی نے ان کی آزادی کی تڑپ کو اپنے فشار تلے دبا رکھا تھا اور ان
میں سیاسی الجھنیں پیدا کر رکھی تھیں ۔ کیونکہ یہ قابل تذکرہ بات ہے کہ
برصغیر میں صرف ہم ہی موجود اور محکوم ہوتے اور ترکی خلافت پر یہ آفتیں اور
آتیں تو قدرتی طور پر ہم ان کی حمایت میں جو اقدام کرتے وہ صرف اپنی ہی
کو آزادی میں بدلنے کی صورت میں ہوتا ۔ ہم یقیناً انگریزوں کی غلامی کے جوئے
کندھوں سے اتار پھینکنے کے لیے انقلابی راہوں کی جستجو کرتے اور ہمیں فخر
ے ہجرت کی راہ کو تلاش کرتے ہوئے یہی کرنا چاہا تھا ۔

مولانا ابو الکلام آزاد جن سے میں اپنی بیعت کا گذشتہ صفحوں پر ذکر کر چکا
ہے نزدیک اس وقت بھی ان بلند ہمت رہنماؤں میں سے نہ تھے جو انٹر نیشنل
پان اسلامزم یا ترکوں کی حمایت اور اپنی محکومی کو آزادی میں بدلنے کے
جستجو کرتے ۔ یہی حال تقریباً اس وقت سبھی مسلمان لیڈروں کا تھا ، ڈاکٹر
نیشنلسٹ تھے ، ڈاکٹر کچلو نیشنلسٹ تھے ، مسٹر آصف علی بیرسٹر دہلوی اور
حسرت موہانی جنھوں نے خدام خلافت کانفرنس کا غوغا دہلی میں برپا کیا
تھے ۔ اس مرقع سے پاکستان کے مسلمانوں پر واضح ہو جائے گا کہ شروع
صغیر کے مخصوص حالات کے ماتحت مسلمان لیڈروں میں اسلام کے نام کو

ایکسپلائٹ کرنے کا رجحان موجود تھا[1] یہ رجحان نا دانستہ طور پر ان میں نشوو
ارتقاء پاتا رہا اور انھیں کبھی آمادہ نہ کر سکا کہ وہ ٹھیٹھہ اسلامی رنگ میں اپنے مقدرات
کو سمجھیں - بر صغیر کی تقسیم کے موقع پر وہ جو ہم سے کٹ کر ہندوستان میں رہ گئے
آج مجبور ہیں کہ یا تو ہندوستانی نیشنلزم کو اپنائیں اور ہندوؤں میں مدغم ہو جائیں اور
یا اگر وہ مسلمان بن کر رہنا چاہیں تو ہمیشہ ہندوؤں کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے رہیں۔

پس اگر مولانا ابوالکلام آزاد نے کبھی یہ کہا ہو کہ ہجرت کی تحریک
انگریزی حکومت کے ایماء و اشارے سے جاری ہوئی تھی ، تو میں نے اوپر کے واقعات کی
رو سے اس کی کما حقہ تردید کر دی ہے -

بعض لوگوں کا یہ خیال بھی ہے کہ یہ تحریک مولانا محمد علی اور مولانا
شوکت علی کے کہنے سے جاری کی گئی تھی - میں شہادت دیتا ہوں کہ لوگوں کا یہ
خیال بھی غلط ہے - مجھے ان دونوں میں سے کسی ایک نے اس کی ترغیب نہیں دی
مولانا محمد علی تو اس وقت ملک میں تھے ہی نہیں اور مولانا شوکت علی خدام خلافت
کانفرنس کے موقع پر جو دہلی میں منعقد ہوئی ، بمبئی میں تھے اور پھر یہ کانفرنس بھی ان
کی اجازت کے بغیر بلکہ ان کی مخالفت ہی میں منعقد ہوئی تھی ، جس کا پتہ ہمیں بعد میں
چلا تھا - میرا خیال ہے کہ لوگوں میں یہ گمان محض اس وجہ سے پیدا ہوا کہ ہجرت
فتویٰ میں نے مولانا عبدالباری فرنگی محلی سے طلب کیا تھا اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی
علی برادران کے پیر و مرشد تھے - میں یہ بھی عرض کر دوں کہ میں مولانا
عبدالباری فرنگی محلی سے آل انڈیا خلافت کمیٹی کے اجلاس بمبئی کے دوران ملا تھا لیکن
میں ان کی روحانیت کا قائل تھا - اب میں سلسلہ وار واقعات ہجرت کو بیان کرتا ہوں -

ھجرت کی تحریک کا آغاز

جیسا کہ میں نے ابتداء میں کہا ہے کہ مولانا حسرت موہانی کی دعوت پر
بر صغیر کے تمام شہروں سے مسلمان مندوبین خدام خلافت کانفرنس میں شریک ہونے
کے لیے اپریل ۱۹۲۰ میں دہلی میں جمع ہوئے تھے - اس کانفرنس کا ایجنڈا مرتب کرنے
کے لیے جب سبجکٹ کمیٹی کا اجلاس ہوا ، تو اس میں دفعتہ یہ راز کھلا کہ مندوبین
کانفرنس کی چھپی نیتیں اور ساری کاوشیں محض اس لیے ہیں کہ مرکز خلافت جو
مولانا شوکت علی نے بمبئی میں قائم کیا ہے ، دہلی میں منتقل ہو جائے - وہ مقامات مقدسہ

---

۱ - یہ خیال سراسر اصلاح طلب ہے - تحریک خلافت سے بڑھ کر اتحاد عالم اسلام کی داعی کوئی
تحریک نہ تھی جس نے ایثار اور قربانی کا لا زوال نمونہ پیش کیا ہو - (رئیس احمد جعفری)

ارالخلافت ترکیہ کے استخلاص و نجات کے لیے عدم تعاون اور انگریزی مال کے
ں کیے جانے کی تجاویز کے ما سوا جو کانفرنس کا چربہ تھیں اور ایسی کوئی تجویز
امنے نہ رکھتے تھے، جو پر جوش مندوبین کے مطالبہ ڈائریکٹ ایکشن کو پورا
کے۔ میں نے مندوبین کانفرنس کی حوصلہ شکنی دیکھتے ہوئے اسی سبجکٹ کمیٹی میں
ں کا ریزولیوشن پیش کر دیا، جس سے مندوبین کانفرنس میں ایک کہرام سا مچ گیا
ہ بغلیں جھانکتے ہوئے آپس میں سرگوشیوں میں مشغول ہو گئے۔ پھر کنویسنگ
ہوئی، پھر ووٹنگ ہوا اور میرا ریزولیوشن دیکھتے ہی دیکھتے گر گیا، لیکن میں
کت تسلیم نہیں کی اور اعلان کر دیا کہ میں کانفرنس کے کھلے اجلاس میں اسے
کروں گا۔ ایک مندوب کی حیثیت سے یہ میرا آئینی حق تھا، چنانچہ جب دوسرے
فرنس کا کھلا اجلاس ہوا تو میرا نام مقررین کی فہرست میں شامل تھا، مگر
کہ مجھ سے پہلے ایک مقرر نے اپنی تقریر شروع کی، تو منتظمین میں سے ایک نے
اکر میرے کان میں کہا کہ کوئی صاحب آپ سے ضروری مشورہ کرنا چاہتے ہیں
سی دیر کے لیے اسٹیج سے اس طرف آ کر ان کی بات سن لیجیے۔ میں یہ سن کر
ساتھ ہو لیا وہ مجھے ایک طرف کو لے گئے وہاں منتظمین میں سے ایک اور نے
باتیں شروع کر دیں اور جب میں تھوڑی دیر کے بعد واپس پہنچا تو مجھ سے پہلے
وقت ختم ہو چکا تھا اور دوسرا مقرر جس کا نمبر میرے بعد آنا تھا کھڑا ہو کر
ر رہا تھا۔ میں نے صدر صاحب جلسہ سے اس کے متعلق جب استفسار کیا تو
نے کہا کہ آپ کا نام بولا گیا تھا مگر آپ موجود نہ تھے۔ اس لیے آپ کا وقت جاتا
۔ میں یہ سن کر غصے سے بھڑک اٹھا اور آپے سے باہر ہو کر منتظمین جلسہ کی اس
ری کے برخلاف پبلک سے احتجاج شروع کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے لیے جلسہ گاہ
کی صورت پیدا ہو گئی۔ مولانا حسرت موہانی نے مجھے سکون بخشنے کی کوشش کی
کہ چونکہ اس کانفرنس کو ہجرت کے مقصد کے لیے طلب نہیں کیا گیا۔ اس لیے
موضوع کو یہاں زیر بحث نہ لائیں۔ ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم آپ کے لیے
شام ایک علیحدہ پبلک جلسہ کا انتظام کیے دیتے ہیں۔ مسٹر آصف علی بیرسٹر
کی صدارت کریں گے آپ وہاں ہجرت کے موضوع پر تقریر کریں۔ میں نے شرط
میں اس وقت تک آپ کی تجویز کو نہیں مانوں گا: جب تک کہ آپ اسی کانفرنس
موعودہ پبلک جلسہ کا اعلان نہ کر دیں۔ چنانچہ اسی وقت مولانا حسرت موہانی
کیا کہ آج رات پاٹودی ہوس میں ایک پبلک جلسہ منعقد ہو گا، جس کی صدارت
مسٹر آصف علی بیرسٹر صاحب فرمائیں گے۔ اس میں ہجرت کے موضوع پر

جناب فلاں (میری طرف اشارہ کر کے) تقریر کریں گے ، لوگوں نے یک آواز کہا کہ ہم ضرور اس جلسے میں آئیں گے ۔ میں یہ سن کر اطمینان سے بیٹھ گیا اور شام کے جلسے کا انتظار کرنے لگا ۔

شام کو حسب وعدہ اور اعلان جلسہ منعقد ہوا اور لوگ ہزاروں کی تعداد میں آئے ؛ کوئی پچیس ہزار کے لگ بھگ کا مجمع تھا ۔ جلسے کی صدارت مسٹر آصف علی بیرسٹر نے کی ، لیکن وہ اپنی افتتاحی تقریر کرنے کے بعد ایک ضروری کام کا بہانہ کر کے جلسہ گاہ سے چلے گئے اور اپنی صدارت مولانا داؤد غزنوی کے سپرد کر گئے ۔

مولانا داؤد غزنوی نے صدارت کے فرائض سنبھالتے ہی مولانا سید عطا اللہ شاہ بخاری کو تقریر کرنے کا موقع دیا ۔ مولانا سید عطا اللہ شاہ بخاری کی میدان سیاست میں یہ تیسری تقریر تھی ؛ پہلی تقریر وہ امرتسر کے اجلاس میں کر چکے تھے ، جس کا ذکر اس سے پہلے کیا گیا ہے اور دوسری تقریر ؛ انھوں نے دہلی میں اسی خدام خلافت کانفرنس میں کی تھی ، جس سے ان کی دھاک لوگوں کے دلوں پر بیٹھ گئی تھی ۔ وہ بلا کے خوش الحان تھے اور جب وہ قرآن کی سورتوں کو خوش الحانی سے پڑھتے تھے ، تو لوگوں کے دلوں کو گویا چیر دیتے تھے اور ویسے بھی وہ نہایت باذوق اور بلیغ مقرر تھے ۔ دہلی میں ان کی ایک ہی تقریر نے لوگوں کے دلوں کو مسخر کر لیا تھا اور ان کی شہرت ایک ہی دن میں دہلی شہر میں پھیل گئی تھی ۔ اس ہمارے جلسے میں جس کا موضوع اور مقصد ہجرت تھا ، در اصل اتنا کثیر مجمع انھی کی متوقع تقریر سننے کے لیے گرد آ گیا تھا لیکن جب وہ اٹھے تو انھوں نے بجائے ہجرت کے عدم تعاون کو اپنا موضوع سخن بنایا اور لوگوں کو اپنی جادوئے تقریر سے مسحور کرنا شروع کردیا ان کی تقریر آٹھ بجے شب کے قریب شروع ہوئی تھی اور اب رات کے بارہ بج گئے تھے ۔ لوگوں میں سناٹا چھایا ہوا تھا ۔ وہ دم بہ خود ہوکر ان کی دلآویز تقریر سننے میں محو تھے ۔ میں ان کی تقریر کے اثرات کا لوگوں پر اندازہ کر رہا تھا اور اپنے جی میں گھبرا رہا تھا کہ اب کیا ہوگا ۔ مجھے ہرگز امید نہ تھی کہ اس جلسے میں ہجرت کی تحریک کو پیش کر سکوں گا ۔ جب بارہ بجنے کے قریب آئے تو میں نے صدر صاحب سے اشارۃً کہا کہ اب تو انھیں بٹھائیے ۔ اس پر وہ لوگ جو آس پاس بیٹھے تھے اور جنھیں معلوم تھا کہ میں وہ شخص ہوں جو ہجرت کی تحریک پیش کرنا چاہتا ہوں ، زور سے چلا اٹھے کہ اگر سید عطاء اللہ شاہ بخاری تمام رات تقریر کرتے رہیں تو ہم سنتے رہیں گے ۔ لیکن اگر آپ نے ان کو بٹھا دیا تو ہم جلسہ گاہ سے اٹھ کر چلے جائیں گے ۔ مجھ پر ان کے اس کہنے سے اوس پڑ گئی ۔ بھرے مجمع نے بھی اس

جوش و خروش کے ساتھ تائید کی ۔ صدر صاحب نے اشارے سے مجھے
کو کہا حتیٰ کہ ساڑھے بارہ بج گئے ۔ میں جو صدر صاحب کی کرسی کے
بیٹھا تھا میں نے صدر صاحب کی پنڈلی میں چٹکی لی ۔ انھوں نے میرا اشارہ سمجھ
عطاء اللہ شاہ بخاری کو اپنی تقریر ختم کرنے کے لیے پندرہ منٹ اور دے دیے ،
انھوں نے آدھا گھنٹہ اور لے ہی لیا ۔ اب جب انھوں نے بیٹھنا چاہا تو لوگوں
نور مچانا شروع کر دیا ۔ مگر داؤد غزنوی نے ان سے اٹھ کر کہا کہ یہ دہلی
والوں کی مہمان نوازی کی شان کے برخلاف ہے کہ وہ باہر سے آئے مہمانوں میں
کی تقریر تو سنیں اور دوسروں کی نہ سنیں ۔ لوگوں نے اس بات کا اثر قبول
لیکن پھر بھی مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے بیٹھنے اور میرے اٹھنے تک مجمع
تھا اور لوگ کافی تعداد میں جانے شروع ہوگئے تھے ۔ میری آواز میں اگرچہ
بری نہ تھی ، لیکن قدرت نے مجھے مارشل آواز عطا کر رکھی ہے ۔ اسی سے میں
دور کے میدانوں میں اپنے مخالفین پر غلبہ حاصل کر لیا کرتا ہوں ، لیکن مجھے
ن تک اس کا تجربہ نہ تھا ۔ مجھے اعتراف ہے کہ جب میں تقریر کرنے کھڑا ہوا
خوف سے میری ٹانگیں کانپ رہی تھیں ۔ پھر بھی میں نے اللہ کا نام لے کر اپنی
شروع کر دی اور ابتداء میں اپنے اور مجمع کے گرمانے کے لیے علامہ اقبال کے
شکوہ کے حساس حصوں کو جو مجھے ازبر یاد تھے ، اپنی بلند اور مارشل آواز سے
شروع کر دیا ۔ نصف شب کے سکوت کا سناٹا تھا ۔ میری آواز اندام پر لرزہ ڈالنے
تھی ، وہ دور دور تک گئی اور اکھڑے ہوئے مجمع کو پھر سے جمانے میں کامیاب
اب میں نے اصل موضوع کو شروع کیا اور لوگوں سے کہا کہ جو کچھ میرے
مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے فرمایا ہے ، یہ انسانی فطرت کی انتہائی
کی بات ہے ۔ ہمیں فی الواقعی موجودہ حالات میں ایسا ہی کرنا چاہیے تھا ، لیکن
حکیم جو اپنے بندوں کا خالق ہے اور جس نے ہمیں انسانی دانش اور پھر
اسلام عطا کر رکھی ہے ، ایسے صبر آزما حالات میں اپنی حکمت اور اپنا قانون
فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر تم کسی جگہ اپنے ایمان اور اپنے اسلام کو
رکھ سکو تو وہاں سے کسی اور طرف ہجرت کر جاؤ — اور ساتھ ہی میں نے
پڑھ دی — یاایھا الذین آمنو ان ارضی واسعہ" فاعبدون ۔ اے ایمان والو! میری
ہے ، بس جہاں تم سے ہو سکے صرف میری ہی عبادت کرو ۔

بس لوگو! اب تمھارا اختیار ہے خواہ اپنی دانش سے کام لو یا خدائے علیم و حکیم
دانش پر عمل کرو ۔

پھر جب اس پر لوگوں نے اللہ اکبر کے نعرے بلند کیے تو سید عطاء اللہ بخاری اپنی تقریر کا رنگ پھیکا پڑتے دیکھ کر تلملا اٹھے اور اپنی جگہ پر کھڑے ہوکر کہنے لگے کہ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس کی تو اور بھی تاویلات ہیں ۔ مجھے حیرانی ہوئی کہ یہی وہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری ہیں جو آج سے چار مہینے پہلے امرتسر میں "یقتلون و یقتلون" کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لوگوں کو ہجرت اور جہاد کی تلقین کر رہے تھے اور آج جبکہ عمل کے میدان میں وہ موضوع درپیش ہے تو آپ الٹی زقند لگا رہے ہیں، مگر مجھے اس سے بھی بڑھ کر حیرت اس بات پر ہوئی جب کہ مجمع نے بہ یک آواز انھیں للکارتے ہوئے کہا کہ بس جی بیٹھ جاؤ آپ پانچ گھنٹوں تک ناحق ہمارا مغز چاٹتے رہے ہیں ۔

مجھے بعد میں جب کہ ہجرت کی تحریک چل نکلی ۔ یہ احساس ہوا کہ خدا جس کام کو اپنے کسی بندے سے کروانا چاہے ، اس کی راہ سے غالب مشکلات کو یوں ہی ہٹا دیا کرتا ہے ۔ واللہ قدیر واللہ غفور رحیم ۔

میری تقریر کے بعد جس نے سب سے پہلے میری حمایت کی ، وہ گوجرانوالہ کے مشہور لیڈر ملک لعل خاں صاحب تھے ۔ جو آج بھی بہ فضل تعالیٰ لاہور میں حیات اور زندہ موجودہ ہیں ۔ غرضکہ اسی جلسے میں نہ صرف ہجرت کا ریزولیوشن پاس ہوا بلکہ لوگوں نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ مہاجرین کی فہرست میں اپنے نام لکھوانا شروع کر دیے ۔

دوسرے دن کام ختم ہو چکا تھا ۔ خدام خلافت کانفرنس کے مندوبین ملے جلے جذبات کے ساتھ اپنے مقامات کو واپس لوٹنا شروع ہوئے ۔ صوبۂ سرحد سے خان عبدالغفار بھی مندوب بن کر اس کانفرنس میں شرکت کے لیے آئے ہوئے تھے ۔ یہ سیاست کے میدان میں ان کی ابتداء تھی ۔ وہ جانے سے پہلے مجھے ملے ۔ ان کے ساتھ ایک شخص مولوی عبدالحق ملتانی تھے اور ایک اور شخص بھی تھا ؟ جس کا نام میرے ذہن سے اتر گیا ہے ۔ خان عبدالغفار خاں نے مجھ سے کہا کہ میں سرحد کا رہنے والا ہوں اور چاہتا ہوں کہ آپ کی تحریک کامیاب ہو ، لیکن آپ افغانستان میں کیسے ہجرت کر سکیں گے ، جب تک کہ وہاں کی حکومت آپ کو اجازت نہ دے ۔ اس لیے آپ مجھے ایک وفد کی صورت میں اجازت دیں کہ میں خفیہ سرحد پار کرکے افغانستان جاؤں اور ان سے ہجرت کے متعلق بات چیت کروں ۔ میں نے کہا بے شک جائیے اور افغانستان کو ہجرت کا خیر مقدم کرنے کے لیے آمادہ کیجیے ۔ اور یہ کہ ہم علی الاعلان ہجرت کریں گے ۔

خان عبدالغفار خاں یہ کہہ کر مجھ سے رخصت ہو گئے - وہ واقعی خفیہ طور سے کے راستے مجھ سے پہلے افغانستان جا چکے تھے - مولوی عبدالحق ملتانی بھی ساتھ ہی چلا گیا تھا - اس شخص کا قصہ جو عجیب و غریب ہے ، اپنے حسب بیان ہوگا -

ان دنوں مسلمانوں کا ایک ہی اخبار ''حریت'' دہلی سے نکلتا تھا - اس کے ایڈیٹر خدا ان پر رحمت کرے ، مولانا عارف ہسوی تھے - انھوں نے ہجرت کی تحریک کی بے پناہ اور حمایت کی تھی - اگر یہ اخبار جو روزانہ شائع ہوتا تھا - دہلی میں موجود نہ ہوتا اور مولانا عارف ہسوی اس کے ایڈیٹر نہ ہوتے تو مجھے شک ہے کہ شاید ہجرت کی تحریک بر صغیر میں کبھی پھل پھول نہ سکتی - اسی اخبار نے ہجرت کی تحریک کا ڈھنڈورا ہندوستان میں پیٹا اور ہر کہ و مہ کو اس سے متاثر کیا - کسی مسلمان اخبار میں مجال نہ تھی کہ اس تحریک کے خلاف کھلم کھلا لکھتا سب دفعۃً دم بخود ہوچکے تھے اور ہجرت کی تحریک پروان چڑھ رہی تھی -

لیکن میں اس کے شروع کرتے وقت نہایت ہی خوف و رجا کے عالم میں تھا - میں تو تنہا تھا ، میری پشت پناہی پر کوئی منظم طاقت نہ تھی اور میں خود بھی سیاست کے میدان میں ابھی کسی قابل ذکر حیثیت کا مالک نہ تھا - اور پھر اس پر طرہ یہ کہ انگریزی حکومت کا رعب ابھی سب پر غالب تھا - کسی کو امید نہ تھی کہ انگریزی حکومت اس خوفناک تحریک کے پروان چڑھنے کی کبھی اجازت دے گی اور مجھے تو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ گویا میں اپنی موت سے دست و گریباں ہو رہا ہوں - مجھے یقینا اپنی گرفتاری اور پھر بغاوت کے جرم میں پھانسی کے تختہ پر لٹک جانے کا خوف دامن گیر ہو رہا تھا - ان احساسات نے میرے دل میں دفعتاً قانونی موشگافی کا خیال پیدا کر دیا - میں نے فوراً وائسرائے ہند کے نام ایک تار لکھا ، لیکن اس سے بیشتر کہ اسے روانہ کروں ، میں نے مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے نام اس مضمون کا ایک تار بھیجا کہ آپ ان مسلمانوں کے متعلق کیا فتویٰ دیتے ہیں جو خدا کے نام پر اس ملک کو ترک کر جانا چاہتے ہیں - غالباً دوسرے ہی دن مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے میرے تار کا جواب ان لفظوں میں دے دیا کہ وہ مسلمان جو ہندوستان میں اپنے دین کی حفاظت نہیں کر سکتے ، انھیں ہجرت کرنے کی رخصت ہے - بس پھر کیا تھا ''حریت'' اخبار نے

”لو هجرت کی اجازت آ گئی“

کے عنوان کے تحت اپنے پہلے صفحہ پر شائع کر دیا اور میں نے فوراً تار کے موصول ہوتے ہی "فتحپوری" میں ہجرت کا دفتر کھول دیا اور مسلمانوں سے اپیل کر دی کہ جو ہجرت کرنا چاہتے ہیں، دفتر میں آ کر اپنا نام لکھوائیں۔

اب میں اس فتوے کے آنے سے قوی دل ہو چکا تھا میں نے جھٹ والسرائے کے نام جو تار لکھا تھا اسے بھیج دیا۔ اس کا مضمون بڑے معرکہ کا تھا۔ میں نے والسرائے کو لکھا تھا کہ "ہم مسلمان اس ملک سے ہجرت کرنا چاہتے ہیں۔ اگر انگریزی حکومت ہند درۂ خیبر سے گزرتے وقت ہمارے سد راہ ہوئی تو اس کے نتائج کی وہ خود ذمہ دار ہو گی۔"

میں نے یہ سوچ کر اس تار میں "ہم" کی ضمیر استعمال کی تھی کہ اگر کسی مسلمان نے میری تحریک پر لبیک نہ کہا تو میں اپنی بیوی بچوں کو لے کر نکل کھڑا ہوں گا اور ہم تعداد میں جتنے بھی ہوں گے چونکہ ایک سے زیادہ ہوں گے ہم پر "ہم" کی ضمیر کا اطلاق ہو سکے گا۔ یہی قانونی موشگافی تھی جس نے مجھے اس رندانہ مگر مجاہدانہ تار لکھنے اور بھیجنے کی جرأت دلائی تھی۔

بہر حال تار چھپ گیا اور ملک بھر کے اخباروں میں اس کی اشاعت ہوئی، تو لوگوں میں پہلی مرتبہ سنجیدگی سے ہجرت کی تحریک کا چرچا ہونا شروع ہوا۔ اس تار کا نفسیاتی اثر سب سے غالب طریق پر سید عطا اللہ شاہ بخاری پر امرتسر میں ہوا۔ جب انھوں نے تار کا مضمون پڑھا تو وہ میری اس شجاعانہ حرکت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اس وقت تک ان کی طبیعت پر انگریزی حکومت کا جس قدر بھی رعب و خوف چھایا ہوا تھا، سب کافور ہو گیا اور وہ عدم تعاون کی تحریک چھوڑ کر ہجرت کے سب سے بڑے مبلغ بن گئے اور انھوں نے امرتسر میں ہجرت کے موضوع پر جا بجا وعظ کہنا شروع کر دیا۔ مجھے اس کی خبر بعد میں ہوئی جب میں امرتسر پہنچا۔ اس طرح ایک بڑا بھاری مبلغ مجھے ہجرت کا مل گیا، جس نے میرے بعد ہجرت کی تحریک کی بہت بڑی حد تک آبیاری کی۔

دہلی میں ہجرت کا دفتر قائم کرنے کے بعد مجھے فکر ہوئی کہ میں بڑے بڑے لوگوں کی تائید حاصل کرنے کے لیے ان کے ہاں جا کر کنویسنگ کروں۔ میں ڈاکٹر مختار احمد انصاری کے پاس گیا، جن کا کلینک فتحپوری ہی میں میرے دفتر کے پاس تھا،

کے بڑے بھاری موید اور کانگریسی نیشنلسٹ لیڈر تھے ۔ گاندھی جی جب کبھی آتے ۔ انھی کے مہمان ہوتے۔ جب تک ڈاکٹر انصاری زندہ رہے ، گاندھی جی انھی ٹھہرا کرتے تھے ۔ انھوں نے مجھ سے بڑی سرد مہری کے ساتھ باتیں کیں اور انگریزی مال کا بائیکاٹ کرتے ہوئے لنکا شائر کے بڑے بڑے کارخانہ داروں انگلستان کی پارلیمنٹ کو متاثر کر سکتے ہیں کہ وہ ہمارے مطالبات کے آگے ہوئے ۔ آپ مجھ سے کبھی توقع نہ رکھیں کہ میں ہجرت کی تحریک سے کبھی کروں گا وغیرہ وغیرہ ۔

ان سے مایوس ہو کر میں حکیم اجمل خاں کے ہاں پہنچا ۔ ان سے امرتسر میں کے سالانہ جلسہ میں میری جان پہچان ہو چکی تھی ۔ یہ مجھ سے اخلاق کے آئے ، یہ ڈاکٹر انصاری سے بدرجہا زیادہ دیندار تھے ۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ شوکت علی صاحب سے بھی ملیے ، مگر وہ ان دنوں بمبئی میں تھے ۔ مولانا نہ دہلی آئے اور نہ میں ان سے مل سکا ۔

میں مسٹر آصف علی بیرسٹر کے ہاں بھی گیا اور ان سے کہا کہ آپ تو ہجرت کی صدارت بھی کر چکے ہیں ، آپ تائید کیجیے مگر انھوں نے بھی مجھے سا جواب دے کر ٹال دیا ۔ یہ صاحب بھی بعد میں ہندو کانگریس کی بھینٹ ۔ انھوں نے ایک ہندو خاتون ارونا دیوی سے سول میریج بھی کر لی تھی ، حکومت کے زمانے میں بر صغیر کی تقسیم کے بعد یہ ہندو وزارت کے ایک وزیر گئے ۔

خدام خلافت کانفرنس کے داعیوں میں سے جس نے سب سے بڑھ چڑھ کر میری دہلی کے مولانا عبداللہ چوڑی والے تھے ۔ یہ ایک مشہور خلافتی کارکن تھے پر شور روح اپنے اندر رکھتے تھے اور اس دور میں دہلی کے عام طبقوں میں خاصہ اثر تھا ۔

بعض اوقات متوسط طبقے سے ایسے افراد ابھر آتے ہیں جو اگرچہ خود لیڈر نہیں لیڈر کر ہوتے ہیں ۔ انھی افراد میں سے مولانا عبداللہ چوڑی والے تھے ۔ ان کی دکان محلہ بلیماران میں تھی ۔ ان کا کاروبار اچھا خاصا تھا اور یہ فیاض دست میں انھی کے توسط سے مولانا عارف ہسوی سے ملا تھا ، جو اس وقت روزنامہ کے ایڈیٹر تھے ۔

مولانا عارف ہسوی نے پوری طرح ہجرت کی تحریک کے رو براہ کرنے میں میرا ساتھ دیا - ان کی جائے رہائش بھی بلیاراں ہی میں تھی ، ہماری اکثر مشورتیں یہیں ہوتی تھیں ، انھی مشورتوں میں یہ بات بھی طے پائی تھی کہ شملہ جاکر افغانی قونصل سے ملا جائے اور ان سے ہجرت کے متعلق بات چیت کی جائے کیونکہ ہم صرف اپنے ہمسایہ ملک افغانستان ہی کی طرف ہجرت کر سکتے تھے - چنانچہ خود مولانا عارف ہسوی نے اس مہم کے انجام دینے کا ذمہ اٹھایا - وہ گئے اور شملہ پہنچ کر افغانی قونصل سے ملے - واپسی پر انھوں نے ہمیں آ کر بتلایا کہ افغانی قونصل ان سے بڑے تپاک کے ساتھ ملے ہیں اور انھوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ عنقریب اپنی حکومت سے استمزاج کرکے انھیں خبر دیں گے -

تھوڑے ہی دنوں بعد افغانی قونصل نے میرے نام ایک شاہی فرمان بھیج دیا جس میں لکھا تھا کہ افغانستان کی حکومت کو معلوم ہوا ہے کہ ہندوستان کے مسلمان افغانستان میں ہجرت کرنا چاہتے ہیں - ہمارا دروازہ اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے کھلا ہے - افغانستان اپنے دینی بھائیوں کی پذیرائی کے لیے ہر طرح تیار ہے - ہم اپنے مہاجر بھائیوں کے لیے جو ہمارے ملک میں آنا چاہیں ، اس فرمان سے منسلک ایک ''نظام نامہ'' مرتب کرکے بھیج رہے ہیں ، اسی کے مطابق ان سے سلوک اور برتاؤ کیا جائے گا -

اس نظام نامہ میں جو کچھ مرقوم تھا ، اس کا لب لباب یہ تھا کہ :

* ہر ایک مہاجر کو چھ جریب زمین دی جائے گی - (ایک جریب نصف ایکڑ کے قریب ہوتی ہے)

* زمین بونے کے لیے تقاوی بھی دی جائے گی -

* جس سر زمین پر ہم چاہیں گے مہاجرین کو اپنے ملک کی حدود کے اندر آباد کر دیں گے -

* کسی مہاجر کو ملکی سیاست کے برخلاف عمل پیرا ہونے کی اجازت نہ ہوگی وغیرہ -

اس نظام کے موصول ہونے کے بعد جہاں تک ہجرت کرنے کے لیے ایک ملکی تعلق تھا ، ہماری پوزیشن مضبوط ہوگئی تھی - افغانستان آمادہ ہو چکا تھا کہ مہاجرین کو اپنی سر زمین میں جگہ دے - اب ہمارے ذمے یہ کام رہ گیا تھا کہ ہم مہاجرین کے قافلے تیار کریں اور انھیں روانہ کرتے جائیں -

لیکن اس کا ذکر میں ذرا بعد میں کروں گا ، پہلے افغانستان کی اس وقت کی
سی پوزیشن کے متعلق مجھے کچھ کہنا ہے اور یہ بتانا ہے کہ آیا افغانستان کی حکومت
جو ہمیں اپنے ملک میں داخل ہونے کی اجازت دی تھی ، وہ خالص دینی حمیت
اخوت کے ماتحت تھی یا اس میں ان کی وقتی سیاست کا بھی کچھ اثر و دخل تھا ؟
ت کی ناکامی جس عنوان کے تحت ہوئی ہے اور جو حالات اور واقعات مہاجرین کو
ستان میں جا کر پیش آئے ہیں اور جنھیں ہم آگے چل کر بیان کریں گے ، ان سے یہی
اخذ کیا جا سکے گا کہ دینی اخوت اور حمیت کی بہ نسبت اس اجازت کے دینے میں
ستان کی سیاست کو بیشتر دخل تھا ۔

افغانستان انگریزوں کے ساتھ اپنی تیسری جنگ لڑ چکا تھا اور یہ جنگ اس کی
ی جنگ آزادی تھی ، فوجی نقطۂ نگاہ سے یہ جنگ کسی جانب کے لیے
فیصلہ کن جنگ نہیں کہی جا سکتی تھی ، تاہم انگریز جو کہ پہلی عالمی
کے خاتمے پر تھک کر چور ہو چکے تھے ۔ جنگ کو مزید طول دینا
چاہتے تھے ۔ ادھر افغانستان بھی کسی طویل جنگ کے لڑنے کی ہمت و سکت نہ
تھا ، اس طرح ان دونوں میں جنگ بندی ہو چکی ہوئی تھی ، جس وقت
ہجرت کی تحریک کا آغاز کیا ہے ، افغانستان کا دوسرا ''وفد صلح'' سردار محمود
کی قیادت میں منصوری کے مقام پر انگریزی حکومت ہند کے ساتھ بات چیت کرنے
مشغول تھا ۔ اس سے پہلے افغانوں کا ایک وفد راولپنڈی سے ناکام واپس لوٹ چکا
افغانستان کی کامل آزادی کا مطالبہ انگریزی حکومت قبول کرنے میں نہ آئی تھی
ہندوستان کے سیاسی حالات مخدوش تھے ، تاہم انگریز مصرّ تھے کہ افغانستان کی
سیاست کی مہار اپنے ہاتھوں ہی میں لیے رکھیں ۔

افغانستان جو فوجی طریق پر جنگ نہ جیت سکتا تھا ۔ اس کے لیے ایک ہی راہ
تھی کہ اس وقت کے سیاسی خیالات سے فائدہ اٹھائے ۔ مولانا عبیداللہ سندھی جو اس
افغانی جنگ کے اصل محرک تھے ، امان اللہ خاں کو یقین دلا چکے تھے کہ جنگ شروع
ہی خاص طور پر ہندوستان کے مسلمان افغانستان کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوں گے ۔
ملک میں رولٹ ایکٹ کے برخلاف ایجی ٹیشن جلیاں والہ باغ کا قتل عام اور پنجاب
سرحد میں بے چینی اور ہنگامے یہ سب مولانا عبیداللہ سندھی کے دعوے اور
تائید کر رہے تھے لہٰذا امیر امان اللہ خاں نے ان واقعات سے متاثر اور قوی دل
انگریزوں کے برخلاف جنگ چھیڑ دی تھی اور جب میدان جنگ میں وہ کچھ

حاصل نہ کر سکا اور عارضی صلح کے بعد اولین گفت و شنید میں بھی وہ ناکام رہا تو
ہجرت کی تحریک کا علم بلند ہوتے ہی اس نے اس تحریک سے پورا پورا سیاسی فائدہ اٹھا
چاہا پس کہا جا سکتا ہے کہ ہجرت کرنے والے مہاجرین کو افغانستان میں داخل ہونے
کی اجازت دینے میں اس کی دینی حمیت اور اخوت سے کہیں زیادہ اس کی سیاست کو
دخل تھا -

مجھے کہنے دیجیے کہ اس کے باپ امیر حبیب اللہ خاں کو ہندوستان کے خزانے
سے اٹھارہ لاکھ روپے سالانہ ملا کرتے تھے اور اگر ہجرت کی تحریک شروع نہ ہوتی تو
بہت ممکن تھا کہ انگریز اس سالانہ وظیفے کو اور زیادہ کرکے امیر امان اللہ خاں کو
ابھی اور کچھ دیر تک آزادی کے خیال سے منحرف کر دیتے یا زیادہ سے زیادہ یہ کرتے کہ
افغانستان کو اپنی سیادت میں دوسرے ملکوں میں اپنے سفارت خانے قائم کرنے کی اجازت
دے دیتے - ایسا کہتے ہوئے میں محض ایک امکانی حالت کو بیان کر رہا ہوں اور سیاست
کی ڈگر پر اس ایک حقیقت سامنے لا رہا ہوں کہ کبھی ہوتا ہے کہ تاریخ کا کوئی واقعہ
دفعۃً نمودار ہوکر حالات کے رخ کو پلٹ دیتا ہے اور ناکامیوں کو کامیابیوں اور شکست
کو فتح میں تبدیل کردیتا ہے - ہجرت کے تاریخی واقعہ نے پہلا کردار افغانستان کی آزادی
کے حق میں ادا کیا ہے - پاکستان اس پر بجا طور پر فخر کرسکتا ہے اور افغانستان
کو بجا طور پر اس امداد غیبی کا شکر گذار ہونا چاہیے - اس میں کوئی شک نہیں کہ (اہل)
کی کامیابی نے افغانستان کو یورپ میں بہت اچھالا ہے مگر یہ اور داستان ہے اس کے لیے
میری تصنیف زوال ''غازی امان اللہ خان" پڑھیے -

ہاں تو میں بیان کر رہا تھا کہ افغانستان سے ہجرت کی اجازت آنے کے بعد
ہمارے ذمہ جو کام تھا وہ مہاجرین کو قافلہ بندی کی صورت میں افغانستان کی طرف روانہ
کرنے کا تھا - اس کے لیے تنظیم اور تبلیغ دونوں کی ضرورت تھی - اس سلسلے میں سب سے
پہلے میں نے ایک پوسٹر شائع کیا اور ملک بھر کے تمام بڑے بڑے شہروں میں
لوگوں کے نام بھیج دیا ، جن سے میری واقفیت ہو چکی ہوئی تھی اور مجھے تعجب کے
ساتھ معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں اس قدر بے پناہ جوش اور ہجرت سے عقیدت پیدا ہو چکی
تھی کہ ہر جگہ سے ہر قسم کے استفسارات آنے شروع ہو گئے اور متعدد جگہوں کے
مسلمانوں نے ہجرت کی فہرست میں اپنے نام لکھوانے شروع کر دیے -

میں نے وہ تمام شرائط مفصل طور پر پوسٹر میں لکھ دی تھیں جن کا ملحوظ
رکھنا ہر مہاجر کے لیے ضروری تھا - اس میں لکھا گیا تھا کہ کسی مہاجر کو ہجرت

کی اجازت نہیں دی جائے گی جس کے پاس کم از کم ہجرت کرنے کے لیے سفر خرچ ۔۔۔ نہ ہو ۔ مہاجرین قافلوں کی صورت میں افغانستان جائیں گے ۔ ہر قافلے کا ایک ۔۔۔لار ہوگا ۔ ایسے مہاجرین کو ترجیح دی جائے گی جو کسب و ہنر جانتے ہوں اور ۔۔۔نان پر بوجھ نہ بن سکیں ۔ اگر ایسے لوگ اپنے اہل و عیال کو بھی ساتھ لے جانا ۔۔۔ تو انھیں اجازت ہوگی ۔ مہاجرت میں ہر مصیبت کو جھیلنا ہو گا اور خود بخود ۔۔۔نان کی سیاست میں دخل نہیں دینا ہو گا ۔ افغانستان پہنچ کر ہر مہاجر کو شاہی ۔۔۔ کی رو سے چھ جریب زمین ملے گی ؛ جن سے ان کی معیشت کا بندوبست ہو جائے گا۔ ۔۔۔ کی تاریخ کا اس وقت اعلان کیا جائے گا ، جب پشاور اور راولپنڈی میں ہجرت ۔۔۔ بن جائیں گی ، وغیرہ وغیرہ ۔

یہ پوسٹر میں نے اپنے نام سے شائع کیا تھا اور ''خادم المہاجرین'' کا لقب ۔۔۔ اپنے نام کے ساتھ شامل کر لیا تھا ۔ ان دنوں میں ''غلام محمد عزیز امرتسری'' کے ۔۔۔ مشہور تھا اور پوسٹر پر بھی یہی نام ''خادم المہاجرین'' کے اضافے سے لکھا ۔۔۔یعنی الداعی ''خادم المہاجرین غلام محمد عزیز امرتسری'' ۔

افغانستان جا کر میں نے اپنے نام کو ''عزیز ہندی'' میں مختصر کر دیا اس کی ۔۔۔ وجہ تھی جو اپنے وقت پر بیان ہو گی ۔

آگے بڑھنے سے پیشتر مجھے افغانی قونصل کے متعلق بھی کچھ کہنا ہے ۔ یہ ۔۔۔ کے شاہی قبیلہ ''محمد زئی'' سے تعلق رکھتا تھا اور ''سردار خیلوں'' میں سے تھا ، ۔۔۔ی خاندان کے قریبی عناصر میں سے ۔ اس کا نام سردار گل محمد تھا ۔ اس کا بیٹا ۔۔۔ محمد خان ان نوجوانوں میں سے تھا جو امیر امان اللہ کی نوجوان پارٹی میں ۔۔۔ تھے ۔ استقلال اور آزادی حاصل ہونے کے بعد یہ امان اللہ خان کے عہد میں ۔۔۔ کے عہدے پر فائز ہوا اور جب موجودہ شاہی خاندان کے مورث اعلیٰ ۔۔۔ کو تخت افغانستان نصیب ہوا تو انھوں نے وزارت خارجہ کا قلمدان اسے ۔۔۔ ۔ یہ ترکی میں سفیر بھی رہا ہے اور شاید اب تک اپنی ریٹائرڈ حالت میں ۔۔۔لامت موجود ہے ۔ سردار گل محمد خان اور اس کا خاندان بھی دوسرے افغانی ۔۔۔ کی طرح ہندوستان میں جلا وطنی کی زندگی بسر کر چکا ہے ۔ بہت سے سردار ۔۔۔ میں محمد نادر شاہ کا خاندان بھی شامل ہے، امیر حبیب اللہ خان کے زمانے میں ۔۔۔ کو واپس لوٹ گئے تھے ۔ اس لیے وہ سب خاندان جو ہندوستان میں جلا وطنی ۔۔۔ بسر کر چکے تھے ، اردو زبان کو جانتے اور اس میں تکلم کرتے تھے اور

بہ نسبت دوسرے افغانوں کے افغانستان میں مہاجرین سے زیادہ قریب اور ان سے زیادہ مانوس تھے - سردار گل محمد خاں بھی انھی میں سے ایک تھا۔ جب مولانا عارف ہسوی ان سے ملے تھے تو اس نے ان سے کہا تھا کہ ہماری طرف سے مسلمانان ہند کو کہ دیجیے کہ افغانستان ایک روٹی رکھتا ہے ، اس میں سے آدھی وہ خود کھائے گا اور آدھی وہ اپنے ان مسلمان بھائیوں کو دے گا جو اس ملک میں ہجرت کر کے جائیں گے - یہی وہ خوش کن وعدے تھے جو ہجرت کرنے پر ہمیں اور حوصلہ مند کر رہے تھے -

ہجرت کمیٹیوں کا قیام

یقیناً اگر انگریز فوراً ہی افغانستان کی آزادی اور خود مختاری کو تسلیم نہ کر لیتے تو ہجرت کی یہ یلغار بہت ہی جلد افغانوں ، ترکوں اور روس کی پشت پناہی پا کر ہندوستان اور افغانستان کو آزاد کروا لیتی اور اس وقت شاید مسلمانوں کی تاریخ کسی اور ڈگر پر ہوتی - لہذا ہجرت کے واقعے کو جو لوگ یونہی سمجھتے ہیں وہ حالات کی لا علمی کی بنا پر محض تاریکی میں ہیں -

مہاجرین کے قافلوں کی روانگی شروع کرنے سے پہلے یہ ضروری تھا کہ انھیں اس کا علم ہو کہ جب وہ اپنے مقامات سے سفر کرنے کے لیے اپنے گھروں سے نکلیں تو کہاں جائیں - اس کے لیے میں نے راولپنڈی اور پشاور کے مقامات کو چنا ، یعنی یہ خیال کیا گیا کہ اطراف و اکناف ہند سے جو لوگ ہجرت کی غرض سے آئیں، وہ پہلے راولپنڈی میں جمع ہوں - یہاں ان کی قافلہ بندی کی جائے اور پھر ایک ترتیب کے ساتھ قافلہ وار انھیں پشاور روانہ کیا جائے ، جہاں سے وہ درۂ خیبر سے گزرتے ہوئے افغانستان کی طرف کوچ کر جائیں -

ہمارا آج کا معاشرہ اس وقت کی راہ کی سختی کو ذہن میں نہیں لا سکتا - اس وقت موٹر کاروں یا لاریوں پر لوگ سفر نہ کرتے تھے - یہ سواری صرف دولت مندوں کی تھی اور وہ بھی بہت محدود - افغانستان کے دارالخلافہ کابل میں صرف شاہی خاندان کے پاس چند موٹریں تھیں - وہاں کے امراء اور دولت مند سفر میں زیادہ تر گھوڑوں کو استعمال کیا کرتے تھے - پشاور سے کابل جانے کے لیے تانگے استعمال ہوتے تھے اور گرمیوں میں یہ سفر ۹ دنوں میں طے ہوتا تھا - راستہ سارے کا سارا پہاڑی اور نہایت درجہ کا خوفناک اور خطرناک تھا - اس وقت کی قوت خرید کے مطابق ایک تانگے کا کرایہ بہت ہی زیادہ گراں سمجھا جاتا تھا : فی تانگہ اڑھائی سو سے تین سو روپے کلدار کرایہ چکتا تھا - لیکن اگر مہاجرین انبوہ درانبوہ آئیں تو ان کے لیے تانگوں کی سواری

---

۱ - افغانستان میں ہندوستان کے روپے کو کلدار کہتے ہیں -

...ت ہونا بھی ایک امر محال تھا -

...ان سب باتوں کا پتہ لگانے اور ہجرت کا ایک دستور وضع کرنے کے لیے ...کہ راولپنڈی اور پشاور کا دورہ کیا جائے اور وہاں ایسے انتظامات کیے ...بھی ...ن کے ماتحت مہاجرین سہولت کے ساتھ سفر کر سکیں -

...میں نے لوگوں سے کسی مالی مدد کی اپیل نہیں کی تھی ، لیکن جونہی کہ میں ...ہوری میں ہجرت کا دفتر قائم کیا ، میرے شہر کی ایک براچہ فرم نے جس کا دفتر ...ں تھا ، بغیر میرے کہنے کے مجھے کچھ امداد بھیج دی ، جو میں نے پیش نظر ...اخراجات کے لیے قبول کر لی - مجھے نہ تو اس فرم کا نام یاد رہا ہے اور نہ اس ...نوجوان کا جو مذکورہ امداد لے کر میرے پاس آیا تھا - میں اپنے ذہن کی ناکامی ...ے شکوہ کروں کہ باوجود سر مارنے کے مجھے اس نوجوان کا نام یاد نہیں آتا ...اس کے بعد زندگی میں مجھے پھر بھی اس سے سابقہ پڑتا رہا ہے - اگر اس تحریر ...ں مجھے اس کا نام یاد آ گیا تو میں بالضرور اس کا ذکر خیر کروں گا - مجھے ...کہ اس نوجوان کا نام محمد عمر تھا یہ شمس الدین تاجر (چرم کا لڑکا تھا) -

اس نوجوان کی ہمت سے ہمیں راولپنڈی جانے تک کا ریلوے ٹکٹ دستیاب ہوا- ...صوبۂ سرحد اور راولپنڈی میں سیاسی پابندیاں عائد تھیں اور بغیر ضروری ...سفر کے کسی کو ریلوے ٹکٹ نہ ملتا تھا - ریلوے اسٹیشن دہلی پر سی-آئی-ڈی- ...نگرانی تھی اور جو ٹکٹ بکنگ آفس سے راولپنڈی یا اٹک پار کے علاقوں کے ...ہوتے اور دیے جاتے ، ان کی پڑتال ٹکٹ چیکروں کے ذریعے سی-آئی-ڈی- کی ...جاتی تا کہ سفر کرنے والے اشخاص کا علم انہیں حاصل ہو - میں نے اس ...کے ذریعے دو ٹکٹ سیکنڈ کلاس کے حاصل کیے تھے - ایک اپنے لیے اور دوسرا ...ساتھی کے لیے جس کا نام مولانا مولا بخش تھا - یہ بعد میں راولپنڈی کی ...مسجد میں امام مقرر ہوا اور بہت مدت تک وہاں امامت کے فرائض ادا کرتا رہا ، ...راولپنڈی میں اس کی کافی شہرت تھی - اس نے کچھ دیر تک تحریک ہجرت میں ...حصہ لیا اور شاید وہ خود بھی ہجرت کر کے افغانستان پہنچا - مگر وہاں وہ ...ملا بلکہ ان لوگوں کے ساتھ جو واپس ہوئے ، ہندوستان واپس لوٹ آیا - یہ ...کنج کی تحریک کے موقع پر ۱۹۳۵ء میں دوبارہ مجھ سے راولپنڈی میں ملا - ...وہیں جامع مسجد راولپنڈی میں امامت کرتا تھا - غرضیکہ ہم دونوں جب ...اسٹیشن پر اپنا سفر شروع کرنے کے لیے پہنچے ، ہمارے پیچھے سی - آئی - ڈی -

لگ گئی - ہماری ٹکٹوں کے نمبر نوٹ کر لیے گئے اور ہر جنکشن پر کوئی نہ کوئی ٹکٹ چیکر آ کر ہماری ٹکٹوں کا معائنہ کرتا، اسی طرح ہم راولپنڈی پہنچے -

راولپنڈی میں ہم مرزا قطب الدین وکیل کے ہاں مہمان ہوئے - یہ ان دنوں خلافت کمیٹی راولپنڈی کے جنرل سیکرٹری تھے - انھوں نے ہماری بڑی آؤ بھگت کی ہم سے ملنے کے لیے ان کے بعض دوست آئے؛ جن میں ایک بیرسٹر صاحب بھی تھے انھوں نے مجھ سے کہا کہ راولپنڈی میں تو برف پڑی ہوئی ہے - یہاں آپ کی تحریک کو کیا مدد مل سکتی ہے - میں نے جواب دیا کہ ہم اسی برف میں انشاء اللہ آگ لگا دیں گے - دوسرے یا تیسرے دن راولپنڈی جامع مسجد میں ہماری تقریریں ہوئیں - ہم نے مسلمانوں کو ہجرت کرنے کی تلقین کی - اتفاق سے میری تقریر کا سماں بندھ گیا : مسلمان میری تقریر سن کر رو رہے تھے - ہمارے مرزاقطب الدین پر اس تقریر کا اتنا اثر ہوا کہ وہ ہجرت کمیٹی قائم کرنے پر تیار ہوگئے - کچھ لوگوں نے اپنے نام لکھائے اور ہم نے راولپنڈی میں ہجرت کمیٹی قائم کر دی - ہمارے درمیان مشورے سے یہی طے پایا کہ جو لوگ ہجرت کے لیے نیچے سے آئیں - وہ پہلے راولپنڈی میں جمع ہوں - یہاں ان کی قافلہ بندی ہو، پھر قافلے پشاور روانہ ہوتے جائیں اور وہاں سواریوں کا انتظام ہونے کے بعد آگے چلتے جائیں ہمارے گمان میں اس وقت تک یہ نہیں گذرا تھا کہ لوگ ہزاروں کی تعداد میں آنا شروع ہجرت شروع کر دیں گے - ہم یہی خیال کیے ہوئے تھے کہ ہم سو، سو پچاس پچاس کے قافلوں کو حرکت دیں گے -

بہر حال راولپنڈی میں ہجرت کمیٹی کے قیام نے یہ لازم کر دیا کہ پشاور میں بھی ہجرت کمیٹی قائم ہو، جس کا ارتباط راولپنڈی سے رہے، تاکہ پشاور اپنی انتظامی وسعت اور طاقت کے مطابق راولپنڈی سے مہاجر طلب کر سکے -

مولانا مولا بخش نے پشاور کے سفر میں برابر میرا ساتھ نہ دیا - لہٰذا میں تنہا روانہ ہوگیا - میری زندگی میں اٹک پار کے علاقے میں یہ میرا پہلا سفر تھا - میری عمر اس وقت چوبیس سال سے کچھ اوپر تھی -

اس وقت تک اٹک پار کا علاقہ بر صغیر کے باشندوں کے لیے ایک معمہ بنا ہوا تھا اور گو اس علاقے کے لوگ طبعاً نڈر بہادر اور بے باک تھے - تاہم وہ انسانی محبت اور ہمدردی سے عاری نہ تھے - مگر انگریزی سیاست اور پروپیگنڈے نے اس علاقے کے لوگوں کو نہایت خطرناک اور خوف ناک بنا کر دنیا کی نگاہوں میں مجسم کر دیا تھا - یہاں قانون کی حکومت برائے نام تھی - اکثر اُسے سر زمین بے آئین کا نام دیا

یہاں لوگوں کی آزادی اور نقل و حرکت پر کڑی نگرانی رکھی جاتی تھی - ان پر
ی ریگولیشن کے ماتحت حکومت کی جاتی تھی - جسے اگر مارشل لاء کا نام دیا جائے
جا نہ ہوگا - انگریزوں نے جان بوجھ کر اپنی ''اڈوانس پالیسی'' پر پردہ ڈالنے
یہاں یہ سب کچھ کر رکھا تھا - قبائلی پٹھانوں کا ہوا کھڑا کرکے وہ ہندوؤں کے
ان کی دہشت ناکی کی دھاک بٹھائے ہوئے تھے اور یہ اس لیے تھا کہ وہ اپنی
ورانہ فارورڈ پالیسی کے لیے جواز پیدا کریں - ماورائے سرحد کے اس پار جب تک
ین کو استقلال نصیب نہیں ہوا ، اس سارے علاقے کے لوگوں کو دنیا غیر مہذب
شی ہی سمجھتی رہی - جب میں ریل کے ذریعہ اٹک کے اس پار پہنچا تو گویا میں
امیں تھا جو خوف ناک اور خطرناک کہی جاتی تھی - با ایں ہمہ جوں جوں میں
بڑھتا گیا ، مجھے احساس ہوتا گیا کہ میں ہرگز کسی خوف ناک یا خطرناک جگہ سفر
کر رہا - بلکہ میں اپنے ہی دینی اور پر جوش مسلمان بھائیوں کے درمیان سفر کر
- پشاور کے سیاسی مسلمان حلقوں سے میں اس وقت تک نا آشنا تھا - مجھے یہاں
ک بیوپاری کے ہاں مہمان ہونا تھا - میں نے اپنے آنے کی انھیں پیشتر اطلاع بھی
بھی اور چونکہ میں سیاست کے میدان میں ابھی نا آموز تھا - میں نے اپنی روانگی
اطلاع بھی شائع نہ کروائی تھی - تاہم میرے سفر سے حکومت کی سی - آئی - ڈی -
ولہ تھی - ہر بڑے ریلوے اسٹیشن پر میری ٹکٹ دیکھی جاتی اور سی - آئی - ڈی -
میری تاک میں تھی پشاور کے سٹی اسٹیشن پر اتر کر میں نے ایک ٹانگہ کرایہ
سیدھا بازار قصہ خوانی میں اپنے میزبان حاجی علی اصغر حاجی علی اکبر سوداگران
لوکی کے ہاں پہنچ گیا - انھوں نے دیرینہ مناسبات کی وجہ سے میرا پرتپاک
کیا اور جب انھیں میرا مقصد معلوم ہوا تو وہ اپنے دینی اخلاص کی بنا پر میری
کی مدد کرنے پر آمادہ ہوگئے -

میں نے دوسرے دن جمعہ کی نماز کے بعد مسجد قصہ خوانی میں اپنی تقریر کی
لوں کو اپنے مقصد سے روشناس کیا - ہجرت کا غلغلہ میرے آنے سے پہلے ہی
اور پوسٹروں کے ذریعے یہاں بلند ہو چکا تھا - لوگوں نے جوش و خروش کے
ری تقریر سنی اور ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار ہوگئے - بس پھر کیا تھا
سارے شہر میں میری شہرت پھیل گئی اور لوگ بیتابی کے ساتھ ہدایات کے منتظر
- اس وقت سر ہملٹن گرانٹ صوبہ سرحد کے لفٹننٹ گورنر تھے - اگلے دن
- ڈی - کے ذریعہ مجھے پولیٹکل ایجنٹ کی جائے رہائش پر طلب کیا گیا اور زبانی

کہا گیا کہ آپ کے آنے سے شہر میں تشویش پھیل گئی ہے اور امن کو خطرہ لاحق ہوگیا ہے لہٰذا آپ چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر پشاور شہر کو چھوڑ کر چلے جائیں۔ میں نے جواب میں کہا کہ چونکہ ہم مسلمان اس ملک سے ہجرت کر رہے ہیں اور ہم نے پشاور ہی کے راستے افغانستان جانا ہے ، اس لیے اس شہر میں مہاجرین کی آمد و رفت کے سلسلے میں بعض انتظامات کرنے ہمارے لیے ضروری ہیں - ہم یہاں ہجرت کمیٹی قائم کر رہے ہیں اور جب تک وہ قائم نہ ہو جائے میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ جب پولٹیکل ایجنٹ نے مجھے اپنی ہٹ پر قائم دیکھا تو پہلو بدل کر ہجرت کے مسئلے پر بحث کرنے لگا - اس کے پاس اس وقت ایک مولانا بھی بیٹھے تھے - وہ بھی مجھ سے الجھنے لگے ، بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ یہ صوبۂ سرحد کے مشہور بزرگ مولانا محمد اسحاق مانسہروی تھے ، یہ اس وقت کسی مصلحت کی وجہ سے ہجرت کرنے کے حق میں نہ تھے اور چونکہ فرنٹیر کی حکومت ان کی بے باکی سے ڈرتی تھی - اس لیے وہ مسلمان افسروں کے ذریعہ ایسے افراد سے سوشل روابط قائم کیے رکھتی تھی تاکہ ان کے اندرونی عزائم سے وقتاً فوقتاً آگاہ ہوتی رہے - مولانا محمد اسحاق مانسہروی : خدا ان کو غریق رحمت کرے ، یوں تو بڑے لٹھ مار تھے لیکن اپنی وجاہت اور میل جول کے بھی بڑے دل دادہ تھے - سرکاری افسروں کو ان کی یہ کمزوری معلوم تھی اور وہ اکثر اس سے فائدہ اٹھا جاتے تھے -

میں جب اپنی جگہ پر واپس آیا تو میرے میزبان نے مجھے بتایا کہ کتنے ہی سی - آئی - ڈی - ان کی دکان پر آ کر پھر گئے ہیں اور ان کے بعض دوستوں نے انھیں مشورہ دیا ہے کہ شاید انھیں کوئی گزند نہ پہنچ جائے مگر اس کے جواب میں میں نے ان سے صاف صاف کہہ دیا کہ خدا اور اسلام کی راہ میں اگر ہمیں کوئی نقصان بھی پہنچ جائے تو کوئی پرواہ نہیں - پھر میں نے پولٹیکل ایجنٹ کے ساتھ جو گفت و شنید ہوئی تھی ، انھیں سب سنا دی اور کہا کہ اب ہجرت کمیٹی بن جانی چاہیے -

ہجرت کمیٹی کے بنانے میں جس نے سب سے زیادہ کام کیا وہ سید آغا افضل خاں پشاور خلافت والنٹیر کور کا کمانڈر تھا - ہم نے ہجرت کے لیے رضا کاروں کی بھرتی کا کام بھی اسی کے سپرد کر دیا - ہجرت کمیٹی کی انتظامیہ چنی گئی اور بہت سے لوگ بطوع و رغبت ہجرت کمیٹی کے ممبر بن گئے - ٹھیکیدار حاجی جان محمد کمیٹی کے صدر قرار پائے اور ہمارے میزبان حاجی علی اکبر خاں اس کے سیکرٹری چنے گئے - ٹھیکیدار حاجی جان محمد خاں نے اپنی ایک سرائے کو مہاجرین کے لیے وقف کر دیا اور جہاں لنگر

پڑتا ہے - انھوں نے تیس ہزار روپے بھی ہجرت کمیٹی کے لیے وقف کر دیے - شہر میں جلسوں پر پابندی عائد تھی - اس لیے سوائے جمعہ کے مسلمانوں سے پبلک میں خطاب نہ کیا جا سکتا تھا - جہاں تک ہجرت کمیٹی کی تشکیل کا تعلق تھا، کام ختم ہوچکا تھا - اس دوران پولٹیکل ایجنٹ نے مجھے ایک بار پھر طلب کیا اور کہ اب کیا ارادے ہیں - میں نے کہا کہ واپس دہلی جا رہا ہوں - انھوں نے کسی حیرانی سے پوچھا کہ کیا آپ ہجرت نہیں کر رہے ؟ میں نے کہا کہ ابھی نہیں ، میں آؤں گا اور اگلے مہینے رمضان شریف کے آخر میں ہجرت کروں گا - اس پر انھوں کہا کہ آپ ہمیں پریشان کر رہے ہیں - گورنمنٹ چاہتی ہے کہ آپ جلد اس ملک سے کر جائیں - میں نے کہا فکر نہ کریں انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا -

ہمارے درمیان مشورے سے یہ طے پایا تھا کہ میں تقریباً سارا رمضان پشاور میں اور لوگوں کو ہجرت کرنے کے لیے وعظ و تبلیغ کرتا رہوں - رمضان شریف کے میں پشاور شہر میں یہ دستور ہے کہ نماز تراویح ختم ہونے پر مسجدوں میں وعظ ہوتے اور اکثر پشاور شہر کے مسلمان رات بھر مسجدوں ہی میں رہتے ہیں - اب اس دستور میں فرق آ گیا ہو تو کہہ نہیں سکتا - بہر حال تقریریں کرنے کے لیے رمضان شریف کا موزوں ترین مہینہ ہے - خاص طور پر جب کہ شہر میں جلسوں پر پابندی ہو -

میں دہلی واپس چلا گیا راستے میں امرتسر لاہور وغیرہ میں تقریریں کرتا گیا پر مجھے معلوم ہوا کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے نہایت مستعدی اور جوش سے ہجرت کی تبلیغ شروع کر رکھی ہے - میں نے اس تائید غیبی پر خدا کا شکر - میں نے از راہ تفنن مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے پوچھا کہ اب تو آپ ساتھ ہی ہجرت کریں گے ؟ جس پر انھوں نے فرمایا کہ آپ آگے جائیں میں آپ کے مہاجرین کے لشکر روانہ کرتا رہوں گا - یہ بات ذہن میں رہے کہ مولانا سید اللہ شاہ بخاری نے عملاً ہجرت نہیں کی تھی -

میں ابھی دہلی ہی میں تھا کہ مجھے اطلاع ملی کہ ہجرت کا پہلا قافلہ جو چھ سو آدمیوں پر مشتمل تھا ، پشاور سے روانہ ہو گیا ہے - پھر دوسرے قافلے کی اطلاع پھر تیسرے ، پھر چوتھے اور پھر پانچویں کی - دہلی میں جتنے بھی ہجرت کی کے رفقا تھے ، سب کے سب گوش بر آواز تھے اور مجھے سب سے بڑھ کر خوف مہاجرین کو درۂ خیبر سے گذرتے وقت کوئی حادثہ نہ پیش آ جائے اور

انگریزی حکومت مشتعل ہو کر ان کے بر خلاف کوئی معاندانہ اقدام نہ کر بیٹھے، لیکن شکر کہ خیریت گذری اور اطلاع موصول ہوئی کہ مہاجرین بخیر و عافیت درۂ خیبر سے گذر کر افغانستان کی سر زمین میں داخل ہو چکے ہیں۔

اس موقع پر بعض مخالفین نے تحریک ہجرت کے بانی مبانی یعنی مجھ پر آوازے کسنے شروع کر دیے کہ خود کیوں ہجرت نہیں کرتا یہ خود بیٹھ رہا ہے۔ میں اس وقت بھی سمجھ رہا تھا اور اس وقت بھی یقین کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ یہ مخالفین انگریزوں کے جاسوس تھے جو نہیں چاہتے تھے کہ ہجرت کی تحریک کا چرچا زیادہ دیر تک لوگوں میں جاری رہے؛ خاص طور پر انگریز صوبہ سرحد کے لوگوں سے خائف تھے کہ کہیں اس صوبے کا امن برباد نہ ہو جائے اور افغانستان روس کی کمیونسٹ حکومت سے شہ پا کر پھر ایک دفعہ ان پر پل پڑے۔ وہ سمجھتے تھے کہ میں جو اس کا بانی مبانی ہوں اگر جلد ہندوستان سے نکل جاؤں تو یہ تحریک خود بخود سرد پڑ جائے گی۔ مگر میرے چلے جانے کے بعد خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

ہجرت کے قافلے چونکہ پشاور سے جانے شروع ہو گئے تھے اس لیے راولپنڈی میں مہاجرین کو ٹھیرانا بے معنی نظر آیا۔ بعد میں جب ہجرت کا سلسلہ ہر جگہ سے شروع ہوا تو لوگ سیدھے پشاور پہنچتے تھے اور کوئی راولپنڈی نہ ٹھیرتا تھا۔ بعد میں پنجاب اور سندھ سے مہاجرین کی سپیشل ٹرینیں بھی چلیں مگر یہ اس وقت ہوا جب کہ میں خود افغانستان پہنچ چکا تھا۔

ساتویں قافلے کی روانگی کے بعد مجھے جلد افغانستان پہنچنے کی ضرورت محسوس ہوئی تاکہ اس ملک کی حکومت سے مل کر مہاجرین کی آباد کاری کے مسئلہ کو حل کیا جائے۔ للہذا میں دہلی سے روانہ ہو کر امرتسر پہنچا اور اپنے سفر کے انتظامات درست کرنے میں لگ گیا۔ اب تک تو ایسا تھا گویا گھر والوں کے سامنے کوئی قضیہ ہی در پیش نہ تھا لیکن جب انہیں یقین ہو گیا کہ میں واقعی جا رہا ہوں تو سب کی جیسے جان ہی نکل گئی۔ ایک تو افغانستان کی دہشتناکی کا احساس، جو انگریزی حکومت نے لوگوں میں موجود کر رکھا تھا۔ کچھ اس طرح کا تھا کہ جو اس ملک کا نام سنتا وہ دم بخود ہو کر رہ جاتا اور دوسرے جب لوگوں میں یہ خیال جڑ پکڑتا کہ جو لوگ ہجرت کر کے جا رہے ہیں، وہ ہمیشہ کے لیے ان سے جدا ہو رہے ہیں تو یہ جدائی کے لیے ایک المیہ بن جاتی۔ غرضکہ میری بیوی میری۔ والدہ اور میرے دو چھوٹے ... رونا شروع کر دیا اور میری بڑی آپا اور اس کے بچے بھی چلائے۔ میں نے جب

کہا تو کہا کہ تم بھی تیار ہو جاؤ تم بھی ساتھ چلو ، عورتوں کی مت بھی عجیب ہے فوراً تیار ہو گئیں ، آنسو خشک ہو گئے اور اب جب تسلی اور اطمینان سے شروع کیا تو سب سے بڑا مسئلہ یہ پیش آیا کہ بیوی کے باپ کو جو سارے کا سربراہ اور میرا بڑا چچا بھی ہوتا تھا ، پہلے رضامند کیا جائے اور اس سے حاصل کی جائے ۔ چنانچہ ہم سب اس کے گھر گئے اور اجازت مانگی تو بجائے دینے کے الٹا مجھے ڈانٹا کہ اگر تم میری بیٹی کو لے کر جاؤ گے تو میں پولیس کے ہاتھوں رکوا لوں گا اور یہ زیادہ تر اس دہشتناکی کی وجہ سے تھا جو اس ملک کے لوگوں میں موجود تھی ۔

میں نے بعد میں گھر والوں کو اطمینان دلایا کہ جونہی کہ میں وہاں جا کر ہو جاؤں گا ، میں تم سب کو افغانستان بلا لوں گا ۔ غرضیکہ انہیں دم دلاسا دے کر میں نے تیاری کی اور رمضان شروع ہوتے ہی پشاور پہنچ گیا ۔ دہلی کے دو ساتھی بھی میرے ساتھ تھے ۔ میری ہجرت کے لیے گھر سے چل پڑنے کی خبر شائع ہو چکی تھی ۔ پشاور کمیٹی کے رضاکار میرے استقبال کے لیے اسٹیشن پر موجود تھے ۔ ہم حاجی جان محمد ٹھیکیدار کی سرائے میں پہنچے ۔ میں اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر ایک مہربان کے ہاں فروکش ہو گیا ۔ ابھی تک ہم نہیں کہ سکتے تھے کہ ہماری تحریک کس حد تک پروان چڑھے گی ۔ آٹھواں قافلہ جو پانچ چھ آدمیوں پر مشتمل تھا ، ہمارے پشاور پہنچنے سے پہلے جا چکا تھا ۔ اسی قافلے میں میرا خالہ زاد بھائی مسٹر ... تھا جو بعد میں شاہی قیدی کی حیثیت سے میرے ساتھ سنٹرل جیل ملتان میں رہا تھا ۔ رمضان شریف کا مہینہ شروع تھا۔ مجھے مشورہ دیا گیا کہ میں اس مہینے تک پشاور ہی میں رہوں اور لوگوں کے دلوں کو ہجرت کے لیے گرماتا جاؤں ۔ پشاور کے ایک نہایت ہی فصیح مقرر مولوی عبدالغفور صاحب تھے جو ہجرت کے زبردست موید بنے اور رمضان کی راتوں کو مسجدوں میں میرے ساتھ تقریروں میں شریک ہوتے ۔ پشاور میں ابھی تک جلسوں جلوسوں اور عام پبلک تقریروں پر پابندی عائد تھی ۔ ہم نے پہلے بازار قصہ خوانی کی آس پاس کی مسجدوں میں تقریریں کیں اور اس کے بعد اس بات کا اہتمام کیا جاتا کہ اگلے دن کے لیے لوگ خود تجویز کریں کہ فلاں مسجد میں آ کر تقریریں کیجیے ۔ اس اہتمام سے یہ فائدہ ہوا کہ سب کو معلوم ہو جاتا کہ آج فلاں مسجد میں تقریریں ہوں گی ۔ چنانچہ مسجدوں کے اہتمام سے لوگ ہزاروں کی تعداد میں شریک ہوتے اور چند ہی دنوں میں

مسلمانوں میں جوش کا ایک دریا امڈ آیا ۔ اب اطراف و اکناف سے بھی لوگ آنا شروع ہوئے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ساری سرحد کی سرحد جوش ایمانی سے ابل پڑنے کی ۔ مجھے اطلاعیں آتی تھیں اور خود سی ۔ آئی ۔ ڈی کے لوگ جو مسلمان تھے برملا آآ کر مجھ سے بیان کرتے کہ سر ہملٹن گرانٹ گورنمنٹ ہاؤس کے اندر آپ کی تقریروں سے تھر تھر کانپ رہا ہے ۔ رمضان شریف کے چوتھے ہفتے ایک خاص معزز آدمی فٹن پر سوار میرے پاس آیا اور مجھے احترام کے ساتھ پولیٹیکل ایجنٹ کے گھر لے گیا ۔ یہ اسی کا بھیجا ہوا سرکاری آدمی تھا ۔ پولیٹیکل ایجنٹ نے گرم جوشی سے مجھے خوش آمدید کہا اور باتوں باتوں میں راز دارانہ طریق سے کہنے لگا کہ آپ یہاں سے جس دن جائیں گے ہمارے دم میں دم آئے گا ۔ لفٹیننٹ گورنر لحظہ بہ لحظہ ٹیلیفون پر شہر کی خیریت کی خبر مجھ سے پوچھ رہا ہے اور پھر کہا کہ آپ کس دن جا رہے ہیں ؟ میں نے کہا کہ میں ۲۹ رمضان کو پشاور سے حرکت کروں گا تا کہ عید کے دن افغانستان کی سر زمین پر قدم رکھ سکوں ۔

ہجرت کمیٹی میں دھڑا دھڑ لوگوں کے نام لکھے جا رہے تھے ۔ تاکید کر دی گئی تھی کہ صرف انھی لوگوں کے نام لکھے جائیں جو کم از کم کابل تک پہنچنے کا سفر خرچ رکھتے ہوں اور اس کے علاوہ کچھ مزید بھی رکھتے ہوں تا کہ وہاں مستقل ہونے تک کسی پر بار نہ ہوں ۔ کئی ایسے لوگ بھی آتے جو ہجرت کمیٹی کی امداد سے ہجرت کرنے کی آرزو کرتے اور جب ان کے نام نہ لکھے جاتے تو وہ جوش میں آ کر واویلا شروع کر دیتے کہ کیا دین میں غریبوں کے ایمان کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے ۔ اس پر بعض لوگ ان کی حمایت پر کھڑے ہو جاتے اور بعض مخیر انھیں اپنی جیب سے مدد دینے کے لیے تیار ہو جاتے اور ہجرت کمیٹی کو مجبور کرتے کہ ان کے نام فہرست میں لکھ ڈالے ۔

یہ لوگوں کی مرضی پر چھوڑا گیا تھا کہ وہ کون سے دن اور کون سی تاریخ کو ہجرت کریں گے ۔ عید سر پر تھی اس لیے سب کے سب عید گزارنے کے بعد ہجرت کرنے کا ارادہ رکھتے تھے ۔ بعض صاحب جائداد تھے ؛ وہ اپنی جائداد کو بیچنا چاہتے تھے ۔ بعضوں کے پاس زمین تھی اور فصلیں کھڑی تھیں ؛ وہ ان کے متعلق کسی فیصلے پر پہنچنا چاہتے تھے ، بعض دکاندار اور ہنر پیشہ تھے ؛ وہ اپنا کاروبار سمیٹنا چاہتے تھے ۔ بعض اپنے اثاث البیت کو فروخت کر رہے تھے تا کہ جس قدر نقد رقم وہ اپنے ساتھ لے جا سکتے ہوں ، لے جائیں ۔ کیونکہ ان سب کے پیش نظر یہی تھا کہ نہ معلوم اس کے بعد کیا ہوگا ۔ ہم لوگ لا علمی مگر بد قسمتی سے افغانستان کے متعلق

تہم تھے - ہجرت کی تحریک نے بعض قربانی کے ایسے منظر بھی پیش کر دیے ہیں وح فرسا اور لرزہ براندام بھی مگر ساتھ ہی اسلام کے ساتھ مسلمانوں کے والہانہ کا نشان بھی تاریخ میں ثبت کر رہے ہیں مگر میں اس کے متعلق بعد میں کچھ ں گا -

آخر وہ دن آ پہنچا جس دن مجھے ہجرت کرنا تھی - تقریباً پشاور کا سارا شہر کو مجھے رخصت کرنے کے لیے اکٹھا ہو چکا تھا - میں نے ایک بلند جگہ پر کھڑے الوداعی تقریر کی - لوگ بڑے جوش و خلوص کے ساتھ اللہ اکبر کے نعرے بلند ے تھے - وہ لپک لپک کر میری طرف بڑھتے، میرے دونوں ہاتھوں کو تقدس کے ساتھ ، آنکھوں سے لگاتے ، جیسے میں ان کے لیے ایک بڑی زیارت گاہ بن گیا تھا - میں اس کو دیکھ دیکھ کر شکر گزاری کے آنسو ٹپکا رہا تھا اور وہ میری طرف دیکھ کر اور میری احسان شناسی سے متاثر ہو کر رو رہے تھے - اسی کیفیت میں میں ہوئے ہاتھوں کے سہارے بلندی سے نیچے اتر رہا تھا کہ میرے ہاتھ کی گھڑی کھل گیا اور گھڑی نیچے جا پڑی - میں نے بے ساختگی کے عالم میں کہا کہ ی گھڑی" اس بے پناہ بھیڑ میں چند تن نیچے کی طرف جھک گئے اور پھر ایک ہاتھ ہو کر میری گھڑی صحیح و سلامت میرے ہاتھ میں دے دی - ممکن نہ تھا کہ م غفیر میں میری گھڑی پاؤں تلے روندی نہ جاتی : میں اسے اپنے اور مسلمانوں کے دبی کا کرشمہ سمجھتا ہوں -

میرے قافلے میں صرف گیارہ آدمی تھے : ایک ان میں سے پشاور کا ایک مستری و اپنے بیوی بچوں سمیت ہجرت کر رہا تھا - میرے دہلی کے دو ساتھیوں میں سے شاور ہی میں رہ گیا اور دوسرا جس کا نام سلطان مرزا تھا ، وہ میرے ساتھ روانہ میرے قافلے میں دو ہندو بھی تھے : ایک ان میں سے انجینئر تھا اور دوسرا ایک نوجوان میٹرک پاس تھا (یہ اس فضا میں مسلمانوں کی ہمدردی میں ترک وطن تھا) - اس قافلے میں ایک سکھ بھی تھا جو اپنے آپ کو ڈاکٹر کہتا تھا اس کا سنگھ تھا (اس نے بعد میں کابل میں دکان کر لی تھی اور عوام سے اچھے رہا) -

میں نے اپنے لیے جلال آباد تک کے لیے ایک پورا تانگہ کرایہ کر لیا تھا ، م تین آدمی سوار ہوئے - ان میں سے تیسرا سپہ سالار محمد نادر خان (جو بعد میں خان کے انقلاب اور بچہ سقاؤ کی نو ماہہ سلطنت کے خاتمے پر افغانستان کے

بادشاہ بنے) کا ذاتی ملازم تھا ۔ یہ صرف چند دن پہلے سپہ سالار موصوف کی موٹر کار پشاور مرمت کے لیے لایا ہوا تھا اور اب ہمارے ساتھ واپس جا رہا تھا ۔ سپہ سالار محمد نادر خان اس وقت جلال آباد کے فوجی اور ملکی گورنر کے عہدے پر فائز تھے ۔

اس شخص کو خواجہ صاحب کہہ کر پکارتے تھے ۔ خواجہ صاحب نے اپنی آنکھوں سے پشاور میں مسلمانوں کے جوش و خروش کا جو نظارہ دیکھا تھا ، وہ اس کے لیے بالکل انوکھا اور بے نظیر تھا ۔ وہ اس سے بے حد متاثر اور میرا معتقد بن گیا تھا ، وہ بہادر اور شجاع بھی تھا ۔ راستہ میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے اس کی بہادری اور شجاعت ہم سب اہل قافلہ پر منکشف ہو گئی ۔

میں نے دہلی میں ہجرت کا ایک علم بنایا تھا ۔ یہ ایک دبیز ریشمی علم تھا ، جس پر دہلی کے بہترین کاریگروں نے سلمہ ستارہ سے (یا ایہا الذین آمنوا ان ارضی واسعۃ فایای فاعبدون ۱) کی آیہ شریفہ زردوزی کی ہوئی تھی ۔ یہی علم ہمارے تانگے پر لہرا رہا تھا ۔ ہم پشاور سے روانہ ہو کر جمرود پہنچے اور جمرود سے آگے درۂ خیبر کی سڑک پر ہو لیے ۔ ابھی ہم علی مسجد کے قریب ہی پہنچے تھے کہ پیچھے سے ایک موٹر سائیکل جس کے ساتھ ایک سائیڈ کار لگی ہوئی تھی آ رہی تھی ۔ اس پر دو انگریز فوجی افسر سوار تھے ۔ ہمارے تانگے سڑک کے وسط میں اپنی معمولی رفتار سے چل رہے تھے ۔ ہمارا تانگہ سب سے آخر میں تھا اگلے تانگوں اور ہمارے تانگے کے درمیان کوئی دو فرلانگ کا بعد ہو چکا تھا ۔ ہم نے اپنا تانگہ قصداً پیچھے رکھا ہوا تھا تاکہ اگلے تانگے جن پر زنانہ سواریاں تھیں اپنے متعینہ پڑاؤ لنڈی کوتل پر جلد پہنچ کر اپنے لیے اطمینان اور آرام کی جگہ پیدا کر سکیں ۔ پیچھے سے آنے والی موٹر سائیکل پر سوار انگریز فوجی افسروں کو ہمارے تانگے کا وسط سڑک پر ہونا سخت ناگوار گزرا ۔ سڑک کافی چوڑی تھی اور وہ آسانی سے ہمارے دائیں سے نکل سکتے تھے مگر ان میں سے ایک سخت مشتعل ہو گیا اور بغیر وارننگ اور ہارن دینے کے اس نے برابر سے گزرتے ہوئے ہمیں دفعتہً ہوٹ کیا ۔ پھر کیا تھا ہمارے افغان ساتھی خواجہ صاحب سے نہ رہا گیا ۔ اس نے فوراً تانگہ سے چھلانگ ماری اور پاس سے ایک چھوٹا سا پتھر اٹھا کر موٹر سائیکل پر جو تیزی سے گذر رہی تھی دے پھینکا ۔ انگریز کی فرعونیت پر یہ پہلی ضرب کاری تھی جو درۂ خیبر میں وہ بھی "علی مسجد" کے قریب اس پر پڑی ۔ ان میں سے ایک فوجی افسر جو سائیڈ کار پر تھا بلبلا اٹھا اور اس نے جھٹ فائر کرنے کے لیے اپنا

۱ ۔ ترجمہ: اے ایمان والو! میری زمین وسیع ہے ۔ "اس جہاں تم سے بن پڑے صرف میری عبادت کرو ۔

نکال لیا مگر اس کے ساتھی نے جو اس کا افسر معلوم ہوتا تھا اسے روک دیا اور
ح یہ واقعہ جو حادثہ بنتے بنتے رہ گیا بخریت سر سے گذر گیا - اس کے بعد تمام
بخیر و عافیت طے ہوا اور افغانی سرحد تورخم پہنچنے تک کوئی قابل ذکر واقعہ
آیا - ہم دوسری صبح جو (افغانستان میں) عید کا دن تھا - لنڈی کوتل سے روانہ
لنڈی خانہ اور پھر اس سے آگے تورخم سے گذر کر افغانستان کی سر زمین میں
ہو گئے -

افغانستان میں ھجرت کا منظر

اور

میری سرگرمیاں

سرزمین افغانستان میں قدم رکھتے ہی ''اللہ اکبر'' کا نعرہ بلند کرتے ہوئے میں اپنے ٹانگے سے کود گیا اور فرش خاک پر گر کر خدا کے حضور میں سجدۂ شکر بجا لایا ۔ دل کی ایک دیرینہ آرزو بر آئی تھی اور میں اپنے آپ کو ایک نہایت ہی تاریخی سرزمین پر پا کر بے حد محظوظ و مسرور تھا ۔ خط سرحدی پر دو افغانی سپاہی اپنے فوجی لباس میں بندوقیں سنبھالے کھڑے تھے ۔ انھوں نے ایک تیسرے کو جو ان کے قریب ہی کھڑا تھا ، فارسی زبان میں کچھ کہا ۔ بائیں ہاتھ کو ایک ڈھلوان ٹیلہ تھا ۔ وہ دوڑ کر اس پر چڑھ گیا اور تھوڑی سی دیر میں ایک فوجی افسر اپنی وردی پہنے ٹیلے کے ۔۔ پر کھڑا نظر آیا ۔ اس کے پیچھے چند سپاہی کھڑے تھے ۔ افسر نے نہایت مؤدبانہ طریق پر ہمیں اشارے سے اوپر آنے کو کہا ۔ محمد نادر خاں سپہ سالار کا مُلازم جو ہمارے قافلے میں ہمارے ساتھ آیا تھا ۔ میرے ٹانگے سے کودتے ہی اوپر چڑھ گیا تھا ۔ اس نے نہ معلوم اس کے کان میں کیا کچھ کہہ دیا تھا کہ جوں ہی کہ ہم ٹیلے پر چڑھے افسر نے ایک فوجی دستے کے ذریعے باقاعدہ ہماری سلامی اتاری اور مجھے اور میرے ساتھیوں کو اپنے خاص کمرے میں لے گیا ۔ جو اوپر ٹیلے کی عمارت میں اس نے اپنے لیے مخصوص کر رکھا تھا ۔ کوئی دس بجے صبح کا وقت تھا ۔ اس نے چائے وغیرہ سے ہماری تواضع کی اور مختصر تقریر میں ہماری آمد پر اپنی حکومت کی طرف سے ہمیں خوش آمدید کہا ۔ میں اس وقت فارسی کا ایک حرف بھی نہ جانتا تھا مگر مثال کے طور پر صرف اسی قدر کہ جاؤ کا ترجمہ (گو) آؤ کی انگریزی ہے (کم) ۔ ہمارے درمیان ترجمانی کی خدمت اس دن ہمارے ساتھی خواجہ صاحب نے انجام دی ۔ یہ اس سے پہلے بھی چند بار پشاور جا چکے تھے اور کچھ کچھ اردو سمجھتے تھے ۔ میں نے بھی اس افسر کا اردو زبان میں شکریہ ادا کیا اور کہا کہ ہمیں فخر ہے کہ ہم ان مسلمانوں کے ہراول دستہ ہیں جنھوں نے عزم کر لیا ہے کہ انگریزوں کی غلامی کا جؤا اپنی گردنوں سے اتار پھینکیں گے

ب اس کا مفہوم خواجہ صاحب نے اس سے بیان کیا تو سب نے یک زبان ہو کر
شاء اللہ ، انشاء اللہ ۔

میں نے دیکھا کہ وہ افسر خواجہ صاحب کا بڑا پاس و لحاظ کرتا ہے ۔ بعد
علوم ہوا کہ خوشامدانہ طریق پر اس ملک کا دستور ہی ایسا بن چکا ہے کہ ہر بڑے
یا بڑے لوگوں کے ملازمین کا اسی طرح پاس و لحاظ کرتے ہیں ۔

اس افسر کا نام سید عبداللہ تھا ۔ اس کا درجہ اب لفٹننٹ کرنل کا تھا ۔ یہ بعد
والس ملٹری تعلیم حاصل کرنے کے لیے غازی جمال پاشا کے قائم کردہ ملٹری
یوٹ کابل میں داخل ہوا جس میں میں بھی شامل ہوکر فوجی تربیت حاصل کرنے والا
ہم اس (یادگار) دن کے بعد دوبارہ وہیں ملے تھے ۔

مذکورہ افسر نے ٹیلیفون اٹھا کر کچھ باتیں کیں ۔ پھر خواجہ صاحب سے کچھ
جس نے مجھ سے بیان کیا کہ جناب قوماندان عسکری ڈکہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں ۔
ے ڈکہ ڈیڑھ دو گھنٹے کی مسافت پر ہے ۔ ہمیں یہاں سے جلد جانا چاہیے تاکہ ہم
ے سے پہلے وہاں پہنچ جائیں ۔ آپ کھانا قوماندان صاحب عسکری کے ساتھ نوش
گے ۔ یہ کہہ کر افسر نے ہمیں نہایت گرم جوشی سے رخصت کیا ۔ وہ ٹیلے سے
جہاں ڈانگے کھڑے تھے ۔ وہاں تک ہمارے ساتھ آیا ۔ اس سے مصافحہ کرتے ہوئے
نوں پر سوار ہوئے اور آگے بڑھے ۔

تورخم سے ڈکہ کی طرف بڑھتے ہوئے میں نے پہلی بار محسوس کیا کہ سڑک
راب اور ناہموار ہے اورگھوڑا دگنی مشقت سے چل رہا ہے ۔ لیکن ساتھ ہی اسلامی
ن پر چلنے کا شرف حاصل کرنے کی اتنی خوشی و مسرت تھی کہ یہ احساس اس
م ہوکر رہ گیا ۔

ڈکہ پہنچ کر جن کے ساتھ اہل و عیال تھے ، وہ ایک علیحدہ جگہ چلے گئے اور
ک بڑے شامیانے کی طرف لے جایا گیا ۔ جہاں حکومت کے بہت سے فوجی اور
ر بیٹھے ہوئے تھے ۔ ان دنوں اکثر محکموں میں کرسیوں پر بیٹھنے کا رواج نہ تھا ۔
ہوار کے موقعوں پر بھی لوگ زمین پر قالینوں کا فرش بچھا کر بیٹھا کرتے تھے ۔
د افغانستان کی معیشت اس کی داعی تھی ۔ تاہم میں معاشرت کو معیشت کا تقاضا
جھتا کیونکہ معیشت معاشرت کی کوکھ ہی سے جنم پاتی ہے ۔ انسانی عقل و
س مقام پر بڑی سکندری کھاتی ہے ۔ اسلامی معاشرت معیشت کو ہمیشہ اپنے
ابع رکھتی ہے۔ بشرطیکہ اسے غیر کے تہذیب و تمدن سے مخلوط نہ ہونے دیا جائے ۔

ہاں ، تو قوماندان عسکری ڈکہ نے ہماری بڑی آؤ بھگت کی ۔ گویا وہ ہماری آمد کے انتظار ہی میں بیٹھے ہوئے تھے ۔ ہم شاید نصف گھنٹے کے قریب دیر سے پہنچے تھے۔ انھوں نے ہماری آمد کے انتظار میں کھانا روک رکھا تھا ۔ قوماندان صاحب نے مہربانی فرما کر مجھے اپنے پہلو میں جگہ دی ۔ مزاج پرسی اور ادھر ادھر کی باتوں کے بعد کھانا چنا گیا اور ہم سب نے مل کر کھانا کھایا ۔ ہمارے ہندو ساتھیوں کو علیحدہ کھانا دیا گیا ۔ ڈکہ کا مقام دریائے کابل کے کنارے واقع ہے ۔ اس دریا کے اس پار لال پورہ ہے ۔ جہاں کثرت سے قدیم زمانے کے آئے ہوئے سکھ آباد ہیں ۔ چونکہ قوماندان صاحب عسکری کو تورخم کے سرحد وار سے خبر مل چکی تھی کہ ہمارے قافلے میں دو ہندو اور سکھ ہیں اس لیے اس نے لال پورہ کے سکھوں کے ذریعے ان کے کھانے وغیرہ کا علیحدہ انتظام کروا رکھا تھا ۔

کھانے سے فراغت پا چکنے کے بعد اس نے ڈکہ سے جلال آباد تک کے لیے ایک خط راہ داری ہمارے ہاتھ میں دے دیا ۔ اس زمانے میں قدیم ہی سے یہ دستور چلا آتا تھا کہ کوئی ایک شخص خواہ رعیت ہو یا بیگانہ بغیر خط راہ داری کے ایک جگہ سے دوسری جگہ رفت و آمد نہ کر سکتا تھا ۔ اس لیے راہ رو افراد کے پاس راستے کا اجازت نامہ ہونا ضروری تھا ۔ اسی کو خط راہ داری کہتے تھے ۔ پشاور کے حالات میں میں یہ ذکر کرنا بھول گیا تھا کہ وہاں بھی ہم سب نے افغانی وکیل التجارت سے خط راہ داری حاصل کیا تھا ۔ مغربی اصطلاح میں اسے ویزا کہتے ہیں ۔ لیکن ویزا کے لیے پاسپورٹ کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ پاسپورٹ موجود ہو تو جس ملک میں جانا ہو اس ملک کے سیاسی نمائندے یعنی سفیر یا قونصل سے ویزا طلب کیا جاتا ہے ۔ مگر افغانستان جانے کے لیے انگریزی حکومت کوئی پاسپورٹ جاری نہ کرتی تھی کیونکہ اس کے تصور میں افغانستان ایک ماتحت ملک تھا ۔ البتہ بوجہ داخلی استقلال ہونے کے افغانستان کو یہ اختیار حاصل تھا کہ جو شخص ہندوستان سے افغانستان سفر کرنا چاہے اس کے پاس افغانی وکیل التجارت مقیم پشاور کا خط راہ داری ہو ۔ شاید اس زمانے میں خط راہ داری دو روپے میں حاصل ہوتا تھا ۔ اب مجھے یاد آ رہا ہے کہ میں جب پہلی دفعہ پشاور آیا تھا تو معلومات حاصل کرنے کے لیے افغانی وکیل التجارت فقیر محمد خاں سے ملا تھا ۔ فقیر محمد خاں کابل کے ایک بہت بڑے تاجر شیر محمد اُوختی کا بیٹا تھا ۔ ان کی بہت بڑی جائداد کابل میں تھی ۔ فقیر محمد خاں اپنی دیانت اور صداقت کے لیے مشہور تھا ۔ اسی وجہ سے حکومت افغانستان نے اسے استخدام کر رکھا تھا ۔ وکیل التجارت کا عہدہ نہایت اہم تھا ۔ کیونکہ افغانستان کی ساری تجارت اس وقت ہندوستان ہی سے وابستہ تھی ۔ میں فقیر محمد خاں کے متعلق

کر کروں گا - کیونکہ اس نے ہندوستان کی تحریکات میں میری بڑی اخلاقی مدد ے۔

قوماندان عسکری ڈکہ نے ہمیں خط راہ داری دے کر رخصت کیا - ہم ٹانگوں ہو کر وہاں سے بٹی کوٹ کی طرف روانہ ہوئے - اس سفر میں ہمارے ساتھ خواجہ محمد" نہ تھا - (اس کا پورا نام اب میرے ذہن میں اجاگر ہوگیا ہے) باشی ان میں کام کی نگرانی یا انتظام کرنے والے کو کہتے ہیں - زیادہ تر یہ لقب م کے کاموں کی سربراہی اور بندوبست کرنے والوں کے لیے مخصوص ہوتا ہے - آب باشی فراش باشی بارگیر باشی وغیرہ -

ڈکہ کے قوماندان عسکری کا نام محمد صدیق تھا - یہ بچہ سقاؤ کے وزیر دربار خان کا بھائی تھا - امان اللہ خاں کی حکومت کے خاتمہ پر جب بچہ سقاؤ کا کابل ت پر قبضہ ہوگیا تو بچہ سقاؤ کا وزیر جنگ مقرر ہوا - اور یہ اس گروہ کا ایک جو نادر شاہ افغان کے حکم سے بچہ سقاؤ کے ساتھ چاند ماری کیا گیا -

غرضیکہ ہم ڈکہ سے روانہ ہوکر لبی کوٹ کے مقام پر پہنچے - یہ ایک پڑاؤ ہاں ایک کچی سرائے بنی ہوئی تھی - جہاں قافلے والے سوداگر اور مسافر رات کرتے تھے - اس سرائے سے باہر ایک کھانے پینے اور چائے کی ایک دکان تھی - دار کی اسی چائے والی دکان کے ساتھ ایک کوٹھری تھی - اس نے ہمیں سرائے کے تین کوٹھریاں جن کی حالت نسبتاً اچھی تھی ، رات بسر کرنے کے لیے دیں - ہمارے ٹانگے پر ایک خوب صورت جھنڈا لہراتے ہوئے دیکھ کر گمان کر لیا تھا ول معتبروں کا قافلہ ہے - ویسے ہم سے پہلے جو مہاجر یہاں سے ہوکر گذر چکے تے وہ سن چکا تھا کہ ہندوستان میں ہجرت کی تحریک شروع ہو چکی ہے اور روں کے ملک سے ہجرت کرکے مسلمان ہمارے ملک میں آ رہے ہیں - اس نے ہماری ہمت کی اور مقدور بھر ہمیں خوش کرنے کی کوشش کی - صبح ہم نے رکو حساب کرکے پیسے وغیرہ دیے اور اپنے ٹانگوں پر سوار ہو کر جلال آباد روانہ ہوئے -

لبی کوٹ کے دورویا میں سفید کوہ کا سلسلہ ہے جس کی چوٹیاں ہمیشہ برف سے ہی ہیں اسی سلسلے کے پیش رو دامنہ جبال سے لےکر سڑک تک ایک وسیع و لق و ہے - بٹی کوٹ کا دشت زہریلے سانپوں کا جنگل بھی ہے - دشت کے کناروں پر آباد ہیں - (اس زمانے میں تو خاصی آبادی اور رونق ہو چکی ہے) - یہاں ایک

سانپ زیارت ہے ۔ اس کے متعلق لوگوں کا عقیدہ ہے کہ یہاں اگر کوئی چلہ کرے تو سانپ کا ڈسنا اس پر اثر نہیں کرسکتا ۔ جن لوگوں کے پاس یہ کرامت ہے ، وہ جھاڑ پھونک سے بھی سانپ کے کاٹے ہوؤں کا علاج کرتے ہیں اور مشہور ہے کہ عام طور پر شفا ہو جاتی ہے ۔ ایسے لوگوں کے متعلق یہ بھی روایت ہے کہ بچھو اور سانپ انھیں نہیں کاٹتے ۔ سانپ کے متعلق تو مجھے علم نہیں لیکن بچھوؤں کے متعلق تو میں نے چشم دید دیکھا کہ ایک سپاہی جو ٹبی کوٹ کا رہنے والا تھا اور جس کے پاس یہ منتر یا علم تھا بچھوؤں کو زندہ ہاتھ میں پکڑ کر ان سے کھیلتا تھا اور وہ اسے ڈنگ نہیں مارتے تھے ۔

ٹبی کوٹ سے چل کر ہم سیدھے جلال آباد پہنچے عصر کا وقت شام میں تبدیل ہو رہا تھا ۔ یہاں ہمیں ٹھیک اس عارت میں لے گئے جہاں پاکستان کا قونصل خانہ تھا (پاکستان کا قونصل خانہ اب جلال آبا میں ہے کہ نہیں یہ مجھے معلوم نہیں کیونکہ افغانستان کے ساتھ ہارے تعلقات کے بگاڑ پر جلال آباد میں پاکستانی قونصل خانہ کو لوٹ لیا گیا تھا ۔ اس کے بعد سفارتی تعلقات منقطع ہوگئے تھے اور تجدید ہونے پر صرف سفارتیں تو قائم ہوئی تھیں مگر قونصل خانوں کے قیام کے متعلق سمجھوتہ معطل کر دیا گیا تھا) اس عارت میں پہنچ کر جن لوگوں نے ہارا خیر مقدم کیا ، ان میں وہ نوجوان طلباء پیش پیش تھے ۔ جو ۱۹۱۵ء میں خلیفۃ المسلمین کے اعلان جہاد سے متاثر ہوکر اپنے دیگر رفقاء کے ساتھ شمال مغربی آزاد سرحدات سے گذر کر افغانستان پہنچے تھے اور یہاں امیر حبیب اللہ المعروف امیر شہید نے انھیں نظر بند کر دیا تھا ۔ ان میں سے ایک مولوی ظفر حسن تھے اور دوسرے مولوی اللہ نواز خاں ۔

مولوی ظفر حسن سے ہاری پاکستانی پبلک ، ان کی ایک تصنیف کے ذریعے آشنا ہو چکی ہے ۔ یہ اس وقت اگر زندہ ہیں اور ریٹائرڈ نہیں ہو چکے تو ترکی جنرل اسٹاف کے کسی بڑے عہدے پر ہوں گے ۔ اور مولوی اللہ نواز خاں ۱۹۲۹ء کے انقلاب افغانی میں میرے ساتھی رہے ہیں ۔ یہ نادر شاہ افغان کے زمانے میں ان کے پرائیویٹ سیکرٹری کے عہدے پر فائز ہوئے ۔ یہ ۱۹۵۶ء تک جب کہ میں زندان کابل سے رہا ہو کر پاکستان آیا ہوں ، زندہ تھے اور غالباً اب تک زندہ ہوں گے ۔

مولوی ظفر حسن خاں اور مولوی اللہ نواز خاں دونوں بہ حیثیت ترجمان محمد نادر خاں سپہ سالار کے ہاں ملازم تھے ۔ ان دونوں کو اس کا اعتماد حاصل تھا مولوی ظفر حسن خاں کو زیادہ اور مولوی اللہ نواز خاں کو کم ۔ یہ دونوں اس کی طرف سے مہاجرین کے مہمان دار مقرر ہوئے تھے ۔ فارسی اصطلاح میں میزبان کو مہمان دار

ہیں ۔ ان کے ساتھ جلال آباد شہر کے بعض معززین بھی شامل کیے گئے تھے ۔
مہاجرین کا استقبال اور ان کی مہمان داری کے فرائض انجام دینے کے لیے یہ ایک
کمیٹی تھی جو حکومت جلال آباد کی طرف سے مقرر کی گئی تھی ۔ یہ عمارت
میں نے ذکر کیا ہے ، خاصی وسیع تھی ۔ اس کی پشت پر سپہ سالار محمد نادر خان
منٹ ہاؤس تھا ۔ مجھے اور میرے ساتھیوں کو اسی عمارت میں ٹھہرایا گیا ۔ اگلے دن
خان سے ہماری ملاقات ہو گئی ۔ اس وقت تک (خواجہ محمد) پشاور کے جملہ حالات
ں کے جوش و خروش ہمارے استقبال اور راستے میں انگریز فوجی افسروں سے
ہیڑ کی کیفیت سے اسے مطلع کر چکا تھا ۔ صبح کا وقت تھا ۔ ایک وسیع سبزہ زار
یں ایک شان دار خیمہ نصب تھا ۔ اسی میں اس نے ہم سے ملاقات کی ۔ وہ بڑے
ے ہمارے ساتھ پیش آیا ۔ جس وقت ہم خیمے میں داخل ہوئے وہ ، اپنی کرسی سے
ہوا ہوا اور اس نے آگے بڑھ کر ہم سے مصافحہ کیا پھر ہر ایک سے بغل کشی کی ۔
کشی" بھی فارسی کی ایک اصطلاح ہے بغل کشی آپس میں ایک دوسرے کو
کے وقت سینے سے لگانے کو کہتے ہیں ۔ اس رسم کے بعد ہم کرسیوں پر بیٹھ
اس نے ہر ایک سے احوال پرسی کی اور ہر ایک کو خوش آمدید کہا ۔ اس کے بعد
کے موضوع پر گفتگو شروع ہوئی ۔ مجھے اس کی گفتگو سے احساس ہوا کہ جہاں وہ
یک سے خوش ہے ، وہاں وہ کچھ متفکر سا بھی ہے ۔ باتیں کرنے کے بعد اس نے
ن کے لیے جلال آباد میں ٹھہرا لیا اور میرے باقی ساتھیوں کو کابل کی طرف
کر دیا ۔ ابھی تک کسی کے وہم و گمان میں نہ تھا کہ صرف چند ہفتوں کے
ہزاروں کی تعداد میں مہاجرین کے قافلے افغانستان میں داخل ہونے شروع
ہو گئے ۔

ہماری ملاقات سے پہلے صبح کو ایک معمولی سا حادثہ پیش آ چکا تھا ۔ گرمی
شروع ہو چکی تھی ، میں ایک کھلی جگہ نل کے نیچے غسل کر رہا تھا ۔ میرے
ایک گولڈن ریسٹ واچ تھی—یہ وہی گھڑی تھی ۔ جو پشاور سے سفر شروع
ہونے لوگوں کے بھرے مجمع میں گر گئی تھی—اسے میں نے اتار کر ایک اونچی
رکھ دیا ۔ جب میں غسل سے فارغ ہوا تو اسے اٹھانا بھول گیا ۔ کمرے میں آیا جو
کے متصل تھا ۔ تو معاً متوجہ ہوا کہ گھڑی بھول گیا ہوں ۔ لپک کر وہاں
گھڑی وہاں سے غائب تھی اس جگہ ادھر ادھر فوجی ہی رہتے تھے ۔
ظفر حسن خان آئے ان سے میں نے اس کا ذکر کیا انھوں نے فوراً تفتیش شروع کی ۔

مگر گھڑی دستیاب نہ ہو سکی ۔ اس کا علم محمد نادر خاں کو بھی ہوا ۔ انھوں نے مولوی ظفر حسن سے کہا کہ ایک گھڑی سرکاری توشہ خانہ سے لےکر مجھے اس کے عوض دے دیں ۔ میں نے مولوی ظفر حسن سے کہا اُس کی چنداں ضرورت نہیں لیکن انھوں نے مجھ سے کہا کہ یہاں اِنکار کو اچھا نہیں سمجھتے ۔ میں نے بھی مزید اصرار نہ کیا اور گھڑی لے لی ۔

دوسرے دن معلوم ہوا کہ ایک اور قافلہ آیا ہے اس میں دہلی کے چند اشخاص تھے اور ان میں ایک شخص عبدالرشید بھی تھا ؛ یہ کتابت کا کام جانتا تھا ۔ ان دنوں جلال آباد سے ایک ہفتہ وار اخبار ''اتحاد مشرق'' نکلتا تھا اور چونکہ مولوی ظفر حسن کا اس اخبار سے تعلق تھا ، انھوں نے عبدالرشید کو اس میں بطور کاتب کے جگہ دلوا دی تھی ۔ اس طرح عبدالرشید جلال آباد ہی میں متمکن ہو گیا تھا اور کابل نہیں آیا تھا ۔ نہ معلوم بعد میں کیا افتاد پڑی کہ یہ اور مہاجرین کے ساتھ واپس ہندوستان لوٹ گیا ۔ یہ وہی دہلی کا رہنے والا عبدالرشید تھا جس نے سوامی شردھا نند کو قتل کر دیا تھا اور انگریزوں نے اسے پھانسی کی سزا دی تھی ۔ کہتے ہیں کہ اس کی لاش کے واپس لینے میں مسلمانان دہلی نے بہت بڑا ہنگامہ برپا کیا تھا ۔

میں جتنے دن جلال آباد میں رہا محمد نادر خاں سے ہر روز ملتا رہا اس کے بھائی سردار محمد ہاشم خاں سے بھی میری یہیں ملاقات ہوئی تھی ۔ وہ اس وقت فوج میں جرنیل کا عہدہ رکھتا تھا ۔ یہ دونوں بھائی اچھی خاصی اردو بولتے تھے ۔ محمد نادر خاں فصیح تر تھا ، ہم آپس میں اردو ہی میں بات چیت کیا کرتے تھے ۔ محمد نادر خاں اور اس کا سارا خاندان مدتوں ہندوستان میں جلا وطن رہا ۔ اس خاندان کے افراد کی ڈیرہ دون میں سکونت تھی وہیں انھوں نے تعلیم حاصل کی اور وہیں انھوں نے تربیت پائی اس لیے وہ ہندوستانی مسلمانوں سے بے حد مانوس اور بہت بڑی حد تک اپنے آپ کو ہندوستانی ہی سمجھتے تھے ۔ یہی وجہ تھی کہ ہجرت کے زمانے میں افغانستان میں مہاجرین ان کی طرف رجوع رہے اور ان کی ساکھ بٹھانے میں اس ملک کی سیاسیات میں ان کے بڑے کام آئے ۔

محمد نادر خاں نے تیسری (افغانی ۔ انگریز) جنگ میں اپنا نام پیدا کیا تھا ۔ یہ افغانستان کے جنوبی محاذ کا کمانڈر بنایا گیا اور جبکہ دوسرے محاذوں پر افغانوں کو شکست ہوئی تھی ، اس نے بڑھ کر ''تھل'' پر قبضہ کر لیا تھا ۔ تھل اگرچہ انگریزوں کا

بیرونی چوکی تھی لیکن چونکہ انگریزی حکومت کا افغانوں کی حکومت سے کوئی
ہی نہ ہو سکتا تھا اس لیے ان کے ہاتھوں سے تھل نکل جانا افغانوں کی بہت بڑی
سمجھی گئی - فرانس نے اسے بہت اچھالا اور یورپ میں انگریزوں کا پریسٹیج اس
بہت کم ہو گیا -

محمد نادر خاں کی اس کامیابی میں زیادہ تر ہاتھ ہندوستانی مہاجرین کا تھا جو
کے شانہ بشانہ لڑ رہے تھے - مولانا عبیداللہ سندھی انھی مجاہدین کے ذریعے ہندوستان
اندر بغاوت پھیلانے کی سعی کر رہے تھے - شمال مغربی سرحدی صوبہ مجاہدین کے اس
پیگنڈا اور تبلیغ سے آگ بن چکا تھا - خود انگریزی جرنیلوں نے کھلے بندوں اپنی
ں میں اس امر کا اعتراف کیا ہے - انگریزوں نے اسی لیے اس جنگ کو بند کر کے
تھا بجائے صلح کی گفتگو کی بناء ڈالی تھی - اس کا سارا کریڈٹ پولیٹیکل اور ملٹری
ن پر محمد نادر خاں کو ملا - تاہم تاریخ کے صفحات ان لوگوں کو فراموش نہیں
س سکیں جن کی بدولت یہ اعزاز اسے نصیب ہوا - اس لیے میں نے یہاں اس کے متعلق
ی نسبت اشارہ کر دیا ہے - یقیناً تھل کی فتح میں مجاہدین ہندیہ کی سرفروشانہ جد و جہد
ریا نمایاں ہاتھ ہے -

میں محمد نادر خاں سے رخصت ہو کر جلال آباد سے کابل کی طرف روانہ ہوا -
ساتھ ایک محافظ کر دیا گیا تھا اور راستہ بھر مجھے سرکاری "ریسٹ ہاؤس" میں
کا اجازت نامہ بھی دے دیا گیا تھا - میں اس سے پیشتر ہندوستان میں کشمیر کا
کر چکا تھا ، اس لیے پہاڑی راستوں کے نشیب و فراز اور ان کے پر پیچ ہونے سے
تھا تاہم کشمیر کی سڑک پختہ اور ہموار اور یہاں معاملہ بالکل برعکس تھا -
سے کابل تک ۶۱ کرد کی مسافت تھی (ایک کرد تقریباً پونے دو میل کا
تھا ، چونکہ قافلے اکثر پیادہ سفر کرتے تھے اور مال اونٹوں ، خچروں اور
پر لدتا تھا اس لیے ہر چھ کرد پر ایک سرائے بنی ہوئی تھی جسے پڑاؤ کہتے
سرکاری ریسٹ ہاؤس دو دو تین تین پڑاؤ کے فاصلے پر بنے ہوئے تھے - یہ ریسٹ
جلال آباد سے کابل تک امیر حبیب اللہ خاں نے تعمیر کروائے تھے - ان کے متعلق
تھا کہ جو سالانہ وظیفہ سرکار انگریزی سے انھیں ملتا تھا ان سے وہ عمارتیں
کروائے تھے - جلال آباد کا شاہی محل، باغ کوکب شاہی باغ یہ سب انھی کی
تھے اور چونکہ موسم سرما میں وہ اکثر جلال آباد آ جایا کرتے تھے - اس لیے
راستہ بھر میں اپنے لیے ریسٹ ہاؤس بنا رکھے تھے - ان کے مصاحبوں اور

مستمدمین کے لیے بھی ان میں ٹھہرنے کی جگہیں بنی ہوئی تھیں ۔ مجھے جو اجازت
دیا گیا تھا وہ انھی جگہوں کے لیے تھا ۔ میں جس پڑاؤ پر ٹھہرتا میرا محافظ مجھے
ریسٹ ہاؤس کی طرف رہبری کرتا اور ان میں سے ایک کمرہ مجھے دیا جاتا ۔ اس زمانے
میں جو راستہ کابل کو جاتا تھا وہ خاک جبار سے ہو کر گذرتا تھا ۔

ہم جگدلک سے ''باری کاؤ" اور باری کاؤ سے خاک جبار اور خاک جبار
بت خاک اور پھر کابل پہنچے ، یہ راستہ تمام پہاڑی تھا اور بڑے بڑے نشیب و فراز
رکھتا تھا ۔ خاک جبار کی کوتل سب سے صبر آزما کوتل تھی ، کوتل گردنہ کو، کو
کہتے ہیں جہاں بلندی اور پستی دونوں آ کے مل جاتی ہیں ۔ راستہ صرف ناہموار ہی نہ
تھا بلکہ کھردرا بھی تھا ۔ بڑی بڑی چٹانیں جو بیلچوں ، کدالوں اور بڑے بڑے ہتھوڑوں
سے توڑ کر ہموار نہ کی جا سکتی تھیں ، اسی طرح سطح سے ابھری ہوئی چھوڑ دی گئی
تھیں ۔ جن پر سے گھوڑا گاڑی یا کسی موٹر وغیرہ کا گذرنا نہایت دشوار اور احتیاط کا کام
تھا ۔ سڑک کی یہ افتادہ حالت صدیوں پہلے کی کاروان گذری کی مشقتوں اور زحمتوں کا
پتہ دیتی تھی ۔ میں نے جب اپنے محافظ سے اس ابتری کی وجہ دریافت کی تو اس نے مجھے
امیر عبدالرحمان خاں کے زمانے کا ایک قصہ سنایا ۔ اس نے کہا کہ امیر عبدالرحمان خاں
کی ایک بڑے خان نے اپنے ہاں دعوت کی تھی ۔ اس خان کا قلعہ شاہراہ سے ہٹ کر
کسی قدر دور پہاڑ کے ایک دامن میں واقع تھا ۔ اس نے امیر صاحب کی آمد سے پہلے
اپنے آدمیوں کو مامور کر دیا کہ شاہراہ سے اس کے قلعے تک پہنچنے کی جو راہ ہے اس
سے پتھروں کو صاف کرکے راہ کو کسی قدر ہموار کر دے تاکہ امیر صاحب کو اس سے
گذرنے میں کوئی تکلیف نہ ہو ۔ اس زمانے میں کابل سے باہر امیر عبدالرحمان کے لیے بھی
گھوڑا گاڑی استعمال نہ ہوتی تھی ۔ بلکہ اگر بہت ہی زیادہ کٹھن راستہ ہوتا تو امیر
عبدالرحمان کو پالکی میں سوار کرکے لوگ کاندھوں پر اٹھا کر سفر طے کیا کرتے تھے
(ہمارے خواجہ ناظم الدین گورنر جنرل پاکستان نے جب دیر کا سفر کیا تھا تو ان کے
لیے بھی ریاست دیر کے نواب نے پالکی ہی مہیا کی تھی) ۔ امیر عبدالرحمان خاں کو نقرس
کا مرض بھی تھا ۔ اس لیے وہ ہاتھی یا پالکی پر سوار ہوکر سفر کیا کرتا تھا ۔ غرضیکہ جب
امیر عبدالرحمان خان اپنے مصاحبوں کے ساتھ اس خان کے ہاں پہنچا تو سڑک کو ہموار
دیکھ کر غصے سے بھڑک اٹھا اور گالی دیتے ہوئے اسے کہنے لگا کہ تو نہیں جانتا کہ میں
چاہتا ہوں کہ اگر کوئی ٹیلہ بھی ہموار نظر آئے ۔ تو میں اسے پتھروں سے اوٹ دوں ۔ اور
تو راہوں کو میرے لیے ہموار کر رہا ہے تاکہ کل کو اگر دشمن میرے ملک پر حملہ
کر دے تو آسانی سے گذر سکے ۔ اسے فوراً پھر اسی طرح کر دو ۔

افغانستان میں اب تک جو ریل جاری نہیں ہوئی ، وہ بھی اسی مفکورہ کے
ہے -

اب ہم کابل شہر میں پہنچ چکے تھے - یہ غروب آفتاب کا وقت تھا - یہاں
یا کوئی پرسان حال نظر نہ آیا - جلال آباد سے کابل تک کی منزلیں اگرچہ متعین
لیکن کتنے دنوں میں یہ منزلیں طے ہوں گی ، اس کے لیے پہلے سے کچھ کہنا نہ
کتا تھا - یہ راہ کی سختی ، مسافروں کی خواہش اور گھوڑوں کی طاقت پر موقوف تھا -
ین دن ، کبھی چار اور کبھی سات سات دن لگ جاتے تھے - لہٰذا شکوہ کی کوئی
ہو سکتی تھی - کابل سے جلال آباد تک ٹیلیفون کا سلسلہ بھی بڑا دقیانوسی
راستے بھر میں جتنے بھی ریسٹ ہاؤس تھے ، وہ گویا ٹیلیفون کا کنیکشن ملانے
تر تھے - اس طرح کابل سے جلال آباد تک منزل بہ منزل ٹیلیفون کرکے رابطہ
رنا ہوتا تھا اور پھر وہ حکومت کے لیے مخصوص تھا - ایسے حالات میں نہ
آباد کا گورنر میرے کابل پہنچنے کا وقت تعین کر سکتا تھا اور نہ کابل کی
ت ہی میرے کابل پہنچنے کی اطلاع پا سکتی تھی -

میرا محافظ مجھے ''امین العسس'' یعنی کوتوال شہر کے ہاں لے گیا - وہ خود
موجود نہیں تھا - اس کے سپاہیوں نے یہ جان کر کہ میں ایک مہاجر ہوں اور کابلیوں کی
نظر میں (معتبر) آدمی ہوں - بڑے احترام سے اپنے ایک کمرے میں مجھے جگہ دی -
چارپائی پر میرا بستره بچھا دیا گیا اور میں اس پر بیٹھ گیا - انھوں نے فوراً میرے
لیے بنوائی اور چینی ڈال کو مجھے پلوائی - کابل میں چائے بغیر چینی کے پیتے ہیں
اور پیتے ہیں - چینی صبح کے ناشتے کے وقت استعمال ہوتی ہے - وہ بھی پہلی پیالی
میں ڈالی جاتی ہے اور باقی تلخ یعنی بغیر چینی کے پی جاتی ہے -

سپاہیوں کا کمرہ دھواں لگ لگ کر اندر سے بالکل سیاہ ہو چکا تھا - صفائی
نام کو نہ تھی اور ایک عجیب سا تعفن موجود تھا - لیکن یہاں ہجرت کی خوشی تھی -
ان چیزوں کو نظر انداز کیا گیا - میرا محافظ نہ معلوم کہاں چلا گیا تھا - شاید اس نے
سمجھا ہو کہ اس نے میرے پہنچانے کا فرض ادا کر دیا ہے - پھر وہ مجھے کبھی نہیں
ملا - تھوڑی دیر بعد ایک سپاہی عجلت میں کمرے کے اندر داخل ہوا اور کہنے لگا کہ
''امین العسس'' صاحب آپ کو بلا رہے ہیں - اس نے یہ جملہ فارسی میں کہا تھا اور
مجھے یہاں آتی نہ تھی - وہ اشارے میں بہترا سمجھاتا - مگر میں جان بوجھ کر اغماض
کرتا کیونکہ میں کابل کے مشقت آزما سفر سے چکنا چور ہو چکا تھا اور اسے صبح کو

دیکھا جائے گا کہہ کر ٹالنا چاہتا تھا ۔ آخر وہ مجبور ہوکر واپس چلا گیا ۔ مگر تھوڑی دیر بعد ایک معزز قطع کے آدمی کو میرے پاس اپنے ساتھ لایا ۔ اس نے آتے ہی میرے ساتھ سلام علیک کیا اور معانقہ کرنے کے بعد اردو زبان میں کہا ''چلیے ۔ امین العسس صاحب آپ کا انتظار فرما رہے ہیں'' اور نیز کہا کہ میں بھی مہاجر ہوں ۔ اس کا نام عبداللطیف تھا اور یہ کوہاٹ کا رہنے والا تھا ۔ یہ اپنے بھائیوں اور اپنے اہل خانہ سمیت غالباً امیر حبیب اللہ کے زمانے میں افغانستان آیا تھا اور امان اللہ خاں کی حکومت میں رسوخ رکھتا تھا ۔

اس کے بے حد اصرار کرنے سے میں اٹھ کر اس کے ساتھ ہو لیا اور ہم سامنے والی ایک بڑی حویلی میں داخل ہوئے ۔ یہیں امین العسس صاحب کا دفتر تھا ۔ یہ مجھے ایک کمرے میں لے گئے جو بہت آب و تاب کے ساتھ سجایا ہوا تھا ۔ بڑے خوش نما قالین بچھے ہوئے تھے ۔ وسط میں ایک روسی ساخت کا کلدار چراغ روشن تھا اور ایک نوجوان مسند پر تکیہ لگائے بیٹھا تھا ۔ وہ ہمیں دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا اور مجھ سے گرم جوشی سے ملا ۔ اس نے پاس ہی مسند پر مجھے بٹھا لیا اور معذرت کرتے ہوئے کہا کہ چونکہ ہمیں خبر نہ تھی کہ آپ کس وقت پہنچیں گے ورنہ آپ کو تکلیف نہ ہوتی ۔ آپ اسی جگہ میرے پاس آ جائیں ۔ میں نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ چونکہ میں بے حد تھکا ہوا ہوں اس لیے جو انتظام آپ کو کرنا ہوگا اسے صبح پر اٹھا رکھیے ۔

دوسری صبح انھوں نے مجھے ''امین نظام'' کے گھر بھیج دیا ۔ جہاں میں تقریباً چھ ماہ تک رہا ۔ ''امین نظام'' کا عہدہ ان دنوں ''چیف آف دی جنرل سٹاف'' کے مشابہ تھا ۔ میر محمد ہاشم خاں جو بعد میں افغانستان کے پہلے وزیر مالیہ بنے ۔ اس وقت چیف آف دی جنرل سٹاف تھے ۔ چیف آف دی جنرل سٹاف کے ذمہ ان دنوں سپاہ عسکری کا فراہم کرنا ، فوجیوں کا ریکارڈ رکھنا اور ان کو تنخواہیں وغیرہ بانٹنا ہوتا تھا ۔

دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ خان عبدالغفار خاں اور مولوی عبدالحق صاحب کابل میں تو ایک مہینے سے زائد ہوا آ چکے ہیں مگر ابھی تک انھیں کسی نے پوچھا تک نہیں ۔ میں جب عبدالغفار خاں سے ملا تو وہ بہت مایوس نظر آتا تھا لیکن بیچارہ ابھی تک ہجرت کی تحریک کے متعلق کسی کو پتہ نہ تھا کہ اس کا انجام کیا ہوگا اس لیے سب کوئی ''تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو'' کے منتظر تھے ۔

ہم افغانستان میں کیا داخل ہوئے تھے گویا سارے جہاں سے کٹ گئے تھے ۔ ...ین میں کیا ہو رہا ہے ، کوئی خبر نہ ملتی تھی ۔ تقریباً ایک ڈیڑھ ہفتہ بالکل ...ی رہی ۔ کابل سے ایک اخبار ''امان افغان'' ہفتہ وار نکلتا تھا مگر وہ صرف داخلی ...شائع کرتا تھا ۔

کابل میں ہجرت کی تحریک سے قبل آئے ہوئے ہندوستانی جلاوطنوں یا مہاجروں ...جو اڈے تھے ۔ یہ باہم متفرق اور ایک دوسرے سے رقابت رکھتے تھے ۔ ان سب ...سر اڈہ مولانا عبیداللہ سندھی کا تھا جو ایک طرف امان اللہ خاں اور عائدین ...ت کے نزدیک اعتبار رکھتا تھا ۔ تو دوسری طرف سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل ...کی قائم کردہ جماعت مجاہدین سے تعلق قائم کیے ہوئے تھا ۔ اس کے زبردست یا صحیح ...میں زیر تربیت لاہور اسلامیہ کالج کے وہ چند نوجوان بھی تھے جو خلیفۃ المسلمین ...کی اعلان جہاد ١٩١٥ع سے متاثر ہو کر بھاگ نکلے تھے ۔ ان میں سے بعض تو ایرانی ...سے گذرتے ہوئے پکڑے گئے تھے اور بعض کابل میں رہ گئے تھے ۔ امیر حبیب اللہ ...نے مولانا عبیداللہ سندھی کے ساتھ انھیں ایک گھر میں خانہ نشین کر رکھا تھا ۔ ...غازی امان اللہ خاں سے اس کی شہزادگی کے زمانے میں خفیہ نشست و برخاست ...تے تھے ۔

''خانہ نشینی'' بھی ایک قسم کی نظر بندی ہوتی ہے ۔ ایسے لوگوں کو ایک ...مکان دے دی جاتی ہے جس میں وہ آزادانہ رہتے ہیں ۔ باہر پہرہ مقرر کیا جاتا ہے ۔ ...کہ وہ باہر نہ جانے پائیں ۔ لیکن تھوڑی سی مدت میں پہرے داروں سے واقفیت ہو جاتی ...وقت چوری چھپاتے بہت سے کام ہونے لگتے ہیں ۔ ان نوجوانوں میں جو مولانا کے ...ہیں ، قابل ذکر مولوی ظفر حسن اور مولوی اللہ نواز خاں ہیں اور ان کے علاوہ ...علی ذکریا اور خوشی محمد بھی تھے ۔ جو دونوں روس چلے گئے تھے ۔ میں دونوں ...ہوں ۔ ایک میرے سامنے روس گیا دوسرا میرے سامنے روس سے واپس آیا ۔ ...واپس آیا خوشی محمد تھا ۔ اس نے اپنا نام تبدیل کر کے احمد حسن رکھ لیا ہوا ...ے مجاہدین میں یہ قاعدہ چلا آیا ہے کہ وہ اپنے نام کو باہر جا کر تبدیل کر دیا ...ہے ۔ لیکن مولانا عبیداللہ سندھی نے اپنا نام تبدیل نہیں کیا تھا ۔

دوسرا اڈہ عبداللطیف کوہاٹی کا تھا ؛ یہ ''امین العسس'' سے وابستہ تھا ۔ ...جس کا نام شجاع الدولہ تھا ۔ عبداللطیف کوہاٹی اور شجاع الدولہ کی گاڑھی ...تھی ۔ لوگوں کو شبہ تھا کہ عبداللطیف کوہاٹی شجاع الدولہ کا مخبر بھی ہے اس لیے

ملنے والے اس سے احتیاط کرتے تھے -

تیسرا اڈہ محمد اسلم پشاوری کا تھا ، یہ بڑا فصیح اللسان اور چالاک فطرت شخص تھا - اس کے ڈیرے پر عام مہاجرین کا بڑا ہجوم رہتا تھا اسے اپنی نام آوری کی بڑی تمنا اور خواہش تھی اس کے لیے وہ ادھر آدھر توڑ جوڑ کرتا رہتا اور حکومت کی مخبری کرنے سے بھی گریز نہ کرتا ، اسے حکومت سے خفیہ تنخواہ بھی ملتی تھی اور ایک بڑا سا گھر رہنے کو بھی ملا ہوا تھا -

چوتھا اڈہ مولانا نجف علی اور ڈاکٹر عبدالغنی کا تھا - یہ دونوں آپس میں بھائی ہوتے تھے - ڈاکٹر عبدالغنی نے غالباً علی گڑھ میں تعلیم حاصل کی تھی - یہ امیر حبیب اللہ خاں کے زمانے میں ملازمت کے سلسلے میں افغانستان آیا تھا - نجف علی اس کا بڑا بھائی تھا - اسے بھی اس نے ملازمت ہی کے سلسلے میں افغانستان بلا لیا تھا - افغان نوجوان پارٹی جو امیر حبیب اللہ خاں کی بعض حرکات سے تنگ آئی ہوئی تھی ، ڈاکٹر عبدالغنی اور مولانا نجف علی کے ساتھ مل کر چاہتی تھی کہ ملک میں "مشروط حکومت" کا نظام پیدا کیا جائے (مشروط حکومت پارلیمنٹری حکومت کو کہتے ہیں) ، کسی طرح امیر حبیب اللہ خاں کو اس کی خبر ہوگئی تھی - چنانچہ اس نے ان دو بھائیوں اور افغانی نوجوانوں کو قید کر دیا ہوا تھا - ان سب کی امان اللہ خاں کے عہد میں نجات ہوئی - ان میں سردار عبدالہادی خاں بھی جو آج کل پارلیمنٹری اپر ہوس کا چیئر مین ہے ، شامل تھا اور دوسرے بعض نوجوان بھی تھے - یہ لوگ گیارہ سال جیل میں نظر بند رہے - مولانا نجف علی اپنی نظر بندی سے پہلے غازی امان اللہ خاں کے اتالیق بھی رہ چکے تھے - اس لیے ان کی امیر امان اللہ خاں بہت حرمت کرتا تھا - لوگ سفارش کے لیے ان سے رجوع کرتے تھے - ان کا غالباً صدر اعظم بابا عبدالقدوس خاں سے تعلق تھا - امیر حبیب اللہ خاں کے زمانے میں یہ عہدہ اعزازاً سردار عبدالقدوس خاں کو دیا گیا تھا - جو محمد زئی قبیلے کے با اثر سرداروں میں سے ایک تھا - اس کا بڑا بیٹا سردار علی محمد اب تک موجودہ بادشاہ محمد ظاہر کا وزیر دربار ہے اور اس سے پہلے وزیر خارجہ رہ چکا ہے - کہتے ہیں کہ سردار بابا عبدالقدوس کے کثرت سے اتنے بیٹے تھے کہ وہ ان کے ناموں کی شناخت تک نہ کر سکتا تھا -

ہمارے جلاوطن مہاجرین کے دو "سیار اڈے" بھی تھے - سیار اس لیے کہ ان کے ہاں لوگ تو نہ جاتے تھے مگر وہ خود حکومت کے افسروں کے پاس آتے جاتے رہتے تھے - ایک ان میں سے آغا علی شمس تھے جو باوجود شیعہ ہونے کے خلاف

ی ایسے ماتم پوش ہوئے کہ انھوں نے پھر زندگی بھر اپنا سیاہ ماتمی لباس نہ اتارا ، گڑھ کالج کے تعلیم یافتہ تھے اور غالباً پہلی جنگ کے دوران ہی میں پشاور سے ن کی طرف خفیہ ہجرت کر گئے تھے ۔ وہ مولانا محمد علی اور شوکت علی کو نزدیک تھے اور حکومت افغانستان اور ہم سب انھیں قدر و احترام کی نظروں سے تھے ، وہ پارٹی بازی سے نفرت کرتے تھے ، سب سے یکساں ملتے تھے اور کسی ت نہ کرتے تھے ۔ مگر مولانا عبیداللہ سندھی کی بنا کر دہ (عارضی حکومت) کے ملاف تھے ۔

دوسرا (سیار اڈہ) سردار محمد اسلم خاں بلوچ کا تھا ۔ یہ بلوچوں کے ایک مشہور قبیلے سے تعلق رکھتا تھا ۔ یہ بڑا ذہین اپنی دھن کا پکا اور ایک پر جوش مجاہد تھا ۔ یہ ایک زمانے میں امرتسر میں ایک ہفتہ وار اخبار ''اراعیں'' کا ایڈیٹر رہ چکا تھا ۔ میں اس کے نام سے امرتسر ہی میں واقف ہوا تھا غالباً میں نے اسے ی تھا ۔ یہ ایڑیاں اٹھا کر راہ چلا کرتا تھا ۔ اس لیے یہ لوگوں کی نظروں میں جاتا تھا ۔ اس کے ساتھ بلوچوں کا ایک اور سردار بھی تھا جس کا نام سردار خاں تھا ۔ اس نے ایک وقت انگریزوں کے برخلاف بغاوت کی تھی ۔ لیکن جب پیش نہ چلی تو وہ افغانستان کی طرف ہجرت کر گیا تھا ۔ سردار مصری خاں سردار محمد اسلم بلوچ دونوں کو حکومت افغانستان سے تنخواہ ملتی تھی ۔ وہ کابل ہی تھے حکومت کے افسر ان کی بڑی عزت کرتے تھے ۔ سردار محمد اسلم خاں بلوچ کے آخری سالوں میرے ساتھ مل کر کام کرتا رہا ۔

یہاں ان اوراق کے قارئین یہ بات نوٹ فرما لیں کہ افغانستان میں ہجرت کا زمانہ سے شروع ہوکر ۱۹۳۰ء پر ختم ہو جاتا ہے ۔ ۱۹۳۰ء میں میں ہندوستان آگیا تھا ، اگرچہ میرے بعد بھی بعض مہاجرین کابل میں ٹھہرے رہے ۔ میں بالآخر واپس لوٹنا پڑا اور جو باقی رہے وہ گویا افغانوں میں مدغم ہوکر

مولانا عبیداللہ سندھی چند دن بعد مجھ سے ملنے کے لیے آئے ۔ ایک بڑا سا ک کا چغہ پہنے ہوئے جس کے کناروں پر ڈوری سے بیل بوٹے بنے ہوئے تھے ۔ کرتہ اور پاجامہ کھدر کا تھا ۔ ناک میں نسوار سونگھنے کے بڑے عادی تھے اور ت سے پیتے تھے ، شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے شاگرد ہونے پر انھیں بڑا ۔ شیخ الہند نے مالٹا کی نظر بندی سے واپس آتے ہی انھیں آزاد سرحدات ہند کی

طرف نکل جانے کا حکم دیا تھا - یہ پہلے جماعت مجاہدین میں چمر قنڈ میں پہنچے اور پھر افغانستان چلے آئے چونکہ بڑے پایہ کے عالم تھے ، انھیں عزت و احترام سے دیکھا گیا اور چونکہ طبیعت کے بڑے ذہین اور سیاسی دماغ رکھتے تھے - اس لیے ایک ہی نظر میں افغانستان کے سیاسی حالات کو بھانپ گئے - امیر حبیب اللہ خاں کے بیٹوں میں سب سے زیادہ امان اللہ خاں سیاسی دل و دماغ کے مالک تھے - سردار محمود طرزی جو ایک عرصہ عرب جلاوطن رہنے کے بعد امیر حبیب اللہ کے زمانے میں اپنے وطن واپس آچکے تھے - اپنی دو نوجوان صاحب زادیوں کو بھی جو عربی ماں کے پیٹ سے تھیں اپنے ساتھ لائے تھے اور چونکہ وہ ایک عالم فاضل شخص تھے - اس لیے اس وقت کے ان پڑھ اور جاہل افغانوں میں غنیمت شمار ہوتے تھے - امیر حبیب اللہ خاں نے ان کی دونوں صاحب زادیوں کا بیاہ اپنے بیٹے سردار عنایت اللہ خاں جو سلطنت کا ولی عہد سمجھا جاتا تھا اور سردار امان اللہ خاں جو اپنے زمانۂ شہزادگی میں (عین الدولہ) کہلاتا تھا سے کر دیا ہوا تھا - اس طرح سردار محمود طرزی امان اللہ خاں کا خسر بھی ہوتا تھا اور چونکہ سردار محمود طرزی خود بھی اہل سیاست سے تھا اس لیے وہ اپنے دونوں دامادوں میں سے امان اللہ خاں کی طرف ذہنی اور قلبی رغبت رکھتا تھا - پس کہا جا سکتا ہے کہ سردار محمود طرزی نے پایۂ تخت کابل کے اندر قدم رکھتے ہی اہل فکر افغان نوجوانوں کو اپنے حلقے میں لے لیا تھا اور امان اللہ خاں بھی بہ حیثیت ایک مشرقی نوجوان کے محمود طرزی کے تلامذہ میں سے ایک تھا - مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے اسی گروہ سے رابطہ پیدا کر رکھا تھا اور حسن اتفاق سے جب امان اللہ تخت پر بیٹھا اور اس نے داخلی خطروں سے خوف زدہ ہوکر افغانستان کے استقلال کے نام پر انگریزوں کے ساتھ جنگ کرنے کی ٹھانی تو مولاناؒ عبیداللہ نے یقیناً اس موقع پر امان اللہ کو بڑی انگیخت دی اور اسے ہر طرح اطمینان دلایا کہ تمام ہندوستان اس جہاد میں شریک ہوکر انگریزوں کے برخلاف اٹھ کھڑا ہوگا -

یہ تو ہجرت کی تحریک نے میدان میں آکر مولانا عبیداللہ سندھی کا پردہ رکھ لیا ورنہ وہ ''صلح عارضی'' کے واقعہ سے لے کر ''تحریک ہجرت'' کے شروع ہونے کے وقفے تک افغان نوجوانوں میں مطعون ہوچکے تھے کیونکہ انھوں نے جو انگریزوں کے برخلاف بغاوت و انقلاب برپا ہونے کی سنہری نوید افغانی نوجوانوں کو دے رکھی تھی وہ پوری نہ ہوئی تھی اور نوجوان گھور گھور کر دیکھ رہے تھے کہ ''اس مولانا نے تو ہمارا ملک ہی تباہ کروا دیا تھا'' - دوسرے الفاظ میں اس کا مفہوم یہی تھا کہ کہ ہم میں تو لڑنے کی طاقت و سکت نہ تھی مگر اس شخص نے اپنی حیثیت اور اپنے

بالغہ آمیز طریق پر بڑھا چڑھا کر ہمیں دکھایا اور اصراراً ہمیں جنگ کے لیے
ت کیا ۔

میں نے دیکھا ہے کہ مولانا عبیداللہ کو شیخ محمود الحسن نے کوئی قابل ذکر فنڈ
کر نہیں بھیجا تھا اور نہ ہی مولانا شیخ محمود الحسن نے اس قسم کا کوئی وعدہ و
ہی مولانا کو دے رکھا تھا کہ افغانی حملہ ہوتے ہی وہ ہندوستان کے مسلمانوں کو
یزوں کے برخلاف جہاد پر آمادہ کر دیں گے ۔ شیخ الہند بھی ہزاروں پر جوش مگر
علومات رکھنے والے مسلمانوں کی طرح افغانستان کو بہ حیثیت ایک طاقت اور سلطنت
ہو کسی وقت ان کی نجات کے کام آ سکتی ہے ، نہایت پر امید نگاہوں سے دیکھنے کے
تھے اور اس حقیقت کو مولانا عبیداللہ سندھی خود بھی بڑی اچھی طرح جانتے
۔مگر انھیں با ایں ہمہ افغانستان کو جنگ پر ابھارنے میں جو بات زبردست طور پر
ہو رہی تھی ، وہ ان کی بنا کردہ ''عارضی حکومت ہند'' تھی ۔ جس کے وہ خود وزیر
نے بیٹھے تھے اور جس کا وزیر اعظم مولانا برکت اللہ بھوپالی اور پریذیڈنٹ راجہ
را پرتاب ہندوستان کا مشہور انقلابی تھا ۔

امیر امان اللہ خاں کے تخت سلطنت پر قبضہ کرتے ہی ''عارضی حکومت ہند'' کا
ا ''باغ بابر'' میں جو کابل میں تھا لہرایا گیا تھا اور چونکہ افغان حکومت خود تہیہ
ئی تھی کہ وہ عنقریب انگریزوں سے لڑائی چھیڑ دے گی ۔ اس لیے اس نے کھلے
اس کی اجازت اور حمایت کر رکھی تھی ۔ مولانا برکت اللہ بھوپالی اور راجا مہندرا
روس اور جرمنی کے ممالک میں ''عارضی حکومت ہند'' کے لیے امداد لینے اور ان
کی طرف سے اپنی حکومت کو شناخت و تسلیم کروانے کی غرض سے افغانستان سے
جا چکے تھے ۔ ان کا سفر خرچ وغیرہ بھی حکومت افغانستان نے خود ہی
ت کیا تھا ۔ تاہم جنگ کے دوران اس میں انھیں کامیابی نہ ہوسکی تھی کیونکہ کوئی
ت کسی (عارضی حکومت) کو شناخت و تسلیم کرنے کا خیال بھی اپنے ذہن میں
لا سکتی جو کسی ایسے خطے یا منطقہ پر قائم کی گئی ہو جو اس کا اپنا نہ ہو ۔
سردار محمود طرزی نے جو انٹرنیشنل قانون کا عالم تھا ، اسے گوارا کیا ہی تھا تو
ص ایک پولٹیکل سٹنٹ کے طور پر اور اپنے داخلی لوگوں کے بہلاوے اور
ر قلب کے لیے تھا ــ اور اس لیے جب نوجوان افغانوں نے دیکھا کہ نہ یہ ہوا ۔
تو وہ مولانا عبیداللہ سندھی سے بدظن اور کبیدہ خاطر ہوگئے ــ تاہم مولانا عبیداللہ
کے کریڈٹ میں یہ بات آئے گی کہ اگر کمیونسٹ روس نے اور سب ملکوں سے

پہلے افغانستان کی آزادی اور استقلال کو تسلیم و شناخت کیا تو یہ مولانا عبیداللہ سندھی کے انقلابی رفقائے کار ہی کی کوششوں کا ایک نتیجہ تھا ۔

مولانا عبیداللہ سندھی اس سے پہلے اپنے مشہور "سلکی لیٹر" (ریشمی خط) کی بنا پر جو انھوں نے کمیونسٹ انقلاب سے پیشتر پہلی عالمی جنگ کے دوران زار روس کے نام بھیجا تھا ، کافی شہرت حاصل کر چکے تھے ۔ اس خط میں انھوں نے زار روس کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی ترغیب دی تھی ۔ یہ خط انگریزی حکومت ہند کے ہاتھ پڑ گیا تھا ۔ کوئی شک نہیں کہ مولانا عبیداللہ سندھی ایک اونچے پیمانے کا سازشی دل و دماغ رکھتے تھے ۔ ان کا طریق کار بھی خفیہ تھا اور وہ ضدی اور مستبد بھی تھے ۔ اگرچہ میرا تجربہ اور علم ان سے تھوڑا تھا ۔ تاہم میں نے پہلی ہی ملاقات میں انھیں بھانپ لیا تھا ۔

عام قاعدہ ہوتا ہے کہ لوگ اپنی اہمیت جتانے کے لیے اپنے سے بڑوں کا نام لیتے ہیں اور ایک دوسرے سے گفتگو کرتے وقت اپنے تعلقات کا رشتہ ان سے جوڑتے ہیں ۔ میں نے اپنا تعارف کرواتے ہوئے برسبیل تذکرہ ان سے کہا ۔ کہ میں نے ہجرت سے پہلے مولانا ابوالکلام آزاد کے ہاتھ پر بیعت کی تھی ۔ تو وہ معاً فرمانے لگے کہ مولانا آزاد اور شوکت علی اور محمد علی تو میرے نام کا کلمہ پڑھتے ہیں ۔ یہ سن کر میں نے بھی بے ساختہ جواب دیا کہ میں تو صرف محمد رسول اللہ کا کلمہ پڑھتا ہوں"۔ پھر میری آپ کی کیسے بنے گی۔۔اور یہ میں نے اس لیے کہا کہ مولوی ظفر حسن نے جلال آباد سے مولانا کے نام مجھے ایک خط دیا تھا جس میں انھوں نے میرا تعارف کرواتے ہوئے چند جملے میرے متعلق لکھے تھے"۔ مولانا ظفر حسن مولانا عبیداللہ‌سندھی کی پارٹی کا ایک پر جوش ممبر تھا بلکہ مولانا نے اسے اپنا بیٹا بنایا ہوا تھا یہی وجہ ہے کہ دوران قیام کابل میں جب مولانا عبیداللہ سندھی سے میری نہ نبھ سکی ۔ تو مولوی ظفر حسن نے بھی اپنی کتاب میں میرے متعلق یہ ریمارک لکھ دیا ہے : "وہ تو ہمیشہ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد علیحدہ بنایا کرتے تھے ۔"

ویسے ہم آپس میں باتیں کرتے ، میل ملاپ رکھتے ، اٹھتے بیٹھتے ، لیکن اپنے نظریات اور مشن میں علیحدہ تھے"۔ مجھے ابھی اپنے میزبان میر محمد ہاشم خاں (امین نظام) کے گھر مہمان ہوئے چند دن ہی گذرے تھے کہ ایک دن ایک شخص ان کے پاس آیا جس کی انھوں نے واجبی تکریم کی اور اپنے پاس بٹھا لیا ، پھر مجھ سے ان کا تعارف کروایا کہ یہ خادم المہاجرین مولانا عزیز ہندی صاحب ہیں ۔ اس نے اردو زبان میں مجھ

ے بات چیت کی اور کہا کہ میں ناظر امور خارجہ کا ایک سیکرٹری ہوں اور میرا نام
خاک) عبدالجبار خاں ہے ، افغانستان میں عام طور سے یہ قاعدہ رائج تھا کہ لوگ اپنے نام
کے ساتھ خاک کا لفظ ضم کر دیتے تھے جس سے عجز و انکساری کا اظہار مطلوب ہوتا تھا ۔
ے پہل تو میرے کانوں کو عجیب سا معلوم ہوا پھر سنتے سنتے عادت ہو گئی ، باتوں
باتوں میں اس نے بتایا کہ اعلیٰ حضرت امیر صاحب نے آپ کو پغمان میں طلب کیا ہے
لیکن اس سے پہلے کہ ہم ان کے حضور میں مشرف ہوں ہمیں حکم ہوا ہے کہ ہم آپ کو
ے مہاجرین کے کیمپ جبل السراج میں لے جائیں ۔

جبل السراج تقریباً کابل سے شمال کی طرف چالیس پچاس میل کی مسافت پر واقع
، جب درۂ خیبر سے قافلے گذرنا شروع ہوئے تو حکومت افغانستان نے اپنے طور پر
ے کیا تھا کہ جو مہاجرین آئیں انھیں سب سے پہلے بجائے کابل، جبل السراج میں رکھا
ئے اور وہاں سے آہستہ آہستہ انھیں جس جگہ آباد کرنا ہو وہاں منتقل کیا جائے اور
بلکہ حکومت کا مفکورہ یہ تھا کہ مہاجرین کو کابل سے ایک ماہ کی مسافت پر
ستان میں آباد کیا جائے جہاں زمین کثرت سے آبادکاری کے لیے فاضل پڑی ہوئی تھی
ے لیے جبل السراج جو ترکستان کی شاہراہ پر واقع تھا ، مہاجرین کے اولین کیمپ کے
ر قائم کیا گیا تھا ۔ چنانچہ جو مہاجرین اب تک آ چکے تھے انھیں جبل السراج ہی
منتقل کر دیا گیا تھا ۔

مجھے کابل پہنچنے پر معلوم ہوا کہ اس وقت تک مہاجرین ڈیڑھ دو سو کی
د میں پہنچ چکے ہوئے ہیں اور ان میں سے ایک قافلہ عبدالرشید پشاوری کی معیت
افغانستان کی پسماندگی سے بد دل ہو کر ترکیہ جانے کے لیے روس کے راستے ترکستان
طرف حرکت کر چکا تھا اور دوسرا قافلہ محمد اکبر پشاوری کی قیادت میں اسی طرف
کی تیاریاں کر رہا تھا اور چونکہ یہ خبریں امیر امان اللہ خاں کو پہنچ چکی تھیں
ے سیاسی عزت و وقار کو بچانے کے لیے چاہتا تھا کہ ایسا نہ ہونے پائے ۔ شاید وہ
ے مجھے بھیجنا چاہتا تھا تا کہ مہاجرین اس قسم کے اقدام سے آئندہ کے لیے
جائیں ۔

پہلے قافلے میں جو مہاجرین عبدالرب پشاوری کی قافلہ سالاری میں روس کی
ے اور ان میں سے جو اپنی سیاسی سرگرمیوں کے باعث بعد میں مشہور ہوئے ، ان کے
ترجمہ ذیل ہیں : فضل الٰہی قربان ، مشہور مزدور کیمونسٹ لیڈر ، عبدالوارث جو
ں واپس آنے پر شاہی قیدی بنا ، دادا فیروز الدین منصور ، مسٹر ایم ۔ اے مجید

جو مقدمہ سازش میرٹھ میں ماخوذ ہوا اور گوہر الٰہی وغیرہ - ہمیں جبل السراج جانے کے لیے ایک پرانی قسم کی موٹر دی گئی - اگلے دن میں عبدالجبار خاں اور محمد اسحاق خاں کہ یہ بھی امور خارجہ کا ایک سیکرٹری ہی تھا ، جبل السراج کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ان کے ایک دو دوست بھی سوار ہو گئے - ہم کابل سے شمال کی طرف روانہ ہوئے باغ بالا سے گذرتے ہوئے کوتل خیر خانہ میں داخل ہوئے اور وہاں سے سرائے خوجہ گئے - یہاں ہم نے چائے وغیرہ پی - ہمارے ساتھیوں نے بہت سے خیار (کھیرے) خریدے ، وہاں سے ہم چہاریکار سے جبل السراج پہنچے - یہ ہندوکش کے دامن میں ایک فرحت بخش مقام ہے - یہاں ہوائیں نہایت تیز چلتی ہیں، آبشاروں کی بھر مار ہے ، کابل کو بجلی سپلائی کرنے کا ایک بجلی گھر ہے جو اس وقت تک ابھی شروع نہیں کیا جا سکا تھا - امیر حبیب اللہ خاں نے یہاں بھی ایک قلعہ بنا رکھا تھا اور اس دامنہ کوہ کا نام جبل السراج رکھا تھا - امیر حبیب اللہ خاں کو سراج الملت والدین کہتے تھے - اسی طرح اس کے باپ امیر عبدالرحمان کا لقب ''ضیاءالملت والدین'' تھا - اس جگہ ایک نہایت اچھی اور وسیع عمارت میں چالیس پچاس مہاجرین اترے ہوئے تھے - اس کیمپ کا سالار محمد اکبر خاں پشاوری تھا - یہ لوگ اس کیمپ میں فوجی ڈسپلن سے رہتے تھے -

ان مہاجرین میں تازہ امنگیں ، تازہ جوش اور تازہ ولولے تھے - ہجرت کوئی کھیل تماشہ نہ تھا کہ لوگ یونھی گھروں سے باہر نکل کھڑے ہوئے تھے بلکہ اس کا ایک خاص مقصد تھا اور وہ خاص مقصد خلافت کی بحالی اور اماکن مقدسہ کا تحفظ تھا - لیکن جب مہاجرین نے افغانستان کی سر زمین پر قدم رکھا تو انھوں نے نہ اپنا جیسا جوش و خروش وہاں کے لوگوں میں پایا اور نہ فوجی حالت میں وہ انھیں اچھے لگے آئے - لہٰذا ان میں بد دلی پھیل گئی اور وہ افغانستان میں رہنے سے بیزار ہو گئے -

میرے ساتھی مجھے ان کے کیمپ میں چھوڑ کر خود حاکم قلعہ کے پاس جا ٹھہرے - ہم نے رات بھر آپس میں ایک دوسرے سے باتیں کیں - انھیں بعض تکلیفیں بھی تھیں جنھیں میں نے نوٹ کر لیا - انھیں اس بات پر مجبور کیا کہ میں جب تک امیر امان اللہ سے نہ مل لوں ، وہ روس کے راستے سے ترکیہ جانے کا خیال ترک کر دیں -

اگلے دن ناظر امور خارجہ کے سیکرٹری آئے ، مہاجرین نے چائے سے ان کی تواضع کی اور پھر جب بات چیت ہوئی تو مہاجرین نے اپنی شکایات ان کے سامنے پیش کیں - جن میں سے ایک تو یہ تھی کہ انھیں فی کس خشک آٹا تو دیا جاتا تھا مگر

وغیرہ نہیں دیا جاتا اور ساتھ ہی آٹا پکانے کے لیے آگ کی ضرورت ہے مگر لکڑیاں نہیں
مہیا کی جاتیں ۔

باتیں تو معمولی تھیں مگر جب پبلک اور گورنمنٹ کا مقابلہ ہو تو یہ چھوٹے
یہ بھی انتظامیہ سے متعلق ہو جاتے ہیں ۔ ہم نے رخصت ہوتے وقت مہاجرین کی کافی
لی کی اور وعدہ کیا کہ چند ہی روز میں ہماری انتظامیہ بہتر ہو جائے گی ۔ ہم وہاں سے
بل واپس آئے اور پھر اگلے دن کابل سے پغمان کی طرف روانہ ہوئے جو عہد امانیہ میں
حکومت کا گرمائی مستقر تھا ۔

پغمان ہندوکش کے دامن میں ایک دل آویز مقام ہے ۔ یہ ان دنوں جبکہ ہجرت
آغاز ہوا ، حکومت کے مستقر کے طور پر بن رہا تھا ۔ دو ایک دن کے بعد مجھے اور
رے گیارہ ساتھیوں کو امان اللہ خاں نے شرف باریابی بخشا ۔ پہلے ہم سب سے مصافحہ
کیا پھر امان اللہ خاں نے ایک مختصر تقریر میں مہاجرین کو خوش آمدید کہا جس کا
جواب میں نے مناسب الفاظ میں دیا ۔ اس کے بعد تخلیہ ہوا اور سردار فیض محمد خاں میرے
امیر امان اللہ خاں کے درمیان ترجمانی کے فرائض انجام دیتا رہا ۔ یہ سردار فیض محمد خاں
سردار گل محمد کا بیٹا تھا جو دہلی میں ہجرت کی تحریک شروع ہونے کے وقت
کابل حکومت کا جنرل قونصل تھا ۔ اس وقت کے تمام افغان نوجوان امان اللہ خاں کے
حلقہ کیے ہوئے تھے اور اسے نہ صرف ایک مترقی پادشاہ بلکہ اپنا رہنما سمجھتے تھے ۔
ابھی آپس میں گفتگو کر رہے تھے کہ تورخم کی سرحد سے ٹیلیفون آیا ۔ سرحد دار
م اور امان اللہ کے درمیان کچھ باتیں ہوئیں ۔ اس کے بعد امان اللہ خاں نے ٹیلیفون
ہوئے مجھے مبارک باد دی کہ سرحد دار نے مجھے بتایا ہے کہ کل بارہ بجے سے
م کا سرحدی ڈنڈا نیچا نہیں ہوا بلکہ اوپر ہی کو اٹھا ہوا ہے ۔ مہاجرین کا ایک
ذخار ہے کہ درۂ خیبر سے افغانستان میں آمڈا چلا آ رہا ہے ۔ سرحد دار نے
بھی بتایا ہے کہ اس قافلے کا ایک سرا ابھی تک جمرود میں ہے اور دوسرا سرا
آباد پہنچ چکا ہے ۔ میں نے یہ سن کر عرض کیا کہ مبارک باد تو ہم سب کے لیے
ہے کہ یہ مہاجرین افغانستان میں بسا جائیں ۔ اس نے میری بات کو سمجھ کر ایک
انداز اور لا پرواہی کے ساتھ جواب دیا کہ جس قدر مہاجرین بھی آئیں خواہ ان کی
لاکھوں ہی کیوں نہ ہو ، ہم ان کو اس سر زمین میں نہایت آسانی کے ساتھ آباد
گے ۔ میں نے اس پر کہا کہ اس کے لیے ایک اچھے خاصے انتظام کی ضرورت
اس پر انھوں نے فرمایا کہ میں عنقریب اس کا خاطر خواہ انتظام کر دوں گا ۔ میں

نے نادر خاں کو جلال آباد سے طلب کیا ہے تا کہ وہ مہاجرین کی سرپرستی کریں اور
میں کابل میں ایک انجمن مہاجرین کی تشکیل کی اجازت دیتا ہوں اور سردار محمد عبدالعزیز
نادر خاں کے بڑے بھائی کو اس کا صدر مقرر کرتا ہوں - آپ سردار عبدالعزیز کے ساتھ
مل کر مہاجرین کی سر براہی کریں - اس ملاقات کے بعد میں کابل واپس لوٹ آیا۔
مہاجرین کی انجمن کے لیے امیر امان اللہ خاں نے اپنی ایک کوٹھی "عینیہ" وقف کر دی۔
یہ کابل کی بہترین عمارتوں میں سے ایک تھی جو ہمیں دی گئی - غازی جمال پاشا شہید
بھی جب افغانستان آئے تو اسی عمارت میں فروکش ہوئے اور اس وقت سے لے کر آج تک
یہ کوٹھی "سفارت کبریٰ ترکیہ" کے لیے مخصوص کر دی گئی ہے - ہم مہاجرین
ہزاروں کی تعداد میں کابل میں موجود تھے - نواب جان محمد جانیجو سندھ کے رئیس اعظم
ہزاروں سندھی مہاجرین کے ساتھ کابل پہنچ چکے تھے مولانا احمد علی امام مسجد پنجی
مہاجرین کے ساتھ کابل آ چکے تھے - مولانا احمد علی صاحب رشتے میں مولانا عبیداللہ
سندھی کے بھتیجے ہوتے تھے - صوفی غلام محمد ترک اور رحمت اللہ ہایوں سیکرٹری انجمن
حمایت اسلام بھی آ چکے تھے - کابل ان مہاجرین کے سمیٹنے کی قابلیت نہ رکھتا تھا۔
لوگ کچھ سراسیمہ سے نظر آ رہے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا - جیسے اہل ملک پر کوئی
باہر سے اچانک آفت نازل ہو گئی ہے - مہاجرین جس جوش و خروش سے آئے تھے ان کا
استقبال ویسے ہی متقابل جوش و خروش کے ساتھ نہ ہوا بلکہ اکا دکا مہاجرین کے لٹنے
کی وارداتیں بھی ہوئیں - عین اس وقت معلوم ہوا کہ محمود خاں طرزی جو منصوری میں
افغانستان کے مشن استقلال کی سربراہی کر رہے تھے - چند دنوں کے لیے اپنے وفد کے
ساتھ واپس کابل آئے ہیں - انھوں نے آتے ہی مہاجرین کو ایک دعوت دی۔ اس میں
تمام قابل ذکر مہاجرین نے شرکت کی - میں نے اس دعوت کی ابتداء میں ایک نہایت
زبردست تنقیدی تقریر کی اور کہا کہ افغانستان کو اپنا وہ قول نبھانا چاہیے "کہ ہمارے
پاس ایک خشک روٹی ہے جس میں سے آدھی ہم کھائیں گے اور آدھی اپنے مہاجر
بھائیوں کو دیں گے" - اس عہد کو نبھایا نہیں جا رہا ہے جو ایک افسوس ناک بات ہے -
ہمارا کام تو بس اتنا تھا کہ ہم مسلمانوں کو ان کے گھر بار سے نکال کر اس اسلامی
ملک میں لے آئے اب یہ اسلامی ملک والوں کا کام ہے کہ وہ ہجرت کی تحریک کو ناکامی
سے دو چار نہ ہونے دیں -

افغانی ذہینت اور وہاں کے دستور کے مطابق یہ تقریر اپنے اندر مخالفانہ پہلو بھی
رکھتی تھی - تاہم اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ تیسرے دن انجمن مہاجرین کا پہلا جلسہ
منعقد ہوا - جس میں مجھے جنرل سیکرٹری چنا گیا اور گورنمنٹ نے صدر انجمن کے ذریعے

تجاویز انجمن کے سامنے پیش کیں قطغن (ترکستان) میں آباد کاری کی حکومتی تجویز کہ مہاجرین کو حمل و نقل کی تمام سہولتیں حکومت دے گی اور راستے میں ی کی بھی حکومت متحمل ہو گی ۔ مولانا عبیداللہ سندھی اور چند اور گورنمنٹ کے چاہتے تھے کہ اس تجویز پر فوراً ہی عمل درآمد شروع کر دیا جائے مگر میں نے انتظام کے بغیر اس تجویز پر فوری عمل در آمد کو معقول نہ سمجھا یعنی جس ملک میں مہاجرین کو حکومت آباد کرنا چاہتی تھی اس نقطے کی مسافت کو ے جب جانچا گیا تو پورے ایک ماہ کا سفر تھا ۔ ہم نے عورتوں اور بچوں کے لیے ں کی سواریوں کا بھی اندازہ لگایا اور اس خشک راشن کی مقدار کا بھی جو راستے مرچ ہونا تھا اور اس نقل و حمل کا بھی جس پر یہ خشک راشن لد کر جانا تھا ۔ ان سب چیزوں کا اندازہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ کم از کم ایک کروڑ افغانی کے د سے یہ بات مہیا ہو سکتی ہے جونھی کہ سردار عبدالعزیز خاں نے اس اندازے کو تو یہ کہتے ہوئے اس اجلاس کو ختم کر دیا کہ میں پہلے امیر امان اللہ خان کے ے گوش گذار کر دوں ۔

انجمن کا سرمایہ صرف ۳۰ ہزار روپے تھا ۔ وہ بھی امان اللہ خاں نے اپنی جیب سے انجمن کو شروع کرتے وقت دیا تھا ۔ اس وقت کے زمانے میں تیس ہزار بہت رقم تھی اور حکومت کا کل سالانہ بجٹ آٹھ نو کروڑ روپے سے زیادہ نہ تھا ۔ حالت میں ایک مہینے کے اندر اندر ایک کروڑ روپے کا مہاجرین پر صرف ہو جانا بالکل ہی نئی بات تھی جسے افغانی سننے کے لیے آمادہ نہ ہو سکتے تھے اگرچہ میں آ رہی تھیں کہ بمبئی کے متمول مسلمان ٹرک وغیرہ کی خرید داری کا انتظام ے ہیں تا کہ ایک سو ٹرک کے قریب خرید کر مہاجرین کو پشاور سے کابل ے جانے میں کام لائیں ۔ تا ہم یہ ابھی دور کی باتیں تھیں ۔ للهذا جب ہمارے ے کی خبر افغانی حکومت کے طبقے میں پہنچی تو قطغن کی طرف مہاجرین کی حرکت م پڑ گئی ۔

میرا اندازہ ہے کہ پھر بھی جن مہاجرین میں مالی استطاعت تھی وہ تقریباً ہزار کی تعداد میں ہجرت کر کے اس سر زمین پر جا بسے ۔ ان کا بعد میں کیا حشر و مشکل سے ان کے متعلق صحیح اطلاعیں موصول ہو سکی ہیں ۔

غرضیکہ چند دن کی کانا پھوسی کے بعد سردار محمود خان طرزی اور ان کا منصوری واپس چلا گیا ۔

برصغیر یعنی (ہندوستان) میں ابھی ہجرت کا جذبہ و جوش ختم نہ ہوا تھا۔ بلکہ وہ عین ترقی اور اوج پر تھا۔ ماہ شوال سے شروع ہو کر ذیقعد کے وسط تک کوئی ... ہفتوں میں ہزار ہا مہاجرین درۂ خیبر کو عبور کرکے افغانستان کی سرزمین پر پہنچ چکے تھے اور ابھی تانتا بندھا ہوا تھا ، مسلمانوں کی کثیر آبادیاں عید قربان کا انتظار کر رہی تھیں تاکہ قربانیاں ادا کرتے ہی ہجرت کے لیے اپنے گھر کو خیر باد کہہ کر چل پڑیں۔

ہمیں تھوڑے دنوں بعد معلوم ہوا کہ جلال آباد میں جو لوگ وفد کے طور پر آئے تھے۔ وہ محمد نادر خاں سپہ سالار سے بات چیت کرنے کے بعد واپس لوٹ گئے ہیں اور یہ تقریباً وہی زمانہ تھا۔ جب کہ محمود طرزی اپنے وفد کے ساتھ منصوری کو واپس لوٹا تھا ، ہمیں بعد میں معلوم ہوا کہ خان عبدالغفار بھی محمد نادر خاں سے مشورہ کرنے کے بعد تعلیمی مفکورہ لے کر اپنے وطن چار سدہ واپس لوٹ کے آئے۔ بعد میں سرخ پوشوں کی تحریک جاری کی اور کانگریس سے مل گئے۔

سردار محمود طرزی کے واپس لوٹنے کے بعد سے حکومت افغانستان کے ... مہاجرین کے حق میں بدلنے شروع ہوئے ، سب سے پہلا وار مولانا عبیداللہ سندھی پر ہوا انھوں نے جو ''عارضی حکومت ہند'' بنا رکھی تھی ، امیر امان اللہ خان نے سب سے پہلے اسے لغو قرار دیا۔

دوسرا وار ایک اعلان کی صورت میں تحریک ہجرت پر کیا گیا۔ جس میں کہا گیا کہ جو مہاجرین اب تک افغانستان میں وارد ہوچکے ہیں ، ان کی آباد کاری کا جلد بندوبست ہو جائے۔ پھر دوسرے مہاجرین آئیں۔ یعنی تا حکم ثانی ہجرت کے بند کیے جانے کا اعلان کر دیا۔

تیسرا وار مہاجرین کی ایذا رسانی کی صورت میں کیا گیا۔ یہ وار کابل کی ناخواندہ اور جاہل پبلک کی طرف سے تھا۔ مہاجرین ہزاروں کی تعداد میں کابل سے باہر عید گاہ کے وسیع میدان میں ڈیرے ڈالے پڑے ہوئے تھے۔ لوگ ادھر اُدھر اطراف شہر سے آتے اور ہمدردانہ انداز سے مہاجرین کے گروہوں سے مل کر کہتے کہ انھوں نے نیاز نذر پکائی ہے۔ کسی کو برتن وغیرہ دے کر ان کے ساتھ کر دیں کہ ہم ان میں کھانا ڈال کر بھیج دیں اور جب ایسے لوگ ان کے ساتھ جاتے تو وہ آدھی رات گئے روتے پیٹتے واپس کیمپ میں پہنچتے اور کہتے کہ انھیں ایک کوچہ بندی کے سرے پر لا کر کھڑا کر دیا تھا اور کہا گیا تھا کہ ہم ابھی اندر گھر سے ...

برتنوں میں لائے دیتے ہیں لیکن نہ کھانا ہی آیا اور نہ برتن ہی واپس آئے ۔

کابل اب تو ایک ماڈرن شہر بن گیا ہے ۔ مگر اس وقت کا کابل کوچہ بندیوں
مجموعہ تھا ۔ ہر کوچہ بندی کے سرے پر ایک دروازہ ہوتا تھا ۔ جسے دیکھ کر
ہوتا تھا کہ یہ کسی گھر کا دروازہ ہے ۔ مگر اسی کے اندر سے ایک دوسری
بندی کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا ۔ بعض کابلی ٹھگوں نے مہاجروں کو یوں پراگندہ
دیکھ کر اس طریق سے ٹھگنا شروع کر دیا تھا کہ وہ ان کے پاس آتے اور
نیاز کے بہانے سے انھیں اپنے ہمراہ لے جاتے اور پھر ایک کوچہ بندی کے سرے
ے برتن ہتھیا کر یہ جا وہ جا کوچہ بندیوں میں غائب ہو جاتے ۔ اسی طرح بعض
نے ان سے نقد روپے پیسے بھی بٹورنا شروع کر دیے تھے ۔ کئی مہاجرین کے پاس
نی کلدار (سکے) تھے اور کابل میں وہاں کا ملکی سکہ چلتا تھا ۔ جسے کابلی روپیہ
تھے ۔ لوگ ان کے پاس آتے اور اپنا سکہ دے کر ان سے ارزاں داموں پر
نی کلدار خریدتے ۔ بعض ہندو صرافوں نے بھی اس طریق سے اپنے ہاتھ خوب ہی
تھے ۔

چند ہی دنوں میں مختلف کیمپوں سے اس قدر شکایتیں موصول ہوئیں کہ بالآخر
ین کی دل جوئی کے لیے مجھے خود عید گاہ کے کیمپ میں منتقل ہونا پڑا ۔ میں نے
کا جائزہ لیتے ہوئے فوری طور پر جامع مسجد پل خشتی میں مہاجرین کا ایک جلسہ
کیا اور قرار یہ پایا کہ ایک وفد ہندوستان بھیجا جائے جو مہاجرین کی
ری کے سلسلے میں حکومت افغانستان کا ہاتھ بٹائے ۔ یہ وفد نواب جان محمد جونیجو
کی سرپرستی میں روانہ کیا گیا ، شاید اس وفد کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نکلتا
واب جان محمد جونیجو کو موت نے مہلت نہ دی اور وہ اسی وفد کی سربراہی کرتا
وستان کے کسی مقام پر فوت ہو گیا ۔

سچ تو یہ ہے کہ مہاجرین کی آباد کاری کا سلسلہ افغانستان کی غریب حکومت
سب سے کٹھن مسئلہ تھا ۔ اس میں انتظامی استعداد بھی نہ تھی ۔ دوسری طرف
ناموس اسلامی کا خیال بھی داغ گیر ہو رہا تھا اور پھر انگریزوں کی دسیسہ
یں جاری تھی ۔ جو نہیں چاہتے تھے کہ مہاجرین افغانستان میں اس قدر کثیر تعداد
سکن ہو کر ہمیشہ کے لیے انگریزی حکومت کے لیے ایک سیاسی دھمکی بنے رہیں ۔
قصر سلطانی سے نکل کر پایہ تخت کے اہل الرائے حلقے میں پھیلنی شروع ہو چکی
سردار محمود طرزی در پردہ امیر امان اللہ خاں کو آ کر کہہ گئے ہیں ، کہ اگر

انگریزوں سے اپنے ملک کی آزادی منوانا چاہتے ہو تو اول تحریک ہجرت کو بندکر دو دوسرے ان مہاجرین کو جو افغانستان میں وارد ہوچکے ہیں - ایسے مقامات پر آباد کرنے کی کوشش کرو جو انگریزی سرحدات سے کافی فاصلے پر ہوں ـ امیر امان اللہ خاں کی اپنی بھی یہی تجویز تھی کہ مہاجرین کو ترکستان میں روسی سرحدات کے قریب آباد کیا جائے - مگر اس کے لیے چونکہ بہت بڑی مقدار میں روپے کے مصرف کی ضرورت تھی اس لیے یہ بات امکان پذیر نظر نہ آ رہی تھی - مہاجرین کی عام ناراضگی نے ایک تیسری صورت پیدا کر دی تھی اور وہ یہ کہ کابل کی بد انتظامی کی وجہ سے مہاجرین واپس ہندوستان جانا شروع ہوگئے تھے اور یہ بد دلی اس وقت پھیلی جب کہ حکومت افغانستان نے مہاجرین کی مزید آمد پر پابندی لگا دی تھی - پشاور سے کابل تک مہاجرین کی آمد کا تانتا ابھی ٹوٹا نہ تھا اور ہزار ہا مہاجرین ایک سو تیس میل کے لمبے راستے پر ابھی حرکت کر رہے تھے، کہ دفعۃً کابل سے پشاور کی جانب بر گشت شروع ہوگئی پھر کیا تھا - ایک ہنگامہ اور غلغلہ تھا جو ہر طرف بپا تھا - ایک سو تیس میل لمبے راستے پر دو متلاطم موجیں آپس میں متصادم ہو رہی تھیں - ایک جوش و ولولے سے بھر پور اور دوسری غیظ و غضب سے چکنا چور ، ایک سمت سے صدا اٹھتی تھی کہ واپس چلو آگے کچھ نہیں ہے اور دوسری سمت نعرہ تھا کہ اگر طاقت نہ تھی تو ہجرت کیوں کی تھی - ہم ضرور کابل جا کر ہی دم لیں گے - بعض جن کے ساتھ ان کے بال بچے تھے، بے حد پریشان ہو رہے تھے - آگے جائیں کہ نہ جائیں - بہت سے راستے ہی سے واپس لوٹ گئے - ہمارے غلام محمد ترک صاحب بھی جو اپنی بیوی اور بال بچوں کے ساتھ ہجرت کرکے چلے آئے تھے ، یہیں سے واپس لوٹنے والوں میں شامل ہوگئے -

انھی قافلے والوں میں وہ غیور بھی تھے جنھوں نے افغانستان کی خاک میں مر مٹنا گوارا کیا مگر انگریزوں کی حکومت تلے واپس لوٹنا انھیں منظور نہ ہوا - ان میں سے بعض کی داستانیں ایسی ہیں جن سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کہتے ہیں کہ سرحدی علاقے کے دو بھائی تھے جن میں سے ایک کی بیوی مر چکی تھی اور دوسرے کی ابھی شادی نہیں ہوئی تھی - جس کی بیوی مر چکی تھی اس کا ایک بچہ تھا جس کی یہ دونوں پرورش کرتے تھے - جب ہجرت کا غلغلہ بلند ہوا تو دونوں بھائیوں نے ہجرت کا عزم باندھا اور آپس میں مشورہ کیا کہ اس بچے کا کیا کریں - ان کے ذہن میں ہجرت کے سلسلے میں جو بات تھی وہ یہ کہ ہم درۂ خیبر کے اس پار ہوتے ہی مسلح ہو کر ڈٹ کر انگریز کافروں سے جہاد کرنے لگیں گے - اس وقت اگر یہ بچہ ہمارے ساتھ ہو گا تو ہم کیسے اس کی دیکھ بھال کر سکیں گے - غالباً ان

گاؤں میں کوئی نہ تھا جس کے سپرد وہ اپنا یہ بچہ کر آتے یا شاید پھر سارے کا سارا
ہجرت پر تل چکا تھا اس لیے کوئی کسی کی ذمہ داری اٹھانے کے لیے تیار نہ تھا ۔
کیف جو حالت بھی تھی ان دو بھائیوں نے تھوڑی دیر کے لیے سرگوشی کی اور پھر
خوفناک عزم کر کے اپنے گاؤں سے باہر دریا کے کنارے پہنچے اور بسم اللہ کہہ کر
کو دریا میں پھینک دیا کیا یہ ایک معصوم کا قتل تھا یا خدا کی راہ میں ایک
قربانی ؟ اس کا فیصلہ خود خدا ہی کر سکتا ہے !

دوسرا واقعہ اور اس کی مثالیں بہتیری ہیں کہ لوگوں کی فصلیں پکنے پر آئی ہوئی
مگر ہجرت کا جوش اس قدر غالب ہو رہا تھا کہ ایک دن پیچھے رہ جانا بھی
معلوم ہوتا تھا ۔ اس اندھے جوش میں کہ کل کو انگریزی سرکار ہماری فصلوں کو
کر فائدہ نہ اٹھائے لوگوں نے اپنی کھڑی فصلیں جلا دیں اور خود ہجرت کر گئے
ہوبہ سرحد میں یہ واقعات تو بیشمار ہوئے کہ لوگوں نے اپنی جائدادیں اونے پونے
کر ہجرت کا سرو سامان درست کیا ۔

اس انتہائی جوش و خروش کے ساتھ جو قافلے ہجرت کر کے افغانستان پہنچے
انہیں اس سر زمیں میں کوئی پذیرائی نہ ملی بلکہ الٹے انہیں اپنے ہی بھائی بند واپس
نظر آئے اور انہیں بھی واپس لوٹ جانے کی صلاح ملی تو ان کے جذبات کا کیا
ہوا ہو گا ایسے خدا ہی جانتا ہے - بہتوں نے اس صلاح کو مانا اور واپس ہونے
کے ساتھ ہو لیے، بہتیرے کابل تک پہنچے اور وہاں سے واپس لوٹے اور بہتیروں
کہا کہ جب آئے ہیں تو واپس نہیں جائیں گے ۔ ان میں سے اکثر ترکستان کی طرف
لے اور بعضوں نے روس کے راستے سے ترکی جانے کی ٹھانی اور قافلوں کی صورت میں
کی طرف روانہ ہوتے گئے ۔

عین اس وقت جبکہ ہجرت کی تحریک ہم مہاجرین کے نکتہ نظر سے افغانستان میں
ہو رہی تھی ، وہ قافلے جو ترکیہ جانے کے لیے روس کی طرف روانہ ہو چکے تھے ،
نے سرزمین روس پر پہنچ کر کیمونسٹ روس کی عنان توجہ ہجرت کی تحریک کی
پھیر دی تھی - روس اس وقت تک اپنے داخلی انقلاب کی گرفت سے نہیں نکلا تھا
بیرونی عناصر کی کوششیں کمیونسٹ انقلاب کو ناکام بنانے میں فیل ہو چکی
تاہم وہ ابھی تک داخلی بد انتظامی اور بھوک اور قحط کے زبردست چنگل میں
تھا ۔ با ایں ہمہ اس نے جب دیکھا کہ ہندوستان کے شمال مغربی خطوں میں
انقلابی گھٹائیں اٹھ رہی ہیں تو وہ فوراً اس طرف متوجہ ہوا اور اپنے مقصد

عالمی انقلاب کے پیش نظر مسلمانوں کی اس حالت سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کی، اس نے غازی جمال پاشا کو تاکا جو سقوط یافتہ اور بکھرے ہوئے طلعت پاشا کے کابینہ کا ایک اکین تھا ، اس نے اس سے گٹھ جوڑ کیا ، خفیہ عہد و پیمان کیا بھرپور مالی امداد کا یقین دلایا اور اس کے ہاتھ قوی کر کے کمال آزادی کے ساتھ افغانستان میں مہاجرین کی سربراہی اور سرداری کے لیے اسے بھیج دیا -

واضح رہے کہ لینن اس وقت زندہ تھا اور واضح رہے کہ طلعت پاشا کا کابینہ خلافت کے عثمانی دور کا آخری آزاد کابینہ تھا جو ترکی کی سلطنت کی شکست پر سقوط سے دو چار ہوا ، اس کابینہ میں غازی انور پاشا وزیر جنگ اور غازی جمال پاشا وزیر بحریہ کے منصب پر تھا - خود طلعت پاشا برلن میں خارجی سازشوں کی بنا پر قتل ہو چکا تھا - غازی جمال پاشا کے دل میں غازی انور پاشا کی بہت بڑی قدر و منزلت تھی لیکن وہ اس مہم میں غازی جمال پاشا کا شریک کار نہ بن سکا - اس کا بڑا سبب یہ تھا کہ غازی انور پاشا کا دل روسیوں کی طرف سے صاف نہ تھا - اگر یہ سبب نہ ہوتا تو یقیناً ترکیہ کے احیاء ثانی میں جو بڑی حد تک روس کی جنگی، اخلاقی اور مالی امداد کی بنا پر ہوا - مصطفی کمال اتاترک کی بجائے ہم غازی انور پاشا کا نام سنتے - بعد کے واقعات بھی یہی رائے قائم کرنے پر مجبور کرتے ہیں کیونکہ غازی انور پاشا نے غازی جمال پاشا کے قتل ہو جانے کے بعد (پان تورانزم) کی تحریک شروع کی تھی اور وہ روسیوں سے لڑتے بھڑتے میدان جنگ میں شہید ہو گئے تھے ، انا للہ و انا الیہ راجعون -

غازی جمال پاشا اپنے پورے فوجی اسٹاف کے ساتھ ۱۹۲۱ء میں افغانستان کے پایہ تخت کابل میں وارد ہوئے - انھیں چھل ستون کے شاہی محل میں جگہ دی گئی - مجھے ان سے ملنے کا یہیں اتفاق ہوا - میں ان دنوں "امین نظام" بعد میں "وزیر مالیہ" میر محمد ہاشم خاں کے ہاں رہتا تھا - وہی مجھے ملاقات کی غرض سے اپنے ساتھ لے گئے تھے - غازی جمال پاشا کے اسٹاف میں ایک سیاسی عنصر بھی شامل تھا - مولانا برکت اللہ بھوپالی اسٹاف کے اس سیاسی سیکشن کے کرتا دھرتا یا سپروائزر تھے - واضح رہے کہ یہ وہی مولانا برکت اللہ بھوپالی تھے جو عارضی حکومت ہند میں پرائم منسٹر کا عہدہ رکھتے تھے - میں نے انھیں نہایت خوش خلق اور نہایت دھیما مزاج رکھنے والا ایک شریف انسان پایا بعد میں میرے ان کے اچھے خاصے مراسم ہو گئے -

چھل ستون کا محل غازی جمال پاشا کی آمد کی وجہ سے فوجی کیمپ میں تبدیل ہوچکا تھا - ہر طرف ایک نہایت پر شکوہ فوجی ڈسپلن تھا جو خلافت رفتہ کے جلال کی

ی کر رہا تھا ۔ غازی جمال پاشا کا جنرل اسٹاف جو تقریباً چالیس پچاس فوجی افسروں
شامل تھا ، اپنی شان دار فوجی وردیوں میں چہل ستون کے چمن زاروں میں ایک
شان سے متحرک نظر آ رہا تھا ۔ میری آنکھیں اس نظارے سے سیر ہونے میں نہ
تھیں ۔ میں دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا کہ آخر کچھ تو ہوا ، میرا میزبان
ین نظام) اندر خلوت میں غازی جمال پاشا سے ایک ''فوجی ٹریننگ سنٹر'' کی تشکیل
متعلق گفتگو کر رہا تھا اور میں باہر مولانا برکت اللہ بھوپالی کے کمرے میں بیٹھا ۔
لیے ملاقات کی باری کا انتظار کھینچ رہا تھا ، اتنے میں زور زور سے گھنٹہ بجنا شروع
۔ مولانا نے گھنٹے کی آواز سنتے ہی اٹھتے ہوئے کہا کہ چلیے اب کھانے کی باری ہے
ان کے ساتھ ہولیا ۔ ہم باغ کی روشیں طے کرتے ہوئے ایک ساتھ والی عمارت میں گھس
۔ ہارے پہنچتے پہنچتے تمام افسران فوج جو سب کے سب ترک تھے اور پاشا کے جنرل
ف سے تعلق رکھتے تھے ، آ آ کر کھانے کی میز پر بیٹھتے گئے ۔ صرف دو تین منٹ
وقفے میں سب آ گئے اور غازی جمال پاشا اور میر محمد ہاشم خان امین نظام بھی ایک
ے دروازے سے کھانے کے کمرے میں داخل ہوئے ۔ ان کے ورود پر سب دفعۃً
ے ہوگئے اور میر محمد ہاشم خان نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے پاشا سے کہا
یم المہاجرین مولانا غلام محمد عزیز'' پاشا نے مصافحہ کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا ۔ میں
ایک کر پکڑ لیا ۔ نہ معلوم پہلے سے سوچی سمجھی ہوئی بات تھی کہ پاشا نے
ی طرف دیکھتے ہوئے ایک آمرانہ انداز میں امین نظام سے کہا کہ ان کا نام بھی
ظان'' میں لکھ لیا جائے ۔ (ترکی اصطلاح میں ضابط لفٹننٹ کو کہتے ہیں) ۔ پھر
کراتے ہوئے مجھ سے گویا ہوئے کہ (من رئیس المہاجرین ہستم) میں مہاجرین کا رئیس
۔۔ بس یہاں کیا تھا ۔ خلافت کے جلال کے آگے میرا سر پہلے ہی سے خم تھا ۔

کھانے کے دوران میں کچھ تھوڑی گفتگو ہوئی ۔ پاشا سختی سے فارسی بولنے
ش کرتا تھا اور مجھے ٹوٹی پھوٹی ترکی آتی تھی ۔ اشارہ وکنایہ سے معلوم ہوا کہ
نے مجھے پہلی ہی نظر میں ملٹری خدمات کے لیے انتخاب کر لیا ہے ۔

غازی امان اللہ خاں نے پاشا کے وردو سے پہلے مہاجرین کی تین پلٹنیں یعنی
ریگیڈ فوج بھرتی کر رکھی تھی ۔ جس کی اطلاع امین نظام نے پاشا کو اس سے
ے رکھی تھی ۔ گویا پاشا چاہتا تھا کہ میں ترکی افسروں کی زیر قیادت تربیت
مہاجرین کی اس فوج کا انچارج بنایا جاؤں ۔ بعد میں جب میں ٹریننگ پا رہا تھا تو
ر غازی جمال پاشا سے کھل کر ہندوستان کی آزادی کے بارے میں گفتگو کی اور

اسے اپنے پلان سے آگاہ کیا ۔ جو سرحدات آزاد میں مجاہدین کی تنظیم کے ذریعے انگریزی حکومت کے برخلاف گوریلا وار شروع کرنے کے متعلق تھا ۔ جمال پاشا نے اسے بہت پسند کیا اور کہا کہ میں آیا ہی اس لیے ہوں کہ ہندوستان سے انگریزی تسلط کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دوں ۔ اس کے بعد ہمیشہ جب کبھی وہ ملتا اور ہم ہفتے میں ایک بار جمعہ کے دن آپس میں ضرور ملتے مجھے ''قومانداں مستقیل ہید'' کے لقب سے یاد فرماتا ۔ وہ مر چکا ہے اور میں عنقریب اپنی موت سے دو چار ہونے والا ہوں اگرچہ ہمارے عزائم بر نہیں آئے ۔ تاہم یہ ظلم ہوگا کہ ہم تاریخ کے صفحات پر انھیں ریکارڈ نہ کرتے جائیں ۔

غازی امان اللہ خاں ترکی زبان میں اعلیٰ درجے کی مہارت رکھتا تھا ۔ اس لیے وہ غازی جمال پاشا سے کھل کر گفتگو کر سکتا تھا ۔ غازی جمال پاشا اور اُس میں ایک بات قدر مشترک تھی اور وہ یہ کہ وہ دونوں انگریزی استعمار کے سخت مخالف اور شدید ترین دشمن تھے ۔ افسوس صرف اس بات کا ہے کہ وہ قدرے دیر سے افغانستان پہنچا اگر وہ شروع میں افغانستان آ جاتا ۔ تو ہجرت کی تحریک کو اس ملک میں ناکامی کا منہ دیکھنا نہ پڑتا ، وہ اپنے مکمل فوجی اسٹاف کے ساتھ آیا ہی اس لیے تھا کہ مہاجرین کو فوراً اپنے بر میں لے کر ہندوستان کی آزاد سرحدات سے انگریزوں پر ہزن عام بول دے لیکن اس کے پہنچنے کے لیے وقت درکار تھا ۔ اور ادھر افغانستان جنگ میں زور آزمائی کی چنداں قوت نہ تھی ۔ عارضی صلح کے بعد چاہتا تھا کہ جس طرح بھی ہو انگریزوں کو اپنی آزادی کے قبول کرنے کی جانب مائل کر دے اور انگریز بھی جو ہجرت کی تحریک کی شدت و حدت سے دفعتہً خوف زدہ ہو کر دم بہ خود ہو چکے تھے ، یہی چاہتے تھے کہ جس قیمت پر بھی ہو ہجرت کی تحریک کو مائل بہ سقوط کر دیں ۔ اسی لیے انھوں نے سردار محمود طرزی کو منصوری سے کابل بھیجا تھا تاکہ امان اللہ خاں کے کان میں پھونک آئے کہ ہم تمھارے ملک کا استقلال قبول کرتے ہیں بشرطیکہ تم ہجرت کی تحریک کو خاموش کر دو ۔

پس جوں ہی کہ جمال پاشا اپنے قومی اسٹاف کے ساتھ کابل میں وارد ہوا انگریز کے سیاسی دماغ پر سب کچھ روشن ہوگیا اور انھوں نے ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر سرہنری ڈابس کو کابل بھیج دیا تاکہ افغانستان اور انگریزی حکومت کے درمیان آزادی افغانستان کا معاہدہ تیار کرے ۔

واضح رہے کہ اس سے ذرا پیشتر کمیونسٹ روس نے افغانستان کی آزادی کو قبول کیا ہوا تھا اور یہ براہ راست تحریک ہجرت کے دور رس اثرات کا ایک نتیجہ تھا ، کمیونسٹ روس جیسا کہ اوپر کسی جگہ اشارہ کیا جا چکا ہے ۔ اس وقت سخت اور ہر قسم کے انقلابی رد عمل سے اپنے ملک کے اندر دست و گریباں تھا اور اسے داخلی نظم و نسق کی مصروفیتیں دم نہ لینے دیتی تھیں کہ وہ براہ راست کسی بڑے جھگڑے میں الجھ جائے ۔ لہذا اگر اسے اس وقت عظیم الشان تحریک ہجرت سے شہ نہ ملتی تو وہ افغانستان کے دعوئ استقلال کو سب ملکوں سے اول تر شناخت و تسلیم نہ کرتا ۔ قارئین یہاں یہ نوٹ بھی کر لیں کہ وہ جنگی اسٹاف جو غازی جمال پاشا کے ساتھ کابل میں آیا تھا ، وہ پہلی عالمی جنگ میں ان ترک فوجی افسروں پر مشتمل تھا جو دوران جنگ زار روس کے فوجیوں نے اپنے جنگی قیدی بنائے ہوئے تھے اور جب سلسلہ کی کڑی کو بھی آپس میں یہاں پیوند کیا جائے کہ کمیونسٹ کی تحریک بر صغیر میں ہندی مہاجرین کے توسط سے پہنچی تو اس تحریک ہجرت کے دور رس تاریخی اثرات ہیں ۔۔۔ پر واضح اور روشن ہونے لگتے ہیں ۔

ترک لیڈروں نے چاہا کہ اس عالمی تحریک کو صحیح معنوں میں جنگی لائنوں کو ایکسپلائٹ کرتے ہوئے اپنی شکست و ناکامی کا انگریزوں سے ہندوستان میں ۔۔۔ لیں ۔

روسی لیڈروں نے چاہا کہ معتبر ذرائع سے اس تحریک کی مدد کرتے ہوئے انگریزوں کے استعمار پر ہندوستان میں آخری اور کاری ضرب لگائیں ۔

افغانی لیڈروں نے چاہا کہ عالمگیر اخوت کی بنا پر پھر ایک دفعہ اس تحریک کے ذریعہ اپنے لیے دہلی کا تخت حاصل کریں ۔

تحریک ہجرت کے سر بر آوردہ لیڈروں نے چاہا کہ ترکوں کے ساتھ مل کر اور ان کی قیادت میں خلافت عثمانیہ کا دنیا میں پھر سے احیاء کیا جائے اور اس کے لیے سب سے پہلے ہندوستان میں انگریزی حکومت کا خاتمہ کر دیا جائے ۔ گویا اس طرح ''ہندوستان کی آزادی'' ہم سب کی منزل راہ تھی ۔

غازی جمال پاشا نے امیر امان اللہ خان کا اعتماد حاصل کرتے ہی اس کے لیے ۔۔۔ کام شروع کر دیا تھا ۔ ایک طرف آزاد سرحدات کو منظم کرنے کے لیے ۔۔۔ حاصل پروگرام بنایا جا رہا تھا تو دوسری طرف افغانی ایڈمنسٹریشن کی داخلی

تشکیلات قانونی طور پر مکمل کی جا رہی تھیں اور یہ غازی جمال پاشا کے کریڈٹ میں ہے کہ اس نے اولین بار افغانستان کو قانون بخشا جسے ''نظام نامہ'' کی صورت میں پیش اور شائع کیا گیا ۔ کابل سے چند میل دور شمالاً قلعہ مہتاب باغ میں ایک وسیع ملٹری ٹریننگ سنٹر کھولا گیا جس میں نوجوان افغانی افسروں کو اعلیٰ فوجی تعلیم دی جاتی اور انہی کے زیر اثر تقریباً ایک ڈویژن فوج کو نئے آلات حرب و ضرب اور نئے ساز و سامان سے مسلح کیے جانے کی سکیم پر عملدرآمد کیا جاتا ۔ میں نے اسی ٹریننگ سنٹر میں کیپٹن کے درجے تک ترقی کی تھی ۔ اس کے چند سال بعد میں (منگلوں کی بغاوت) کے دوران کرنل بنا دیا گیا تھا ۔

اپنے تمام ملٹری اسٹاف کا خرچ غازی جمال پاشا خود برداشت کرتا تھا ۔ اس کا روسی سفارت سے باقاعدہ رابطہ تھا اور ہماری معلومات کی بنا پر اسے ہر تین ماہ بعد مالی امداد دی جاتی تھی ۔ غازی جمال پاشا کا ایک پولیٹیکل اسٹاف بھی تھا جس میں مولانا عبیداللہ سندھی ، مولانا برکت اللہ بھوپالی اور مولانا بشیر چمر قندی کے علاوہ اور لوگ بھی تھے جن سے سرحدی معلومات کے بارے میں کام لیا جاتا ۔ اس میں اخبارات ترجمہ کرنے کا ایک ادارہ بھی تھا جس کے انچارج مسٹر اقبال شیدائی تھے ۔ یہ ادارہ پاشا کو ہندوستان کے اخبارات سے مطلع رکھنے کے لیے قائم کیا گیا تھا ۔

غازی جمال پاشا کے افغانستان آنے سے ایک بات یہ بھی ہوئی تھی کہ کابل مہاجرین ان کے ہاتھ پر متحد ہو گئے تھے ، مختلف عناصر اپنا اپنا زاویہ نگاہ اس کے سامنے پیش کرتے تھے اور وہ ایک عالی سیاستدان کی طرح ان سب سے بخوبی نبٹنے کی کوشش کرتا تھا ۔ اس کے دم سے تحریک ہجرت میں گویا ایک نئی جان پڑ گئی تھی مگر ۔۔۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ ۔ وہ تھوڑی ہی مدت افغانستان میں رہ سکے ۔ البتہ پروگرام ہی کے ماتحت ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ افغانستان کے لیے یورپ کے بعض ممالک سے اسلحہ خرید کر لائیں ۔ یاد رہے کہ اس وقت تک افغانستان کے پاس جو اسلحہ بھی تھا وہ نہایت ادنیٰ اور فرسودہ قسم کا تھا ، سر ہنری ڈابس معاہدہ کی شرطیں کر کے واپس جا چکا تھا ۔ اس معاہدے کے مرتب کرنے میں بھی غازی جمال پاشا نے حصہ لیا تھا ۔ چنانچہ سر ہنری ڈابس اور اس کے درمیان ملاقاتیں ایکسچینج ہوتی رہیں امیر امان اللہ خاں اب انگریزوں کی طرف سے مطمئن ہو چکا تھا اور اس اطمینان کے بعد وہ اب یقیناً فوری طور پر چاہتا تھا کہ اس کی فوج ماڈرن طریق پر تربیت یافتہ ہو نئے اسلحہ سے لیس ہو جائے ۔ اس کے لیے اس وقت جو افغانستان کی مالی قدرت تھی

ملٹری پر خرچ کرنے کے لیے آمادہ تھا ۔ چنانچہ غازی جمال پاشا اور اس نے
کر جو اسکیم بنائی تھی وہ یہی تھی کہ غازی پاشا خود یورپ جا کر (انگریزوں
مین) ممالک سے افغانستان کے لیے اسلحہ خرید کرے ۔ قارئین کرام کے یہ پیش نظر
کہ اس وقت تک افغانستان کے سفارتی تعلقات ابھی بیرونی دنیا سے قائم نہ ہوئے
انگریز جن پر امان اللہ خاں اور غازی جمال پاشا کا "ما فی الضمیر" چنداں پوشیدہ
۔ اس وقت کی سیاست کے ماتحت نہیں چاہتے تھے کہ افغانستان ترکی افسروں کی
میں اپنی جنگی سا کھ قائم کر سکے ۔ اس لیے انھوں نے دسیسہ بازی سے کام لیا اور
وں کو جو ترکوں کے سخت دشمن تھے ، اکسایا کہ وہ جمال پاشا کو جبکہ وہ باطوم
لاتے سے گذر رہا ہو کسی طرح ٹھکانے لگا دیں ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اس کے کابل سے
ہ حرکت کرنے کے بعد خبر موصول ہوئی کہ غازی جمال پاشا اور اس کے
کارڈز کو باطوم کے ایک کوچے میں کسی خفیہ ہاتھ نے قتل کر دیا ہے ۔ اس خبر
سب کے دل توڑ دیے اور اس وقت تک کا جو کیا کرایا تھا سب خاک میں مل
ب ہجرت کی تحریک کابل میں پھر بے دست و پا ہو چکی تھی ۔ اس وقفے میں کہ
مال پاشا افغانستان میں رہا ۔ بعض واقعات قابل ذکر ہیں ۔

مہاجرین کے وہ قافلے جو ابتدائے تحریک میں افغانستان سے براہ روس ترکیہ
کے لیے آمادہ ہوئے ، تعداد میں کوئی زیادہ نہ تھے ۔ ان میں سے بعض کو حادثہ
آیا، بعض ان میں سے ترکمانوں کے ہاتھ گرفتار ہوئے ۔ جو اس وقت بخارا میں
ے جنگ کر رہے تھے ۔

ہمارے ایک دو مہاجرین کے قافلے جب ان ترکمانوں نے گرفتار کیے تو انھیں
رفتار کر کے محاذ سے دور جگہ پر لے گئے اور مٹی کی ایک خام کوٹھری میں بند
۔ تھوڑی دیر کے لیے ان پر ایک پہرا مقرر کیا اور اس کے بعد وہ پہرا وہاں سے
ہو گیا ۔ ان مہاجرین کے پاس جو کچھ کھانے پینے کی چیزیں تھیں ان میں سوائے
روٹیوں کے اور ایک آدھ تربوز کے اور کچھ نہ تھا ۔ وہ انھوں نے کھا پی ڈالا ۔
اور گذر گئی مگر کوئی ان کی خبر لینے کو نہ آیا ۔ آخر صبح ہوئی ۔ دروازوں
سے روشنی نمودار ہوئی ، دن چڑھا ، نصف النہار پر آیا ، سورج ڈھلنے لگا ،
گئی مگر اب تک کوئی ان کی خبر لینے کو نہ آیا ۔ چھوٹی سی کچی کوٹھری
نے رفع حاجت کی ۔ بدبو سے ان کا دم نکلا پڑتا تھا ۔ بھوک سخت ستا رہی
سرا دن بھی گزر گیا اور یہ اسی کوٹھری میں بند تھے ۔ باوجود زور لگانے کے

بھی ان سے دروازہ نہ ٹوٹ سکا ۔ آخر خدا خدا کر کے ان کی فریاد سنی گئی ۔ کچھ سپاہی شور و غل کرتے ہوئے آئے ، انھوں نے اس کوٹھری کا دروازہ کھولا ۔ مہاجرین کی حیرت کی حد نہ رہی ۔ جب انھوں نے اپنے سامنے روسی سپاہیوں کو پایا جو ان کی نجات کا باعث بنے تھے ۔

ان سے جب روسی افسروں نے پوچھ گچھ کی تو انھوں نے بتایا کہ ہم ہندی مہاجرین ہیں ۔ جنھوں نے برٹش سامراج کے خلاف اپنے وطن چھوڑے ہیں ۔ ہمارا مقصد ترکی سلطنت کو امداد پہنچانا ہے تاکہ ہم خلافت کو بحال کر سکیں اور اپنے اماکن مقدسہ کو انگریزوں کے پنجے سے نجات دلا سکیں۔ افغانستان کو ہم نے اس حالت میں نہیں پایا جہاں سے ہم برٹش سامراج پر کاری ضرب لگا سکیں ۔ اس لیے ہم نے عزم کیا ہے کہ روس کے راستے سے ترکیہ جائیں ۔ آپ ہماری امداد کریں اور ہم کو باکو کے راستے سے ترکی بھجوا دیں ۔ روسی افسروں نے بڑی چاہت کے ساتھ ان کا خیر مقدم کیا اور انھیں ہندوستان کے انقلابی سمجھ کر بڑی عزت کے ساتھ تاشقند بھجوا دیا ۔

تاشقند میں اور مہاجرین بھی اس سے قبل پہنچے ہوئے تھے ۔ اس وقت روس کو سخت ترین قحط کا سامنا تھا ۔ حتیٰ کہ سیاہ گندم کی روٹی پر کمہہ و مہہ کو راشن کے طور پر ملتی تھی ۔ مگر وہ ان مہاجرین کو انقلابی سمجھ کر انھیں اول درجے کا راشن مہیا کرتے تھے ۔ بخارا میں بادشاہت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا گیا تھا امیر بخارا نے بھاگ کر افغانستان میں پناہ لی تھی ۔ بخارا میں ''جدیدیوں'' نے پہلی بار کمیونسٹ حکومت قائم کی ۔ لیکن اس کا ارتباط ابھی جماہیر شوروی سے نہیں ہوا تھا ۔ گویا بخارا اپنے پاؤں پر آزاد کر دیا گیا تھا اور اس کی حکومت کو ایک نیشنلسٹ حکومت کا درجہ حاصل تھا ۔ روسیوں نے بہ حیثیت ایک آزاد ملک کے بخارا کی آزادی کو تسلیم کر لیا تھا اور بخارا کو اپنے سفارت خانے بیرون ممالک میں کھولنے کی اجازت دے دی تھی ۔ افغانستان میں بھی بخارا کا ایک سفارت خانہ کھل گیا تھا ۔ روس نے جہاں بخارا کی آزادی کو تسلیم کیا تھا ۔ وہاں اسی وقت اس نے افغانستان کی آزادی کو تسلیم کرنے کا اعلان بھی کر دیا تھا اور افغانستان میں اپنا سفیر بھیج دیا تھا ۔

مہاجرین کے وہ متعدد قافلے جو ترکیہ جانے کے لیے روس گئے تھے ، ان میں دو قافلے زیادہ مشہور ہوئے ۔ ایک عبدالرب کا قافلہ اور دوسرا محمد اکبر پشاوری کا قافلہ ۔ پہلے قافلے میں امرتسر کا فیروز الدین منصور ، لاہور کا فضل الٰہی قربان اور ضلع ہزارہ کا مشہور سوشلسٹ لیڈر محمد اکبر خاں تھا ۔ اور ایم ۔ اے ۔ مجید ۔ مقدمہ سازش میرٹھ کا اسیر بھی ۔

قافلے میں تھا ۔ ان لوگوں نے ہندوستان واپس آ کر کیمونزم کی تحریک کو متعارف کرایا ہے ۔ بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان میں کیمونزم تحریک انھیں کے دم سے اور انھی لوگوں سے سکھوں اور ہندوؤں میں کیمونسٹ پیدا ہوئے ۔ اور دہشت پسند ہی جس نے اسمبلی پر بم پھینکے اور لاہور میں سانڈرس کو قتل کیا ، اسی تحریک کی شاخسانہ تھا ۔

میرا خالہ زاد بھائی کامریڈ عبدالوارث جو کراچی میں اب تک زندہ اور سلامت ہے اور سرکاری طور پر روسیوں کی ترجمانی پر مقرر ہے انھی قافلوں میں روس تھا جس قافلہ کو ترکمانوں نے پکڑا تھا کامریڈ اسی قافلہ میں تھا ۔ ان مہاجرین میں بعض روس میں رہ گئے اور بعض افغانستان واپس لوٹ آئے ۔ مگر ترکیہ ان میں سے بھی نہ جا سکا ۔ میرا خالہ زاد بھائی کامریڈ عبدالوارث جو اسی پٹے ہوئے قافلے میں آیا تھا، ہندوستان واپس لوٹ جانا چاہتا تھا مگر میں نے اس کو اجازت نہ دی ۔ میں جمال پاشا کے قائم کردہ ملٹری سینٹر میں زیر تربیت تھا ۔ اس وقت میرا رینک کا تھا میں چاہتا تھا کہ اپنے اس خالہ زاد بھائی کو بھی فوجی تربیت دلواؤں وہ اس کے مزاج کے موافق نہ تھی ۔ یہ مزید تعلیم حاصل کرنا چاہتا تھا ۔ میں نے برکت اللہ بھوپالی کے ساتھ جو غازی جمال پاشا کی معیت میں افغانستان کی فوج کے اسلحہ خریدنے کے لیے یورپ جا رہا تھا ، اسے کر دیا ۔ غازی جمال پاشا جب میں قتل ہو گیا تو مولانا برکت اللہ بھوپالی اس وقت غازی جمال پاشا کے ساتھ نہ ماسکو میں تھا ۔ کامریڈ عبدالوارث بھی چونکہ انھیں کے ساتھ ماسکو رہ گیا تھا غازی جمال پاشا کے شہید ہونے کے بعد مولانا برکت اللہ بھوپالی کا سیاسی لوٹ گیا تو وہ خود تو برلن (Berlin) چلے گئے اور کامریڈ عبدالوارث ماسکو کی کے ہتھے چڑھ گیا ۔

ملٹری ٹریننگ کا مجھ پر اثر

جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے مجھے ایک خاص تربیت کی ضرورت تھی ۔ میں ہجرت سے قبل تحریک خلافت کے دوران بھی اس کے لیے بہت ہاتھ پاؤں مارے اس کے بعد ہجرت کر کے جب میں کابل پہنچا تو میں غازی جمال پاشا سے ملا شخصیت نے پہلی ہی نظر میں مجھے متاثر کر ڈالا اور جب اس نے میرے سامنے ٹریننگ کا پیش نہاد رکھا تو میں نے فوراً اسے قبول کر لیا ۔ گویا اس طرح قدرت

نے میری جنگی تربیت کا سامان مہیا کر دیا ۔ میں نے ترکوں کے سخت ڈسپلن کے ماتحت اپنے ملٹری کیریکٹر کو ابھارا اور شب و روز کی محنت اور کوشش سے اپنی تمام کمیوں کو دور کرنے کے قابل ہو گیا ۔ ملٹری ٹریننگ نے مجھ میں اعتماد نفس پیدا کیا ۔ اس ٹریننگ نے مجھ میں وہ روح پھونک دی جو عزائم کی دنیا میں کام کرنے والوں کے لیے ضروری ہوتی ہے ۔ کوئی بڑی شخصیت جب کسی زیر تربیت شخصیت کے مقابل ہوتی ہے تو وہ سوا اس کے اور کوئی معجزہ نہیں کرتی کہ زیر تربیت شخصیت میں اپنی روح پھونک دیتی ہے ۔ غازی جمال پاشا نے یہ روح مجھ میں چند لفظوں کے ذریعے پھونک دی تھی ۔ وہ مجھے اکثر (قوماندان مستقبل ہند) کہا کرتا اور بسا رئیس سرحدات آزاد کہ کر میری روح کے جذبات کو برانگیخت کرتا ۔ یقیناً میں نے بہت ہی کم مدت میں افغانی افسروں میں نام پیدا کر لیا ۔ میں اپنی شب و روز کی کوشش و کاوش، کے ضمن میں بر سبیل تذکرہ ایک واقعہ بیان کرتا ہوں ۔

ہمیں سنگین کی ٹریننگ دی جا رہی تھی اور وہ افغانی افسر جو اس سے پہلے بھی کابل کے ملٹری کالج کے تربیت یافتہ تھے اور ترکوں کی اس ٹریننگ سینٹر میں اعلیٰ تربیت کے لیے داخل ہوئے تھے ، سنگین بازی کی پریکٹس کر رہے تھے ۔ میں نے اس سے پہلے سنگین کو ہاتھ نہیں لگایا تھا ۔ میرے لیے یہ بالکل نیا مرحلہ تھا ۔ میں نے ڈرتے ڈرتے اور جھجکتے جھجکتے اپنے انسٹرکٹر سے اجازت طلب کی اور ایک افغانی افسر کے ساتھ جس کا نام جہاں داد خاں تھا اور جو رتبے میں کپتان کا عہدہ رکھتا تھا ، سنگین بازی کی پریکٹس میں مشغول ہو گیا ۔ لیکن اس سے قبل کہ سنگین سے لڑنا سکھایا جاتا ، بغیر اسلحہ کے پینترے بدلنے کی تربیت دی جاتی ، یہ تربیت میں نے اپنے ترک انسٹرکٹروں سے حاصل کی تھی ۔ سنگین بازی میں قاعدہ یہ ہوتا ہے کہ منہ پر لوہے کے خول چڑھا لیتے ہیں ۔ سنگین کی نوک پر ٹوپی چڑھی ہوئی ہوتی ہے اور ہاتھوں میں دستانے پہن لیتے ہیں تا کہ آمنے سامنے کی جنگ میں کوئی زیر تربیت زخمی نہ ہونے پائے ۔ جب میں سنگین پکڑ کر جہاں داد کے سامنے آیا تو چونکہ یہ اول موقع تھا میں گھبرا سا گیا ۔ اس نے جھپٹ کر مجھ پر وار کیا جس کو میں نہ روک سکا ۔ یہ وار میری چھاتی پر پڑا اور میں پیچھے کی طرف گر گیا ۔

جو افغانی افسر یہ تماشا دیکھ رہے تھے انھوں نے قہقہہ لگایا لیکن میں خلل ہوئے بغیر اٹھا اور ایک دوسرے افسر سے استدعا کی کہ مجھے مزید پریکٹس کرا دے ۔ اس افسر کا نام سید صالح تھا اور یہ ہمارے بریگیڈ کی دوسری پلٹن کا کرنل تھا ۔ اس کا

تقریباً پورے سات فٹ تھا اور میں اس کے مقابلے میں میں نہایت ہی حقیر معلوم دیتا تھا ے مزاحاً مجھ سے کہا کہ مولانا ! (مجھے مولانا کہا کرتے تھے) آپ کیوں اپنی جان پیچھے پڑے ہیں۔ میں نے کہا آپ آئیں تو سہی مجھے سکھانے میں بخل نہ کریں۔ آیا اور آتے ہی پینترا بدل کر مجھ پر جھپٹا اور ایک ہی وار میں میری بندوق کو ے ہاتھوں سے اڑانے میں کامیاب ہو گیا۔ فوجی افسروں نے پہلے سے بھی زیادہ زور قہقہہ لگایا لیکن بجائے اس کے کہ میں کھسیانا ہوتا میں نے ان سے کہا کہ میں کل وقت اس کا بدلہ لوں گا۔ سید صالح نے ایک عجیب انداز میں مجھے مخاطب کرتے ے کہا : ”برو مولانا جو جوات می‌کنیم“ (مولانا جائیے ہم آپ کو جوجو کر کے رکھ گے) بات گئی گزری ہو گئی۔ پریڈ کے بعد میں اپنے فوجی کمانڈر خالد آفندی کے گیا اور اس سے کہا کہ میں اور رسالدار رکن الدین خاں سنگین کی پریکٹس کرنا ہیں۔ ہمیں بندوقیں مع سنگینوں اور لوازم کے دے دیجیے۔ اس نے مجھے دو ں مع خول اور دستانوں کے دے دیں اور میں انھیں لے کر رسالدار رکن الدین کے ب میں چلا گیا۔ رسالدار رکن الدین انگریزی فوج میں رسالدار رہ چکے تھے۔ پہلی جنگ میں محاذ عرب پر ترکوں کے بر خلاف لڑائے گئے تھے۔ یہ پنجاب کے اعوان ے تعلق رکھتے تھے ان کے رسالے نے ترکوں کے بر خلاف جنگ کرنے سے انکار دیا تھا۔ لہٰذا ان کا رسالہ معتوب ہوکر ہندوستان واپس بھیج دیا گیا تھا۔ یہاں ے ہی اسے ڈس مس کر دیا گیا۔ تحریک ہجرت میں رسالدار رکن الدین ہجرت کرکے ستان چلا گیا تھا۔ جہاں وہ مہاجرین کے بریگیڈ میں رسالدار مقرر کیا گیا تھا۔ جال پاشا نے ملٹری سینٹر قائم کیا تو اسے بھی ٹریننگ سینٹر میں لے لیا گیا۔ میں ے جو واقعہ صبح کو ہوا تھا بیان کیا اور کہا کہ آئیے خول وغیرہ پہن لیجیے مجھے پریکٹس کروائیے۔ چنانچہ ہم دونوں پریکٹس میں مشغول ہو گئے اور کافی دیر یکٹس کرتے رہے حتیٰ کہ وہ دستانے جو میں پہنے ہوئے تھا ایک دو جگہوں سے گئے اور میرے ہاتھ سنگین کی ٹوپی سے زخمی ہو گئے تاہم مجھ میں وہ ضروری نفس پیدا ہو گیا جو سنگین کی لڑائی کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ ابھی ہم پریکٹس مشغول ہی تھے کہ میرا کمانڈر جس سے میں نے بندوقیں لی تھیں مجھے تلاش کرتا ی طرف آ نکلا اس نے دور سے مجھے للکارا اور جب نزدیک آ کر میرے ہاتھوں پر دیکھیں تو مجھے ڈانٹا۔ میں نے بندوقیں تحویل کر دیں۔

دوسرے دن پریڈ کے موقع پر میں نے سید صالح سے کہا کہ آئیے میدان میں سی پریکٹس کریں۔ پہلے تو وہ انکار کرتا رہا لیکن اس کے بعد جب میں نے

چیلنج کیا تو میدان میں غصے سے بھرا ہوا اتر آیا - ہم نے اپنی اپنی پوزیشنیں لیں اور ایک دوسرے کو ریلنا پیلنا شروع کر دیا - نہ وہ داؤں پر آتا اور نہ میں اس کا داؤ کھاتا - مقابلہ دل چسپ ہوگیا اور ارد گرد کے افسر سنجیدگی کے ساتھ ہاری لڑائی دیکھنے میں مشغول ہوگئے - اتنے میں اس نے میری سنگین پر اپنے بٹ سے وار کیا - میں نے بٹ سے بٹ کا جواب دیتے ہوئے جوابی حملے میں اس کی بندوق کے وسط پر ایک کاری ضرب لگائی - دیکھتے ہی دیکھتے اس کے ہاتھوں سے بندوق نکل کر دور جا پڑی - افسروں نے آفرین و تحسین کے نعرے بلند کیے اور افغانی افسر بہ یک زبان مجھ سے مخاطب ہوکر کہنے لگے کہ ''مولانا بلا کردی'' (مولانا تو نے تو کمال ہی کر دیا) اس واقعہ کے بعد میری دھاک تمام افغانی افسروں پر بیٹھ گئی--اور اسی دھاک کا نتیجہ تھا کہ چند سال بعد افغانی انقلاب میں میں نے اس ٹریننگ سنٹر کے افسروں کی معیت میں افغانوں کی خدمت کی جس کے صلے میں مجھے ''عزیز افغان'' کا خطاب دیا گیا - اس واقعہ سے یہ اظہار مقصود تھا کہ ملٹری ٹریننگ سینٹر نے میرے انقلابی کردار کی نہ صرف تربیت ہی کی بلکہ اُسے ٹھوس بنیادوں پر تعمیر بھی کیا -

---

کامریڈ خوشی المعروف احمد حسن کا ورود کابل

روس نے کامریڈ خوشی محمد کو کابل بھیج دیا کہ وہ خفیہ طور پر جمال پاشا شن کی نگرانی کرے -

یہ خوشی محمد یا احمد حسن لاہور کے اُن پندرہ لڑکوں میں سے ایک تھا جو ۱۹ع میں ترکی سلطنت کی عالمی جنگ میں شریک ہونے کے وقت سلطان المعظم کے کے اعلان کے ماتحت لاہور اسلامیہ کالج سے بھاگ نکلے تھے - مولانا عبیداللہ سندھی س مشن کو روس کی طرف روانہ کیا تھا - اُس میں یہ خوشی محمد شامل تھا - یہ ے واپس آیا ہوا تھا اور وہاں کمیونسٹ گروہ میں شامل ہوگیا تھا - وہاں کمیونزم نے اچھی خاصی تربیت حاصل کر لی تھی - اسے ایم - این - رائے بنگالی کے ساتھ نے کا موقع بھی ملا ، جسے کمیونسٹ روس نے مشرقی ممالک کا سیکشن سونپ تھا - یہ وہی ایم - این - رائے تھا - جس نے ۱۹۳۵ع میں مملکت چین میں کمیونسٹ ب برپا کرنے کی کوشش کی تھی - جو اس وقت جنرل چنک کائی شیک کے ماتحت مگر باوجود لاکھوں روبل (روسی سکہ) خرچ کرنے کے وہ اپنی مہم میں ناکام ے - امریکہ کو چین کے معاملات میں دخل دینے اور جنرل چنگ کائی شیک کی مدد کا موقع اسی دوران حاصل ہوا تھا - تاہم یاد رہے کہ ہم یہاں ۱۹۲۲ع کی بات کر یں - جب کہ ایم - این - رائے روسی کمیونسٹ حکومت کی طرف سے مشرقی ممالک ریکات کا انچارج تھا -

کابل میں خوشی محمد کے نیک چلن رہنے کی حمایت حکومت افغانستان کو مولانا سندھی نے دے رکھی تھی اور اُسے مولانا عبیداللہ سندھی کے سپرد کر دیا گیا - خوشی محمد پر کابل میں کوئی پابندی عائد نہ تھی - وہ آزادانہ جدھر چاہتا تھا جاتا ل شخصیتوں سے چاہتا ملتا - اُس نے کابل آتے ہی نہایت بے دریغ اور دریا دلی کے خرچ کرنا شروع کر دیا تھا جس سے اُس کی شہرت بہت جلد کابل میں پھیل گئی - بھی وہ بازار میں نکلتا ٹانگے والوں میں اُس تک پہنچنے کی دوڑ شروع ہو جاتی - ے کہ وہ اگر تھوڑی دیر کے لیے بھی ٹانگے پر سوار ہو کر کہیں جاتا تو ایک

دو روپے کی بجائے مٹھی بھر جیب سے روپے نکال کر تانگے والے کو دے دیتا ۔ اس طرح زیادہ تر کمیونسٹ لٹریچر اس کے ذریعے ہندوستان میں پہنچنا شروع ہوا ۔

یہ وہ وقت تھا جب کہ جمال پاشا افغانستان سے جا چکا تھا اور تھوڑے عرصے بعد باطوم میں اس کے قتل ہونے کی اطلاع ہمیں موصول ہو چکی تھی ۔ ملٹری ٹریننگ سنٹر جمال پاشا کے اسٹاف کی ماتحتی میں بدستور اپنے فرائض ادا کر رہا تھا ۔ لیکن جوں ہی جمال پاشا کے قتل کی اطلاع پہنچی حالات نے کسی قدر پلٹا کھایا اور ضیا بیگ جو پاشا کے نیچے سیکنڈ ان کمانڈ تھا اور جس کے سپرد ملٹری ٹریننگ سنٹر تھا ۔ اس نے حالات پر قابو پانے کی کوشش کی اور پاشا کی لائنوں پر روسی حکومت کے ساتھ رابطہ استوار کرنے کی پہل کی ۔ میں ابھی تک ملٹری سنٹر ہی میں تھا ۔

میری آزاد سرحدات کو روانگی

جمال پاشا کی بے وقت موت نے مجھے کسی حد تک بد دل کر دیا تھا ۔ میں اپنے دل میں سوچ رہا تھا کہ اب کیا ہوگا ۔ مجھے جس مقصد کے لیے ٹریننگ دی جا رہی تھی ۔ مولانا عبیداللہ سندھی کے گروپ کی اس سے آشنائی تھی ۔ احمد حسن سے مشورہ کیا اور کہا کہ جس صورت میں جمال پاشا موجود نہیں رہا ، ہمیں کیا کرنا چاہیے ۔ اس نے اپنا مشورہ دینے کے لیے دو ایک دن کے لیے مہلت طلب کی ۔

تیسرے دن اس نے کہا کہ روس کی حکومت آپ کو امداد دینے کے لیے تیار ہے لیکن اس گفت و شنید سے قبل ایک اور واقعہ ہوا ۔ جس نے مجھے افغانستان سے نکل کر سرحدات آزاد کی طرف جانے پر مجبور کر دیا ۔ وہ واقعہ یہ تھا کہ مولانا شوکت علی نے خلافت کانفرنس کا ایک رزولیوشن مجھے بھیجا تھا ۔ جس میں افغانستان کی حکومت سے استدعا کی گئی تھی کہ وہ اینگلو افغان معاہدے کی اس وقت تک تصدیق نہ کریں جس وقت تک کہ انگریزی حکومت قسطنطنیہ اور اماکن مقدسہ سے اپنا فوجی قبضہ نہ اٹھا لے ۔ واضح رہے کہ سر ہنری ڈابس اور افغانوں کے درمیان کابل میں اینگلو افغان معاہدہ تکمیل پا چکا تھا ۔ اس معاہدے کی تکمیل میں غازی جمال پاشا نے خاص حصہ لیا تھا ۔ چنانچہ جب مجھے برصغیر کی ڈاک سے یہ ریزولیوشن پہنچا تو میں نے افغانستان کی فارن منسٹری کو اس رزولیوشن کی نقل بھیجتے ہوئے لکھا کہ اگر آپ اس رزولیوشن پر عمل نہ کریں گے تو میں آپ کے ملک کو چھوڑ کر چلا جاؤں گا ۔ سردار محمود طرزی نے مجھے بلایا اور اپنی ملاقات کے دوران مجھ سے کہا کہ اگر ایسی بات ہے تو ہم

سا ساز و سامان خرید رکھا ہے ۔ جو پشاور پہنچ چکا ہے ۔ آپ ہمیں وہ منگوا دیں
ہم اس صورت میں خلافت کے رزولیوشن پر عمل کرنے کے لیے بالکل تیار ہیں ۔
جب میں نے اپنی بات پر اصرار کیا اور کہا کہ مجھے رخصت دیجیے کہ میں آپ کے
سے چلا جاؤں تو انھوں نے مجھ سے کہا کہ آپ کپتان کا عہدہ رکھتے ہیں ۔ اگر
اپنی بات پر اصرار نہ کریں تو ہم آپ کو کرنل کے عہدے پر ترقی دینے کے
تیار ہیں ۔ میں نے ان سے کہا کہ آسمان کی باتیں زمین کے گز سے نہیں ناپی جاتیں ۔
نے خلافت اور اماکن مقدسہ کے تحفظ کے لیے تحریک ہجرت کی بنا کی تھی ۔ لہٰذا ہم
قسم کے مادی مفاد سے پہلے اپنے مذہبی معاملات منوانا چاہتے ہیں ۔ آپ بھی
ہم نوائی کیجیے ۔ سارا ہندوستان آپ پر اس وقت نظریں جمائے ہوئے ہے ۔ قصہ یہ
کہ نہ صرف خلافت کمیٹی نے اپنے سالانہ اجلاس میں اس تجویز کو پاس کیا تھا ۔
آل انڈیا کانگریس نے بھی خلافت کمیٹی کی ہم نوائی میں رزولیوشن پاس کیا تھا
طرزی نے آخر کار کہا کہ ہم آپ کو آزاد سرحدات کی طرف نہیں جانے دیں گے ۔
آپ ایران یا روس کی طرف جانا چاہیں تو آپ کے راستے کھلے ہیں ۔ میں نے ان سے
کہ میں صرف سرحدات آزاد جانا چاہتا ہوں اور اگر آپ مجھے اجازت نہیں دیں گے تو
ایک جلسے میں آپ سے اس کا مطالبہ کروں گا ۔ انھوں نے کہا کہ ایسی صورت میں
ملک کا قانون آپ سے نپٹ لے گا ۔

کابل کی جامع مسجد پل خشتی میں میری تقریر

سردار محمود طرزی وزیر خارجہ افغانستان سے گفت و شنید کی ناکامی کے بعد
اگلے دن جمعہ کے روز بعد از نماز جامع مسجد پل خشتی میں ایک زبردست تقریر
تقریر کے آغاز میں میں نے خلافت کمیٹی کا رزولیوشن جو مجھے مولانا شوکت علی
سے موصول ہوا تھا مسلمانوں کو پڑھ کر سنایا اور کہا کہ ہم مہاجرین
گھروں کو ترک کرکے محض خدا کی راہ میں اس لیے آپ کے ملک میں آئے ہیں کہ
کی بحالی اور اماکن مقدسہ کی حفاظت کے ضمن میں آپ مسلمانوں کی حمایت حاصل
آپ کی حکومت نے اسی بنا پر ہمیں اپنے ملک میں آنے کی راہ دی ہے ۔ آج
برصغیر کا متفقہ فیصلہ ہمیں پہنچا ہے ۔ جس میں افغانستان کی حکومت سے استدعا
ہے کہ وہ اس وقت تک معاہدے کی تصدیق و توثیق نہ کرے جب تک کہ
اپنا قبضہ دارالخلافت ترکیہ یعنی قسطنطنیہ اور اماکن مقدسہ سے نہ اٹھا لیں ۔ اس
ضروری ہے کہ افغانستان کی حکومت تمام مسلمانان عالم کی اس بارے میں

تائید و حمایت کرے - لیکن اگر وہ خود غرضی کی بنا پر اپنے مفاد کے لیے مسلمانان عالم کے مفاد کو پس پشت ڈال دے تو یہ دین اسلام اور ملت اسلامیہ پر ظلم کے مترادف ہوگا اور ہم اسے برداشت نہیں کریں گے - افغانستان کی آزادی کی طرف اب انگریزی حکومت آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتی - وہ اپنی جگہ علیٰ حالہ موجود ہے اور ہم اس آزادی کے برقرار رکھنے کے لیے اپنے خون سے ہولی کھیلنے کے لیے تیار ہیں لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ جب تک انگریز اسلام کے متفقہ مطالبہ کے آگے اپنا سر خم نہ کریں - ہم تھوڑے سے مادی فائدہ کے لیے اُن کے سامنے جھک پڑیں اور عربوں کی طرح اپنی منافقت کا ایک اور ثبوت ان کافروں کو بہم پہنچائیں - اگر آپ کی حکومت نے ہمارا کہنا نہ مانا تو ہم آپ کے ملک سے اپنی آزاد سرحدات کی طرف نکل جائیں گے لیکن اگر ہمیں آزاد سرحدات کی طرف جانے سے روکا گیا تو پھر ہم یہیں رہ کر اس معاہدے کے خلاف پبلک ایجی ٹیشن کریں گے اور ہر پیر و جوان اور طفل و زن کے کان میں پھونک دیں گے کہ اس معاہدے کی اعلانیہ مخالفت کریں -

تقریر کیا تھی ملوکیت زدہ افغانستان میں ایک بم کا گولہ تھی جو پھٹا اور ہر طرف اپنی تاثیر کر گیا - جوں ہی کہ میں نے تقریر ختم کی ، چاروں طرف سے لوگ میرے ہاتھوں ، میرے لباس اور میری آستینوں پر بوسہ دینے لگے -

پایہ تخت افغانستان کے مسلمانوں کا یہ رد عمل اتنا پرتاثیر تھا کہ امیر امان اللہ خاں کو دو گھنٹے کے اندر اندر اس کی خبر ہوگئی اور باوجود اس کے کہ اس دن چھٹی تھی ، وزارت خارجہ کے لوگ مجھے ڈھونڈتے پھرتے تھے کہ کل وزارت میں تشریف لائیے ہم آپ کو سرحدات آزاد کی طرف جانے کا پروانہ راہ داری دے دیں گے -

واضح رہے کہ انگریز افغانستان معاہدے کی ابھی تک جانبین کی طرف سے توثیق نہ ہوئی تھی - اس لیے اس وقت تک انگریزی سفارت خانہ ابھی کابل میں قائم نہ ہوا تھا - معاہدہ کی توثیق سے پہلے قانوناً کوئی ذمہ داری کسی شق کی خلاف ورزی کے بارے میں حکومت افغانستان پر عاید نہ ہو سکتی تھی تاہم حکومت افغانستان انگریزوں پر ثابت کرنا چاہتی تھی کہ وہ معاہدے کی توثیق سے پہلے بھی اپنے آپ کو معاہدے کی جملہ شرائط کا پابند سمجھتی ہے - اس معاہدے کی ایک بدیہی شرط یہ تھی کہ افغانستان کی طرف سے کسی ہندوستانی انقلابی کو سرحدات آزاد کی طرف جانے نہ دیا جائے گا - یہی وجہ تھی کہ افغانوں کی وزارت خارجہ مجھ سے بار بار کہہ رہی تھی کہ روس یا ایران کی طرف چلے جاؤ ہمیں کوئی عذر نہیں لیکن ہم تمہیں سرحدات آزاد کی طرف جانے

لیکن جب اُنھوں نے دیکھا کہ اُن کے اپنے ملک کی رائے معاہدۂ مذکور کے
خلاف ہے تو وہ در پردہ مجھے سرحدات آزاد کی طرف نکل جانے کی اجازت دینے پر
ہوگئے ۔

دوسری صبح جب میں اپنے اعلیٰ کمانڈر ضیا بیگ سے ملا اور اس پر اپنا عندیہ
کیا تو اُس نے مجھے آب دیدہ ہوکر خدا حافظ کہا ــــ پھر ہم کبھی نہ مل سکے ۔

ضیا بیگ اس کے بعد ترکی چلا گیا تھا ۔ وہ کچھ دنوں وہاں ترکی جنرل اسٹاف
کام کرتا رہا ۔ اُس کے بعد وہ چیف آف دی جنرل سٹاف (رئیس ارکان حرب) کے
عہدے پر ترقی کر گیا ۔ اُس نے اپنی اسی حیثیت میں قبل تقسیم ہند انگریزوں کے
حکومت میں ہندوستان کا آفیشل دورہ کیا تھا ۔ میں اُن دنوں لاہور سنٹرل جیل میں
آف انڈیا ایکٹ کے ماتحت نظر بند تھا ۔ غالباً ۱۹۴۱ع کا سال تھا ۔ مجھے خوب یاد
کہ میں نے اپنی ایک عرضداشت میں جو جیل سے حکومت انگریزی کے نام بھیجی
اپنے اور اُس کے تعلقات کا اُس میں ذکر کیا تھا ۔

احمد حسن ، میں ، اور حکومت روس

خوشی محمد یا احمد حسن (اور ہم اُس کے بعد اُسے صرف احمد حسن ہی
کہیں گے) کے کابل میں آنے کے بعد مولانا عبیداللہ سندھی کے مالی ہاتھ بہت مضبوط
ہوگئے تھے ۔ اکثر ہندوستانی مہاجر ان کے جتھے میں شامل ہوگئے تھے ۔ احمد حسن
ان کو مالی امداد دیتا اور اپنے مشن کے پیش نظر ان سے مختلف قسم کے کام لیتا
شروع شروع میں افغانی حکومت کو روسیوں کی خوشامد مطلوب تھی ، اس لیے وہ
احمد حسن کی سیاسی سرگرمیوں سے در گزر کرتے اور مولانا عبیداللہ سندھی کی وجہ سے
بولتے نہ کہتے گویا کچھ عرصے کے لیے مولانا عبیداللہ سندھی کی ذات ہندوستانی
مجاہدین کی جد و جہد کا مرکز بن چکی تھی ۔ احمد حسن چاہتا تھا کہ غازی جمال پاشا
جیسے لیڈروں کی طرح روسی کمیونسٹ حکومت کی نگاہوں میں اپنی شخصیت کو نمایاں کرے ۔
اس کے لیے وہ جان توڑ کوشش کر رہا تھا ۔ اُس نے اپنے قیام کے دوران متعدد سوشل
تقریبات کا انتظام کیا ۔ جس میں ہندوستانی انقلابیوں کو روسی نمائندوں سے متعارف کیا
جاتا چونکہ ایسی تمام تقریبوں میں میری شمولیت ہوتی تھی اور میں اکثر ان تقریبات
میں تقریریں کیا کرتا ۔ میں روسیوں کے قریب آتا گیا ۔ آخر جب اُنھیں میرے متعلق یہ
اطلاعات حاصل ہوئیں کہ میں نے ہی ہندوستان میں تحریک ہجرت کو شروع کیا تھا تو

وہ میری ذات میں دل چسپی لینے لگے - باوجود اس رقابت کے جو میرے اور احمد حسن کے درمیان بوجہ اس کے کمیونسٹ مشن کے موجود تھی - حالات کے دباؤ کے ماتحت وہ خود روسی سفارت کی طرف سے مجبور کیا گیا کہ وہ ان سے ملاقات کا بندوبست کرے - ایک مختصر سی ملاقات میں روسیوں نے میرے عزائم میں میری مالی امداد کرنے کو قبول کرلیا اور اس امداد کے باقاعدہ مجھ تک پہنچنے کا احمد حسن کو درمیانی واسطہ مقرر کیا -

مجھے افسوس ہے کہ ظفر حسن نے اپنی کتاب میں اس واقعہ کے متعلق مخصوص مقاصد کے باعث کچھ نہیں لکھا ہے - حالانکہ وہ خود کابل میں موجود تھے - ایسے مولانا عبیداللہ سندھی اوران کے رفقاء کو میرے کابل سے چلے جانے کی خوشی تھی کیونکہ وہ میری بے لاگ تنقید سے ہمیشہ دم کھایا کرتے تھے - اب میں آزاد سرحدات کی طرف جا رہا تھا -

آج بڑھاپے ، دمہ کے مرض اور انتہائی ضعف و ناتوانی نے مجھے مجبور کر دیا ہے وگرنہ ساری عمر میرا مسلک ابوذر غفاری کے مثل رہا ہے - اگر میں چاہتا تو دولت کے انبار اپنے لیے مہیا کر سکتا تھا - لیکن شاید یہ اس مادی دنیا میں میری غلطی تھی - میں نے ایک مخلص زندگی بسر کرنے کے لیے اپنے اور اپنی اولاد کے مستقبل کو بری طرح اپنے پاؤں تلے روند ڈالا ہے - اس وقت تک کہ میں یہ سطریں اپنی زندگی کے ۳۰ سال میں لکھ رہا ہوں - نہ میری ملت ہی نے اور نہ ہی دوسرے اکار نے میری کوئی قدر دانی کی ہے - شاید وہ میرے مرنے کے بعد میری قبر پر پھول چڑھائیں - لیکن میں اس وقت ان کی اس نوازش سے بے نیاز ہو چکا ہوں گا -

کابل سے جلال آباد تک ہماری روانگی

ہمیں وزارت خارجہ کی طرف سے کہا گیا تھا کہ چونکہ ہم (انگریز - افغان) معاہدہ کی پابندی پر مجبور ہیں اس لیے ہم آپ کو اور آپ کے رفقاء کو صرف جلال آباد تک جانے کی راہ داری دے سکتے ہیں - اس کے بعد آپ وہاں سے خفیہ طور پر پاری سرحدات کو عبور کر جائیں - ہم آپ سے پرخاش نہیں کریں گے -

ان دنوں سردی کا موسم تھا - راستے بھر میں برف پڑی ہوئی تھی - بمشکل ہم گئے - تین ٹانگے کرائے کیے - ہمارے پاس اسلحہ اور میگزین کافی تھا - ہم کل چار آدمی تھے اور چاروں نے فوجی لباس پہنا ہوا تھا - ہم دسمبر ۱۹۲۲ء کو کابل سے روانہ ہوئے -

راستے میں برف باری کی وجہ سے جلال آباد پہنچنے میں دو دن کی تاخیر ہو گئی
تاخیر ہمارے حق میں بہتر ثابت ہوئی - ہم ابھی جلال آباد سے دو تین میل کی مصافت
پر تھے - کہ ہمیں دو تین مہاجر سڑک پر نظر آئے - انھوں نے ہاتھ کے اشارے سے
ہمیں روکا اور جب نزدیک ہوئے اور آپس میں ایک دوسرے کو پہچانا تو انھوں نے
ہمیں ایک طرف علیحدہ لے جاتے ہوئے کہا کہ ہم کل سے آپ کا اس سڑک پر انتظار کر
رہے ہیں - مولوی اللہ نواز خاں نے ہمیں آپ کی طرف یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ کابل
سے یہاں حکم پہنچ چکا ہے کہ جلال آباد پہنچتے ہی عزیز ہندی اور اس کے رفقاء کو
گرفتار کر لیا جائے اور انھیں ہرگز آزاد سرحدات کی طرف جانے نہ دیا جائے -

ملٹری ٹریننگ نے ہمارے حوصلے اس قدر بلند کر رکھے تھے کہ ہم نے اس
خطرہ کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور یہ ٹھان کر کہ جو ہو سو ہو اگر ہمارا راستہ کسی نے
روکا تو ہم اس سے بھڑ جائیں گے - ہم جلال آباد کی طرف روانہ ہو گئے -

اللہ نواز خاں نے ہمیں پیغام بھجوا دیا تھا کہ آپ سیدھے ارباب محمد رضا خاں کے
ڈیرے پر پہنچ جائیں - میں وہاں شام کو آپ سے ملوں گا -

اللہ نواز خاں کا اس سے پہلے ایک دفعہ ذکر آ چکا ہے - یہ اور مولوی ظفر حسن
جنرل محمد نادر خاں سپہ سالار کی معیت میں کام کرتے تھے - پھر جب امیر امان اللہ خاں
نے سپہ سالار محمد نادر خاں کو کابل میں طلب کر لیا - تو وہ مولوی ظفر حسن خاں کو
اپنے ساتھ لے گیا اور اللہ نواز خاں کو اتحاد مشرقی اخبار کے ضمن میں کام کرنے کے لیے
جلال آباد ہی میں چھوڑتا گیا اور اس وقت جب کہ ہم جلال آباد میں پہنچے ہیں ،
یہیں تھا اسے کسی طرح ہمارے آنے کی اطلاع مل چکی تھی اور ہمارے بچانے کی تدبیریں
کر رہا تھا -

حسن اتفاق سے ہمیں اس وقت جب کہ ہم جلال آباد پہنچے ہیں حکومت کے
اعلیٰ افسر ایک خاص میٹنگ میں مشغول تھے - جو جلال آباد کے نئے گورنر کی آمد
اور اس کے استقبال کی تیاریوں کے متعلق سوچ بچار کے لیے بلائی گئی تھی - نئے گورنر کا
ابھی میں تقرر ہوا تھا اور وہ ابھی غزنی سے اپنے نئے عہدے کا چارج لینے کے لیے
جلال آباد نہ پہنچا تھا -

جلال آباد کا شہر اس وقت تک صرف دو مربع میل کی چار دیواری کے اندر
تھا - اس کے چار دروازے تھے ؛ ایک کابلی دروازہ کہلاتا تھا ، دوسرا پشاوری -
دیواری کے مغربی سمت شہر کی کوتوالی تھی - حکومت کا مستقر شہر سے باہر وسیع باغات

نے جلال آباد میں بوٹوں کی بجائے چپلیاں پہن لی تھیں کیونکہ پہاڑی راستہ میں بوٹ کام
نہیں دیتے لیکن چونکہ چپلیاں پہننے کی عادت نہ تھی اس لیے پاؤں میں آبلے پڑ گئے تھے
اور چلنا دشوار ہو گیا تھا - کوئی چار بج چکے ہوں گے کہ ہم ابھی تک ایک بلندی کو
طے کر کے دوسری بلندی پر چڑھتے ہوئے نظر آتے تھے - ہمارے پاس پانی کا جو ذخیرہ
تھا وہ ختم ہو چکا تھا اور اگرچہ سردیوں کا موسم تھا پیاس اس شدت سے لگنی شروع
ہوئی جیسے حلق میں کانٹے پڑ گئے ہوں - میں نے اپنے رہبر سے کہا کہ کسی چشمے کے
پاس ہمیں لے چلیے - اس نے کہا اچھا مگر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ ان بلندیوں
میں اپنا راستہ کھو چکا ہے - ہم سے پہاڑ کی پگڈنڈی بھی گم ہو چکی تھی اور راستہ
واقعی ہم سے کھویا جا چکا تھا - ہمارے رہبر کا انداز ہمیں یہی بتلا رہا تھا کہ اس سے
راستہ گم ہو چکا ہے - وہ بار بار ستاروں کی طرف دیکھتا تھا تا کہ ان سے راہ پائے ادھر
پیاس کی شدت کا یہ حال تھا کہ دم نکلا جا رہا تھا - اسی حالت اضطرار میں میرا منہ
آسمان کی طرف اٹھ گیا اور میں نے خدا سے پانی کی التجا کی - اس کے بعد ہم کوئی دو قدم
ہی بڑھے ہوں گے کہ شر شر پانی کی آواز سنائی دی - ہمارے رہبر کی باچھیں کھل گئیں اور اس
نے اس وقت ہمیں بتلایا کہ میں راہ پا گیا ہوں - دو قدم پر چشمہ تھا سب سے پہلے میں
اس کی طرف دوڑا اور ایک چوپائے کی طرح اس کی دھار کو اپنے منہ میں لے کر پانی
پینے لگا -

پیاسے تو سب ہی تھے لیکن میرا حال ان سب سے برا تھا - پانی پینے کے بعد
میں نے اپنے رہبر سے کہا کہ اب تو چلنے کی بالکل طاقت نہیں رہی - پاؤں کے آبلے بھی
پھوٹ چکے ہیں خدا را یہیں باقی رات بسر کرو - اس نے کہا آپ کے متعلق میری
ذمہ داری ہے کہ میں آپ کو حفاظت کے ساتھ منزل تک پہنچاؤں اس لیے جیسے بھی
بن سکے تھوڑی دیر اور تکلیف کریں - آبادی یہاں سے قریب ہے ہم اس وقت آبادی
کے اندر داخل نہ ہوں گے کیونکہ یہاں کا دستور ہی ایسا ہے کہ عشا کے بعد سے صبح
کی اذان تک پرائے لوگ آبادی میں داخل نہیں ہوتے - لہٰذا بادل نخواستہ پھر چل پڑے
لیکن ابھی پندرہ منٹ ہی چلے ہوں گے کہ کتے کے بھونکنے کی صدا کانوں میں آئی
جس کا مطلب یہ تھا کہ آبادی کے قریب ہم پہنچ چکے ہیں - ہمارے رہبر نے ایک ہموار
ٹیلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہم سے کہا کہ اب صبح کی اذان تک یہیں رات بسر کریں
چنانچہ میں نے پوستین کو فرش پر بچھایا اور دھڑام سے اس پر لیٹ گیا تھوڑی دیر میں
میں بالکل غافل ہو گیا کہ اتنے میں کسی نے جھنجھوڑا اور کہا کہ صبح کی اذان ہو چکی

جلدی چلیں - وہ ساتھ مسجد ہے اس میں داخل ہو جائیں - ناچار کراہتا ہوا اٹھ بیٹھا اپنے ساتھیوں سمیت مسجد میں پہنچا وہاں وضو کیا بڑی مشکل سے نماز پڑھی اور وہیں مسجد کے ایک گوشے میں پڑ کر میں اور میرے ساتھی غافل ہو گئے - گیارہ کے قریب رہبر نے ہمیں بیدار کیا اس نے اپنے کسی آشنا کے گھر ہمارے لیے کھانا پکایا تھا کھانا آیا اور کھانے سے فراغت پانے کے بعد ہم نے وہاں سے چلنے کی کی - مجھے سخت بخار چڑھ چکا تھا اور پاؤں میں آبلوں کی وجہ سے چلنا بے حد مشکل تھا - میرے لیے ایک گدھا کرایہ کیا گیا - میں گدھے پر سوار ہو کر اپنی منزل طرف چل پڑا - ہموار راستے میں خیر گزری مگر جونہی کہ پہاڑی نشیب و فراز شروع ہوا مجھے اپنے آپ کو اور اپنے مرکب کو سنبھالنے میں بڑی دقت پیش آئی - اسی کرتے پڑتے ہم ایک مقام ''مرزی چیکنا'' پہنچے - یہاں ایک ملک کے حجرے میں لے جایا گیا جہاں اس ملک نے ہماری بڑی آؤ بھگت کی اور فوراً چائے سے ہماری کی اور جب یہ دیکھا کہ میں بخار میں مبتلا ہوں تو اپنے دو نوکروں کو اس نے دیا کہ مجھے دبائیں - اس نے کہا تھکاوٹ کا بخار ہے صبح ہوتے ہی اتر جائے گا نے تین چار مرتبہ مجھے چائے پلائی اور مرغ کے شوربے اور باریک چاولوں سے ہماری کی - صبح کے وقت میں کافی ہشاش بشاش تھا - باقی راستہ بخیر و خوبی طے ہوا ہم رات کے دس بجے کے قریب حاجی ترنگ ذی کے ڈیرے پر پہنچے - یہ چمرقند کے یہی ہماری پہلی منزل تھی -

چمرقند میں ہمارا قیام

حاجی ترنگ ذی بھی اسی جگہ کے رہنے والے تھے جس جگہ کے رہنے والے عبدالغفار خان تھے - یہ کافی مدت پہلے چار سدہ سے ہجرت کر کے مہمند قبیلے میں گئے تھے - یہ ایک پر جوش مجاہد تھے - جنھوں نے انگریزوں کے خلاف بہت سے کیے تھے - انھوں نے مہمند میں جس جگہ ڈیرا ڈالا تھا اسے اس وقت ''لکڑ بکڑ'' تھے - بعد میں اس کا نام غازی آباد مشہور ہوا - پاشا گل خان حاجی ترنگ ذی لڑکا تھا اس نے انگریزوں کے خلاف بہت سے جہادوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا یہ اپنے باپ کے دوش بدوش قبائلی لشکروں کی قیادت کیا کرتا تھا - پاکستان کچھ عرصہ تک صوبہ سرحد مسلم لیگ کا صدر بھی رہا - لیکن بعد میں یہ ستان کی تحریک کا موئید بن بیٹھا -

ہم نے وہ رات حاجی ترنگ ڈی صاحب کے ہاں بسر کی - صبح نماز کے بعد
میں نے اردو میں ایک مختصر سی تقریر کی جس میں سرحدات آزاد میں اپنی آمد کا مقصد
بیان کیا - میری اس تقریر کا ترجمہ پاشا گل نے لوگوں کو سنایا - حاجی صاحب نے
بیٹھے بیٹھے ایک مختصر سی تقریر میں ہمیں خوش آمدید کہا اور انگریزی سامراج کے
خلاف ہر گونہ تحریکات میں اپنی معاونت کا غیر مشروط وعدہ دیا - دوسرے دن ہمارے
لیے انھوں نے خچروں کا انتظام کر دیا اور اپنے شیخ کو ہمارے ہمراہ کر دیا تاکہ وہ
ہمیں بخیر و عافیت چمرقند پہنچا آئے - ہم غازی آباد سے چند گھنٹوں کے اندر اندر
چمرقند پہنچ گئے جو تقریباً پانچ ہزار فٹ کی بلندی پر واقع تھا - یہاں مجاہدین کا ایک
مرکز تھا جس کا سربراہ امیر مولوی فضل الٰہی وزیر آبادی تھا - یہ وہی مولوی
فضل الٰہی وزیر آبادی تھا جس سے میں نے وزیر آباد میں استدعا کی تھی کہ مجھے خفیہ
طور پر سرحدات آزاد میں مجاہدین کے پاس پہنچا دے مگر جس نے مجھ پر شک کرتے
ہوئے اغماض کیا تھا - جس وقت ہجرت کا سلسلہ جاری ہوا تو یہ بھی مہاجرین کے
قافلوں میں ہجرت کر کے افغانستان چلا آیا تھا اور چونکہ اس کا مجاہدین سے تعلق تھا
اس لیے یہ ہمارے پہنچنے سے پہلے چمرقند کے مرکز کو اپنے ہاتھ میں لے چکا تھا - قارئین
پر واضح رہے کہ مجاہدین کا اصل مرکز بنیر کے علاقے میں جو ریاست سوات کا ایک حصہ
ہے السمس کے مقام پر واقع ہے - مولانا بشیر احمد نے چمرقند کے مرکز کو مولانا
عبیداللہ سندھی کے پہنچنے سے قبل قائم کیا تھا - حکومت افغانستان اس مرکز کو اپنے
خزانے سے مالی امداد دیتی تھی - مجاہدین کے اصل مرکز السمس سے بھی اس کو امداد
پہنچتی تھی - اس مرکز کا امیر بھی السمس ہی مقرر کرتا تھا - السمس میں بنگالی عنصر
زیادہ تھا اور مشرقی پاکستان خصوصیت کے ساتھ قبل از تقسیم ہند اس مرکز کی مالی
اعانت میں پیش پیش تھا - حضرت سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل کے زمانے سے یہ رسم
چلی آتی تھی کہ مجاہدین کی مالی امداد کے جمع کرنے کے لیے طول و عرض ہند میں
مختلف مقامات پر بعض اشخاص مقرر کیے جائیں جو مسلمانوں سے زکات اور صدقات وغیرہ
اکٹھا کر کے مجاہدین کو مالی امداد بھیجا کرتے - مجاہدین کے مرکز اور ان اڈوں میں
ایک خاص رابطہ پیدا ہو چکا تھا - مرکز کی طرف سے خاص وکیل بھیجے جاتے جو ان
مقامات میں پھر کر وہاں کے متعینہ اشخاص سے ملتے اور جو رقوم جمع ہوئی ہوتیں انھیں
لے کر مرکز میں پہنچتے - گویا مجاہدین کی مالی امداد کا سنٹر ہندوستان تھا جبکہ اس کے
مصرف کا سنٹر مجاہدین کا مرکز السمس تھا - بتدریج یہ سلسلہ ایک خفیہ شکل اختیار
کر چکا تھا - مولوی فضل الٰہی وزیر آبادی اسی سلسلے کی ایک خفیہ کڑی تھا - اس کا

پنجاب میں تھا ۔ جب مجاہدین نے چمرقند میں مرکز قائم کیا تو بوجہ نزدیکی کے
فضل الٰہی چمرقند کے مرکز کو امداد بھیجا کرتا تھا ۔ اس امداد کے اکٹھا
اور بھیجنے کا جو اصول امتداد وقت سے بن چکا تھا وہ یہ کہ جمع کرنے والا
حصہ اپنے اخراجات کے لیے رکھ لیتا اور باقی مجاہدین کو بھیج دیتا ۔ اس طرح اس
نے ہمیشہ کے لیے دونوں جانب شخصی اور موروثی حیثیت اختیار کر لی تھی ۔
کرنے والی شخصیتیں بھی اپنی خاندنی شکل میں موروثی ہو چکی تھیں اور مرکزوں
صرف کرنے والی شخصیتیں بھی حاکمانہ شخصیت اختیار کر چکی تھیں ۔ مجاہدین کا
امارت کی شکل میں قائم تھا ۔ مجاہدین کے سربراہ کو امیر جماعت کہا جاتا اسی کے
ہیں مجاہدین کی دیکھ بھال اور ان کے جملہ اخراجات کا اہتمام ہوتا ۔ سید احمد بریلوی
شاہ اسماعیل شہید کے زمانے میں مجاہدین کی تعداد دس ہزار سے لے کر بیس ہزار تک
ہے ۔ انگریزوں نے پنجاب کا الحاق کر لیا تو مجاہدین کی مالی امداد پر انھوں نے
نگرانی رکھنی شروع کر دی تھی ۔ میں جب ۱۹۲۲ء کے آخر میں چمرقند گیا
تو اس وقت وہاں چالیس پچاس مجاہدین سے زیادہ نہ رہتے تھے مگر السمس کے مرکز
ہو بنیر میں تھا ان کی تعداد بہت زیادہ تھی وہاں کوئی تین چار سو کے قریب اس
بھی تھے پس اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ چار پانچ سو آدمیوں کی جماعت کا جو اپنے
سے دور بغیر کسی وسائل کے جہاد کے نصب العین کے ماتحت پہاڑوں میں رہے
سالانہ خرچ کس قدر ہو گا ۔ ایک وقت ایسا بھی گزرا ہے کہ مجاہدین کا بجٹ
لکھا روپے پر مشتمل تھا مگر جس وقت ہم گئے ہیں اس وقت بھی چار پانچ لاکھ
سے کچھ زیادہ ہی ان دونوں مرکزوں کی سالانہ آمدنی تھی ۔

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے مالی امداد کی فراہمی کے لیے ہندوستان کے
غرض میں اڈے قائم تھے جن میں سے ایک اڈا پنجاب میں مولوی فضل الٰہی
الٰہی کے ہاتھوں میں تھا ۔ اب ظاہر ہے جو اڈا کسی مرکز کو مالی امداد مسلسل
تا ہو اس اڈے کا اثر و رسوخ اس مرکز پر لازمی طور پر قائم ہو گا ۔ اس طرح
فضل الٰہی کا اثر چمرقند کے مرکز پر قائم ہو چکا تھا ۔ لہٰذا جب وہ ہجرت
چمرقند کے مرکز میں پہنچا تو اس نے السمس کے نمائندے کو اپنے ہاتھ میں لے کر
بنا لی اور اپنے آپ کو چمر قند کی جماعت کا امیر کہلانا شروع کر دیا ۔
بشیر احمد جو چمرقند کے مرکز میں اپنا اثر و دخل رکھتے تھے ، اس مسئلہ میں
فضل الٰہی کے مخالف ہو گئے ۔ قصہ طول و دراز ہے ۔ الغرض یہ کہ اسی

کھینچا تانی کے سلسلے میں چمرقند کا مرکز السمس سے کٹ کر علیحدہ ہو گیا اب اس مرکز کے دو دعویدار تھے - ایک مولوی فضل الٰہی جس کو پنجاب کے اہل حدیث سے برابر امداد پہنچتی تھی اور دوسرا مولانا بشیر احمد جس کا افغانی حکومت سے تعلق تھا جو چمر قند کے مرکز کو پہلے سالانہ چھ ہزار اور بعد میں بارہ ہزار روپے کی امداد دیتی تھی۔ گو ان دو شخصیتوں میں مخالفت موجود تھی، تاہم مولانا بشیر احمد جماعت کا حصہ جماعت کو پہنچاتے رہتے تھے - میں جس وقت اپنی جمیعت سمیت چمرقند پہنچا ہوں تو اس وقت مولوی فضل الٰہی امیر جماعت تھے - قاعدہ یہ تھا کہ جو جماعت میں رہے وہ امیر جماعت کے ہاتھ پر بیعت کرے - میں اور میرے رفقاء بیعت کے پابند ہونا نہیں چاہتے تھے لیکن حق کے طور پر جماعت کے اندر رہ کر جماعت کی خدمت کرنا چاہتے تھے ہم نے مولوی فضل الٰہی صاحب سے یہ بات طے کر لی کہ ہم اپنا خرچ خود کریں گے اور اگر جماعت چاہے تو ہم اسے فوجی ٹریننگ بھی دیں گے - اس بات پر ہمارا معاہدہ ہوا اور ہم نے مجاہدین کی ٹریننگ شروع کر دی - چند ہفتے تک تو ہماری خوب بنی رہی لیکن فوجی ڈسپلن کے ماتحت لازمی امر تھا کہ جماعت کے جو افراد ٹریننگ حاصل کریں ان پر ہمارا ضابطہ اور تسلط قائم رہے - اس چیز کو مولوی فضل الٰہی برداشت نہ کر سکے - چنانچہ مجبور ہوئے کہ اس جگہ سے چلے جائیں - ہم نے اپنا دوسرا مرکز باجوڑ میں ملاں صاحب بابرا کی جگہ پر قائم کیا - یہ آزاد سرحد کا ایک پر جوش مجاہد تھا - جس نے برٹش ایڈوانس پالیسی کے بر خلاف بیسیوں جہاد کیے تھے - ہم نے اپنے نئے مرکز میں باجوڑ چارلنگ اور کوٹکی کے ملک اور خوانین کو متاثر کیا اور ان کی جتھہ بندی کی اور پھر خان خار کو اپنے بس میں لانے کی کوشش کی اور نواب دیر وغیرہ پر اپنے ڈورے ڈالے - ہماری ایک پارٹی دیر میں تعلیمی مرکز قائم کرنے میں کامیاب ہوئی - خان کوڑکی ہمارا بہترین مددگار ثابت ہوا اس کا نام جگرآور خان تھا آج کل اس کا بیٹا دلاور خاں خان کوٹکی ہے - اس کے والد نے ہمیں اپنے علاقے میں سے ناوا کا علاقہ مفت دے دیا تھا تاکہ ہم ایک مستقل چھاؤنی کی بنا ڈالیں -

میں اس سے پہلے کہہ چکا ہوں کہ روسی حکومت سے ہمارا رابطہ احمد حسن کے ذریعے سے تھا - ہمیں چھ مہینے کے بعد اطلاع آئی کہ مولانا عبیداللہ سندھی ڈاکٹر نور محمد، ظفر حسن، احمد حسن، اقبال شیدائی اور ان کے اور ساتھی وغیرہ افغانستان کے حکم سے نکالے گئے ہیں - حکومت افغانستان جیسا کہ گذشتہ اوراق میں کہا جا چکا ہے احمد حسن کی سرگرمیوں کو بری نگاہوں سے دیکھتی تھی - آخر کار وہ مزید متحمل نہ

نی اور احمد حسن کو جلا وطن کرنے کا حکم صادر کر دیا ۔

اس پر مولانا عبیداللہ سندھی نے حکومت افغانستان سے کہا اگر آپ احمد حسن
افغانستان سے نکالنے کا حکم واپس نہیں لیں گے تو پھر آپ ہمیں بھی افغانستان سے
جانے کی اجازت دیں ۔ مولانا کا خیال تھا کہ شاید اس طرح حکومت افغانستان
ہوب ہو جائے گی اور احمد حسن کے اخراج کا حکم واپس لے لے گی مگر انگریزی
ز کے ماتحت افغانستان کی حکومت ایسا نہ کر سکی ۔ چنانچہ اس نے مولانا عبیداللہ سندھی
کہا کہ ہم آپ کو نکالنا نہیں چاہتے ۔ اگر آپ خوشی سے جانا چاہیں تو آپ کو ہم
کا بھی نہیں چاہتے ۔ مولانا عبیداللہ سندھی کی پارٹی سے صرف اللہ نواز خان افغانستان
رہ گئے ۔ باقی سب افراد احمد حسن کے ساتھ ماسکو چلے گئے ۔ وہاں پہنچ کر یہ سب
سب اپنی راہ لگ گئے ۔ مولوی ظفر حسن ترکیہ چلا گیا اور احمد حسن اور اس کے
ساتھی ماسکو میں رہ گئے اور خود مولانا عبیداللہ سندھی ارض مقدس حجاز کی طرف
ہوگئے ۔ جب یہ خبر ہمیں پہنچی تو چونکہ ہمارا رابطہ روسی حکومت کے ساتھ
حسن کی معرفت تھا ۔ اس لیے میں حالات کی بنا پر مجبور ہوا کہ ایک دفعہ افغانستان
خود جا کر معاملے کی نوعیت کو معلوم کروں ۔

غازی انور پاشا کی شہادت

میں خفیہ جلال آباد پہنچا اور ارباب محمد رضا خان کے ڈیرے میں مہمان ہوا ۔
رہ جمال پاشا کی شہادت کے بعد غازی انور پاشا نے ایک پھریری لی تھی ۔ میں
۔ سے پہلے کہہ چکا ہوں کہ غازی انور پاشا کی روسیوں کے ساتھ بن نہ آتی تھی اور
وہ مصطفیٰ کمال اتا ترک کا ایک سخت رقیب تھا ۔ اس لیے ترکیہ کے مقررات کو
ہاتھ میں لینا چاہتا تھا اس نے پان تورانزم کی ایک سکیم مرتب کی جس کے ماتحت
چاہتا تھا کہ تمام ترکی بولنے والی اقوام کو جو چینی ، ترکستان ، ایرانی ترکستان ،
ترکستان اور روسی ترکستان پر مشتمل تھیں ۔ متحد کرکے ترکیہ اعظم کی
ے ۔

سب سے پہلے اس نے روسیوں سے ترکستان چھیننے کی کوشش کی کیونکہ وہ
ڈرامیٹک شخصیت کا مالک تھا ۔ اس لیے تھوڑے ہی عرصے میں اس کے گرد کافی
جمع ہوگئی ۔ اس نے روسیوں سے جنگ شروع کر دی اور عین لڑائی میں جہاد
ہوئے شہید ہو گیا ۔

اس لڑائی سے ذرا پہلے اس نے اپنے گرد جمع شدہ طاقت کو از سر نو منظم کرنے کی ضرورت محسوس کی تھی اور اس کے لیے وہ چاہتا تھا کہ افغانستان کی حکومت کی اجازت سے افغانی ترکستان میں داخل ہو لیکن امیر امان اللہ خاں نے اس کو اجازت نہ دی ۔ اس سے نا امید ہوکر اس آخری جنگ لڑی جس میں وہ شہید ہوگیا ۔

اتفاق سے میرا داخلہ جلال آباد میں اس وقت ہوا جب کہ غازی پاشا کی شہادت کی خبر افغانی اخبارات نے شائع کی تھی ۔ میں نے تہور کی بنا پر جو میری طبیعت کا خاصا رہا ہے ۔ امیر امان اللہ خاں کو تعزیت کا ایک تار جلال آباد سے روانہ کیا ۔ جوں ہی یہ تار امیر امان اللہ خاں کو ملا اور اسے خبر ہوئی کہ میں جلال آباد پہنچ گیا ہوں ۔ اس نے وزارت خارجہ افغانستان کے ذریعے میری گرفتاری کے احکام صادر کر دیے ۔ میرے پاس جو اسلحہ تھا وہ ضبط کر لیا گیا اور جو کاغذات اور یادداشتیں میرے پاس تھیں ۔ اپنی تحویل میں لے لیا گیا ۔ گرمیوں کا موسم تھا اور جلال آباد کی حکومت ان دنوں ایک سرد مقام ماما خیل میں تھی مجھے جلال آباد شہر کے کوتوال اور وزارت خارجہ کے ایک نمائندے کی معیت میں پہرے کے ساتھ ایک گھوڑا گاڑی میں بٹھا کر ماما خیل پہنچایا گیا ۔ اتفاق سے مجھے راستے میں سخت بخار چڑھ گیا اور جب میں ماما خیل پہنچا تو بخار کی شدت نے اتنا غلبہ کیا کہ میں قریباً چوبیس گھنٹے تک بے ہوش رہا ۔ اتفاق سے ایک ڈاکٹر پنجابی مسلمان گجرات کا رہنے والا تھا ۔ اس نے میرا بڑی دل سوزی سے علاج کیا ۔ دوسری صبح دس بجے کے قریب میں نے آنکھیں کھولیں ۔ اس اثناء میں مجھے دوائی وغیرہ پلاتے رہے ۔ میں نے اپنی طبیعت کو قدرے تندرست محسوس کیا ۔ چار بجے کے قریب میں اپنے کمرے کے برآمدے میں کرسی پر بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں حاکم اعلیٰ اپنی گورنری کے مقام سے آتا ہوا دکھائی دیا ۔ اس کے ساتھ بہت سے آدمی تھے اور بعضوں نے انار ، سیب ، ناشپاتی اور انگور کے ٹوکرے اٹھائے ہوئے تھے ۔ جب وہ آیا تو میں اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا ۔ مگر اس نے دور ہی سے مجھے بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا اور کہا کہ ”المامور معذور“ یعنی جو کسی کام پر مامور ہوتا ہے ۔ وہ اپنے فرائض کے ماتحت معذور ہوتا ہے اور پھر نزدیک آکر کہا کہ اگر مجھے امیر صاحب حکم دیں کہ میں اپنے بچے کو ذبح کر دوں ۔ تو اگرچہ وہ میرا بچہ ہوگا اس کی موت پر رونا آئے گا لیکن میں اس کے باوجود اس کے گلے پر چھری پھیر دوں گا ۔ میں اس کی یہ باتیں نہ سمجھ سکا اور دل میں خیال کرنے لگا کہ شاید میرے متعلق اسے کچھ سخت احکام موصول ہوئے ہیں ۔ لیکن دفعتاً میں نے دیکھا

اس نے اپنے نوکروں کو اشارہ کیا اور کہا کہ مولانا کے کمرے کے طاقچوں میں ے ، ناشپاتی ، انگور ، انار کو چن دیں ۔ انھوں نے جھٹ دس بیس انار ۔ پاتی اور انگوروں کے خوشے وغیرہ رکھ دیے ۔ اس سے میں نے محسوس کیا کہ اگر ی سخت احکام ہوتے تو وہ یہ سلوک مجھ سے روا نہ رکھتا ۔ اس کے بعد وہ اپنے کمرے چلا گیا اور دوسرے دن دربار جانے سے پہلے میرے کمرے میں آیا اور کہنے لگا آپ کی طبیعت گھبرائے تو آپ میرے پاس دربار میں آ جائیں ۔ میری گرفتاری کے ہم سے اسے گمان ہوا کہ شاید یہ شخص انگریزوں کا جاسوس ہے ۔ اس لیے اس نے ے کاغذوں پر چھاپا مارا ۔ مگر جب ترجمان نے اسے میری یادداشتوں کا ترجمہ فارسی میں پڑھ کر سنایا تو اسے معلوم ہوا کہ میں انگریزوں کا اس سے بھی زیادہ سخت ترین ن ہوں ۔ وہ خود طبعاً انگریزوں کا دشمن تھا ۔ اس لیے خواہ مخواہ بھی مجھ سے مانوس گیا ۔ میں جتنے دن بھی جلال آباد میں رہا اگرچہ حکومت کے احکام کے ماتحت میں ند سمجھا جاتا تھا ۔ تاہم اس نے مجھ پر کوئی پابندی عاید نہیں کی تھی ۔ میں دربار اس کے ساتھ جاتا ۔ اٹھتا بیٹھتا ۔ اس کے معاملات میں اسے مشورہ دیتا ۔ بعضوں کی ش کرتا ۔ رات کو اس کے مہمان خانے میں کھانا کھاتا اور اسی کے مہمان خانے میں سوتا ۔ میری نظر بندی تقریباً ایک سال رہی ۔ سال کے آخر میں جب سردیاں شروع ں تو معلوم ہوا کہ اس سال مرکزی حکومت اور امیر امان اللہ خاں سردیاں گذارنے لیے صوبہ سمت مشرقی جلال آباد میں آئیں گے ۔

حاکم اعلیٰ سمت مشرقی کو کہ جس کا نام عبدالکریم خاں تھا ۔ امیر امان اللہ خاں حکم دیا تھا کہ مرکزی حکومت کا مستقر علاقہ پغمان میں قلعہ السراج کو منتخب جائے ۔ حاکم اعلیٰ بادشاہ افغانستان کے ورود اور اس کے استقبال کے انتظامات لیے پغمان چلا گیا ۔

وقت مقررہ پر امیر امان اللہ خاں مع وزرا اور امراء کے پغمان میں وارد ہوا م اعلیٰ جاتے وقت مجھے بھی اپنے ساتھ لے گیا تھا ۔ بادشاہ کے ورود پر ۳۱ توپوں سلامی اتاری گئی اور بعد میں شاہی سرخ جھنڈا قلعہ سراج پر لہرایا گیا ۔ حاکم اعلیٰ ستقبلین کو دو قطاروں میں تقسیم کیا ۔ ایک قطار میں حکومت اعلیٰ سمت مشرق عہدے دار اور فوجی افسر کھڑے کیے گئے اور دوسری قطار میں رؤساء ، خوانین ک کھڑے ہوئے ۔ حاکم اعلیٰ نے مجھے بھی اسی صف میں کھڑا کیا ۔ ابھی تک نظر بندی کے احکام واپس نہیں لیے گئے تھے ۔ میں حیران تھا کہ ایسا کیوں ہوا

بعد میں پتہ چلا کہ یہ حاکم اعلیٰ کا اپنا اقدام تھا -

پہلے بادشاہ نے وسط میں کھڑے ہوکر ایک ایک سے مصافحہ کرنا شروع کیا - پانچویں یا چھٹے نمبر پر میں کھڑا تھا - جب میں امیر امان اللہ خان کے مقابل ہوا تو اُس نے اُردو میں مخاطب ہوکر مجھ سے کہا کہ آپ کے مزاج اچھے ہیں - میں نے جھٹ پٹ ملٹری سلام کیا اور امیر امان اللہ خان کے ہاتھ کو جو اُس نے میری طرف بڑھایا تھا - ایک فوجی انداز میں اپنے ہاتھ میں لے کر دبایا اور پھر فوراً دوسرے ہاتھ سے اُسے ملٹری سلام کیا - (سفرائے ترکی - انگریزی اور روسی) کل سفرا کی قطار کے سر پر کھڑے تھے - اُس وقت تک انگریزی سفیر جس کا نام سر ہمفریز تھا - انگلستان کے دربار کی طرف سے کابل میں مقرر ہوچکا تھا -

آزادیٔ افغانستان کے معاہدے کی توثیق کے بعد ہندوستان کی انگریزی حکومت کا افغانستان کی حکومت سے براہ راست رابطہ اور تعلق نہ رہا تھا - بلکہ افغانستان کا انگلستان سے براہ راست تعلق قائم ہوچکا تھا - البتہ اس وقت چونکہ افغانستان کا تجارتی راستہ صرف ہندوستان تھا - اس لیے باہمی تجارت کی دیکھ بھال کے لیے افغانستان اور ہندوستان میں جنرل قونصل خانے جانبین نے کھول لیے تھے - انگریزوں کو یہ خاص مراعات دی گئی تھیں کہ کابل میں اپنا سفارت خانہ آپ تعمیر کریں - جب کہ افغانستان کے قانون کے مطابق کسی خارجی مملکت کو یہ اجازت نہ تھی - انگریزوں نے کابل میں اپنے لیے سرخ اینٹوں سے ایک شاندار سفارت خانہ تعمیر کیا -

میرے اہل و عیال کی افغانستان میں آمد

دو ہفتوں کے بعد حاکم اعلیٰ سمت مشرقی نے مجھے بلا کر کہا کہ اب آپ آزاد ہیں - آپ کے احکام نظر بندی واپس لے لیے گئے ہیں - ہمارے غیور اور نوجوان بادشاہ نے آپ کے اس فعل کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا ہے کہ آپ نے افغانستان کے ملک کو اپنا ملک سمجھا ہے اور اس سے ایک دفعہ نکل جانے کے بعد بجائے اپنے وطن کو واپس لوٹ جانے کے آپ نے دوبارہ افغانستان آنے کو ترجیح دی ہے اور اس کے بعد کہا کہ آپ اپنے اہل و عیال کو اگر بلوانا چاہیں تو بلوا سکتے ہیں - اس کے دوسرے دن مجھے انھوں نے گورنر ہاؤس میں طلب کیا اور میرے ہاتھ میں ایک سو جریب زمین کا فرمان دیتے ہوئے کہا کہ یہ لو امان اللہ خاں نے آپ کو ایک سو جریب زمین

کی ہے ۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور فرمان کو بوسہ دیتے ہوئے ان کے ہاتھ
لے لیا ۔ میں نے امرتسر اپنے بزرگوں کو لکھا کہ میرے بال بچوں کو روانہ کر دیں
یوں نے صوفی غلام محمد ترک کو جو رشتے میں میرے بہنوئی کا بھائی ہوتا تھا مقرر کیا کہ
میرے بال بچوں کو جلال آباد چھوڑ آئیں ۔ انگریزوں نے میرے بال بچوں کو
پورٹ دینے کی مانعت نہیں کی ۔ چنانچہ میری بیوی ، میرے دو بچے ، میری ہمشیرہ
کے دو بچے اور میری والدہ صوفی غلام محمد ترک کی معیت میں مجھ تک جلال آباد
گئے ۔ صوفی غلام محمد ترک جلال آباد میں میرے بچوں کو پہنچا کر پھر ہندوستان
چلا گیا ۔ حاکم اعلیٰ سمت مشرق نے مجھے جلال آباد میں ایک شاندار کوٹھی رہنے
دی اور کہا کہ جب تک میں یہاں کا گورنر ہوں آپ اسی کوٹھی میں رہیں گے اور
آپ چاہیں تو جلال آباد کے صوبے میں جو جگہ بھی آپ انتخاب کریں اس جگہ
جریب زمین کا قبضہ آپ کو دیا جائے ۔

روسی سیاست کی قلا بازیاں

میرے ساتھی افسر اب تک سرحدات آزاد میں تھے ۔ جلال آباد میں امیر
اللہ خاں کے ورود کے موقع پر اس کی معیت میں سفارتوں کے دفتر بھی جلال آباد
منتقل ہوئے تھے ۔ میں نے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے روسی سفارت خانے سے رابطہ
کیا اور ان سے سرحدات آزاد میں جو کام شروع کیا گیا تھا اس کی تکمیل کے
سلسلے میں گفتگو کی ۔ اس زمانے میں کابل کا روسی سفیر ''راس کونسی کوف'' تھا ۔
حسن کے اخراج کے بعد حکومت افغانستان سے اس کی بھی ان بن ہو چکی تھی ۔
نے گزشتہ اوراق میں اس کا ذکر کیا ہے کہ احمد حسن اپنے ذرائع سے بڑی مقدار
(کمیونسٹ لٹریچر) ہندوستان بھیجتا تھا ۔ میرا گروپ اسی قسم کے لٹریچر بھیجنے کا
تھا اور میں نے احمد حسن پر واضح کر دیا تھا کہ سرحدات آزاد میں میری
نزیشن کے ماتحت اس قسم کا کوئی لٹریچر ہندوستان کی طرف جانے نہ پائے گا ۔
کو میری اس افتاد ذہنی کا علم تھا ۔ عین اس موقع پر انگریزوں نے اپنی
کی ناکہ بندی کرتے ہوئے بہت سا کمیونسٹ لٹریچر انڈو افغان سرحد پر
حسن کے بعض ایجنٹوں سمیت گرفتار کر لیا تھا جس بناء پر انگلستان کے سفیر
انگریز نے امان اللہ خاں کی حکومت کے پاس سخت احتجاج کیا تھا ۔

اس فعل سے راس کونسی کوف کی سفارت اپنی ڈپلومیسی میں اچھی خاصی
ہو چکی تھی ۔ یہاں تک کہ انگریزوں نے حکومت افغانستان سے مطالبہ کیا تھا

کہ راس کونسی کوف کو بہ حیثیت سفیر افغانستان کے قبول نہ کرے - میری جب سفارت روس سے گفتگو ہوئی تو میں نے اسے اپنی ڈپلومیسی میں بھڑکتا ہوا اور دھڑکتا ہوا پایا - مجھے اُس وقت یہ علم حاصل ہوگیا کہ روس کی سیاست انگریزوں کی سیاست کے بالمقابل بالکل ایک ناپائیدار سی سیاست ہے - جسے درازی اور بقا نہیں - یعنی تھوڑے سے مخالف حالات میں آنی زقند لگا سکتی ہے -

جب میرے بال بچے کابل پہنچ گئے تو میں نے رسال دار رکن الدین خان کو خفیہ طور پر جلال آباد بلا بھیجا - پھر ہمارے درمیان صلاح و مشورے سے یہی بات طے پائی کہ سرحدات آزاد میں فی الحال کام کی ذمہ داریوں کو بتدریج ختم کر دیا جائے - میں نے اُسے افغانستان واپس لوٹ آنے کی دعوت بھی دی - مگر اُس نے کہا کہ میں ابھی کچھ مدت سرحدات آزاد ہی میں بسر کروں گا - شاید کوئی نیا اُفق نمودار ہو جائے -

میری کابل کو روانگی

میں نے عید کے موقع پر جلال آباد میں امیر امان اللہ خان سے ملاقات کی - میرے ساتھ اُس وقت میرا سات سالہ لڑکا اختر مسعود تھا - جو حال ہی میں اپنی والدہ کے ساتھ ہندوستان سے آیا تھا - اس نے کھدر کا لباس پہن رکھا تھا - میں نے اُسے بادشاہ کے حضور میں پیش کیا - امیر امان اللہ خان نے اُسے نوازا اور کوچ پر اپنے پاس بٹھا لیا - کچھ دیر تک ہم بیٹھے رہے پھر اور مہمانوں کی آمد و رفت کی وجہ سے ہم ایک دوسرے کمرے میں چلے گئے - ہم عید کی تقریب پر وزارت دربار کی طرف سے مدعو کیے گئے تھے -

امیر امان اللہ خان کا دورۂ جلال آباد محض سردیاں گزارنے کے لیے نہیں تھا بلکہ اس کا مقصد صوبہ سمت مشرق کی حکومت اعلیٰ کی کارکردگی کی تفتیش کرنا بھی تھا - امیر امان اللہ خان اپنے ابتدائی دور حکومت میں بہت زیادہ سرگرمی سے کام کرتا رہا - اس کے وزراء کے کیبنٹ میں وزیر اعظم کا کوئی عہدہ نہ تھا - اُس کا دستور تھا کہ وہ ہفتے میں ایک ایک دن خود وزارتوں میں جا کر وزارتوں کی تجاویز پر غور بحث کرتا اور اپنے وزراء کو ضروری احکام دیتا وزارتوں میں سب وزارتوں سے اہم "وزارت حربیہ" تھی - جس کا وزیر سردار سپہ سالار محمد نادر خان تھا - دوسری اہم وزارت ، وزارت خارجہ تھی - جو سردار محمود طرزی کے ہاتھ میں تھی -

میں جلال آباد میں سردار سپہ سالار محمد نادر خان سے بھی ملا تھا - چنوں چنانچہ

ہنی مسکراہٹ کے ساتھ میرا استقبال کیا" اور مجھے میری سرحدات آزاد سے واپسی پر وشی آمدید کہا ۔

میں نے اس موقع پر ان کے بھائی سردار محمد ہاشم خاں سے بھی ملاقات کی ۔ میں نے ہی اپنے حق میں نہایت سرد پایا اور ان کی وضع و انداز سے محسوس کیا کہ نہ صرف کہ وہ خود ہم سے ملنا نہیں چاہتے تھے بلکہ اپنے بڑے بھائی کے پاس بھی کسی مہاجر آنے دیکھنا پسند نہیں کرتے ۔ میں اس دفعتاً تغیر کا اس وقت مطلب نہ سمجھ سکا ونکہ جہاں تک ہم مہاجرین کا تعلق تھا ہم شروع سے افغانستان کے سیاسی جتھوں کی ہوں میں سپہ سالار محمد نادر خاں کے جتھے میں منسلک سمجھے جاتے تھے اور خود یہ ان بھی ہم سے خصوصی انس و رغبت رکھتا تھا ۔ پھر کیا وجہ تھی کہ اس ان کا ایک ایسا مرد جو حق گوئی میں افغانستان میں شہرہ آفاق تھا ، ہم سے دوری بڑھتا ہوا پایا گیا ۔ فکر کی تھوڑی سی بادیہ پیمائی کے بعد میں نے اس مسئلہ کو کر لیا ۔

امیر امان اللہ خاں کو سردار سپہ سالار محمد نادر خاں سے سوء ظنی ہو چکی تھی نے غالباً مہاجرین کے اخراج کے موقع پر امیر امان اللہ خاں کو مشورہ دیا تھا کہ کسی قیمت پر بھی مولانا عبیداللہ سندھی کو افغانستان سے نہ جانے دے کیونکہ اس ہندوستان میں افغانستان کی حکومت بدنام ہو جائے گی ۔

انھی ایام میں ایک دوسرا موقع بھی جلد فراہم ہو گیا اور وہ غازی انور پاشا داخلہ ترکستان کی اجازت کے متعلق تھا امیر امان اللہ خاں نہیں چاہتا تھا کہ ایک ہی نمایاں اور معروف شخصیت کو افغانستان میں داخل ہونے دیا جائے جبکہ اس داخلے سے ایک حصہ ملک میں انقلاب برپا ہو جانے کا خطرہ ہو ۔ للہذا جب مشورہ بات آئی تو محمد نادر خاں کا یہی مشورہ تھا کہ اسے داخل ہونے دیا جائے اور اس کی ت سے افغانستان کی تعمیری خدمت لی جائے ۔ اس کے اس مشورے کو بھی ان پارٹی کی ضد نے اپنی مخالفانہ رائے سے مسترد کروا دیا تھا جس سے جانبین میں لخی بڑھ گئی تھی للہذا اپنے خاندانی وقار کو نیچے ہوتے دیکھ کر سردار محمد ہاشم نہیں چاہتا تھا کہ ہندوستانی مہاجرین کے ساتھ میل ملاپ سے ان کے اور امیر خاں کے درمیان غلط فہمیوں کی خلیج اور حائل ہو ۔

میں نے جلال آباد میں میر محمد ہاشم خاں وزیر مالیہ سے بھی ملاقات قارئین باخبر ہیں کہ میں سرکاری طور پر ہجرت کے آغاز میں چند ماہ تک اسی کے

گھر میں مہمان کی حیثیت سے رہتا تھا ۔ اس وقت یہ ''وزارت حربیہ'' میں (امین نظام) یا دوسرے لفظوں میں ''چیف آف دی جنرل سٹاف'' کے عہدے پر تھا ۔ قارئین کو معلوم ہے کہ اس نے میرا غازی جمال پاشا سے تعارف کرایا تھا ۔

اس نے میری واپسی پر حقیقی معنوں میں خوشی کا اظہار کیا اور مجھے ایک سو جریب زمین کے ملنے پر مبارک باد دی اور مزید کہا کہ کابل کے اطراف میں میں کوشش کروں گا کہ آپ کو یہ زمین مل جائے ۔

میری فیملی کے آ جانے کی وجہ سے اخراجات بڑھ چکے تھے اور میرے پاس جو اندوختہ تھا وہ صرف ہو چکا تھا ۔ جلال آباد اس وقت ایک چھوٹا سا قصبہ تھا ۔ میرا خیال تھا کہ میں کابل جا کر بر صغیر سے تجارت کا کوئی سلسلہ شروع کروں اور اس طرح اپنی گزران کی کوئی راہ نکالوں ۔ میرے ساتھ دو تین مہاجر بھی رہتے تھے جن کی کفالت بھی میرے ہی ذمہ تھی ۔ سردیاں گذر جانے پر مرکزی حکومت کے دفاتر مع بادشاہ کے کابل مراجعت کر چکے تھے ۔ میں نے ایک دو مہینے جلال آباد میں اور گذارنے کے بعد عبدالکریم گورنر جلال آباد سے کابل جانے کی رخصت لی اور اپنی فیملی کو جلال آباد ہی میں چھوڑ کر کابل کی طرف چل نکلا ۔

میری پریشانیوں کا آغاز

کابل پہنچ کر میں چند دن حکیم محمد اسلم پشاوری کے سراچہ میں ٹھہرا ۔ فارسی ادب میں سراچہ گھر کے مردانہ حصہ کو کہتے ہیں ۔ حکیم محمد اسلم کو یہ گھر حکومت کی طرف سے رہایش گاہ کے طور پر ملا ہوا تھا ۔ بعض مہاجرین نے حکومت کے پاس خفیہ نویسی کا پیشہ اختیار کر رکھا تھا ۔ ان میں سے ایک یہ بھی تھا اور چونکہ یہ فارسی اور پشتو زبانیں بڑی اچھی طرح جانتا تھا اور زبان کا طرار اور باتونی بھی تھا ۔ اس لیے حکام تک بآسانی رسائی حاصل کر لیتا تھا اور ان کی محفلوں کی زینت بنا رہتا تھا ۔ حکومت سے اسے خفیہ نویسی کی تنخواہ بھی ملتی تھی ۔

میں چند دن ان کے سراچہ میں رہنے کے بعد اپنے ایک دوسرے دوست کے ہاں اٹھ گیا ۔ اس کا نام عباس آفندی تھا اور یہ سفارت ترکیہ میں ترجمان کی حیثیت سے کام کرتا تھا ۔ اس کا لفٹیننٹ کا عہدہ تھا ۔ یہ دراصل پنجاب کا رہنے والا تھا ۔ لیکن ترکی خلافت کے عشق و محبت میں جنگ طرابلس و بلقان کے موقع پر ترکی چلا گیا تھا اور وہاں فوج میں بھرتی ہو کر خدمت انجام دیتا رہا تھا ۔ پھر جب کابل میں باقاعدہ ترکی سفارت قائم ہوئی اور ترکوں کا پہلا سفیر فخری پاشا اپنے نئے سٹاف کے ساتھ کابل پہنچا ۔ تو یہ اسی کے

یہ کابل آیا تھا ۔ اتفاق سے اسے وہی گھر رہنے کو دیا گیا تھا ۔ جس میں مولانا عبیداللہ سندھی رہتے تھے ۔

یہ پنجاب میں اپنی ایک بیوی اور دو لڑکیاں چھوڑ گیا تھا ۔ جب یہ کابل میں ترکی سفارت کا ترجمان بن کر آیا ہے تو اس نے اورنگ زیب نامی مہاجر کی بیوی کے ذریعہ اپنی بیوی بچوں کو خفیہ طور پر پنجاب سے اپنے پاس بلا لیا ۔ اس نے مجھے بتایا کہ یہ تقریباً چودہ پندرہ برس کے بعد اپنی بیوی بچوں سے ملا ہے ۔

یہ مجھے بڑی محبت سے اپنر جگہ پر لے گیا لیکن چونکہ ڈپلومیٹک کور سے تعلق رکھتا تھا ، اس لیے میں بین الاقوامی قانون کے ماتحت اس کے ساتھ سفارتی حدود میں نہ رہ سکتا تھا ۔ چنانچہ میرا ایک دوسرا دوست معزاللہ خان مجھے اپنی جگہ پر لے گیا ۔ میں مشکل اس کے ہاں ایک دن ٹھہرا ہوں گا کہ مجھے ہجرت کا ایک ساتھی سلطان مرزا مل گیا ۔

یہ کابل کی ملٹری اکیڈیمی کا فارغ التحصیل تھا اور اس وقت کیپٹن کے عہدے پر تھا ۔ یہ مجھے اپنے ڈیرے پر لے گیا اور جب تک میری فیملی جلال آباد سے نہیں آ گئی ہم اکٹھے رہے ۔

میں اس دوران وزارت مالیہ کے دفتروں میں گھومتا رہا کہ اگر کوئی ٹھکانے کی زمین ملے تو اس کا قبضہ لے لیا جائے ۔ افسر مال کے دفتروں سے معلوم ہوا کہ "شش کروہی" کابل میں کوئی قابل انتقال سرکاری زمین نہیں ہے ۔ "شش کروہی کابل" کابل کے اطراف کو کہتے ہیں ۔ جو طولاً عرضاً تقریباً دس دس میل کی آبادی کو اپنے اندر شامل رکھتا ہے ۔

میں اس سرگردانی میں تھا کہ میرے گھر کی جانب سے جلال آباد سے مجھے ٹیلیفون موصول ہوا کہ ہم نے ٹانگے کرائے کر لیے ہیں اور کل صبح کابل کی طرف روانہ ہو رہے ہیں ۔ میں نے ان کی روانگی سے پہلے اپنے لیے ایک گھر کرائے پر کابل میں لے لیا تھا ۔ اب میں ان کی آمد کا بے چینی سے منتظر ہو بیٹھا ۔ یہ بے چینی اس لیے تھی کہ مجھے اپنی بیوی کے بیمار ہونے کی خبریں مل چکی تھیں ۔ مجھے ان کے کابل میں پہنچنے کی توقع چوتھے یا پانچویں دن ملی تھی مگر نہ وہ چوتھے دن پہنچے اور نہ پانچویں دن میری پریشانی بڑھ گئی اور میرا دل زور زور سے دھڑکنا شروع ہو گیا میں ٹانگوں کے اڈے کی طرف گیا تاکہ وہاں سے معلوم کروں کہ اگر جلال آباد سے کوئی ٹانگہ پہنچا ہو تو اس سے

سے اپنے متعلقین کے متعلق کوئی خبر دریافت کروں - ایک دو ٹانگے پہنچے تو تھے مگر ان سے کوئی خبر نہ مل سکی میں سراسیمہ جلال آباد سے آنے والی سڑک پر ہولیا تاکہ اگر کوئی ٹانگہ وغیرہ آ رہا ہو تو اس سے کوئی خبر حاصل کروں آخر ایک ٹانگے والا مل گیا - اُس نے بیان کیا کہ کل شام باریکاؤ کے پڑاؤ پر دو ٹانگے جن پر مہاجر عورتیں اور بچے وغیرہ سوار تھے رکے ہوئے ملے تھے - ہمیں ان ہی ٹانگے والوں سے معلوم ہوا کہ کوئی عورت دفعۃً بیمار ہوگئی ہے - اس لیے وہ اس رات باریکاؤ ہی کے پڑاؤ پر رہیں گے اور کل صبح وہاں سے حرکت کریں گے - میں یہ سن کر تاب نہ لا سکا - جھٹ واپس ٹانگوں کے اڈے پر پہنچا اور اپنے ایک دو ساتھیوں کے ساتھ ایک ٹانگہ کرایہ کرکے باریکاؤ کی طرف چل نکلا -

باری کا پڑاؤ کابل سے تقریباً چالیس میل کے فاصلے پر تھا لیکن چونکہ راستے میں سخت بلندی اور اترائی پڑتی تھی - اس لیے اگر موسم صاف ہو تو بمشکل دو دن میں پہنچا جا سکتا ہے - ہم ابھی کابل سے پہلے پڑاؤ بت خاک کے قریب ہی ہوں گے کہ ایک دوسرا ٹانگہ ہمیں آتا ہوا دکھائی دیا - اُس نے ہم سے بیان کیا کہ ایک باری کاؤ والے مسافر پرسوں صبح ہمارے ساتھ چل کر کل رات بت خاک آئے ہیں - ان کے زنانہ میں ایک عورت کو لڑکی پیدا ہوئی ہے - اس لیے وہ بت خاک سے ابھی نہیں چلے اور فلاں قلعے میں ٹھہرے ہوئے ہیں -

یہ خبر ملنے سے ایک حد تک میری تشویش کم ہوگئی اور ہم نے اپنے ٹانگے کو بت خاک کی طرف بڑھایا - ابھی ہم بمشکل ایک میل آگے گئے ہوں گے کہ ہماری سواریاں آتی ہوئی نظر آئیں - جوں ہی کہ میری والدہ نے مجھے دیکھا اس نے رونا چلانا اور مجھے کوسنا شروع کر دیا کہ کون سے جنگلوں اور پہاڑوں میں تم آ بسے ہو اور ہمیں تم نے کہاں لا ڈالا ہے - میں نے سر نیچا رکھتے ہوئے تسلی دی اور فوراً اپنی بیوی کو اپنے ٹانگے پر بٹھا لیا اور اپنے ساتھیوں کو اسباب والے ٹانگے کے ساتھ آنے کو کہا -

میرے گھر میں ''باری کاؤ'' کے مقام پر ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی جس کا میں نے جمیلہ نام رکھا - یہ میری ہجرت کی یادگار تھی - مگر بیس برس کے بعد یہ میرا ساتھ چھوڑ گئی - میں جب ۱۹۴۱ء میں اجمیر شریف کے قریب دیولی کیمپ میں انگریزوں کا نظر بند تھا - یہ ایک خوف ناک مرض میں مبتلا ہوئی اور انگریزی حکومت سے اپنا خراج لیتے ہوئے دو تین برس کی مدت میں اس دنیا سے چل بسی اس کی بیماری کا ذکر اپنے وقت پر بیان کروں گا -

میری بیوی کے مجھ پر بہت احسانات ہیں اگرچہ میرا اس کا ستارہ ہماری ازدواجی میں اجتماع ضدین ہی بنا رہا تاہم اس نے میری اولاد کی پرورش میں جو دکھ اٹھائے اس کے لیے میں اس کا احسان مند ہوں ۔

وہ ایک مدت تک کابل میں بیمار رہی ۔ میں اس کا ایک جرمن لیڈی ڈاکٹر سے کرواتا رہا ۔ جب آسے کچھ افاقہ ہوا تو میں اپنی معیشت کی طرف متوجہ ہوا ۔

ہمارے پاس جو کچھ ساز و برگ تھا ، وہ کچھ تو جلال آباد میں خرچ ہوچکا تھا کچھ کابل میں بیکاری اور بیماری کی نذر ہو گیا تھا ۔ خالی ہاتھ تجارت نہ ہوسکتی ۔ میں نے اپنے بزرگوں کو امرتسر میں لکھا کہ تجارت کے سلسلے میں میری کچھ مدد لیکن ان کا اعتماد اس سلسلے میں مجھ سے اٹھ چکا تھا اور اس کے علاوہ وہ چاہتے کہ جس طرح اور ہزاروں مہاجر واپس آ گئے ہیں ۔ میں بھی آ جاؤں اور بڑھاپے میں پشت پناہ بنوں لیکن میں اس کے لیے کوئی جواب اپنے نزدیک نہ پاتا تھا ۔ میں نے کیا کہ خواہ حالات کچھ بھی ہوں واپس نہیں جاؤں گا ۔

ان دنوں ایک اطالوی تاجر جس کا نام مسٹر برنارڈی تھا ۔ کابل میں نیا نیا ہوا تھا یہ رودوں کی ایک بڑی امریکن فرم کا نمایندہ تھا اور چاہتا تھا کہ افغانستان رودوں کی تجارت کا معاہدہ کرے ۔ اس سے پہلے رودے بے کار پھینک دیے جاتے تھے نے رودوں کی ایکسپورٹ پر حکومت کو ۵۰ فی صدی محصول دینا منظور کیا ۔ ایک قران یعنی (نصف افغانی) فی رودہ قیمت مقرر کر دی اور ایک قران فی رودہ شرکت کا جس کے ساتھ یہ معاہدہ کیا گیا تھا منافع قرار پایا ۔ اس نے رودوں کے پاک صاف کا ایک کارخانہ کابل میں قائم کیا اور مجھے اس کا انچارج بنایا میں شرکت امانیہ کی سے اس شعبے کی دیکھ بھال کا ولایت کابل کے لیے سر مامور مقرر کیا گیا اور ایک تک اسی شعبے میں خدمت کرتا رہا ۔

اسی دوران وزارت مالیہ سے میں نے استدعا کی کہ مجھے ایک سو جریب زمین کے "قلعچہ عبدالرحیم" دیا جائے ۔ یہ قلعچہ کابل سے ڈیڑھ میل کے فاصلے بر سر شاہراہ کی طرف واقع تھا اور حکومت نے اس کو اپنے سابق مستوفی الممالک کی جائیداد ضبط کرکے سرکاری املاک میں شامل کر رکھا تھا ۔ وزارت مالیہ نے میری عرض قبول اور مستوفی کابل کی طرف احکام صادر کرتے ہوئے کہ ایک سو جریب زمین کی از قلعچہ مذکور کی قیمت تخمینی طور پر معلوم کرکے وزارت مالیہ کے حضور کی جائے ۔ چنانچہ چند ہفتوں کے اندر اندر اس کام کی تکمیل ہوگئی اور

وزارت خارجہ نے میرے نام قلعچہ مذکور کا قبالہ اور قبضہ دے دیا - (قبالہ رجسٹری کو کہتے ہیں) - اس بیع و سند کے سلسلے میں مبلغ اڑھائی ہزار اوپر کی رقم فاضل بچی - ان روپوں کے عوض وزارت مالیہ نے مجھے شرکت امانیہ کے حصے دے دیے - واضح رہے کہ شرکت امانیہ رائل کمپنی تھی جو امیر امان اللہ خاں نے اپنی اور اپنی رائل فیملی اور وزراء اور عائدین و تجار مملکت کے مشترکہ سرمایہ حصص سے قائم کی تھی - گویا یہ کمپنی افغانستان میں پہلی تجارتی کمپنی تھی جس کا افتتاح امیر امان اللہ خاں کے عہد میں ہوا تھا - یہ کمپنی پوستہ، قرہ خچالی، رودوں اور قالینوں کی وسیع تجارت کرتی تھی اور اس کا سالانہ منافع مملکت کے سب شخصی اور مشترکہ تجارتی اداروں سے بہت زیادہ تھا -

بغاوت منگل اور اس کے اسباب

۱۹۲۴ء میں صوبہ سمت جنوبی میں بغاوت پھوٹ پڑی - اس صوبے میں خصوصیت کے ساتھ دو نہایت ہی اجڈ جاہل اور سلحشور قبیلے منگل و جدران کے ناموں سے آباد تھے اور زیادہ تر اپنے ملاؤں کے زیر اثر تھے - امیر امان اللہ خاں کا جذبہ و دماغ اصلاحی تھا - وہ ایک تجدد پسند ریفارمر کی طرح اپنے ملک کی اصلاح کرنا چاہتا تھا - سب سے پہلے اس نے کنیزوں کو آزاد کیا حتیٰ کہ اپنے مقتول باپ امیر حبیب اللہ خاں کے حرم میں جو چار سے زیادہ کنیزیں اور عورتیں تھیں انھیں آزادی سے نکاح ثانی کرنے کی اجازت دے دی - پھر لوگوں کے پاس کنیزوں کے نام سے جو عورتیں فالتو تھیں، انھیں غیر مشروع قرار دیتے ہوئے آزادانہ نکاح کرنے کی اجازت دے دی -

اسی ضمن میں اس نے حکومت کے ملازمین پر یہ پابندی عائد کر دی کہ آئندہ کوئی ایک سے زیادہ منکوحہ بیویاں اپنے پاس نہ رکھے -

پھر سب سے زیادہ جس نے لوگوں کے مزاج کی برہمی کا سامان پیدا کیا وہ یہ تھا کہ لوگوں کی بیویوں کو کھلی اجازت دے دی گئی کہ اگر ان کے شوہروں کا گزران ان سے اچھا نہ ہو تو وہ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا کر ان سے طلاق یعنی (خلع) حاصل کر سکتی ہیں -

ان اصلاحات اور احکامات کی خبریں جب سمت جنوبی پہنچیں تو وہاں کے ملاؤں نے ان احکامات کو شریعت کے خلاف سمجھ کر آتش زیر پا ہو گئے اور امیر امان اللہ خاں کو شریعت کا باغی سمجھ کر اس کے بر خلاف لڑنے بھڑنے پر آمادہ ہو بیٹھے - ان کے

بڑے ملا نے جو بعد میں (ملائے تنگ) کے نام سے مشہور ہوا بغاوت کا علم بلند
یا اور منگلی قبیلہ اس کے پرچم تلے حکومت کا باغی بن گیا ۔ تھوڑے ہی عرصہ میں
ں کا قبیلہ اس کے ساتھ مل گیا ۔ امیر امان اللہ خاں کو جب یہ خبریں پہنچیں تو
نے عبدالحمید خاں رئیس ارکان حربیہ کی کمان کے ماتحت پورا ایک ڈویزن فوج ان کی
ی کے لیے بھیج دیا ۔ اس ڈویزن نے ایک وسیع میدان میں جس کے دور دور
ں طرف پہاڑیاں تھیں ، اپنا ہیڈ کواٹر قائم کیا اور اس کے مشہور کمانڈر نے ہر ایک
بالمقابل چار توپیں کھڑی کر کے چاروں طرف چار گولے فائر کر دے اور اس طرح
دشمنوں پر اپنی دھاک بٹھانے کی کاروائی سے فارغ ہو کر اور ضروری پہرے مقرر
کے بعد اپنے ہمراہی افسروں کے ساتھ اپنے خیمے میں رنگ رلیوں میں مشغول
گیا ۔

منگل اور جدران کے باغی قبیلے جنھیں فوج کی آمد آمد کی اطلاع مل چکی
نصف رات گزرنے کے بعد چپکے چپکے اور دھیرے دھیرے چاروں طرف سے رات کی
سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے قریب آئے اور دفعتاً یا چار یار کے نعرے بلند
ہوئے چاروں طرف سے ان پر ٹوٹ پڑے اور صبح ہونے تک کل فوج اور کیمپ کا
کر دیا جن میں کافی تعداد میں فوجی افسر بھی موجود تھے ۔ باغیوں کی اس فتح کی
جب اس صوبہ کے دوسرے قبیلوں کو پہنچی تو وہ بھی باغیوں کے ساتھ مل گئے
ب کابل میں یہ جانگداز خبریں پہنچیں تو حکومت کے ہاں ماتم کی صف بچھ گئی ۔
ر کی گئی کہ فوری طور پر مزید فوج سمت جنوبی کو بھیجی جائے اور ان جگہوں
ص طور پر بچایا جائے جن میں بغاوت ابھی تک نہیں پہنچی تھی ۔

قطعہ نمونہ کی فوج کو بھی طلب کر لیا گیا ۔ یہ وہی فوج تھی جسے غازی
پاشا نے اپنے ملٹری ٹریننگ سنٹر میں موڈرن تعلیم دی تھی اور میں اگرچہ اس کا
احتیاطی افسر تھا تاہم مجھے ابھی اس بنا پر طلب نہیں کیا گیا تھا کہ یہ ایک
فیصلہ ہے اس میں مہاجرین کو شرکت نہیں کرنی چاہیے ۔

اس اثنا میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کی بنا پر میں نے جائز سمجھا کہ میں
بلا جبر میں شرکت کروں ۔ منگل کی بغاوت زوروں پر تھی پہلی ڈویژن کا صفایا ہو جانے
ان امیر امان اللہ خاں نے ایک دم تین ڈویژن سمت جنوبی میں بھیج دے لیکن پھر
کے سے بغاوت فرو نہ ہو سکی یہ خیال ہو رہا تھا کہ ایک طرف تو یہ بغاوت سمت
فی ۔ جلال آباد کی طرف سرائت کر جائے گی اور دوسری طرف مغربی سمت کو

بھی اپنے گھیرے میں لے لے گی ۔ انگریز امان اللہ خان کو اپنا دشمن سمجھتے تھے ۔ انھیں گمان ہوا کہ شاید امیر امان اللہ خان اس بغاوت کو فرو نہیں کر سکے گا ۔ للهذا نتیجہ بادشاہ گردی ہوگی یعنی کوئی نیا بادشاہ تخت پر بیٹھ جائے گا پھر کیوں نہ ہو کہ یہ ہمارا ہی کوئی پٹھو ہو ۔ اس گمان کے ماتحت انھوں نے سردار ایوب خان کی اولاد میں سے جو لاہور میں مدتوں سے نظر بند رہا تھا ، عبدالکریم نامی ایک شخص کو خوست کے راستے سے صوبہ سمت جنوبی میں دھکیل دیا ۔ ملا تنگ نے اس کے نام کا علم بلند کر دیا ۔

یہ بات حقیقت میں بھی اور پالیسی کے طور پر بھی امیر امان اللہ خان کے حق میں ... گئی ۔ وہ لوگ جو اس بغاوت کو شریعت کے تحفظ کی بنا پر حق بجانب سمجھتے تھے ... وہ اسے اب ایک ایسی سیاسی جنگ سمجھنے لگے ۔ جس میں انگریزوں کا ہاتھ صاف طور پر انھیں دکھائی دیتا تھا ۔ ہم مہاجرین جو اپنی ملت اور وطن کی آزادی کے لیے ... سر بکف وہاں موجود تھے ، انگریزوں کی اس چال کو برداشت نہ کر سکے ۔ چنانچہ اسی وقت میں نے امیر امان اللہ خان کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا ، جس میں اپنے تاثرات کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ میں اب تک اس جنگ کو ایک داخلی قضیہ سمجھتا تھا لیکن اب چونکہ انگریزوں نے اس میں ہاتھ ڈالا ہے اور بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ایک ایسی نظر بند شخصیت کو جو ہندوستان میں ایک پناہ گزین کی حیثیت رکھتی تھی ، افغانستان میں بغاوت کی آگ کو تیز کرنے کے لیے بھیج دیا ہے اس لیے ہمارا فرض ہے کہ ہم اس بغاوت کو فرو کرنے میں اپنی جانوں تک کی قربانی سے دریغ نہ کریں للهذا مجھے کرنیلی کا عہدہ تفویض کیجیے اور مجھے کسی محاذ جنگ میں عملی حصہ لینے کے لیے مقرر و مامور فرما دیجیے ۔

ان دنوں چیف آف دی جنرل سٹاف بریگیڈیر جنرل محمد عمر خان تھا ۔ یہ قطعہ مولانا میں میرا کرنیل تھا ۔ میں نے یہ عریضہ اسی کی معرفت بھیجا تھا ۔ اس نے مجھے دوسرے دن وزارت جنگ میں طلب کیا اور مبارک باد دیتے ہوئے کہا کہ امیر امان اللہ خان نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ کو کرنیلی کے عہدے کا مژدہ سنا دوں اور میں نے آپ کے لیے غزنی کا محاذ تجویز کیا ہے ۔ وہاں آپ جنرل محمد عمر خان سور (سرخ) کی ماتحتی میں خدمت انجام دیں گے ۔ اس نے فوراً میرے لیے سامان سفر درست کر دیا اور میں اسی ہفتے ایک گھوڑا گاڑی کرایہ کر کے غزنی کے شہر کی طرف روانہ ہو گیا ۔

غزنی کی طرف خطرے کو بڑھتا دیکھتے ہوئے امیر امان اللہ خان نے اس سمت کے نظم و نسق کو سردار عبدالاحد خان کے سپرد کر دیا تھا وہ مجھ سے ایک ہفتہ پہلے

بورے سٹاف کے ساتھ روانہ ہو چکا تھا مجھے حکم تھا کہ راستے میں اس سے ملوں اور پھر اس کے مشورے سے غزنی کی طرف بڑھتا چلا جاؤں - میں اس سے یخ آباد" میں جو کابل اور غزنی کے راستے کا تقریباً نصف ہے جا ملا - ہم شش گاؤں مقام پر پہنچے جس کے آگے ایک صعب المرور کوتل یعنی ایک پہاڑی درہ ، درۂ خیبر طرح پیچ و خم کھاتا ہوا شہر غزنی کی طرف رہنمائی کرتا تھا - اس درے کی جانب ت اور جانب چپ پہاڑی چوٹیوں کا ایک سلسلہ تھا -

سردار عبد الاحد کے ساتھ جو فوجی کمانڈر تھے چونکہ آن کو یہ خبریں مل چکی ہی کہ اس درے میں باغی لوگ داخل ہو کر اس پر قبضہ کر چکے ہیں اس لیے ان کی ز تھی کہ فوج کو ان پہاڑی سلسلوں میں بکھیر کر ایڈوانس کرنا چاہیے - میں اس ز سے متفق نہ تھا - کیونکہ درہ ہمیشہ ایک تنگ سڑک سے گزرا کرتا ہے اور ارد گرد پہاڑیوں کا سلسلہ جب درہ کے داخل میں بڑھتا ہے تو وہ آس پاس کی پستیوں اور بیوں میں کھو جاتا ہے - اس کا مطلب یہ ہے کہ فوجی منظم دستوں کو ان پستیوں بلندیوں کی اوٹ میں گم کرتے ہوئے ضائع اور اپنے کنٹرول سے خارج کر دیتا ہے - نے رئیس تنظیم کی خدمت میں اپنا خیال پیش کیا اس نے مجھ سے معذرت کرتے ہوئے کیونکہ میں ملٹری آدمی نہیں ہوں اس لیے میں ان افسروں کی جو میرے ساتھ ہیں ت نہیں کر سکتا- اس پر میں نے ان سے کہا کہ پھر مجھے اجازت دیجیے کہ میں اپنی کے مطابق درہ سے گزرتے ہوئے غزنی شہر پہنچنے کی کوشش کروں کیونکہ مجھے حکم ملا ہے وہ یہ ہے کہ میں راستے میں آپ سے مل کر آپ کی مدد اور کے بغیر آپ کی معیت میں رہتے ہوئے خود کو غزنی پہنچاؤں - اس نے کہا کہ جو خبریں ملی ہیں وہ یہ ہیں کہ درہ اشرار سے پر ہو چکا ہے اور وہ اس پر قابض میں نے ان سے عرض کیا کہ میں ذاتیتاً اس میں یقین نہیں کرتا اس نے جواباً کہ آپ اپنی ذمہ داری پر جا سکتے ہیں - میرے تانگے کا کوچوان ایک نہایت ہی افغان تھا - میں نے جب اس سے اپنا خیال ظاہر کیا تو اس نے کہا کہ خواہ کچھ ہو میں آپ کے ساتھ درے میں گھس جانے کے لیے تیار ہوں - چنانچہ ہم دونوں (مقام کا نام) سے درے میں داخل ہو گئے - میرے پاس ایک پیرابلم پستول تھا میگزین گیارہ گولیوں سے پر تھا میں نے اسے بھر لیا اور کوچوان کے پہلو میں درے کے اندر گھسا چلا گیا - ہم صبح کے نو دس بجے درے کے اندر داخل ہوئے - بڑھتے گئے - درے میں ہو کا عالم تھا - کہیں بھی کوئی آدمی نظر نہ آیا -

کئی کئی جگہ فاصلوں پر سڑک کے کناوے لوگوں کے گھر بنے ہوئے تھے لیکن ان میں کوئی نہ تھا گویا وہ اپنے گھروں کو ترک کر کے کہیں چلے گئے ہوں - جب ہم لعف درے کے قریب پہنچے تو ہمیں دور سے چند آدمی مقابل سمت سے آتے ہوئے دکھائی دیے چونکہ میں اس وقت اپنی پوری فوجی وردی میں تھا میں نے قریب پہنچ کر انھیں روکا اور ایسی صورت میں کہ پستول میرے ہاتھ میں تھا میں نے ان سے درے کے باقی ماندہ حصے کی کیفیت دریافت کی -

آنھوں نے مجھے بتایا کہ کل واقعی کچھ باغی لوگ درے میں آئے تھے - مگر راتوں رات چلے گئے - درہ خالی ہے اور کوئی باغی اس میں نہیں ہاں صرف اتنی سی بات ہے کہ درے کا آخری پل جس میں پانی بہ افراط ہے ٹوٹا ہوا ہے - پھر مجھے انھوں نے اطمینان دلایا کہ پل کے آس پاس سے تانگے کے گزرنے کا راستہ موجود ہوسکے گا - چنانچہ ہم دو تین بجے کے درمیان اس پل پر پہنچے اور پل کے نیچے سے گزرتے ہوئے اپنی منزل کی طرف روانہ ہوگئے - تھوڑی دور چلنے کے بعد درہ ختم ہوگیا اور ہم اس سڑک پر پہنچ گئے جو سیدھی غزنی کی طرف جاتی تھی - ایک دو میل طے کرنے کے بعد ہم ایک بستی میں پہنچے جو سڑک کے کنارے واقع تھی - ہم نے وہاں کے لوگوں کو دیکھا کہ انھوں نے اپنا سامان وغیرہ زمین کھود کر اس کے اندر دبا رکھا تھا اور اب خطرے کو ٹلتا دیکھ کر وہ اپنا سامان زمین کے گڑھوں سے نکال رہے ہیں - اُن کی زبانی یہ بھی معلوم ہوا کہ غزنی قلعہ بند ہوچکا ہے اور اس کی مقابل سمت جو جنوب کی طرف واقع ہے - سلطان محمود غزنوی کے مقبرے تک کھلے میدان میں باغیوں کا قبضہ ہے -

جب ہم غزنی پہنچے تو تقریباً پانچ بج چکے تھے - غزنی کے قلعے کے باہر کی دوکانیں بند تھیں اور اُن میں کوئی متنفس ہمیں نظر نہیں آتا تھا -

قارئین براہ کرم سلطان محمود غزنوی کے اس غزنی کا تصور نہ کریں - جسے تواریخ میں "عروس البلاد" لکھا ہے - ۱۹۲۴ع کا غزنی محض ایک بلند ٹیلے پر واقع تھا - جس کے تین طرف میدان اور باغات تھے - غزنی کے دروازے بند تھے - میں نے جا کر دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا کہ دروازہ کھول دیجیے - ہم آپ کو محاصرے سے نجات دلانے کے لیے کابل سے آئے ہیں - آنھوں نے کچھ پوچھ گچھ کے بعد دروازہ کھول دیا اور ہم اس مختصر سے شہر کے اندر گھس گئے -

جرنیل سور (سرخ جرنیل) نے میری آمد پر خوشی کا اظہار کیا - میرے لیے علیحدہ کمرہ دیا گیا اور صبح کے وقت وہ مجھے غزنی کی فصیل پر لے گیا اور وہاں

اور باغیوں کے حملہ کرنے اور اپنے دفاع کرنے کے طرز عمل کی تفصیل بیان کرنے میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور ادب کے ساتھ کہا کہ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ سامنے کے باغات کو جن میں باغی عناصراوٹ لیتے رہے ہیں - آپ پہلے آسے صاف کروا تاکہ آپ کی توپیں باغیوں کا قلع قمع کرنے میں کارگر ثابت ہو سکتیں - اس نے کراتے ہوئے کہا کہ یہ یہاں کی قبائلی سیاست کے برخلاف تھا - اگر ہم ایسا کرتے جن لوگوں کے یہ باغ ہیں وہ بھی ہم سے باغی ہو جاتے -

غزنی کا رئیس تنظیمیہ غلام محمد خاں وردگی تھا - غزنی اور کابل کے درمیان گ کا ایک بڑا علاقہ ہے جس کے لوگ جری ، بہادر اور سلح شور واقع ہوئے ہیں - غلام محمد خاں وردگی انھیں قبیلوں میں سے ایک کا سردار تھا - یہ بہت دولت مند تھا - بڑا ضدی ہٹ دھرم اور نہایت ہی متعصب افغان تھا - یہ ہندوستانیوں کو بالکل نہیں تھا - یہ بغاوت منگل کے بعد کچھ دنوں کے لیے وزیر تجارت بھی بنایا گیا - اس نے ی میں مجھے پسند نہ کیا -

غزنی سے خطرہ ٹل چکا تھا - باغی اس محاذ سے تتر بتر ہو چکے تھے - اس کے غزنی پر کوئی حملہ نہ ہوا - غلام محمد خاں رئیس تنظیمیہ نے میرے متعلق وزارت حربیہ ایک خفیہ رپورٹ بھیجی - جس میں اس نے لکھا کہ کسی غیر کفو ہندوستانی کو ہماری لی سیاست کے ماقت ہمارے درمیان ملکی لڑائیوں میں حصہ نہیں لینا چاہیے - اس لیے ل عزیز خاں ہندی کا یہاں غزنی میں رہنا میں مناسب نہیں سمجھتا - میں اسے کابل بھیج رہا ہوں ـــ مجھے اس خفیہ رپورٹ کا علم نہ تھا -

انھوں نے مجھے ایک سر بمہر خط دیا اور کہا کہ یہ ایک خصوصی خط ہے ہم آپ کو مقرر کرتے ہیں کہ آپ یہ خط لے جا کر اپنے ہاتھ سے وزارت حربیہ کو ہ کر دیں -

میں اگرچہ حیران تھا تاہم یہ ملٹری حکم تھا - میں نے خط کو تسلیم کرلیا کوئی تین ہفتے کے بعد غزنی سے کابل روانہ ہوگیا -

وکیل وزارت حربیہ سے میری جھڑپ

میں نے کابل پہنچتے ہی وہ خط وزارت حربیہ کو پیش کر دیا اور ساتھ ہی اپنی ی رپورٹ بھی رئیس ارکان حربیہ (جنرل اسٹاف) کے حضور پیش کر دی - ارکان حربیہ یری رپورٹ کو جو ملٹری نقطہ نگاہ سے مرتب کی گئی تھی - بہت سراہا اور میری

قدر و تحسین کی اور تا حکم ثانی ہر روز ریاست ارکان حربیہ میں حاضر و موجود رہنے کا حکم دیا ۔

اسی اثناء میں وزارت حربیہ کے حکم سے ایک مشاورتی کونسل کی تقرری کا اعلان کیا گیا جو اس وقت کے جنگی حالات کا جائزہ لے اور مزید پلین (Plan) کے ترتیب دینے کے متعلق اپنا زاویہ نگاہ پیش کرے ۔ اس کے ارکان میں کرنل تک کا عہدہ رکھنے والے فوجی افسروں کو شرکت کی اجازت دی گئی ۔ اس مشاورتی کونسل کے جلسوں کی صدارت خود وکیل صاحب حربیہ کرتے تھے ۔ کابل کی اصطلاح میں ''قائم مقام وزیر حربیہ'' ہی کو ''وکیل حربیہ'' کہتے ہیں ۔ سردار عبدالعزیز ۔ان یاور حضور (سیکرٹری) امیر امان اللہ خاں اس وقت وکیل وزارت حربیہ تھا ۔

جب مشاورتی کونسل کے اجلاس شروع ہوئے تو میں بھی پہلے دن ریاست ارکان حربیہ کے دوسرے افسروں کے ساتھ اجلاس میں شامل ہونے کی غرض سے ان کے ساتھ بڑے ہال کی طرف گیا ۔ اندر جانے کے لیے دروازے پر پہرہ کھڑا ہوا تھا اور ایک کرنل جو ڈیوٹی پر تھا ایک ایک کرکے افسروں کو اندر جانے کی اجازت دے رہا تھا ۔ جب میری نوبت آئی تو اس نے مجھے روک دیا اور کہا کہ وکیل صاحب کے حکم سے آپ کو اندر جانے کی اجازت نہیں ۔ میں نے اس سے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ جب میرا حق موجود ہے تو مجھے اجازت کیوں نہیں ۔ اس نے کہا کہ اس کا مجھے علم نہیں میں نے دفعۃً فوجی غیرت میں آتے ہوئے کہا کہ اگر تمھیں علم نہیں تو مجھے روک بھی نہیں سکتے اور یہ کہتے ہی میں اسے جھٹکتے ہوئے اندر گھس گیا ۔

اندر بڑی میز کے ارد گرد چند فوجی جرنیل وکیل صاحب حربیہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور جو افسر نوبت بہ نوبت اندر آ رہے تھے ۔ وہ ہال کی دونوں جانب اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ رہے تھے ۔ میں سیدھا تیر کی طرح بڑی میز کی طرف گیا اور فوجی سلام بجا لانے کے بعد ''وکیل صاحب حربیہ'' سے دریافت کیا کہ مجھے کیوں اس کونسل میں بیٹھنے کی اجازت نہیں ہے ۔ اس کے چہرے کا رنگ اس دفعۃً پیش آمد سے متغیر ہوچکا تھا سارا ہال ٹھٹھک کر رہ گیا تھا ۔ مگر اس نے جلدی سے اپنی وضع پر قابو پاتے ہوئے کہا کہ ہماری سیاست کا تقاضا ہے کہ ہم غیر ملکیوں کو اپنے داخلی شوروں میں جگہ نہ دیں ۔ اس کے جواب میں میں نے کہا کہ پھر مجھے یہ لباس بھی نہ پہننا چاہیئے جو آپ کے داخلی مشوروں میں مجھے شرکت کا جواز بخشتا ہے اور یہ کہتے ہی میں نے اپنی کمر سے پیٹی ڈھیلی کی اور اس سے پستول نکال کر وکیل حربیہ کی میز پر رکھ دیا ۔

ر پھر پیچھے ہٹ کر میں نے اسے سلیوٹ کی' اور پھر (رائٹ اباؤٹ ٹرن) کرتے ہوئے ق رفتاری کے ساتھ کمرے سے نکل گیا ۔

میں نے گھر آ کر اپنا استعفیٰ لکھا اور اسے امیر امان اللہ خاں کی خدمت میں ج دیا اور ساتھ ہی وکیل وزارت حربیہ سے اپنی قومی توہین کے برخلاف معافی طلب نے کا مطالبہ کر دیا ۔ یقیناً میری خودی پر اس وقت گہری ضرب لگی تھی ۔ میں نے ی بار محسوس کیا تھا کہ مسلمان خود ہی اسلامی رشتہ' اخوت اور وحدت کو نہیں مان ے ہیں ۔ میری نظروں میں مغلوں اور افغانوں کی کشمکش اور رقابتوں کے تمام وہ عات زندہ و تازہ ہوگئے جنھوں نے اسلامی ہند میں مسلمانوں کی حکومت کو کمزور ر بالآخر اس کا خاتمہ کرنے میں اپنا ہلاک آفریں کردار ادا کیا تھا ۔ میں اس وقت اور چھ نہ کر سکتا تھا ۔ استعفیٰ نے دفعتہً میرے سامنے میری معیشت کا مسئلہ پیدا دیا تھا اور جب تک اس کی طرف سے مجھے اطمینان نہ ہو جائے ، میرا دل و دماغ یہ سوچنے سمجھنے اور فکر کرنے سے ماؤف ہو چکا تھا ۔ میرے گھر والوں نے مجھے س ہندوستان جانے کا مشورہ دیا لیکن میں نے اسے قبول نہیں کیا ۔ البتہ مالی مشکلات پیش نظر میں نے اپنی والدہ اور اپنے لڑکے اختر مسعود اور اپنے بھانجے خواجہ حسن یہ کو جو کابل کے اسکول میں پڑھتے تھے ۔ اپنے پاس رکھ لیا اور باقی تمام اہل خانہ ر اپنی ہمشیرہ وغیرہ کو امرتسر روانہ کر دیا ۔

ستم ظریفی یہ کہ نہ میرا استعفیٰ کسی نے منظور کیا اور نہ ہی میری خواست کی طرف کسی نے توجہ دی ۔ میں کابل شہر کی تنگناؤں میں مدتوں تک رگردان اور آوارہ بھٹکتا رہا ۔

تسلسل واقعات کے لیے یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ سردار سپہ سالار محمد نادر خاں بڑھتے ہوئے عروج سے خائف اور بدگمان ہوکر امیر امان اللہ خاں نے اپنی ملوکانہ سیاست ماتحت اسے پہلے تو صوبہ' ترکستان کی تفتیش کے حیلے سے مملکت شمال کی طرف ج دیا مگر ان کے عہدے کو بحال رکھتے ہوئے ان کی جگہ وزارت حربیہ کے اپنے یاور ائیویٹ سیکرٹری) عبدالعزیز خاں کو وکالت کا عہدہ سپرد کر دیا ۔ اسی دوران بغاوت کی رونما ہوئی جو ایک سال تک رہی اور جب وہ ترکستان سے واپس آئے تو امیر ن اللہ خاں نے انھیں چند دن گھر میں آرام کرنے کو کہا ، یہ گویا علامت تھی کہ اسے رت حربیہ سے علیحدہ کر دیا گیا ہے ۔

سردار محمد ہاشم نائب سالار جو ماں کی طرف سے سردار محمد نادر خاں کا سوتیلا بھائی تھا۔ چونکہ وہ بھی فوج میں کافی اثر و رسوخ رکھتا تھا ، امیر امان اللہ خاں نے اسے بھی روس میں افغانی سفیر مقررکر کے بھیج دیا تھا ۔ اسی دوران ایک واقعہ پیش آیا تھا جس سے امان اللہ خاں نے کافی مہارت کے ساتھ فائدہ اٹھایا تھا وہ یہ کہ سردار محمد نادر خاں کا سب سے بڑا لڑکا جس کا نام محمد ظاہر تھا اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے فرانس گیا ہوا تھا ۔ وہاں وہ دفعتہً بیمار ہوکر مر گیا ۔ امان اللہ خاں نے حکم دے دیا کہ اس کے مرنے کی خبر سردار سپہ سالار تک ہر گز نہ پہنچائی جائے تاہم انھیں کسی نہ کسی طرح خبر ہو چکی تھی لیکن انھوں نے بھی اپنے آپ کو بے خبر ڈالے رکھا جیسے ابھی تک اس روح فرسا واقعہ کی خبر ہی نہیں ہے ۔ لہٰذا ایک دن موقع پا کر امیر امان اللہ خاں نے پغمان میں بلایا۔ اور کہا کہ میں نے قصداً اس خبر کو آپ سے چھپائے رکھا تھا ۔ اب آپ پر ظاہر کرتا ہوں۔ آپ بہت جلد فرانس کے سفر کی تیاری کریں اورکچھ مدت تک وہیں رہیں اور اپنا غم غلط کریں میں پیرس میں آپ کو اپنا سفیر کبیر مقرر کرتا ہوں ۔ سردار محمد نادر خاں اس کے جواب میں سوائے قبول کرنے کے اور کیا کہہ سکتے تھے لیکن نہ تو اس وقت امیر امان اللہ خاں کو خبر تھی کہ جسے وہ یوں نکال رہا ہے وہ چند ہی سالوں میں اس کے تاج و تخت کا وارث بن جائے گا اور نہ محمد نادر خاں کو یہ خبر تھی کہ جس جگہ وہ جلا وطن کر کے بھیجے جا رہے ہیں اس جگہ سے واپس لوٹتے ہی وہ اپنے ملک و وطن کے بادشاہ بننے والے ہیں -

کیا ان غیر متوقع مقدرات پر کبھی انسان کی دسترس ہو سکتی ہے ؟ نادر خاں کا تیسرا بھائی شاہ ولی خاں جو امان اللہ خاں کا بہنوئی بھی تھا اور جرنیلی کا عہدہ رکھتا تھا ۔ تھوڑے عرصہ کے بعد اسے بھی امیر امان اللہ خاں نے باہر سیاحت کے لیے بھیج دیا ۔ پھر یہ امیر امان اللہ خاں کے عہد حکومت میں واپس نہیں آیا ۔

چوتھا بھائی سردار شاہ محمود خاں بھی امیر امان اللہ خاں کی ایک سوتیلی بہن کا خاوند تھا اور اس کا عہدہ بھی جرنیل ہی کا تھا ۔ لیکن اسے کمسن یا کم اثر سمجھ کر امیر امان اللہ خاں نے کہیں باہر بھیجنے پر مجبور کیا اور نہ اسے فوج سے علیحدہ کیا ۔

پانچواں بھائی سردار محمد عزیز خاں جو سب سے بڑا تھا غالباً اس وقت برلن میں تھا ۔ الغرض کابل میں سردار شاہ محمود خاں کے علاوہ سالار محمد نادر خاں کے بھائیوں میں سے اور کوئی موجود نہ تھا ۔

اس طرح افغانستان سے سردار محمد نادر خان اور ان کے خاندان کی یاد اور اثر مٹایا جا رہا تھا تاہم اس خاندان کے بہت سے بہی خواہ اور دلدادہ کابل میں ...جود تھے -

سردار محمد نادر خان نے افغانستان سے فرانس جاتے ہوئے اپنے خاندانی معاملات کے ...ات کیے ، افغانوں میں سے اپنے کسی ملازم یا معتمد کو منتخب نہیں کیا بلکہ اپنے گھریلو کاموں کی دیکھ بھال اور اپنی زمینوں اور جائداد کا انتظام مولوی اللہ نواز خان ...ر کے سپرد کر گئے جو ان دنوں شرکت الہان میں ترجمان کے طور پر کام کر رہا ... وہی اس کی زمینوں کا انتظام کرتا - انہیں اجارے پر دیتا - غلہ دانہ اور دیگر ...ریات کو اہل خانہ کے لیے بہم پہنچاتا وغیرہ وغیرہ - یہ حقیقت ہے کہ ہم سب ...ر دل سے سردارمحمد نادر خان کا احترام کرتے تھے تاہم افغانوں کا نوجوان طبقہ گو اس ...جاہت کا قائل تو تھا لیکن انہیں انگریزوں کا دوست اور حلیف تصور کرتا تھا -

یہ نوجوان طبقہ امیر امان اللہ خان کی اشارت سے محمد ولی خان (ترکستانی) کے گرد ...ہو رہا تھا جو تازہ یورپ کے دورے سے واپس لوٹا تھا اور جسے امیر امان اللہ ...نے آتے ہی وزیر خارجہ کا منصب عطا کیا تھا -

علاوہ اس کے آزاد خیال نوجوانوں کا ایک اور گروہ بھی تھا جو سردار ...لہادی خان کے زیر اثر تھا - امیر امان اللہ خان نے سردار عبدللہادی خان کو اس ...انت داری ، اس کے علم و فضل اور اس کی حق گوئی کی بنا پر وزارت تجارت کا ... دے رکھا تھا یہ امیر حبیب اللہ خان مقتول کے زمانے میں گیارہ سال تک قید و ...ی سختیاں بھی جھیل چکا تھا - یہ وہی سردار عبدالہادی خان تھا جس نے ہجرت کے ...ی ایام میں وزارت خارجہ کی طرف سے ایک دعوت کے موقع پر میری تقریر کا اردو ...یں جواب دیا تھا - ہم پہلے صورت آشنا رہے پھر آپس میں بہم اور نزدیک ہو گئے - ...ستہ آہستہ دوست بن گئے اور پھر آخر کار ایک دوسرے کے ہم فکر اور جان نثار ...ے - ہم ملک کے واقعات پر آزادانہ اور سیر حاصل تبصرہ اور تنقید کیا کرتے - ...دشاہ کے بعض نا پسندیدہ کردار پر رائے زنی کرنے سے بھی نہ چوکتے - سردار ...ہادی خان نے مجھے پہچان لیا تھا اور میں نے اسے - بفضل تعالیٰ سردار موصوف آج ...ندہ ہے اور کابل کی مجلس اعیان کا صدر ہے -

افغانستان میں برطانیہ کے سفیر کبیر سر ہمفریز سے میری ملاقات

سردار محمد نادر خاں کے افغانستان سے چلے جانے کے بعد گویا ایک طرح سے مہاجرین پر بھی آفتوں کے دروازے کھل گئے تھے - اس کی ابتدا محمد حسین خاں رئیس تدریسات کے ایک واقعہ سے ہوئی - محمد حسین خاں در اصل جالندھر شہر کا رہنے والا تھا - یہ علی گڑھ کا تعلیم یافتہ تھا اور عہد امیر حبیب اللہ خاں میں افغانستان چلا گیا تھا - عہد امیر امان اللہ خاں میں وہ افغانستان کے سر رشتہ تعلیم کا ڈائریکٹر بنایا گیا تھا اور یہ حقیقت بھی تاریخ کے صفحات میں ریکارڈ کرنے کے قابل ہے کہ افغانستان کے جہل کو علم کی روشنی سے منور کرنے والے یہی ہمارے بر صغیر کے پر جوش مسلمان اساتذہ تھے اور انھی کی سر پرستی میں تعلیم و تربیت پاتے ہوئے افراد امیر امان اللہ خاں کے عہد حکومت میں مملکت کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے اور انھی افراد سے مزید اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے یورپ بھیجے جا رہے تھے -

امیر امان اللہ خاں کے عہد ہی میں یہ جنون افغانوں کے سر چڑھ کر بولنے لگا تھا کہ چونکہ اس ملک کا نام افغانستان ہے اس لیے اس کی زبان بھی افغانی ہونی چاہیے لیکن چونکہ فارسی زبان نے قدیم ہی سے اس ملک میں ڈیرے ڈال رکھے تھے اور خود افغانی لوگ بھی ملک کے طول و عرض میں اقلیت میں تھے اس لیے یہ کام آسان نہ تھا - لہذا اس کے لیے امیر امان اللہ خاں نے ایک مجلس مشاورت قائم کی ہوئی تھی اس میں بحث و مباحثہ کے بعد یہ معلوم ہوا کہ چونکہ پشتو زبان کو اب تک علمی حیثیت سے کبھی استعمال نہیں کیا گیا - اس لیے جب تک پشتو کے مساوی الفاظ اختراع نہ کیے جائیں - اس سے علمی زبان کا کام نہیں لیا جا سکتا چونکہ پشتو کو علمی زبان کے لیے نئے الفاظ کے وضع کرنے کا کام بھی اسی مجلس مشاورت کے سپرد کیا گیا تھا اس لیے یہ مجلس مشاورت وقتاً فوقتاً حبیبیہ کالج میں اپنے جلسے کیا کرتی تھی اور اس کے جلسوں میں خود اعلیحضرت امیر امان اللہ خاں بھی شریک ہوتے تھے - ایک دن غور و فکر کے دوران بحث اس نکتہ چینی پر آ گئی کہ پشتو زبان میں سے کون سی زبان کو اصلاح حال کے لیے سامنے رکھا جائے - قندھاری پشتو کو یا پشاوری پشتو کو - امیر امان اللہ خاں قندھاری تھا اور قندھاری پشتو بولتا تھا - مگر ہمارے جالندھر کا رہنے والا افغان محمد حسین خاں پشاوری پشتو کو اصل زبان سمجھتا تھا - الفاظ کی بحث و تمحیص میں جب کھینچا تانی شروع ہوئی تو امیر امان اللہ خاں نے قدوسہ زور دے کر کہا کہ ''قندھاری ہمیں است و ہمیں باشد'' یعنی قندھاری زبان یہی ہے اور یہی ہونی چاہیے - اس پر محمد حسین کی زبان سے بلا ارادہ یہ فقرہ نکل گیا کہ قندھاری پشتو

زبان پشتو ہے ۔ بس پھر کیا تھا امیر امان اللہ کا پارہ ایک دم چڑھ گیا اور اس نے
ب میں آ کر اپنا پستول نکال رئیس تدریسات محمد حسین خاں کو وہیں ڈھیر کر دینا
مگر فخری پاشا نے بروقت امیر امان اللہ خاں کا ہاتھ روک لیا اور رئیس تدریسات نے
فوراً بات کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے امیر امان اللہ خاں کے پاؤں پر گرکر معافی
ی لی ۔ معاملہ رفع دفع ہوگیا ۔ لیکن اس کدورت سے افغانوں کے متعصب عناصر
موقع ہاتھ آ گیا کہ وہ ایک عرصہ تک مہاجرین کے حقوق پر دست درازی
نے رہیں ۔

اسی ذیل میں ایک واقعہ اور بھی پیش آیا جو میری ذات سے متعلق تھا ۔ وہ
کہ بغاوت منگل کے دوران امیر امان اللہ خاں کو سمت مشرقی کنر کے علاقے سے
وت کی بو آ رہی تھی ۔ کنر کی وادی ایک مشہور اور طاقت ور خان میر زمان خان
ری کے قبضے میں تھی ۔ یہ خان اتنا سرکش اور بے پروا تھا کہ امیر امان اللہ خاں کے
ہ میں بھی اپنے قلعے میں بیٹھ کر اپنے لیے نوبت و نقارے بجایا کرتا تھا ۔ ایک دن
ت پا کر امان اللہ خاں جلال آباد گیا اور وہاں ایک دربار منعقد کیا اور میر زمان خاں
و اپنے ایک معتمد کے ہاتھ دربار میں شامل ہونے کے لیے دعوت نامہ بھیجا ۔ جب وہ
تو اسے دم دلاسا دے کر اپنے ساتھ موٹر میں بٹھا کر کابل لے آیا ۔ چونکہ یہ کارروائی
ہوئی تھی اس لیے اس کی رہائش کے لیے کوئی جگہ پہلے سے متعین نہ ہوئی تھی ۔
امان اللہ خاں نے سردار عبدالعزیز وکیل وزارت حربیہ سے کہا کہ اسے کسی ایسی
رکھو جہاں تم خود اس کی نگرانی کر سکو ۔ بد بختی سے میرا "قلعچہ" جو سردار
عزیز خاں کے راستے پر واقع تھا ۔ اس کی نگہ انتخاب پر چڑھ گیا ۔ اس نے جھٹ
دے دیا کہ میر زمان کنری کو اس میں جگہ دی جائے اور بعد میں ایک دستہ
سپاہیوں کا بھی وہاں متعین کر دیا ۔

اور جب میں نے اس کے برخلاف ایک گشتی مراسلے کے ذریعے تمام وزراء کابینہ
حضور احتجاج کیا تو مجھے کہا گیا کہ یہ عسکری ضرورت کے پیش نظر اور عارضی ہے
ہی یہ ضرورت برطرف ہوئی ، میر زمان اپنے وطن واپس لوٹ جائے گا اور تمہارا قلعچہ
مل جائے گا ۔ میں نے اس پر قناعت نہ کی اور امیر امان اللہ خاں کے حضور میں
عرضداشت میں سردار عبدالعزیز کی چیرہ دستی کا نوحہ کیا اور اصرار کے ساتھ اس کی
سے معافی مانگنے کا مطالبہ دوہرایا ۔

میں نے اس عرضداشت کی ایک نقل وزارت خارجہ کو بھی بھیج دی اور اس میں ایک مدت متعین کر دی کہ اگر اس مدت کے اندر اندر سردار عبدالعزیز خان نے مجھ سے معافی طلب نہ کی تو میں سفارت انگریزی میں جا کر ہندوستان واپس جانے کی اجازت طلب کروں گا اگر وہ مل گئی تو افغانستان میں ہجرت کی تحریک کا جنازہ نکالتے ہوئے اپنے وطن واپس چلا جاؤں گا ۔

اس معاملے میں سب سے زیادہ جس نے طیش و اضطراب کا اظہار کیا وہ ہمارا مہاجر آغا شمس بخاری تھا ۔

یہ وہی خلافت کا ماتم پوش تھا ، جس کا ذکر اس سے پہلے بھی آ چکا ہے ۔ یہ اگرچہ اہل تشیع سے تھا لیکن چونکہ علی گڑھ کالج کا تعلیم یافتہ تھا اور مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی خدام کعبہ کے گروہ میں سے تھا اس لیے اہل سنت والجماعت سے کہیں بڑھ چڑھ کر اسلامی خلافت کے لیے جوش و خروش رکھتا تھا ۔ ۱۹۲۳ء کے آخر میں جب غازی کمال پاشا اتاترک نے خلافت کا جؤا ترکی سلطنت کے کاندھوں سے اتار پھینکا تھا اور ترکی میں جمہوریت قائم کی تھی تو اس تقریب کے موقع پر فخری پاشا نے اپنی سفارت میں ایک خاص دعوت مہاجرین کو بھی دی تھی اور انھیں ایک شان دار ضیافت میں مدعو کیا تھا ۔ اب دعوت میں حسب معمول دونوں طرف سے تقریریں ہوئیں تھیں مگر جب اس کے لیے آغا علی شمس بخاری کی باری آئی تو آپ نے منصب خلافت کے ترک کرنے پر غازی مصطفی کمال اور ترکی جمہوری حکومت کو کوسنا شروع کر دیا ۔ ہم سب نے لاکھ سمجھایا کہ یہ موقع احتجاج کے لیے موزوں نہیں لیکن آغا علی شمس بخاری کوسنے سے باز نہ آیا ۔ حتیٰ کہ محفل اتنی بدمزہ ہوئی کہ اس کا اثر دیر تک ترکوں میں قائم رہا ۔

بہر حال وزارت خارجہ افغانستان کے نوٹس میں لائے ہوئے مقررہ وقت پر میں دندناتا ہوا انگریزی سفارت کی طرف چلا گیا اور احاطہ سفارت میں داخل ہو کر سفیر انگریزی سے ملنے کی خواہش ظاہر کی ۔ سفارت انگریزی کا انڈین سیکرٹری ان دنوں شیخ محبوب الٰہی تھا ۔ یہ پشاور کا رہنے والا تھا اس نے انگریزی سفارت میں بہت زیادہ رسوخ پیدا کر رکھا تھا اور انگریزی وفاداری اس کے رگ و ریشے میں سرایت کر چکی تھی ۔ بعد میں اس کی خدمات کے صلے میں نوابی کا خطاب بھی حاصل ہوا تھا ۔ ان دنوں اتفاق سے یہ رخصت پر پشاور گیا ہوا تھا اور اس کی جگہ ایک اور شخص کام کر رہا تھا ۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کس غرض کے تحت ملاقات کرنا چاہتے ہیں ۔

نے کہا کہ میں ہندوستان واپس جانا چاہتا ہوں ۔ اگر انگریزی حکومت مجھے اجازت تو میں واپس چلا جاؤں گا ۔ سفارت میں میری موجودگی سے ایک خاص سرگرمی ہو گئی تھی جسے میں اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہا تھا ۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا جیسے سفارت کا اسٹاف کسی بڑی مہم کے سر کرنے کے در پے ہے ۔ یہ باتیں میں لیے لکھ رہا ہوں کہ یہ ڈپلومیسی رموز سے متعلق ہیں ۔ قارئین کو ان سے ضرور ہونا چاہیے ۔

تھوڑی دیر کے بعد سیکرٹری آیا اور مجھے سفیر کبیر برطانیہ کے کمرے میں گیا ۔ سفیر اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا ، اس نے مجھ سے ہاتھ ملایا اور اپنے بالمقابل کی سی پر بیٹھنے کو کہا اور مجھ سے فصیح اردو میں باتیں کرنے لگا ۔ اس نے سے کوئی تفصیل نہیں پوچھی اور کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ وطن واپس جانا تے ہیں ۔ میں پوری کوشش کروں گا کہ آپ وطن واپس چلے جائیں ۔ مجھے گورنمنٹ ہند لکھنا پڑے گا ۔ میں جانتا ہوں کہ آپ اپنے ملک کی آزادی چاہتے ہیں ۔ ہم خود تے ہیں کہ ہندوستان کو آزاد دیکھیں اور ہماری حکومت کوشش کر رہی ہے کہ ہم سے جلد آپ کو آزاد کر دیں لیکن اگر آپ تشدد سے کام لیں گے تو آپ کو نقصان گا ۔ میں نے جواب میں کہا : ''اگر آئینی طور پر ہمیں آزادی مل سکے تو ہم یقیناً تشدد سے کام نہیں لیں گے ۔'' اس نے کہا : ''اچھا اپنا ایڈریس لکھوا جائیے میں دو ہفتے کے اندر آپ کی درخواست کا جواب بھیج دوں گا ۔ میں آج ہی حکومت ہند کو آپ کے متعلق لکھ رہا ہوں ۔''

میرا ماتھا تو اسی وقت ٹھنکا تھا کہ مجھے واپسی کی اجازت نہیں ملے گی ۔ بہرحال میں پندرہ دن تک وعدے کا انتظار کرنے کے لیے مجبور تھا ۔

میں نے دوسرے دن وزارت خارجہ افغانستان کو اطلاع دی کہ میں کل سر کبیر سفیر برطانیہ سے ملاقات کر چکا ہوں ۔ اس نے مجھے پندرہ دن کے اندر جواب دینے کا وعدہ کیا ہے ۔ آغا علی شمس بخاری اس کے چند ہی گھنٹوں بعد میری جائے رہائش پر آئے اور مجھ سے تفصیلی حالات پوچھنے کے بعد مجھے زبردستی اپنے ساتھ وزارت تجارت میں سردار عبدالہادی خاں کے پاس لے گیا اور جاتے ہی آپ سے سب قصہ بیان کر دیا ۔ آپ نے کہا کہ میں کل پغمان امیر صاحب کو دیکھنے کی غرض سے گیا تھا مگر شرف باریابی نہ ہو سکا ۔ ورنہ میں مولانا عزیز ہندی کی حق تلفی کے متعلق ان سے کچھ عرض کرتا ۔ ان شاء اللہ میں پھر کوشش کروں گا ۔ میں نے جواب میں کہا کہ سردار صاحب ایک بات

کا خیال رکھیں اور وہ یہ کہ خواہ آپ سونے کا پہاڑ بھی میرے لیے کھڑا کردیں اگر مجھے اجازت مل گئی تو میں ہرگز واپس جانے سے نہیں رکوں گا ۔ انگریز یقیناً میرا دشمن ہے لیکن میں آج اس کے پاس اپنا قول ہار آیا ہوں ۔ اگر اجازت نہ آئی تو میں اسے چھپاؤں گا نہیں بلکہ فوراً آپ سے آ کر کہہ دوں گا ، پھر میں آپ کے بس میں ہوں گا ۔ آپ جس طرح چاہیں مجھ سے سلوک کریں ۔

پندرہ دن گزرنے میں کیا دیر لگتی تھی ، آنکھ جھپکتے ہی گزر گئے ۔ میرے پاس سفارت کا ایک آدمی آیا اور وہ کہنے لگا کہ آپ کل دس بجے سفارت میں آ جائیں ۔ چنانچہ میں دوسرے دن آٹھ کر سفارت برطانیہ میں گیا ۔ مجھے قائم مقام انڈین سیکرٹری کے کمرے میں لے گئے ۔ وہاں مجھ سے معذرت کرتے ہوئے کہا گیا کہ افسوس انڈین گورنمنٹ آپ کو ہندوستان واپس آنے کی اجازت دینے کا خیال نہیں رکھتی ۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور فوراً آن سے ہاتھ ملا کر رخصت ہوا ۔

میں انگریزی سفارت سے نکل کر سیدھا وزارت خارجہ افغانستان میں گیا اور وزارت کے ایک سیکرٹری عبدالجبار خاں سے ملا ۔ یہ مہاجرین کے معاملات سے سروکار رکھتا تھا ۔ میں نے آسے صاف کہہ دیا کہ سفارت انگریزی نے آج مجھے میری درخواست کا جواب نفی میں دے دیا ہے ۔ اس کے بعد میں وزارت تجارت میں سردار عبدالہادی خاں کے پاس گیا اور آسے بھی میں نے اطلاع دے دی کہ حکومت ہند میری واپسی پر رضامند نہیں ہوئی اور مزید کہا کہ اگر میں چاہتا تو اس خبر کو اپنے تک محدود رکھتا اور آپ کی حکومت کو تاریکی میں رکھتے ہوئے اپنے لیے ہر ممکن فایدہ اٹھاتا ۔ لیکن میری دیانت نے اسے گوارا نہیں کیا ۔ اب میں آپ کے بس میں ہوں آپ جس طرح چاہیں مجھ سے سلوک کریں ۔ میں اس کے بعد اپنے گھر واپس آ گیا ۔

تیسرے دن کوئی دس بجے کا وقت تھا کہ آغا سید علی شمس بخاری میرے پاس آیا اور نیچے ہی سے ''عزیز صاحب ! عزیز صاحب'' پکارتا ہوا کہنے لگا کہ امیر امان اللہ خان نے پغمان سے آپ کو مبلغ دو ہزار بخشش کے طور پر بھیجے ہیں ۔ اور پھر اوپر آ کر کہا کہ میں اس میں سے پانچ سو روپے ضرور لوں گا ۔ مجھے ضرورت ہے ۔

میں نے اس سے کہا : ''آپ سب ہی لے لیں مگر پہلے یہ بتائیں کہ قصہ کیا ہوا ۔'' آس نے کہا کہ کل سردار عبدالہادی خاں نے امیر امان اللہ خان سے پغمان میں آپ کے متعلق ذکر کیا تھا کہ انگریزوں نے آپ کو ہندوستان جانے کی اجازت نہیں دی ۔ اس پر امیر امان اللہ خان نے خاص اپنی جیب سے دو ہزار روپے آپ کے لیے بھیجے ہیں اور ساتھ

کہا کہ ''وکیل وزارت حربیہ'' کی باتوں کا کوئی خیال نہ کریں - اس کے عوض میں
ے معذرت چاہتا ہوں -

یہاں مجھے کہنے دیجیے کہ افغانوں کی عزت و ننگ ہمیشہ اعلیٰ کردار کی قدر کرتی
- امیر امان اللہ خان انگریزوں کا دشمن تھا - اس نے جب دیکھا کہ انگریزوں کی
کومت مجھے اپنا دشمن سمجھتی ہے تو اس نے پہلے سے زیادہ مجھے قدر و عزت کی نگاہ
دیکھنا شروع کر دیا اور میری تالیف قلب کے لیے اپنی شاہانہ حیثیت کا خیال نہ
نے ہوئے اپنے ایک اہل کار کی غفلت اور لغزش کی معافی خود مجھ سے طلب کرلی -

میں نے اس کی بھیجی ہوئی بخشش کو شکر و احسان کے ساتھ قبول کر لیا - میری
ت و تنگ دستی کا زمانہ ختم ہونے کو تھا میں نے اس سے اگلے دن وزارت تجارت میں
دار عبدالہادی خان سے ملاقات کی اور اس کا شکریہ ادا کیا - ہمارے درمیان طے پایا کہ
ں اپنا کوئی مستقل کارو ار شروع کروں ، اس کےلیے وزارت تجارت مجھے تین ہزار روپے
تقاوی سے مزید مدد کرے گی اور دوسری ہر ممکن سہولت میرے کاروبار کے لیے بہم
جائے گی -

تقاوی ایک قسم کا قرض تھا جو حکومت ، زراعت و تجارت کی افزونی کے لیے اشخاص
دیتی اور پھر لمبی قسطوں میں ان سے وصول کرتی تھی - میں نے فوراً (سرائے دادا شیر)
ں ایک دفتر کھول لیا اور اپنی تجارت میں مشغول ہو گیا -

روس کی طرف سے مدد کا وعدہ

اسی اثناء میں بالکل غیر متوقع طور پر روسی سفارت کی طرف سے مجھے ایک یہودی
لی آفندی کے ہاتھ ایک پیغام موصول ہوا جس میں مجھ سے خواہش ظاہر کی گئی تھی کہ
سی سفارت کے بعض افسروں سے ملاقات کڑوں -

واضح رہے کہ جب میں شرکت امانیہ کے شعبۂ رودہ میں کام کرتا تھا اور
ہو برنارڈی نے شرکت امانیہ سے رودوں کا ٹھیکہ لے لیا تھا تو اس نے اس وقت
وں کے پاک و صاف کرنے کی غرض سے بحرین سے رودوں کا ایک ایکسپرٹ استخدام
تھا جس کا نام توفیق آفندی تھا - یہ چونکہ میرے ماتحت کچھ عرصہ کام کر چکا تھا
لیے یہ میرا آشنا اور دوست بھی تھا - یہ اندرانی کابل کے ایک ہوٹل میں رہتا تھا جس
بہت سے روسی پائلٹ (Pilots) بھی رہا کرتے تھے اور چونکہ وہ سب اجنبی ممالک
تعلق رکھتے تھے اس لیے ان پر آپس میں ملنے جلنے کے بارہ میں حکومت افغانستان کی

طرف سے کوئی نگرانی وغیرہ قائم نہ تھی ۔ روسی سفارت نے اس شخص کی معرفت مجھے پیغام بھیجا تھا ۔ یہ شخص غالباً روسی محکمہ اطلاعات کا ایک مخبر تھا اس نے مجھ سے کہا کہ آپ ہوٹل میں میرے کمرے میں کہاں فراغت سے ملاقات کر سکتے ہیں ۔ اتفاق سے یہ ہوٹل بھی فقیر محمد خاں رئیس شرکت امانیہ کا تھا ۔ ہمارے قارئین فقیر محمد خاں سے بخوبی آگاہ ہیں ۔ یہ وہی شخص ہے جو پشاور میں حکومت کا تجارتی نمائندہ تھا ۔ جس نے ہمیں ہجرت کرتے وقت افغانی خط راہداری دیا تھا ۔ یہ کابل واپس آ چکا تھا اور امیر امان اللہ خاں نے اسے شرکت امانیہ کا رئیس مقرر کیا تھا ۔ یہ میرے مخلص ترین اور مداح دوستوں میں سے تھا ۔

میں نے توفیق آفندی کی درخواست قبول کر لی اور وقت مقررہ پر اندرابی ہوٹل میں موعودہ ملاقات کے لیے چلا گیا ۔

توفیق آفندی کا کمرہ اوپر کی منزل میں پرلے سرے پر واقع تھا جہاں لوگوں کی آمد و رفت بالکل نہ تھی ۔ اس نے مجھے تقریباً پندرہ منٹ پہلے کا وقت دے رکھا تھا وہ مجھے کمرے میں چھوڑ کر آپ چائے وغیرہ بنوانے کے بہانے نیچے اتر گیا اور جب وہ اوپر آیا تو اس کے ساتھ سلکی لباس میں روسی سفارت کا انڈر سیکرٹری تھا ۔ وہ مجھ سے ملا ۔ ہم نے تھوڑی دیر تک آپس میں فارسی زبان میں باتیں کیں ۔ اس نے مجھ سے کہا کہ ہماری سفارت کے ملٹری اٹیچی جنرل رنگ (General Ring) آپ سے ملنے کے بڑے خواہش‌مند ہیں ۔ میں ان کی طرف سے آیا ہوں کہ آپ سے ان کی ملاقات کرنے کا وقت اور جگہ تعین کروں ۔ میں نے کہا کہ میرا گھر کابل کے گندے کوچوں میں سے ایک میں واقع ہے اور میرے کاروبار کا دفتر سرائے دادا شیر میں ہے جو کسی لحاظ سے ملنے کے لیے موزوں نہیں کہی جا سکتی ۔ اس نے مجھے کہا کہ کہ پھر ہم سفارت خانہ میں ملیں گے ۔ یاد رکھیں کہ اس وقت تک بخارا کو ازبکستان جمہوریت میں شامل نہیں کیا گیا تھا ۔ وقت مقرر کر لیا گیا ، جگہ متعین ہو گئی اور موضوع یہ قرار پایا کہ روسی حکومت بر صغیر کی آزادی کے سلسلے میں ہندوستانی انقلابیوں کی مدد کرنا چاہتی ہے ۔ میں موعودہ وقت اور جگہ پر جنرل رنگ سے ملا اس کے تقریباً ایک گھنٹہ تک بات چیت رہی ۔ میں نے اس کے سامنے اپنی چند شرطیں پیش کیں جن میں سے اہم ترین یہ تھیں :

* میرے ذریعے ہندوستان میں کمیونسٹ لٹریچر نہیں جائے گا ۔
* اسلامی ممالک میں کمیونسٹ تبلیغ نہیں کی جائے گی ۔

* افغانستان کو ملٹری طور پر مستحکم اور مضبوط بنانے میں روسی حکومت کوئی فرو گزاشت نہیں کرے گی -
* آزاد سرحدات میں "انگریز مخالف عناصر" کو ایک خفیہ پالیسی کے ماتحت ہندوستان میں انقلاب بر روئے کار لانے کے لیے اسلحہ اور روپے سے مدد دی جائے گی -
* افغانستان میں انگریزی سیاست کا قلع قمع کرنے کے لیے میرے ہاتھ مضبوط کیے جائیں گے -
* ہندوستان میں انقلابی ماجرا جوئی کے لیے منظم طریق پر مالی امداد دی جایا کرے گی -

کہنے کی ضرورت نہیں کہ اوپر کی دو شقوں کے علاوہ باقی تمام شقیں قبول روسیوں کے لیے بالکل آسان تھا بلکہ ان کے مقاصد و مفاد کے عین مطابق تھا - انھوں نے میری دو اوپر کی شرطیں بھی قبول کر لیں اور یہ اس لیے کہ انھیں اس اسلامی دنیا میں اپنا اعتماد بحال کرنے کی ضرورت تھی - دوسری ملاقات میں ل رنگ نے مجھے بتایا کہ ہماری سفارت نے آپ کی شرطیں منظور کر لی ہیں اور ماسکو منظوری بھی طلب کر لی ہے - اب ہمیں چاہیے کہ اپنا کام شروع کریں - ہمارا کام بکہ سیاست سے زیادہ انقلابی نوعیت کا ہے اس لیے یہ روس کی وزارت جنگ کے تابع ے گا -

دوسرے لفظوں میں اس کا یہ مطلب تھا کہ ملٹری اٹیچی وزارت جنگ روس ہدایات حاصل کیا کرے گا -

ان باتوں کے طے ہو جانے کے بعد جنرل رنگ نے خفیہ طور پر میرے مکان پر ے ملاقات کی خواہش ظاہر کی - میں نے کہا کہ تم کہاں کابل کے گندے گلی یوں میں آؤ گے - اس نے فوراً ہی مجھ سے کہا کہ یاد رکھیں کہ ہم "پرولوٹاریٹ" (Prololar) ہیں - میں نے کہا کہ پھر آ جائیں - چنانچہ دس بجے رات کا وقت مقرر کیا - ایک خاص مقام سے میں نے اس کی رہبری کی اور کابل کے گندے کوچوں سے گزارتا ہوا ایک تنگ گلی میں لے گیا اور اپنے مکان میں داخل ہو کر اندر سے ی لگا دی - میں اسے اپنے کمرے میں لے گیا جو بجائے صوفوں کے اعلیٰ قالینوں سے کی آمد کے لیے سجایا گیا تھا - یہ قالین میں نے امرتسر اور پشاور بھیجنے کے لیے

خریدے تھے ۔ ورنہ ان دنوں میرے گھر میں کابل کی معمولی دریوں کے فرش کے سوا اور کچھ نہ تھا ۔ میں نے اسے مسکراتے ہوئے کہا کہ آپ کو اپنے ساتھی ''پرلوتاریٹ'' کے گھر آنا مبارک ہو ۔ وہ قہقہہ لگا کر ہنسا اور پھر پالتی مار کر صندلی میں میرے بالمقابل بیٹھ گیا وہ فصیح انگریزی بولتا تھا اس کی بات میرے لیے سمجھنا کوئی مشکل نہ تھی ۔ البتہ کبھی کبھی مجھے اپنی بات سمجھانا اسے مشکل پڑ جاتا اور یہ اس لیے کہ میں انگریزی زبان بولنے کا محاورہ نہ رکھتا تھا ۔ میں بولنے کی بجائے لکھ آسانی سے سکتا تھا ۔ میرے پاس الفاظ کی کافی گنجائش تھی ۔ میری مثال عراق کے وزیر اعظم نوری پاشا کی سی تھی جو انگریزی بولتے وقت الفاظ کی تلاش میں اکثر کھو جاتا اور تھوتھیا کر رہ جاتا (نوری پاشا بغداد پیکٹ کے مشہور سر براہوں میں سے تھا جو قاسم عراق کے کوپ (Coup) میں ہلاک ہوا) ۔

مجھ سے تعلق قائم کرنے سے پیشتر ، روسی سفارت متعدد مہاجرین سے مخبرانہ طرز کے کام لے چکی تھی ۔ اسی مخبرانہ ذرائع سے اسے میرے اور افغانستان کے درمیان مناقشہ کا علم حاصل ہوچکا تھا ۔ وہ چونکہ پہلے سے بھی مجھے جانتی تھی ۔ اس لیے ''کریکٹر ریڈنگ'' کے طور پر وہ میرے متعلق جملہ خبروں کی تعقیب کیا کرتی اور جب اسے یہ معلوم ہوا کہ میں نے جرأت مندانہ طریق پر برٹش ڈپلومیسی کا افغانستان میں مقابلہ کیا ہے تو وہ میرے اس کیریکٹر کی گرویدہ ہوگئی ۔ میں نے اس سے ایک اعلیٰ انقلابی سطح پر تعلقات قائم کیے اور یہ تعلقات مزید استحکام کے ساتھ امیر امان اللہ خاں کے زوال تک قائم رہے اور افغانستان کو پتہ بھی نہیں کہ میں نے بیش بہا روسی اسلحہ کے بہم پہنچانے میں امیر امان اللہ خاں کی حکومت کی امداد کی ہے ۔ میری ان تھک خفیہ کوششوں کے بل بوتے پر افغانستان کی نصف افواج روسی ساخت کے ہر قسم کے اسلحہ سے مسلح ہوئی ۔

میں یقیناً امیر امان اللہ خاں کی ذہنی افتادکی تعتیب کر رہا تھا ۔ وہ چاہتا تھا کہ افغانستان سے انگریزوں کا دیرپا اثر و رسوخ زائل ہو ۔ میں نے اس کے زائل کرنے میں اس کا ہاتھ بٹایا ۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنی ہوائی فورس کو روسی اثر و رسوخ کے ماتحت تربیت دے ۔ میں نے روسی اثر و رسوخ کو پھیلانے میں اس کی مدد کی ۔ پایہ تخت کابل کی فوج کے تمام ملٹری افسر جن میں سے اکثر میرے دوست اور ہم مکتب تھے ، میرے اثر و رسوخ میں تھے ۔ میں ان سے ''افغانی فوج کو کیا کچھ مطلوبہ ہے'' دریافت کرتا اور پھر روسی حکومت پر دباؤ ڈالتا کہ اگر وہ انگریزوں کے اثر و رسوخ کی جگہ اپنا

و رسوخ قایم کرنا چاہتے ہیں تو افغانی فوج کو روسی اسلحہ سے بہتر طریق پر مسلح
ہیں - افغانستان کو امیر امان اللہ خاں کے عہد میں جو اسلحہ روسیوں سے ملا تھا ،
کی معمولی سی قیمت روسی حکومت کو ادا کرنا پڑی تھی - اس اسلحہ کی
مقدار روسیوں نے افغانستان کو مفت دی تھی اور اس میں میری کوششوں کا غالب
تھا -

لیکن اگر وسیع پیمانے پر کوئی کام ہو رہا ہو تو کوئی شخصیت اپنے آپ کو
اسرار طریق پر چھپا نہیں سکتی - میں ہر چار سو کام کر رہا تھا - اس لیے میری
صیت نہ افغانوں سے چھپی ہوئی تھی نہ انگریزوں سے - انگریزی سفارت کو تو یہاں
گمان ہو چکا تھا اور وہ برملا کہتے تھے کہ روسی سفارت تو عزیز ہندی کے
ورے کے بغیر پانی تک نہیں پیتی - یقیناً یہ مبالغہ تھا - مجھے اپنے مشن کی تکمیل کے
بارہا روسیوں سے خم بھی کھانا پڑتا تھا -

ایک ایسے ہی موقع پر کسی نے جا کر امیر امان اللہ خاں سے میری شکایت کی
یہ شخص ہماری اندرونی سیاست میں بری طرح دخل انداز ہو رہا ہے - اس پر امیر
ن اللہ خاں نے اس شخص کو جواب دیا کہ کیا حکومت افغانستان کے یہ اپنے بس کی
ہے کہ انگریزی اور روسی ڈپلومیسی کا مقابلہ تنہا اپنے وسائل سے الگ الگ محاذ پر
سکے ؟ اگر ہم ایسا نہ کر سکیں تو رہنے دو اس (بروتی) کو کہ وہ روسی وسائل سے
گریزی ڈپلومیسی کو کابل میں چیلنج کرتا رہے -

امیر امان اللہ خاں اکثر محفلوں میں مجھے ''بروتی'' کہا کرتا تھا میں ان دنوں
ی بڑی مونچھیں رکھتا تھا اور مونچھوں کو ہمیشہ تاؤ دیا کرتا تھا - بروتی فارسی میں
چھوں والے کو کہتے ہیں -

امیر امان اللہ خاں کا ایک خفیہ اخبار نویس احمد راتب تھا - یہ اکثر مجھ تک
ور بعض معاملات میں میری رائے طلب کرتا - یہ نوجوان افغانوں میں میرے
ستوں میں سے تھا - یہ مجھ سے صاف طور پر کہہ دیتا کہ مجھے خفیہ ہدایت ہے
میں فلاں موضوع پر آپ کی رائے طلب کروں - آپ کی رائے بلا کم و کاست امیر
اللہ خاں کے حضور میں پہنچے گی مجھے ایسا ہی حکم ہے - میں بھی قلم اٹھاتا اور
کم و کاست اپنی رائے لکھ کر بھیج دیتا اور کبھی ایسا نہ ہوا کہ میری لکھی ہوئی
کے متعلق اس نے ''منفی رد عمل'' کا اظہار کیا ہو - یہ سلسلہ اس وقت تک جاری
جب تک کہ امیر امان اللہ خاں سیاحت یورپ کو نہیں چلا گیا -

سرحدات آزاد

میں نے سرحدات آزاد میں کپتان سلطان مرزا کو بھیج دیا تاکہ وہ حاجی ترنگ ذی کے بیٹے پادشاہ گل کے ساتھ مل کر وہاں اپنے لیے ایک مرکز قایم کرے - قارئین پر واضح رہے کہ پادشاہ گل امیر امان اللہ خاں کے آخری عہد تک ہمارا ایک زبردست پارٹی ممبر رہا ہے - اس کے متعلق میری سوانح حیات میں اور بھی بہت کچھ لکھا جائے گا - یہاں اشارتاً ذکر کر دینا اس لیے ضروری سمجھا گیا ہے کہ پاکستان بننے کے بعد پختونستان کے قضیہ میں وہ ہم سے کٹ کر مخالف کیمپ میں جا چکا تھا - اس لیے کوئی غلط فہمی اس کے نام سے قارئین کے ذہن و فکر میں یہاں پیدا نہ ہو -

میں نے کپتان سلطان مرزا کے ہاتھ اسے ایک روسی ساخت کی مشین گن اور بہت سا میگزین بطور تحفہ بھیجا تھا اور اسے پیغام دیا تھا کہ وہ ایک بڑے کام کے لیے اپنے آپ کو آمادہ کرے یعنی ہم سرحدات آزاد کو گوریلا جنگ کے لیے آرگنائیز کرنا چاہتے ہیں - اس میں وہ قبائلی طریق پر کپتان سلطان مرزا کا ہاتھ بٹائے اور اس کی بھر پور مدد کرے - میں نے اسے روسی سفارت سے اعلیٰ سطح پر گفتگو کرنے کے لیے خفیہ طور پر کابل آنے کی دعوت بھی دی تھی تاکہ ہم سب خود اس کی زبانی اس کے بارے میں اس کی تجویزات کو سن سکیں اور جس مقدار میں اسلحہ کی ضرورت واقع ہوگی اس کا اندازہ لگا سکیں اور دوسرے وسائل کے لیے جو زر سے متعلق ہوں - ووسی حکومت کی منظوری لے سکیں -

میں نے اس دوران کابل میں انڈین نیشنل کلب بھی قائم کیا تھا - جس کا الحاق انڈین نیشنل کانگریس کے ساتھ کرنا چاہتا تھا - بعد میں بعض ٹیکنیکل وجوہ کی بنا پر ایسا نہ ہوسکا - آل انڈیا نیشنل کانگریس کے تاریخی ریکارڈ میں ہماری یہ خط و کتابت ضرور موجود ہوگی - جو میرے دستخطوں سے کی گئی تھی کیونکہ میں ہی انڈین نیشنل کلب کابل کا صدر تھا - ہمارے کلب کے ممبروں میں ''غدر پارٹی'' امریکہ کے دو سکھ بھی شامل تھے - ایک سردار گور مکھ سنگھ اور دوسرا سردار شیر سنگھ - سردار گور مکھ سنگھ ''کوما گاٹا مارو'' سازش کیس میں ماخوذ تھا اور اسے عبور دریائے شور کی سزا ملی تھی - اسے جب انڈمان کی طرف لے جایا جا رہا تھا تو یہ اپنے محافظ دستہ کو غافل کرکے ہتھکڑیوں اور بیڑیوں سمیت چلتی گاڑی سے کود گیا تھا - اس کی زندگی باقی تھی یہ محیرالعقول طریق پر بال بال بچ گیا اور معجزانہ طریق پر ہتھکڑیوں اور بیڑیوں سے نجات حاصل کرتے ہوئے ہندوستان کی سرحدات سے پار ہونے میں کامیاب ہوگیا غدر پارٹی امریکہ

ایک ممبر سردار ایشر سنگھ ہجرت کی تحریک کا غلغلہ سن کر اپنی پارٹی کے حکم سے کابل گیا ہوا تھا ۔ اس نے کابل میں اسٹیشنری کی دوکان کھول رکھی تھی ۔ سردار گور مکھ سنگھ بعد میں آ کر اس سے مل گیا ۔ میں سمجھتا ہوں کہ روسی سفارت سے آنھوں نے بھی اپنا تعلق گانٹھ رکھا تھا اور احمد حسن کے اخراج تک اور اس کے بعد بھی جو خفیہ کمیونسٹ لٹریچر ہندوستان پہنچتا رہا وہ ان ہی کی وساطت سے تھا ۔

عجیب اتفاق کی بات ہے کہ ۱۹۱۹ء کے مارشل لاء کے زمانے میں جب ہمیں عمر قید کی سزا ہوئی تو لاہور سنٹرل جیل میں جہاں اب شادمان کالونی بن رہی ہے ۔ اس پارک میں ہمیں رکھا گیا تھا ۔ اسی پارک میں جہاز کوما گاٹا مارو سازش کیس کے ملزمین کے مقدمہ کی سماعت ہوئی تھی اور یہیں سردار گورمکھ سنگھ اور اس کے ساتھیوں کو بیس بیس سال قید بعبور دریائے شور کی سزا ملی تھی ۔ کوما گاٹا مارو ایک جاپانی جہاز تھا جسے امریکہ کی غدر پارٹی نے کرایہ پر لے کر اس میں پارٹی کے بعض سرکردہ ممبروں کو ہندوستان میں انقلاب آفرینی کے لیے بھیجا تھا ، ان کے تجارتی اسباب میں لوہے کی چادروں کی بنی ہوئی بالٹیاں بھی تھیں ۔ جن کے پیندوں میں پستول اورکارتوس چھپے ہوئے تھے ۔ کلکتہ کی بندرگاہ پر جب یہ راز فاش ہوا تو ان سکھوں پر جنھوں نے یہ جہاز کرایہ پر لے رکھا تھا ۔ ''کوما گاٹا مارو سازش کیس'' کے نام سے مقدمہ چلایا گیا اور انھیں سزائیں دی گئیں ۔

یہ نقطہ قارئین پر واضح رہنا چاہیے کہ ہم مسلمان انقلابیوں میں کسی ایک کے ذہن میں بھی یہ فکر کبھی نہیں آیا کہ ہم بر صغیر کو کبھی تقسیم کریں گے ۔ لٰہذا انٹر نیشنل کاب کا قیام عارضی حکومت ہند کے قائم مقام نظریہ کے طور پر تھا ۔ ہم انقلاب کے ایک دھارے میں سے گزر رہے تھے اور کوشش کر رہے تھے کہ افغانوں اور روسیوں کی حمایت سے ہندوستان میں ایک دفعہ پھر اسلامی حکومت کو قائم کر دیں ۔

روس کے سامنے مطالعے کے لیے ابھی ''ہندو انڈیا'' کا تصور نہیں آیا تھا وہ اندر اور باہر اسلامی ملکوں اور مسلمان انقلابیوں سے گھرا ہوا تھا اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ خود اپنی بقا و ہستی کے لیے انگریزی سامراج کا ہر قیمت پر قلع قمع کرنا چاہتا تھا ۔ اس کے سامنے مسلمان انقلابی تھے وہ اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے انھی سے کام لینا چاہتا تھا ۔ دوسری طرف ہم مسلمانوں سے خلافت گم ہو چکی تھی اور اس کے حصول کے لیے اس کے سوا اور کوئی صورت موجود نہ تھی کہ ہم سب سے پہلے ہندوستان کو آزاد کرائیں اور یہ اس لیے بھی ضروری تھا کہ ہندوستان کی محکومی نے ساری

اسلامی دنیا کو پا بہ زنجیر کر رکھا تھا۔ ہم ہندوستان کی آزادی چاہتے تھے تاکہ ہم اسلامی دنیا کو ایک کر دیں اور اسلامستان کے متحدہ نظم و نسق سے اپنے نظام خلافت کو پھر سے دنیا میں جاری کریں۔

روس لینن کے زمانے میں اور اس کے بعد اسٹالن کے عہد میں خاص طور پر افغانستان کے اندر انقلاب برپا ہونے تک مسلمان ملکوں ہی پر نگاہ امید رکھتا رہا۔ اس نے ایران کو اپنے تسلط سے آزاد کیا۔ اس نے ترکوں کی نشاۃ ثانیہ میں بھر پور امداد کی۔ اس نے افغانستان کی آزادی کو تسلیم کیا اور اب وہ متوجہ تھا کہ ہندوستان میں انگریزی سامراج کا ہمارے ذریعے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دے۔ لیکن افغانستان کے متوقع انقلاب نے ہماری ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ حالات کا دھارا کسی اور رخ پر چل نکلا اور اس کے بعد ہم نے جو کوششیں بھی کیں کہ حالات کو اپنی راہ پر ہموار کریں ممکن نہ ہوا۔

وزیر داخلہ غلام محمد خان وردکی سے میری چپقلش

سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے میں اپنی تجارت کی طرف توجہ نہ دے سکتا تھا۔ میں نے ایک بڑی مقدار میں قالین کابل سے ہندوستان کی طرف ایکسپورٹ کیے تھے اور نسیہ یعنی اودھار پر بہت سی ترکستان کی ہینگ بھی بھیجی تھی۔ قالینوں کی فروخت میں تاخیر واقع ہوئی اور ہینگ بڑی مدت تک میرے امرتسر کے آڑھتیوں کے پاس بغیر فروخت کے پڑی رہی جس کا نتیجہ آخر یہ ہوا کہ نصف کے قریب قیمت میرے ہاتھ آئی اور نصف برباد ہو گئی، یہ خسارہ مجھے بھگتنا پڑا۔ اس اثناء میں کابل میں پبلک کو بجلی سپلائی کرنے کے لیے ایک نئی کمپنی وجود میں آئی۔ اس کمپنی کا نام شرکت تنویرات رکھا گیا۔ اس میں بھی خاندان شاہی کے افراد، وزراء، عمائدین اور دوسرے تجارت پیشہ لوگوں نے شرکت کی اور اس کے حصے خریدے اس کمپنی کا رئیس ایک شخص حاجی عبدالرحمٰن خان کو بنایا گیا اور مجھے اس کا معاون مقرر کیا گیا۔ اس کمپنی کا اہتمام میر محمد ہاشم خان وزیر مالیہ کے ہاتھوں میں تھا جو میرا دوست تھا اسی کے کہنے سے میں نے اس عہدے کو قبول کیا تھا۔ اس کا اپنا بھی حصہ اس کمپنی میں تھا اور غلام محمد وردکی جو ان دنوں تھوڑی مدت کے لیے وزیر داخلہ بنا دیا گیا تھا، اس کے بھی کچھ حصے اس شرکت میں تھے۔ کمپنی کی "ورکنگ باڈی" یا ہماری اصلاح میں ڈائریکٹریٹ کا جب کبھی جلسہ ہوتا تو غلام محمد وردکی بھی اس میں شرکت کے لیے آتا۔ یہ اس لیے کہ کابل میں بجلی کا پاور ہاؤس اس کے ماتحت تھا۔

اس سلسلے میں ایک شخص کرنل عزیز اللہ خاں جو ایک مہاجر تھا کمپنی کا
دار تھا ۔ اس نے مبلغ پانچ ہزار روپے کے حصے اس کمپنی میں خرید رکھے تھے ۔
لام محمد خاں وردکی کو اس کرنل سے بڑا عناد تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ بجلی کا
ور ہاؤس جو اس سے پہلے کرنل عزیز اللہ خاں کے چارج میں تھا ۔ غلام محمد خاں وردکی
ے وزیر بنتے ہی اس سے لے کر ایک جرمن انجینیر کو دے دیا جس کا نام مسٹر ہارٹر تھا ۔
ل کے تمام لوگ اسے کرنل عزیز اللہ خاں کی حق تلفی سمجھتے تھے ۔ اس کی وجہ یہ
ی کہ بجلی کا کارخانہ جو جبل السراج میں واقع تھا ۔ اسی کرنل عزیز اللہ خاں کی
وششوں سے چلنا شروع ہوا تھا ۔ یہ کارخانہ امیر حبیب اللہ خاںؒ کے زمانہ سے بیکار پڑا
ا ۔ کتنے ہی انگریز انجینیر اس پر آ کر کام کر چکے تھے مگر اسے چلا کر بجلی پیدا
رنے میں ناکام رہے تھے ۔ یا دیدہ دانستہ اپنی حکومت کی پالیسی کے ماتحت اسے چلانا
نہ چاہتے تھے ۔ امیر امان اللہ خاں کے زمانے میں اسی کرنل نے جو اس وقت تک
ض ایک مستری کہلاتا تھا اور کابل کے ماشین خانے میں کام کرتا تھا ۔ بڑے واسطے
ل کر امیر امان اللہ خاں کو اس بات پر راضی کیا تھا ۔ کہ اسے جبل السراج کا کارخانہ
لان کرنے کی اجازت دیں پہلے تو وہ اسے اس بنا پر اجازت نہ دیتا تھا کہ جہاں
گریز انجینیر ناکام رہ چکے ہیں ۔ یہ معمولی سا مستری کیا چلا سکے گا ۔ لیکن جب
س کا اصرار حد سے زیادہ بڑھا تو وزیر مالیہ محمد ہاشم خاں نے امیر امان اللہ خاں سے
ے اجازت دلوادی تھی اس نے اپنے ایک شاگرد کی مدد سے صرف دو تین ماہ کے اندر
ل السراج کا کارخانہ چلا کر دکھا دیا ۔ بجلی کے جنریٹر حرکت میں آ گئے اور بجلی
ا ہونا شروع ہوگئی اور کابل کا پاور ہاؤس شہر میں بجلی کی سپلائی کرنے کے لیے آمادہ
وگیا ۔ امیر امان اللہ خاں نے خوش ہوکر اسے اسی وقت کرنل کا اعزازی عہدہ عطا فرمایا ۔
ک رہائشی حویلی رہائش کے لیے اسے بخش دی اور مبلغ تیس ہزار روپیہ نقد انعام بھی
طا کیا ۔ تیس ہزار روپے اس زمانے میں بڑی بات سمجھی جاتی تھی ۔ غرضیکہ اسی وقت
ے کابل کا پاور ہاؤس اور جبل السراج کا کارخانہ اسی کے کنٹرول میں تھا ۔ یقیناً یہ
ط الرجال کا زمانہ تھا ۔ اس کے بعد کابل میں جرمن انجینیر مختلف کاموں کے لیے استخدام
گئے ۔ ان ہی میں مسٹر ہارٹر بھی تھا ۔ سیاحان ، افغانستان ماشین خانہ کابل کے نزدیک
ک پل بنا ہوا دیکھیں گے ۔ جو پل ہارٹر کے نام سے مشہور ہے ۔ یہ پل اسی جرمن
نیر کا بنایا ہوا ہے ۔ یہ شخص بڑے عجیب انداز سے چبا چبا کر فارسی بولا کرتا تھا ۔
کا ذکر پھر بھی آئے گا ۔

غرضیکہ شرکت تنویرات کے ایک جلسے میں ایک ممبر کی حیثیت سے کرنل عزیز اللہ مذکور بھی موجود تھا - اسے بھی شرکت کی طرف سے حسب قاعدہ دعوت نامہ بھیجا گیا تھا - جب سب کی آمد پر میں نے روداد پڑھنی شروع کی اور تمام حصہ داروں کے نام اور ان میں سے ہر ایک نے جتنے حصے خرید کیے ہوئے تھے - ان کی مقدار بیان کی اور اس طرح کرنل عزیز اللہ خاں کا نام بھی لیا تو غلام محمد خاں وزیر داخلہ وردکی نے وزیر صاحب مالیہ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ میں افغانستان کی شرکتوں میں نہیں چاہتا کہ کوئی ہندوستانی شخص حصہ دار ہو - بس اس کا روپیہ اسے واپس کر دو اور اسے شرکت سے خارج کر دو - اس پر وزیر مالیہ نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے - وہ ہماری تابعیت میں ہے اور اس نے ہماری بڑی گراں قدر خدمت کی ہے - ہمارا قانون کب اس کی اجازت دیتا ہے کہ ہم ایسا کریں - اس پر وزیر غلام محمد خاں وردکی کی زبان سے چند نہایت توہین آمیز الفاظ نکل گئے - جو اگر کرنل عزیز اللہ کی ذات تک محدود ہوتے - تو چنداں پروا نہ تھی - لیکن ان سے ہماری قومی توہین نکلتی تھی - جس پر میں بے صبر ہو گیا اور میں نے غلام محمد خاں وردکی کو للکارتے ہوئے کہا کہ بس خاموش ہو جاؤ - تمہیں ہماری قومی توہین کرنے کا کوئی حق نہیں - یہ کہتے ہی میں نے اپنی پتلون کی جیب سے پستول نکال کر ہوا میں تان لیا - بس پھر کیا تھا ایک طرف وزیر مالیہ اٹھ کر مجھے دلاسا دینے لگا اور دوسری طرف رئیس شرکت اور دوسرے دو ایک ممبروں نے ہاتھوں ہاتھ غلام محمد خاں وردکی وزیر داخلہ کو دوسرے کمرے میں پہنچا دیا - دفعیت بڑی مخدوش سی ہو گئی تھی - وزیر مالیہ نے جلسہ فوراً برخاست کر دیا اور کرنل عزیز اللہ خاں اور دوسرے سب حصے داروں کو رخصت کر دیا اور رئیس شرکت کو اشاروں ہی اشاروں میں سمجھا دیا کہ وزیر داخلہ کو لے کر چلے جائیں - جب وہ جا چکا تو وزیر مالیہ جو ایک بڑا دانا اور مدبر شخص تھا - بغیر کچھ کہے سنے مجھے دفتر میں چھوڑ کر رخصت ہو گیا -

اس واقعہ کی جب امیر امان اللہ خاں کو رپورٹ پہنچی تو اس نے سن کر کہا کہ ''وردکی بد می کند کہ مرد مان را توہین میکند''

(ترجمہ) یعنی وردکی برا کرتا ہے جو لوگوں کی اس طرح توہین کرتا ہے -

غلام محمد وردکی وزیر داخلہ نے یہ خیال کیا تھا کہ جب امیر امان اللہ خاں کو یہ رپورٹ پہنچے گی کہ اس کے ایک وزیر پر پستول اٹھایا گیا ہے تو وہ شاید مجھے پھانسی پر لٹکا دے گا اور جب اسے معلوم ہوا کہ اسی کو سرزنش ہوئی ہے تو وہ

پا پڑ گیا -

اس واقعہ کے دو ہفتے بعد وزیر مالیہ میر محمد ہاشم خاں نے شرکت تنویرات کا اپنے گھر پر بلایا - مجھے حسب قاعدہ وہاں ضرور ہی موجود ہونا تھا - میں نے کہا کہ جب سب ممبر آ گئے تو ان کے تھوڑی دیر بعد غلام محمد وردکی وزیر داخلہ پہنچ گیا - اس نے اس دن اپنی کمر میں پستول باندھا تھا - وزیر مالیہ نے اسے اپنے بٹھا لیا - اس نے محفل کی طرف دیکھا اور مجھے وہاں موجود پا کر وزیر مالیہ سے گوشیاں کرنے لگا - اتنے میں وزیر مالیہ نے اشارہ کیا اور میں باہر چلا گیا - تھوڑی کے بعد اس نے مجھے بلایا اور کہا کہ آپ صبح مجھے دفتر میں ملیں - میں سمجھ گیا خاموش جلسے سے چلا گیا - اس دن کرنل عزیز اللہ خاں جلسے میں نہیں آیا تھا -

شرکت تنویرات کے عہدیداروں کا عزل و نصب وزیر مالیہ کے ہاتھ میں تھا نے مجھے اگلے دن کہا کہ آپ ضد میں نہ آئیں یہ معاملہ فوجی طریق کا ہے اور آپ کا سب کو احترام ہے - کہیں یہ متعصب آپ کو دوسری راہ سے نقصان پہنچانے کی ش نہ کرے - میں نے اس سے کہا کہ مجھے اس عہدے کی آپ ہی کی طرف سے کش ہوئی تھی " وگرنہ مجھے اس ملازمت کی چنداں ضرورت نہ تھی - معاملے کی ت کو میں نے خود ہی محسوس کر لیا ہے اور آپ کہتے یا نہ کہتے میں کل ہی کے ے میں اپنا استعفیٰ پیش کرنے والا تھا - چنانچہ میں نے استعفیٰ لکھ کر اس کے ہاتھ دے دیا -

غلام محمد خاں وردکی اس واقعہ کے تھوڑے ہی عرصہ بعد وزارت سے معزول لیا گیا اور پھر اسے امیر امان اللہ خاں کے باقی عہد تک کوئی اور خدمت سپرد کی گئی -

مہاجرین نے افغانستان کی خدمت میں غیر معمولی حصہ لیا

ہم بر صغیر کے مسلمان مہاجروں کو یہ فخر ہے کہ ہم نے شروع سے آخر تک افغانستان کی تعمیر نو میں بنیادی کردار ادا کیا ہے - ہم نے نہ صرف افغانستان کی کے حصول میں مثبت کردار ادا کیا ہے بلکہ افغانوں کی تعلیمی جد و جہد میں ہمارا براہ راست اور زبردست حصہ ہے - ہم ہی نے ان کے لیے تعلیمی ادارے قائم ان کے انتظامات کو اپنی سربراہی اور نگرانی میں پروان چڑھایا ، ان کے لیے نصاب تعلیم رائج کیا اور آزاد افغانستان کے لیے افغانوں کی نئی پود کو تیار کیا

جو ہماری تربیت کے زیر اثر تعلیم سے آراستہ و پیراستہ ہو کر اپنے وطن کی خدمت میں مشغول نظر آئی - ہم نے یہ خدمت بے لوث اور مخلصانہ طور پر انجام دی ہے اور صرف اسی پر موقوف نہیں بلکہ ہم نے معیشت اور اقتصاد کے باب میں بھی اضافہ بالواسطہ اور بلا واسطہ ان کی خدمت کا حق ادا کیا ہے - مہاجرین کے دور میں افغانستان اور ہندوستان کے مابین افغانی تجارت کو جو ترقی اور فروغ نصیب ہوا وہ افغانستان کی کمرکات یعنی محصول در آمد برآمد کی بڑھوتری اور اضافے سے ظاہر ہے جو سال بسال حکومت افغانستان کی سالانہ آمدنی کے بجٹ میں ہوتا رہا ہے - ہم جب ۱۹۲۰ء میں ہجرت کر کے افغانستان گئے ہیں تو اس وقت افغانستان کا کل بجٹ سات آٹھ کروڑ روپے کابلی سے زیادہ نہ تھا - لیکن ۱۹۲۸-۲۹ء میں یہی بجٹ پندرہ بیس کروڑ کابلی تک ترقی کر چکا تھا اور اس کے علاوہ پرانی اکانومی کے ماتحت امیر امان اللہ خان کا خزانہ جو اس وقت تک بادشاہ کا لقب اختیار کر چکا تھا زر نقد کی صورت میں چالیس کروڑ سے زیادہ تھا - یہ بچہ سقاء کے انقلاب میں قبائلیوں کی ہڑبونگ اور لوٹ کی نذر ہو گیا -

افغانستان کی اقتصادی تعمیر میں جرمنوں کا بھی بہت بڑا ہاتھ تھا - آنیشل کمپنی (شرکت المان و افغانستان) کے علاوہ اور بہت سے جرمن تاجر مسٹر ابنر وغیرہ بھی افغانستان کی تجارت کے فروغ کا باعث بنے - ان جرمنی فرموں کی وساطت سے پایہ تخت کے افغان تاجروں کو براہ راست یورپین ملکوں سے تجارت کرنے کے مواقع ہاتھ آئے مگر ان کے باہمی تعلقات کے پیوند کرنے میں بھی مہاجرین کا ہاتھ ہی تھا - شرکت المان جو کروڑوں روپے کا سالانہ کاروبار و لین دین کرتی تھی - اس میں مولوی اللہ نواز خان اور عبداللہ شاہ جی دو زبردست ممتاز مہاجر بحیثیت ترجمان کے ملازم تھے اور دونوں پارٹیوں کو قریب تر لانے میں ایک مثبت کردار ادا کر رہے تھے -

اسی طرح صحت اور ڈاکٹری کے نئے طریق کار و علاج کی ترویج کا سہرا بھی افغانستان میں ہمارے ہی سر رہا ہے اور گو شک نہیں کہ بعض ہندوستانی ڈاکٹر ہم سے پہلے بھی موجود تھے لیکن ان کا شمار انگلیوں پر تھا اور وہ صرف شاہی خاندان اور اعلیٰ حکام تک محدود تھے - سب سے پہلے ڈاکٹر عبدالرشید مہاجر امرتسری نے اپنا دواخانہ کابل میں کھولا اور سستی دوائیوں سے تمام پبلک کا علاج شروع کر دیا - اس کی دیکھا دیکھی اوروں نے بھی اس کی تقلید کی اس ضمن میں ڈاکٹر نور محمد، ڈاکٹر غلام محمد، ڈاکٹر فقیر محمد خان اور ڈاکٹر جھنڈا سنگھ وغیرہ کے نام لیے جا سکتے ہیں - ڈاکٹر جھنڈا سنگھ ہجرت کی تحریک میں شامل ہو کر آیا تھا - یہ کابل میں رہا اور وہیں

گیا - اس نے کابل کے بازار میں اپنی دوکان کھول لی تھی - لوگ جوق در جوق کے پاس آتے یہ نہایت ہی کم قیمت پر دوائیاں فروخت کرتا اور اس طرح خوب کماتا - یہ سیاسی آدمی بالکل نہ تھا - شاید وطن میں بے کاری ہی اس کے افغانستان کی محرک ہوئی تھی -

مشرق ھوٹل کابل

میں نے شرکت تنویرات سے نکل کر کابل میں ایک ریسٹورنٹ کھولا اور یا صحیح اس کا نام مشرق ہوٹل رکھا - یہاں مجھے بیکر "دلبر خان" مل گیا جو قسم کی پیسٹری اور کیک تیار کرتا تھا - اس ریسٹورنٹ میں جرمن اور روسی اور کبھی کبھی فرانسیسی اور اطالوی بھی آتے تھے چائے پیتے اور کیک اور زی خرید کر لے جاتے - افغان نوجوانوں اور ہندی مہاجرین کا تو یہ گڑھ بن تھا - یہاں تمام سیاسی حالات پر تبصرہ ہوتا اور گپ شپ کے طور پر جملہ داخلی اور جی مسائل اور واقعات پر آزادانہ رائے زنی کی جاتی - میں نے اس ریسٹورنٹ کا منیجر ایک مہاجر ساتھی غلام محمد خان کو بنایا تھا - وزارت خارجہ یا گورنمنٹ کے رے محکموں کو اگر ضیافت وغیرہ کے سلسلے میں ہوٹل کی خدمات کی ضرورت تو یہی ریسٹورنٹ اس کا ذمہ اٹھاتا اور جہاں وہ کہتے اس خدمت کو دیتا -

میں اس ہوٹل میں خود تو نہ بیٹھتا تھا - تاہم اس سے ہر ممکن سیاسی استفادہ کرتا انقلابیوں کے ہاتھوں اگر کوئی ہوٹل یا ریسٹورانٹ بنے تو اس کی غرض و نیت تمام و سیاسی ہی ہوا کرتی ہے - البتہ مشرقی ملکوں میں ایسی آمد و رفت کی جگہوں پر کی نگرانی رکھی جاتی ہے - افغانستان ابھی شاید اس مرحلے پر نہ پہنچا تھا - اتفاق عین ان دنوں کابل میں ایک واقعہ پیش آیا جس کی وجہ سے میرا نام سب لوگوں کی ن پر چڑھ گیا -

مسولینی اور افغانستان

"پیرنو" ایک اطالوی باشندہ جلال آباد سے کابل کی طرف آ رہا تھا - راستے میں نے اپنی موٹر سائیکل سے ایک آدمی کو ہلاک کر دیا تھا - جب یہ خبر محکمہ کو پہنچی تو اس نے تلاش کے بعد ملزم کا سراغ لگایا اور اس سے پوچھ گچھ

شروع کر دی ۔ وہ تفتیش کے مکمل ہونے تک آزاد چھوڑ دیا گیا مگر جب اُسے حاضر ہونے کو کہا گیا تو وہ اکڑ بیٹھا اور سپاہی جو اس کے لانے کے لیے گیا تھا ۔ اسے زد و کوب کر ڈالا ۔ اس پر کوتوال پولیس نے ایک مختصر سی جماعت اس کے لانے کے لیے بھیجی لیکن بجائے اس کے کہ وہ اسے کے حکم کی تعمیل کرتا ، اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ فوراً پستول نکال کر اندھا دھند فائر کرنا شروع کر دیا ۔ جس سے ایک سپاہی موقع پر ہلاک ہو گیا اور ''پیپرنو'' مذکور بھاگ کر اطالوی سفارت میں پناہ گزین ہو گیا ۔ واقعہ نے نزاکت اختیار کر لی ۔ امیر امان اللہ خان کو جب خبر ہوئی تو فوراً وزارت خارجہ کے ذریعے سے اسے طلب کر کے پولیس کی حفاظت میں دے دیا گیا اور اس پر باقاعدہ عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا گیا ۔ عدالت نے اُسے پھانسی کی سزا دی ۔ مقدمے کے دوران سفارت کی نمائندگی برابر عدالت میں موجود رہی ''پیپرنو'' کو جرم ثابت ہونے کے بعد سزا بھگتنے کے لیے جیل میں بھیج دیا گیا ۔ یہاں مدت معینہ گزرنے کے بعد امیر امان اللہ خان کے حکم سے اسے پھانسی دے دی گئی ۔ بس پھر کیا تھا ۔ اطالوی سفارت نے کہرام مچانا شروع کر دیا اور مسولینی نے فوراً افغانستان کا ایک تجارتی جہاز جس میں افغانستان کے لیے اسلحہ بارود تھا اٹلی کی ایک بندرگاہ میں روک لیا اور افغانستان سے بلا شرط معافی مانگنے کا مطالبہ کر دیا اور ساتھ ہی تیس ہزار پونڈ سٹرلنگ ''پیپرنو'' کے تاوان کے سلسلے میں طلب کر لیے ۔ اس خبر نے تمام افغان نوجوانوں کو آتش زیرپا کر دیا اور مہاجرین میں بھی اس کے چرچے ہونے لگے ۔ میں نے نوجوانوں کی حمایت پا کر ایک عام پبلک جلسہ جامع مسجد پل خشتی میں طلب کیا اور مسولینی کے اس مطالبے کے خلاف ایک ریزولیشن کی صورت میں پبلک کے غم و غصہ کا اظہار کیا اور حکومت سے پبلک کی طرف سے مطالبہ کیا کہ وہ اٹلی سے اپنے سفارتی تعلقات منقطع کرے اور افغانستان میں اٹلی کے مال کا بائیکاٹ کرنے کا اعلان کر دے ۔

امیر امان اللہ خان خود بھی بڑے غصے میں تھا ۔ لیکن اس وقت مسولینی کا ستارہ عروج پر تھا ۔ اس نے مزید دھمکیاں دینی شروع کر دیں ۔ یہاں تک کہ وہ افغانستان کے بر خلاف ''حالت جنگ'' کے اعلان کرنے پر تیار ہو گیا ۔ سوائے روس کے سب یورپین ممالک کی سفارتوں نے اٹلی کے حق میں اپنا اپنا دباؤ ڈالنا شروع کر دیا ۔ دو تین ہفتوں تک تو امیر امان اللہ خان اپنی ہٹ پر قائم رہا مگر اس کے بعد وہ ڈھیلا پڑ گیا ۔ اس نے معافی کی شرط بھی قبول کر لی اور تیس ہزار پونڈ سٹرلنگ ''پیپرنو'' کے

...ہا کے طور پر بھی ادا کر دے اور یہ واقعہ یونھی اپنی رسوائی کے حد پر پہنچ کر ...بڑ گیا -

تاہم اس واقعہ نے میری شہرت ، ہیبت اور احترام کو لوگوں کے دلوں میں ...گزیں کر دیا -

میری لڑکی کی علالت اور جرمن کمپنی میں میری ملازمت

میری بڑی لڑکی سعیدہ سوء اتفاق سے ان دنوں ٹائیفائڈ فیور میں مبتلا ہو گئی ...شکل اس وقت آٹھ نو سال کی تھی - میں نے اس کا تقریباً تمام ہندوستانی ڈاکٹروں سے ...ج کروایا ، مگر اس کا بخار ٹوٹنے میں نہ آیا - وہ نہ کچھ کھاتی نہ پیتی اور روز بروز ...کھ کر کانٹا ہوتی گئی -

دوسرے دن ابھی آٹھ نہیں بجے تھے کہ میرا دوست اللہ نواز خان جرمن ڈاکٹر ...ہمراہ میرے گھر پر لڑکی کو دیکھنے کے لیے آیا - اس نے آتے ہی اپنے جمدان سے ایک ...ی نکالی اور اس میں سے دو چھوٹی چھوٹی سفید گولیاں نکال لیں اور زبر دستی لڑکی ...نہ کھول کر پانی کے ایک دو چمچوں کے ذریعے اس کے حلق کے اندر اتار دیں - ...کے بعد اس نے فوراً مجھ سے کہا کہ تھوڑا سا دودھ اور انڈے لاؤ - میں اس کی بات ...کر تھوڑی سی دیر کے لیے متذبذب ہو گیا لیکن پھر جلدی سے اس کے کہنے کے ...ق دودھ اور انڈے جو گھر میں موجود تھے حاضر کر دیے - اس نے انڈوں کو توڑ ...دودھ میں ملا دیا اور پھر چمچی سے انھیں حل کر کے تھوڑا تھوڑا لڑکی کے حلق ...ٹپکانا شروع کیا - حتیٰ کہ نصف کے قریب دودھ لڑکی کے معدے میں اتر گیا - میں ...ل تھا کہ ہمارے ہندوستانی ڈاکٹر تو اسے جو کا پانی بھی دیتے ہوئے گھبراتے تھے ...نے یہ کیا ستم کیا کہ لڑکی جو موت کے کنارے پہنچ رہی تھی اور جس نے تین ...سے کچھ کھایا پیا نہ تھا ایک دم اسے دودھ اور انڈے پلا دیے - اگر لڑکی کو ...بھی ہوگا تو اب یہ مر جائے گی - جرمن ڈاکٹر جب اپنے کام سے فارغ ہوا تو ...لگا کہ میں ٹھیک صبح دس بجے کل پھر آؤں گا -

ویسے میں جی ہی میں گھبرا رہا تھا کہ اس جرمن ڈاکٹر کا معاوضہ کیا ہو گا ؟ ...دوسری صبح ٹھیک دس بجے میرے گھر پر پہنچ گیا - میں نے اسے دیکھتے ہی تعجب ...خوشی سے کہا کہ لڑکی کا بخار تو رات کو ٹوٹ گیا تھا - اس نے مسکرا کر کہا کہ ...یہ تو میں نے زبردستی تڑوایا ہے - بخار اس کو کل سے پھر چڑھے گا اور میں دیکھوں

گا کہ میں اس لڑکی کے لیے کیا کر سکتا ہوں ۔ آج میں اس کے خون کو ٹیسٹ کرنا چاہتا ہوں ۔

اس نے لڑکی کے کانوں کی ممبلیوں سے خون نکالا اور اسے دو شیشے کے ٹکڑوں پر چپکانے کے بعد اپنے ساتھ لے گیا ۔ اس نے آج بھی لڑکی کو دودھ انڈے پلانے اور مجھ سے کہتا گیا کہ اسے آلو کھلاؤ ، مرغ کا شوربا پلاؤ ۔ دودھ اور انڈے ملا کر پلاؤ ۔ غرضیکہ جتنا اس کے معدے میں جا سکے اسے کھلاتے پلاتے جاؤ ۔ یہ کہہ کر وہ دوسرے دن آنے کے لیے پھر کہہ گیا ۔

لڑکی کے جسم پر ہڈیوں کے سوا گوشت کا نام نہ رہا تھا ۔ وہ ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ بن کر رہ گئی تھی ۔ اور اگرچہ نرم نرم گدیلے اس کے نیچے تھے پھر بھی اسے بیڈ سور (بستری زخم) ہو گئے تھے ۔ اس کے لیے ہمیں ریت کے تھیلے بنانے پڑے ۔ اس کی حالت بڑی مخدوش تھی ڈاکٹر کا علاج نرالا تھا ۔ میں گھبرایا ہوا اللہ نواز خان کے پاس گیا اور اس سے ڈاکٹر کے آنے اور اس کے سارے طرز علاج کا ماجرا کہہ سنایا ۔ اس نے کہا کہ ڈاکٹر ابھی ابھی یہاں سے گیا ہے ۔ کہتا تھا مجھے اس لڑکی کے علاج کے لیے بہت دیر میں بلایا گیا ہے ۔ اٹھانوے فی صدی لڑکی کے بچنے کی کوئی امید نہیں ، صرف دو فی صدی امید ہے ۔ مگر میں اپنی پوری طاقت صرف کر دوں گا کہ لڑکی بچ جائے ۔ میں اس کیس میں دل چسپی لینے لگ گیا ہوں ۔ میں اس کا مسٹر عزیز ہندی سے کوئی معاوضہ نہیں لوں گا ۔

تیسرے دن وہ اپنی بیوی کو لے کر ہمارے گھر آیا اس دن لڑکی کو پھر بخار ہو گیا تھا ۔ اس کی بیوی نے میری لڑکی کو نہایت ترحم آمیز نظروں سے دیکھا اور میری بیوی کو تسلی دی ۔ جس پر میری بیوی نے اس کا شکریہ ادا کیا اور جب وہ جانے لگے تو میری بیوی نے ایک خوشنما غالیچہ اس کی بیوی کی نذر کیا جو اس نے تھوڑی رد و قدح کے بعد قبول کر لیا ۔

اب ڈاکٹر صاحب کا معمول ہو گیا کہ وہ ہر روز ہمارے گھر آتا ۔ تقریباً ہفتہ میں دو بار اپنی بیوی کو بھی اپنے ساتھ لاتا اور لڑکی کے علاج معالجہ میں تندہی سے مشغول رہتا ۔ اڑتالیسویں دن جا کر کہیں لڑکی کے بخار کا خاتمہ ہوا ۔ وہ بے حد کمزور ہو چکی تھی اور بالکل کھڑی نہ ہو سکتی تھی ۔ ڈاکٹر نے مجھ سے کہا کہ اسے متواتر دو مہینے ٹیکے لگیں گے ۔ وه برابر آتا اور روزانہ ٹیکے لگا جاتا ۔ اس نے کبھی مجھ سے

دوائی کی نہ ٹیکوں کی قیمت طلب کی - لیکن جب کبھی میں نے اللہ نواز خان سے اس
ے میں بات چیت کی تو اس نے مجھے یہی جواب دیا کہ بحیثیت جرمن سفارت کا ڈاکٹر
نے کے وہ نہ کسی پرائیویٹ شخص کا علاج کر سکتا ہے اور نہ کسی سے معاوضہ
ول کر سکتا ہے - یہ جو کچھ ہوا ہے رئیس جرمنی کمیٹی کی سفارش اور سفیر جرمن
اجازت سے ہوا ہے - انھیں معلوم ہے کہ ہم مہاجرین ہندوستان کے انقلابی اور برٹش
راج کے دشمن ہیں ، اس لیے وہ ہماری مدد کرنا اپنا اخلاقی فرض سمجھتے ہیں -

میری لڑکی اس شریف جرمن ڈاکٹر کے علاج سے دوبارہ زندگی پا گئی - وہ آج
بفضلہ تعالیٰ مسز سعیدہ ثناء الرحمان کے نام سے اپنے خاوند اور بال بچوں کے
باغبان پورہ میں خوش حال زندگی بسر کر رہی ہے - میں نے اس لڑکی کا ان اوراق
محض اس لیے ذکر کیا ہے کہ میری سیاسی کشمکش کی بعض یادوں کا اس سے تعلق
۔ وہ ۲۲ اپریل ۱۹۱۹ء کو جلیانوالہ باغ کے خونیں واقعہ کے بعد اس وقت پیدا
ی - جب امرتسر میں مارشل لاء لگ چکا تھا اور وہ بھی اپنی چھٹی کا دودھ بھی
نہائی تھی کہ مجھے انگریزی حکومت نے ۲۸ اپریل کو جرم بغاوت میں گرفتار کر لیا
اسی طرح جب میں دیولی کیمپ میں دوسری عالمی جنگ کے دوران ڈیفنس آف انڈیا
ٹ کے ماتحت نظر بند تھا تو میرے دوستوں میں سے میر مقبول محمود پرنسز چیمبر کے
کرٹری اور ان کی بیوی نے لیڈی شفیع کے خاندان کے ایک نوجوان سے میری اسی
کی شادی کی طرح ڈالی تھی اور گو مجھے برٹش گورنمنٹ آف انڈیا نے اس کی شادی
شرکت کی اجازت نہیں دی تھی تاہم اس کی شادی کی رسم میں شرفائے امرتسر اور
سی - آئی - ڈی کے اعلیٰ افسروں نے شامل ہوکر میری غیر حاضری کی کسر
کر دی تھی - یہ حقیقت ہے کہ میں نے اپنے خلوص کا اپنے مخالفین اور دشمنوں
سے خراج حاصل کیا ہے - اس میری لڑکی کی بیماری کے قضیہ کے دوران شرکت
نے شرکت امانیہ سے رودوں کی تجارت کے متعلق ایک کنٹریکٹ کیا تھا - موسیو
رلی رودوں کا اطالوی تاجر اپنا معاہدہ پورا کرکے جا چکا تھا - اس کے جانے کے
شرکت امانیہ نے شرکت آلمان کی طرف رجوع کیا تھا - شرکت آلمان کے پاس اس وقت
ایسا ایکسپرٹ نہ تھا - جو رودہ فیکٹری میں ان کے مفاد کا نگران ہوتا - چنانچہ
ں نے اس کے لیے مجھے انتخاب کیا - میں نے اسے قبول کر لیا - میں صرف دو گھنٹے
فیکٹری میں جا کر ان کے کام کی دیکھ بھال کر آتا اور باقی وقت اپنے سیاسی
ل میں گذارتا -

ہندوستان میں انقلابی کام کی تنظیم

ہمیں خبریں مل چکی تھیں کہ ہماری امداد کا غلط استعمال ہو رہا ہے لیکن ہمیں مابعد کے واقعات سے فرصت نہ مل سکی کہ ہم اس کا مداوا یا علاج کرتے۔ افغانستان کے داخلی انقلاب نے ہماری جد و جہد کو بری طرح روک کر تقریباً اس کا خاتمہ کر دیا تھا۔

میں جب ۱۹۳۰ع میں ہندوستان واپس آیا ہوں تو سب سے پہلے مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے مجھ سے اس کے متعلق زبان شکوہ کھولی اور کہا کہ کیوں جی ہم آپ کی امداد کے مستحق نہ تھے۔ آپ نے ڈاکٹر سیف الدین کچلو کو ہم پر کیوں ترجیح دی۔ انھوں نے آپ کا کام کچھ تھوڑا ہی کیا ہے۔ وہ تو آپ کے روپے سے عیش کرتے رہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

میں نے اس کے جواب میں کہا کہ میں نے تو اپنے ذہن میں اپنے کسی ساتھی کو فراموش نہیں کیا تھا۔ آپ اس وقت جب کہ میں نے ہجرت کی تھی، ایک ہی جماعت میں تھے۔ میں نے آپ میں سے ایک کو چنا اور اسے تاکید کر دی کہ وہ دوسروں کو ساتھ ملا کر میری ہدایات کے ماتحت میرے پروگرام کو عملی جامہ پہنائیں۔ اگر اس ایک نے آپ کو نہیں لیا تو یہ اس کی کوتاہی تھی نہ کہ میری۔

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور شیخ حسام الدین بی۔ اے وغیرہ اس وقت مجلس احرار میں شامل تھے۔ مجلس احرار ان دنوں فروغ پا رہی تھی۔ لاہور کے سول اینڈ ملٹری گزٹ کی طرح انھیں بھی شبہ ہوگیا تھا کہ میں روسیوں کے خزانے اپنے ساتھ لے کر آیا ہوں۔ چوہدری افضل حق نے مجھ پر ڈورے ڈالنے شروع کر دیے لیکن جب میں نے ان سے حقیقت بیان کر دی تو وہ پیچھے ہٹ گئے اور شاید اسی بنا پر وہ مجھ سے ناراض ہوگئے کہ میں نے ہر وقت ان کی کیوں مدد نہ کی تھی۔

ہمارا انقلابی پروگرام ایک مضبوط زنجیر کی شکل میں تھا۔ جن کی کڑیاں کابل، سرحدات آزاد اور ہندوستان میں تھیں اور جن کی باگ ڈور میرے ہاتھوں میں تھی۔ مجھے فخر ہے کہ میں نے کبھی روسی ایجنٹ بن کر کام نہیں کیا۔ میں ان سے استمداد حاصل کرتا اور کسی حد تک ان کی عطش بھی بجھاتا۔ لیکن میں کھلم کھلا اپنی من مانی کاروائی کرتا اور کبھی کسی سے بھی اپنی دانش اور ارادے کو نہ چھپاتا۔

میں اس سے پہلے کہہ چکا ہوں کہ روسیوں کو اس وقت مسلمانوں کی ضرورت
تھی اور مسلمانوں کو انگریزی پنجۂ استعمار سے نکالنے کے لیے کسی ایسی طاقت کی ضرورت
تھی جو بذاتہ انگریزی استعمار کی دشمن ہو۔ اس نقطۂ اتصال پر ہم دونوں پارٹیوں کا
سمجھوتہ تھا۔ روسی چاہتے تھے کہ ہمیں اپنا ذریعہ بنا کر انگریزی استعمار پر ضرب کاری
لگائیں اور ہم چاہتے تھے کہ روسیوں سے طاقت حاصل کرکے انگریزی استعمار سے ہندوستان
اور اسلامی دنیا کو آزاد کروائیں۔ بس اس کے لیے جس پروگرام پر ہم دونوں نے اتفاق
کیا تھا۔ وہ اس وقت کی صورت حال میں گوریلا جنگ کا پروگرام تھا۔ اقدام ہمارے ہاتھ
میں تھا۔ جب کہ روپیہ اور اسلحہ کی امداد ان کے ذمے تھی۔ اس کے لیے ابتدائی تنظیم
اور مراکز کی ضرورت تھی۔ یہ مراکز جدا جدا اور الگ صورت حال کے ماتحت ہندوستان
کی سرحدات اور افغانستان میں قائم ہونے تھے۔ دوسرے مرحلے میں ہمیں افغانستان کا
اعتماد حاصل کرنا تھا تاکہ ہماری بھرپور امداد کے راستے میں کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو۔

ہم کابل میں اس عظیم انقلابی مہم کا ایک مستقل اداری مرکز قایم کرنا چاہتے
تھے۔ جو ایک طرف روس سے روابط قائم رکھ سکے اور دوسری طرف افغانستان اور روس
کی دوستی کو احترام کی بنیادوں پر وسیع اور عمیق کرتا جائے۔ صاف صاف بات یہ ہے
کہ ہم افغانستان کو اپنے آپ سے علیحدہ نہ سمجھتے تھے۔ جب سے ہندوستان میں
اسلام پھیلا۔ ہم اور افغانستان ایک ہی وجود کا حکم رکھتے تھے۔ ہم میں جدائی
انگریزوں نے ڈالی تھی۔ انگریزوں کے ہندوستان سے چلے جانے کے بعد ہم اپنے آپ کو
ایک ہی وجود گمان کرتے تھے۔ یہ افغانستان کے اس وقت وہم و گمان میں بھی نہ
تھا کہ ہندوستان کبھی اپنے اندرونی ذرائع سے آزاد ہو سکے گا اور نہ ہی ہم گمان کرتے
تھے کہ ہم افغانستان سے علیحدہ رہ کر کبھی ہندوستان کو آزاد کروا سکتے ہیں۔
ہندوستان دہلی کے تخت کے خواب دیکھ رہا تھا اور ہم اخوت مساوات اور مذہبی وحدت
کی بنا پر برصغیر میں اسلامی حکومت کے خواب دیکھ رہے تھے۔ ہم میں مغائرت بالکل
نہ ہوسکتی تھی۔ خلافت اسلامیہ کا احیاء دونوں جانب کا مطمح نظر تھا۔

ہندو قوم پرستوں میں انقلابی ابھار اور آنچ ہم مسلمانوں کی وجہ سے پیدا ہوئی
تھی اور جب تک وہ اپنی دیو زاد اکثریت کے احساس کی بنا پر ہمارے مد مقابل آئیں وہ
ہماری پوری متابعت اور بس میں تھے۔

امیر امان اللہ خاں کے ساتھ ہمارا کوئی عہد و پیمان نہ تھا۔ حالات اپنے طور پر
انشاء پا رہے تھے اور ہم ان کی تعقیب میں اپنی جد و جہد کے ساتھ مصروف تھے۔

خواہ کچھ بھی ہو ایک مضبوط افغانستان ہماری نظروں میں تھا ۔ روس بھی یہی چاہتا تھا ۔ افغان بھی یہی چاہتے تھے اور ہماری بھی یہی آرزو تھی ۔ ہم انگریزوں کے استعمار سے نجات حاصل کرنا چاہتے تھے اور ہماری جد و جہد بھی اسی نقطہ پر مرتکز تھی ۔ روس سے ہمیں ایک ہی خوف ہو سکتا تھا اور وہ دہریت کے انتشار کا تھا لیکن جب تک بر صغیر میں انگریزوں کا خاتمہ نہیں ہو جاتا ، روس خود اپنی ہستی کے بقا کے لیے مجبور تھا کہ اس کا انتشار اسلامی ملکوں میں نہ ہونے دے ۔ پس ہمارے لیے راہ ہموار تھی ۔

بادشاہ گل اور روسی سفارت خانہ

سرحدات آزاد میں ہمارا مرکز حاجی ترنگ ذی کی جگہ پر قائم ہو چکا تھا مگر چونکہ ہم سرحدات آزاد میں پائیدار اور مستقل اڈے بنانا چاہتے تھے اس لیے ہم نے بہت سا روپیہ دے کر وہاں مرکز کی تعمیر کے لیے کپتان سلطان مرزا کو بھیجا اور اسے ہدایت دی کہ حاجی ترنگ ذی کے بیٹے بادشاہ گل سے مل کر ان کی حمایت میں وہاں مرکز کی تعمیر و بنا ڈالے ۔ سرحدات آزاد کا یہ دستور تھا کہ کوئی خارجی شخص قبائلی حمایت کے سوا مسئولیت کے ساتھ وہاں کی زندگی بسر نہ کر سکتا تھا ۔ چہجائیکہ وہ سیاسی مقاصد کے لیے قبائل سے زمین خرید کر وہاں اپنا کوئی مستقر بنا سکے ۔ اس کے لیے ضروری ہوا کہ حاجی ترنگ ذی کی حمایت میں جس کا اثر و رسوخ وہاں مسلم تھا اس مرکز کی بنا ڈالی جائے ۔ چنانچہ بادشاہ گل نے قیمتاً وہاں کے قبائل سے کچھ زمین ہمارے لیے حاصل کی جس پر ایک مضبوط قلعہ نما عمارت تعمیر کر دی گئی ۔ اسی دوران روسی سفارت نے ہماری اس تجویز کو منظور کر لیا کہ بڑے پیمانہ پر آزاد قبائل میں روسی اسلحہ تقسیم کیا جائے ۔ اسلحہ کو کابل تک پہنچانے کا کام روسیوں نے اپنے ذمہ لے لیا اور کابل سے آزاد سرحدات تک پہنچانے کا کام ہماری آرگنائیزیشن کے ذمے رہا ۔ لیکن آزاد سرحدات کے اندر یہ اسلحہ کیسے تقسیم ہو گا اور کون تقسیم کرے گا ۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ سفارت روس اپنا اطمینان حاصل کرے ۔

نیز مؤثر عمل جنگ کے لیے کس مقدار میں اسلحہ کی ضرورت ہو گی ۔ اس کا اندازہ بھی پیشتر سے لگایا جائے ۔ مجھے اعتراف ہے کہ اس بڑے کام کی تکمیل و انجام کے لیے وہ صرف میری گفتار اور میری تجاویز پر انحصار نہ کر سکتے تھے ۔ انھوں نے تجویز کیا کہ پیشتر اس کے کہ اس کا عملی اقدام شروع کیا جائے ، سرحدات کے بڑے بڑے ذمہ دار لوگوں سے بالمشافہ گفتگو کی جائے ۔ انھوں نے اپنے طور پر ایسی سرحدی

...صیتوں کی ایک لسٹ تیار کی جسے وہ کسی نہ کسی طرح خود بھی جانتے تھے اور ...ے کہا کہ ہم سب سے پہلے بادشاہ گل سے ملنا چاہتے ہیں - مجھے بعد میں جا کر معلوم ...ا کہ بادشاہ گل ان کا جانا پہچانا ہوا تھا -

میں نے خفیہ طور پر بادشاہ گل کو کابل آنے کی دعوت دی - ظاہراً اس لیے ...ر کہ وہ افغانستان میں جانی پہچانی ہوئی شخصیت تھا اور جب کبھی آتا تھا ، افغانستان ...سرحد شروع ہوتے ہی حکومت کے ایک معزز مہمان کی حیثیت اختیار کر لیتا تھا -

میں نے جلال آباد میں خفیہ اس کے استقبال کا انتظام کر رکھا تھا - چنانچہ وہ ...ی شام چپکے سے میرے مقرر کردہ رہبر کے ساتھ میرے گھر پہنچ گیا - میں نے فوراً ...پنے خفیہ ذرائع سے اس کے آنے کی اطلاع روسی سفارت کو بھیج دی جس کے جواب ...مجھ سے درخواست کی گئی کہ میں اگلی شام رات کے وقت اسے سفارت میں ...آؤں -

سفارت روسیہ میں صدر دروازے کے علاوہ ایک مخصوص دروازہ تھا جو ایسے ...ں کے لیے استعمال ہوتا تھا - چنانچہ ہم رات گئے وقت موعودہ پر اس کے ذریعے ...ت میں داخل ہو گئے -

دروازہ مذکور کے اندر کی طرف سفارت کا انڈر سیکرٹری ہماری پذیرائی کے لیے ...تھا - ہم اندر گئے اور پذیرائی کی میز کے گرد بیٹھ گئے - تقریباً سفارت کا سارا ہی ...سفیر کبیر کے علاوہ وہاں موجود تھا -

میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ سفارت کے افسروں میں سے ایک شخص جو ...رانا تھا اور جس کا نام رکس (Rix) تھا - بادشاہ گل سے افغانی طریق پر اٹھ کر ...ہوا اور فارسی زبان میں اسے خوش آمدید کہا اور اس کی مزاج پرسی کرنے ...ہت دیر تک آپس میں گفتگو ہوتی رہی- اسکیم کے مختلف پہلوؤں پر تبادلۂ خیالات کیا ...قبائلی سسٹم کے ماتحت رضاکاروں کی تنظیم ، ان کی جنگی تربیت اور ان میں اسلحہ اور ...کی تقسیم کے متعلق بادشاہ گل کی رائے معلوم کی گئی اور اس کے بعد بادشاہ گل ...چھا گیا کہ آیا وہ سرحدات آزاد کے خوانین اور ملکوں کو آمادہ کر سکتے ہیں کہ ...ے نوجوانوں کو جنگی تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے لیے مملکت روس میں ...

واضح رہے کہ اس وقت تک کثیر تعداد میں افغانی نوجوان امیر امان اللہ خاں ...م سے روس میں فوجی اور ہوائی تربیت پا رہے تھے -

بادشاہ گل نے اس کا ذمہ اٹھایا اور کہا کہ اگر روسی سفارت چاہے تو کسی موزوں موقع پر وہ سرحدات آزاد کے بعض ملکوں اور خوانین کو اپنے ساتھ لا سکتا ہے تا کہ روسی سفارت براہ راست ان سے گفتگو کر سکے ۔

یہ ملاقات کامیاب طریق پر ختم ہوئی ۔ ملاقات ختم ہونے سے پندرہ منٹ پہلے ملٹری اٹیچی نے الگ لے جا کر مجھ سے کچھ مشورہ کیا ۔ اور پھر ایک بڑی طشتری میں ایک "نقری" پستول بطور تحفہ اور پچاس روسی سونے کے پونڈ بطور زاد راہ بادشاہ گل کو پیش کیے گئے ۔ جو اس نے بخوشی قبول کیے ۔

ان دنوں روسی سفارت نے پانچ نقرئی پستول جس کے دستوں پر صاف شفاف صدف کے دو دو ٹکڑے جڑے ہوئے تھے اور جس کے چیمبر میں چھ کارتوس آتے تھے ۔ خاص طور پر تحفہ دینے کے لیے روس سے منگوائے تھے ۔ ان میں سے ایک میرے حصہ میں آیا تھا ۔ دوسرا جنرل محمد سامی کابل ملٹری کالج کے کمانڈنگ آفیسر کو دیا گیا تھا ۔ تیسرا بادشاہ گل کو اور دو دوسرے شخصوں کو جن کا مجھے علم نہیں ۔ بادشاہ گل کے پاس تو یہ غالباً اب تک محفوظ ہو گا ۔ لیکن کابل کے انقلاب کے موقع پر بچہ سقاؤ کے سپاہیوں نے یہ مجھ سے زبردستی چھین لیا تھا جس کا مجھے ہمیشہ افسوس رہا ہے ۔

ان دنوں روسیوں نے ایک نئی قسم کی سٹین گن اختراع کی تھی جس میں بائیس کارتوسوں کا ایک چکر میگزین کے طور پر استعمال ہوتا تھا ۔ بادشاہ گل سے کہا گیا کہ ہم ان میں سے ایک گن آپ کے پاس عنقریب بھیجیں گے ۔ آپ قبائلی لشکروں میں ان کے استعمال کی افادیت سے ہمیں اطلاع دیں ۔ مولوی اللہ نواز خاں اور عبداللہ شاہ جی جو دونوں شرکت آلمان میں کام کر رہے تھے ، بغیر کسی معاوضے کے میرے ساتھ تعاون کر رہے تھے اور جلال آباد تک اسلحہ پہنچانے میں میری مدد کرتے تھے ۔

اب بڑے پیمانے پر کام شروع ہونے والا تھا کہ ہماری بد قسمتی سے افغانستان میں امیر امان اللہ خاں کے بر خلاف آخری انقلاب شروع ہو گیا ۔

افغانستان کا خونیں انقلاب

اور

شاہ امان اللہ خاں کی بادشاہت سے دستبرداری

امیر امان اللہ خاں نے اواخر ۱۹۲۷ء میں یورپ کی سیاحت کا عزم باندھا۔ ین ممالک خاص کر فرانس، جرمنی اور اٹلی نے اس کا شاندار استقبال کیا۔ فرانس نے نپولین بونا پارٹ کے پلنگ پر سلایا۔ جرمنی نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی اور اٹلی بحیرۂ روم میں ہوائی جہازوں کے سائے میں اس کا شاہانہ استقبال کیا۔ اس سے پہلے ی سی مشرقی بادشاہ کا یورپ کے ملکوں کی طرف سے اس طرح استقبال نہیں تھا۔

فرانس میں محمد نادر خاں افغان سفارت سے علیحدہ ہو چکا تھا اور اس کا بھائی ار محمد ہاشم خاں جو سوویٹ یونین میں افغانی سفارت پر مامور تھا، وہ بھی اس سے حدہ ہو کر اپنے بھائی محمد نادر خاں سے فرانس میں جا ملا تھا اور سردار شاہ ولی خاں ادھر آدھر سے گھومتا پھرتا انھی کے پاس پہنچ چکا تھا۔ غرضیکہ یہ تینوں بھائی س میں اکٹھے تھے اور ایک ہوٹل کھول کر اپنی بسر اوقات کر رہے تھے۔ امان اللہ خاں کے دورۂ سیاحت یورپ کے موقع پر اگرچہ انھوں نے بادشاہ سے قات کی لیکن غالباً طرفین میں افہام و تفہیم نہ ہو سکی۔ وہ فرانس میں ہی رہے اور شاہ امیر امان اللہ خاں وطن واپس لوٹ آئے۔

اس دورے میں امیر امان اللہ خاں ترکیہ بھی گیا تھا جہاں غازی مصطفیٰ ل پاشا نے اس کے ساتھ طویل اور گہری ملاقاتیں کی تھیں۔ امیر امان اللہ خاں جب ن واپس لوٹا تو غازی مصطفیٰ کمال پاشا سے ملکی اصلاحات کے بارے میں بہت متاثر کر آیا تھا (میں نے ان کے درمیان گفتگو کو اپنی کتاب ''زوالِ غازی'' امیر امان اللہ خاں ہ کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ جس کا نیا ایڈیشن جلد شائع ہونے والا ہے)۔ روس سے ہوتا ہوا ایران کے راستے افغانستان واپس آیا تھا اور آتے ہی اس نے دھا دھند اصلاحات کا ایک نیا دور شروع کر دیا۔

وہ مصر تھا کہ غازی مصطفیٰ کمال پاشا کی طرح چشم زدن میں افغانستان کی کایا پلٹ دے ۔ اس جلد بازی نے اسے سخت نقصان پہنچایا ۔ اس کی ہر دلعزیزی عوام اور قبائل میں نفرت اور حقارت میں بدلنی شروع ہو گئی اور جونہی اس نے بزور حکومت وزراء اور عائدین کابل کی بعض نوجوان لڑکیوں کو تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے باہر یورپ بھیجنا چاہا تو اس کے بر خلاف شنواریوں میں بغاوت پھوٹ پڑی جو بڑھتے بڑھتے سارے سمت مشرقی میں پھیل گئی اور وہاں سے سمت شمالی میں سرایت کر گئی ، جہاں بچہ سقاؤ اس کے آخری سقوط کا باعث بن گیا ۔

بچہ سقاؤ

بچہ سقاؤ کا ماجرا بھی دنیا کی تاریخ میں ایک عجیب قسم کا ماجرا ہے ۔ اس شخص کا اصل نام حبیب اللہ تھا ۔ اس کا باپ سمت شمالی کے ایک گاؤں کلا کان کا رہنے والا تھا اور وہ وہاں سے پانی کی مشکیں لوگوں کے گھروں میں بھرا کرتا تھا ۔ ماشکی کو فارسی میں سقاء کہتے ہیں ۔ یہ شخص پہلے ادھر آدھر چائے فروش دوکانداروں کے ہاں پیش خدمت کے طور پر کام کیا کرتا تھا ، پھر جب غازی جمال پاشا کی آمد پر اس کے ملٹری ٹریننگ سنٹر کے لیے فوج کی ضرورت محسوس ہوئی تو یہ شخص اپنے گاؤں سے بھرتی ہو کر قطعہ نمونہ کی فوج میں شامل کیا گیا ۔

بغاوت منگل کے خاتمے پر جب یہ فوجی خدمت کے بعد کابل واپس پہنچا تو اسے تا حکم ثانی کابل کی چھاؤنی میں رہنے کا حکم دیا گیا لیکن گھر سے قریب ہونے کی وجہ سے اس فوج کے جوان جو زیادہ تر سمت شمالی کے علاقے کے رہنے والے تھے اکثر رخصت اور بغیر رخصت کے دو دو چار چار دنوں کے لیے اپنے گھروں کو چلے جاتے تھے ۔ بغیر رخصت کے غیر حاضر ہونے والوں کو ڈسپلن کا پابند کرنے کے لیے سمت شمالی کے راستوں پر پہرے کھڑے کر دیے گئے ۔ انھیں پہرے والوں میں سے کسی ایک کی مٹھ بھیڑ اس ایک گروہ سے ہوئی تھی جس میں بچہ سقاؤ بھی بغیر رخصت کے بھاگ کر گھر جا رہا تھا ۔ باہمی کشمکش کا نتیجہ ایک دوسرے پر فائرنگ کی صورت میں نمودار ہوا ، جس سے ایک پہرہ دار بچہ سقاؤ کے ہاتھ سے مارا گیا ۔ بس پھر کیا تھا بچہ سقاؤ پکڑے جانے کے خوف سے باغی ہو کر چوروں کے گروہ میں جا ملا اور کچھ مدت تک آوارہ پہاڑوں میں پھرتا رہا ۔ اس زمانے میں اکثر لوگ حکومت کی گرفت کے خوف سے اسی طرح باغی ہو کر پہاڑوں میں چھپ جاتے تھے اور پھر رہزنی اور ڈاکہ زنی

اختیار کر لیتے تھے۔ اسی طرح کئی گروہ ملک میں موجود تھے۔ سمت شمالی میں دو ایک گروہ اور تھے - بچہ سقاؤ نے رفتہ رفتہ اپنا ایک علیحدہ گروہ تشکیل کر لیا اور قطاع الطریقی اور رہزنی کا پیشہ اختیار کر لیا - شدہ شدہ اس کا جتھہ طاقتور ہوتا گیا حتیٰ کہ دین اسلام کی حفاظت کے نام سے جس بغاوت کی ابتدا جلال آباد کے شنواری قبیلہ نے کی اس کی آگ سمت شمالی میں بھی پہنچ گئی اور بچہ سقاؤ نے سرکاری فوجوں کو سمت مشرقی کی طرف مصروف دیکھ کر اس نے چند ساتھیوں کے ساتھ ایک متہورانہ حملہ کابل پر کر دیا - جس سے دفعتہً مشہور ہو گیا کہ سمت شمالی بھی باغی ہو گئی ہے شاہ امیر امان اللہ خان کو اس بات کا خیال بھی نہ تھا کہ یہ سمت بھی کبھی باغی ہو گی اور در اصل یہ سمت باغی بھی نہ ہوئی تھی بلکہ یہ بچہ سقاؤ کا ایک طفلانہ حیلہ تھا ۔مگر حالات کے غلط اندازے سے امیر امان اللہ خان کے حق میں ایک مصیبت بن گیا - بچہ سقاؤ کی حیثیت ایک ڈاکو اور رہزن کی شہرت تو پہلے ہی ہو چکی تھی اور لوگ اس سے خوف بھی کھانے لگے تھے - اس کے اس حملے نے اس کی ہیبت کا سکہ اور بھی لوگوں کے دلوں پر بٹھا دیا - اس نے آتے ہی کابل کے شمالی حصے کے بعض گھروں پر زبردستی قبضہ کر لیا اور وہاں سے دھڑا دھڑ فائر کرنا شروع کر دیا - یہ بھی ایک دیکھنے والا تماشا تھا کہ حکومت اس قدر سراسیمہ ہو چکی تھی کہ بڑے بڑے اعلیٰ منصب دار حتیٰ کہ وزیر بھی بندوقیں کاندھے پر ڈالے ، جائے وقوع کی طرف بے تحاشا جا رہے تھے - دوسرے دن حالات پر قابو پا لیا گیا - رہزن اور ڈاکو شہر کو خالی کر گئے مگر وہ گئے نہیں بلکہ شہر سے چند میل کے فاصلے پر باغ بالا میں مورچے بنا کر بیٹھ گئے اور دو دن مزید وہاں لڑتے رہے -

اس اچانک حملے نے حکومت کا تمام ذہنی توازن برباد کر دیا اور لوگوں کا اعتبار حکومت پر سے اٹھ گیا - ادھر سمت مشرقی کی جانب جب یہ خبریں پہنچیں تو وہاں سردار علی احمد جان امیر امان اللہ خان کا بہنوئی بغاوت کی آگ کو فرو کرنے کے لیے بہ حیثیت رئیس تنظیمیہ کے گیا ہوا تھا - اس نے جب اس حملے کی خبر سنی تو وہ وہاں خود بادشاہ بن بیٹھا ، لیکن باغی قبائل نے اس پر اعتماد نہ کیا اور اسے اور اس کی فوج کو لوٹ لیا وہ بھاگ کر پشاور چلا گیا -

ادھر سمت شمالی میں جب بچہ سقاؤ کے اس متہورانہ حملہ کی خبریں پہنچیں تو لوگ کھلم کھلا امیر امان اللہ خان کی بے دینی کے متعلق باتیں کرنے لگے اور بہت سے جاہل لوگوں نے بچہ سقاؤ کو اپنا پیرو خیال کر لیا -

اس واقعہ کے چوتھے یا پانچویں دن حکومت نے سمت شمالی کے علاقوں میں ہوائی جہازوں کے ذریعہ اشتہار پھنکوائے۔ جس میں تمام علاقہ کو باغی قرار دیا گیا اور لوگوں کو سزا کا مستحق سمجھا گیا۔ لوگوں پر اس اشتہار کا معکوس اثر ہوا۔ انھوں نے اب تک بغاوت نہ کی تھی۔ اب انھوں نے کہا کہ حکومت نے تو ہمیں باغی قرار دے دیا ہے۔ ہماری نجات اب اسی میں ہے کہ سمت مشرقی کے ساتھ یک جا ہو کر اس حکومت کا خاتمہ کر دیا جائے۔

اب بچہ سقاؤ نے عام بھرتی شروع کر دی لیکن لوگ اب بھی کھلم کھلا اس کے ساتھی نہ بنتے تھے، کیونکہ وہ اسے کوئی ثقہ اور قابل اعتماد شخص نہ سمجھتے تھے، تاہم ڈر سے اس کے مزاحم بھی نہ ہوتے تھے، البتہ خفیہ طور پر اس علاقے کے چند حاکم اور علاقہ دار خوف یا بعض اور وجوہ کی بنا پرا ،یر امان اللہ خاں کے برخلاف اسے تن من دھن سے مدد دے رہے تھے۔ ان میں سے ایک شیر محمد خاں بھی تھا جو بعد میں بچہ سقاؤ کا وزیر دربار بنا۔

امیر امان اللہ خاں کی فوج کشی

حکومت کے نزدیک سمت شمالی (آج کل اس علاقے کا نام پروان رکھا گیا ہے) باغی ہو چکا تھا، لہٰذا اس کی سرکوبی ضروری تھی۔ حربی نکتہ نظر سے چاہیے تھا کہ جیسے ہی بچہ سقاؤ کابل پر حملہ کرنے کے بعد بھاگ نکلا تھا اس کا فوج سے پیچھا کیا جاتا ،مگر اس خوف سے کہ سارا علاقہ باغی ہو چکا ہے، حکومت کو جرأت نہ پڑی کہ بغیر پوری لشکر کشی کے فوج کی مختصر سی ٹولیاں اس مہم کو سر کرنے کے لیے بھیجے۔ کابل میں اس وقت بمشکل ایک ڈویژن فوج ہوگی باقی فوج کا بیشتر حصہ سمت مشرقی کی بغاوت کو فرد کرنے کے لیے اس طرف بھیجا جا چکا تھا اور جب اس محاذ سے بھی بری خبریں یکے بعد دیگرے پہنچنی شروع ہوئیں تو حکومت کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور جلدی میں اس بات کو طے کیا گیا کہ باقاعدہ فوج کے ساتھ قبائلی رضا کاروں کی بہت بڑی تعداد کو اس مہم کے سر کرنے کے لیے موجود کیا جائے۔ اس کے لیے سمت جنوبی سے قبائلی لشکر منگوائے گئے۔ یہ خوشی خوشی اس مہم میں شامل ہونے کے لیے آئے کیونکہ چند سال پہلے جب خود انھوں نے بغاوت کی تھی تو سمت شمالی کے لوگ ان کی سرکوبی کے لیے بھیجے گئے تھے، اب ان کے انتقام لینے کا وقت آیا تھا، لہٰذا یہ بیس تیس ہزار کی تعداد میں ایک دو ہفتوں میں کابل پہنچ

ے - امیر امان اللہ خاں نے جرنیل سور کو ان پر مقرر کیا اور نصف ڈویژن کے قریب
کومت کی باقاعدہ فوج اس کی کمان میں دے کر سمت شمالی کی طرف بڑھنے کا حکم
ے دیا -

اس فوج نے کابل سے چند میل آگے بڑھ کر اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کیا اور کوتل
ر خانہ کی ناکہ بندی کرکے بتدریج اس سے گذر کر آگے بڑھنے کا فیصلہ کیا - قبائلی
ج آگے آگے اور اس کے پیچھے سرکاری فوج تھی - اس فوج کے ہراول دستوں کو اگلی
ح کوتل خیر خانہ کو عبور کرکے آگے بڑھنا تھا - قارئین خواہ اس کو باور کریں اور
واہ نہ کریں - اسی رات ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ کابل میں رہنے والے تمام خارجی
ناصر حیرت زدہ رہ گئے - بچہ سقاؤ نے یہ دیکھ کر کہ اب مرنا تو ہے ہی راتوں رات
ے چند راز دار ساتھیوں کو چار چار پانچ پانچ کی ٹولیوں میں آس پاس کے پہاڑوں میں
وشیدہ کر دیا اور ان کو حکم دے دیا کہ نصف رات کے سناٹے میں ہر طرف سے نیچے
یدان کی طرف گولیوں کی بارش کر دو ، رات دو بجے کے قریب یک لخت فائرنگ شروع
وگئی - انھوں نے بھی آؤ دیکھا نہ تاؤ ، جس طرف جس کا منہ اٹھا ، اپنی بندوقوں سے
ئر کرنا شروع کر دیے - اس اندھا دھند فائرنگ میں کسی کو یاد نہ رہا کہ وہ کس
رف اور کس پر فائرنگ کر رہا ہے - جرنل سور اور اس کی فوج بھی اس آپا دھاپی میں
چھ نہ کر سکی - سب پر سمت شمالی کی طرف سے شب خون پڑنے کا بھوت اور خوف
وار ہوگیا اور کوئی دو گھنٹے کے اندر حکومت کی باقاعدہ فوج اور سارا قبائلی لشکر اپنی
ن بچاتے ہوئے وہاں سے تتر بتر ہوگیا۔ تمام حربی مہمات ؛ توپ ، گولہ ، ماشین گنیں ، خیمہ و
رگاہ اور آذوقہ اور دیگر سامان وہیں کا وہیں پڑا رہا اور پو پھٹنے سے پہلے بچہ سقاؤ اور
کے چند ساتھیوں کے ہاتھ آ گیا - اس عجیب فتح کی جب سمت شمالی میں خبریں
نچیں تو لوگ دندناتے ہوئے مال غنیمت میں اپنا اپنا حصہ لینے کے لیے آ موجود ہوئے -
ب بچہ سقاؤ ان کا سردار تھا اور وہ اس کے ہر حکم کی تعمیل کے لیے سر بکف
ر تھے -

جوں ہی کہ اس ذلت آمیز فجیعہ کی خبر امیر امان اللہ کو پہنچی وہ بد دل ہوگیا
ر اس کی ساری امیدیں ٹوٹ گئیں - اس نے اسی رات اپنے بھائی سردار عنایت اللہ کو نیند
ے اٹھا کر اپنے پاس بلایا اور اس کے حق میں دست بردار ہوکر قندھار کی طرف
انہ ہوگیا -

سردار عنایت اللہ خانؒ کی تین روزہ بادشاہت

صبح دس بجے تک تمام کابل میں یہ خبر پھیل گئی کہ امیر امان اللہ خاں کابل سے چلا گیا ہے اور اس کی جگہ سردار عنایت اللہ خاں ملک کا بادشاہ بن گیا ہے - لوگ "سلام خانے" کی طرف جوق در جوق جا رہے تھے تاکہ اصل حقیقت معلوم کریں - ارک شاہی کے اندر ایک طرف ایک وسیع ہال بنا ہوا ہے - جسے "سلام خانہ" کہتے ہیں یہ عید اور جشن وغیرہ کے موقع پر کھولا جاتا ہے اور بادشاہ یہاں آکر لوگوں سے سلام قبول کرتا ہے اور جب کبھی ملک کا نیا بادشاہ بنتا ہے تو بادشاہ بننے کی جتنی رسمیں ہیں ، اسی سلام خانے میں ادا ہوتی ہیں - عام طور پر یہ رسم ہے کہ حضرت ملا صاحب شور بازار نئے بادشاہ کی دستار بندی اور شمشیر بندی کی رسم ادا کرتا ہے اور پھر بادشاہ لوگوں اور افسروں سے بیعت لیتا ہے اور پھر لشکر گاہ میں جا کر فوجوں سے سلامی لی جاتی ہے اور اس کے بعد ۳۱ توپوں کی سلامی سے نئے بادشاہ کی تخت نشینی کی اطلاع لوگوں کو دی جاتی ہے -

تین بجے بعد دوپہر تک رسمیں ادا ہوئیں اور اس کے بعد مشورہ یہ طے پایا کہ اب چونکہ امیر امان اللہ خاں خلع تاج و تخت کر چکا ہے اور اسی کی شخصیت کے برخلاف ملک میں بغاوت تھی ، للہذا حضرت ملا صاحب شور بازار خود سمت شمالی جائیں اور بچہ سقاؤ اور وہاں کے لوگوں کو نئے بادشاہ کی تخت نشینی کی خبر سنا کر امن اور سلامتی کی دعوت دیں تاکہ ملک سے خانہ جنگی رفع ہو -

چنانچہ ملا صاحب شور بازار چار بجے عصر کے قریب سمت شمالی کی طرف چلے گئے اور جاتے وقت جب کابل کی دفاعی لائن سے گذرے ؛ جہاں تقریباً بائیس ہزار فوج کابل کی حفاظت کے لیے آخری مورچے سنبھالے پڑی تھی تو کہنے لگے کہ اب جنگ کرنے سے کیا فائدہ ، جس کے لیے تم جنگ کرتے تھے وہ تو چلا گیا ہے ، بس ملا صاحب کی زبان سے یہ نکلنا تھا کہ ایک دم ساری فوج اپنے مورچوں سے اٹھ کر اپنے گھروں کی طرف منتشر ہونا شروع ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہاں کوئی باقی نہ بچا -

بچہ سقاؤ کو جب ملا نے جا کر خبر دی کہ امیر امان اللہ خاں بھاگ گیا ہے اور اس کی جگہ معین السلطنت سردار عنایت اللہ خاں تخت پر بیٹھا ہے اور ساتھ ہی یہ خبر بھی ملی کہ کابل کی دفاعی لائن ٹوٹ چکی ہے اور وہاں کوئی بھی نہیں ہے ، وہ اٹھ بیٹھا اور اس وقت سمت شمالی والوں نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا اور بچہ سقاؤ کو

دین رسول اللہ کا لقب دے کر اپنا پیرو بنا لیا اور اس کے گرد لشکر کے لشکر کر دیے اور پیشتر اس کے کہ اس صبح کی شام ہو بچہ سقاؤ کے مسلح دستے کابل میں داخل ہونا شروع ہو گئے ۔ سردار عنایت اللہ خاں جسے اب بادشاہ کہنا چاہیے ارک میں بند ہو گیا اور شہر بچہ سقاؤ کے قبضے میں آ گیا ۔

اس واقعہ کے صرف ایک ہفتہ پیشتر ترکیہ سے جنرل کے عہدے کا ایک افسر افغانستان اور ترکیہ کے درمیان ایک عہد و پیمان کی رو سے افغانستان کی فوجوں کی تربیت کے لیے پانچ سالہ قرار داد کے ماتحت کابل میں پہنچا ہوا تھا ۔ عنایت اللہ خاں نے اسے بلا کر مشورہ کیا کہ آیا کچھ ہو سکتا ہے کہ نہیں ۔ اس نے کہا کہ اگر بادشاہ کو یقین ہو کہ باہر سے اسے امداد پہنچ سکے گی تو ارک کے اندر جو فوج اور میگزین ہے وہ کافی ہے کہ بچہ سقاؤ اور اس کے ہمراہیوں کو خواہ وہ کتنی بھی بڑی تعداد میں کیوں نہ ہوں قلعے پر قابض ہونے سے روک دے لیکن اگر ملک کے اور حصوں کی طرف سے کوئی امداد پہنچنے کی توقع نہ ہو تو پھر مقادمت بیکار ہے ۔

معین السلطنت جو کہ ایک کمزور دل آدمی تھا مقادمت کی ہمت نہ کر سکا چنانچہ اس نے انگریزی سفارت سے درخواست کی کہ اسے اور اس کے اہل و عیال کو برٹش گورنمنٹ کی حفاظت اور پناہ میں افغانستان کی حدود سے باہر لے جایا جائے ۔ اسی وقت برطانوی سفارت نے بچہ سقاؤ کی رضامندی حاصل کر لی ۔ تیسرے دن دس بجے کے قریب انگریزی ہوائی جہاز معین السلطنت اور اس کے اہل و عیال کو پشاور کی طرف لے اڑے ۔

ارک ابھی تک بدستور قلعہ بند تھا اس کے اندر غلام دستگیر خاں قلعہ بیگی پوری ایک "غند" یعنی مکمل ایک بریگیڈ کے ساتھ منتظر تھا کہ اس شاہی ارک کو کیسے تسلیم کر لے ۔

جب ارک (شاہی مستقر) سے تین روزہ بادشاہ عنایت اللہ خاں چلا گیا تو ایک دو روزہ دن چوروں کی فوجیں ارک کو قلعہ بیگی غلام دستگیر خاں سے تسلیم کرنے کے لیے قلعے سے باہر جمع ہوئیں ۔ اندر قلعہ بیگی نے اپنی ساری فوج کو غیر مسلح کیا اور فوجی بینڈ بجاتا ہوا دروازہ کھول کر اپنی فوجوں کو فوجی طریق پر باہر لے گیا اور قلعہ کی چابی چوروں کے افسروں کے حوالے کر دی ۔ یہ نظارہ بھی بڑا دل سوز تھا ۔ سپاہی آبدیدہ تھے اور قلعہ بیگی سسکیاں بھرتے ہوئے رو رہا تھا ۔ باہر آ کر اس نے دل سوز آواز میں سلام کہا اور پھر انہیں "برادران خدا حافظ" کہہ کر رخصت کر دیا ۔

غلام دستگیر خاں بڑا غیور اور بہادر افسر تھا ۔ اس کا قد تقریباً ساڑھے چھ فٹ لمبا ، جسم بھرا ہوا اور نہایت موزوں تھا۔ چہرے سے شجاعت اور عزت نفس ٹپکتی تھی۔ انقلاب کے آخری دنوں میں ہم نے افغانستان کی آبرو بچانے کے لیے باہم مل کر بہت سا کام کیا ہے ۔ میں نے اسے مجلس امدادیہ ملی کا رئیس منتخب کیا تھا تفصیل قدرے آگے آئے گی ۔

امان اللہ خاں اور شہر قندھار

امیر امان اللہ خاں جب خلع سلطنت کر کے قندھار میں پہنچا تو شاہی مستقر میں گورنر قندھار نے شاہی جھنڈا قصر سلطنتی پر رسم کے مطابق لہرانا چاہا ۔ امیر امان اللہ خاں نے اظہار کیا کہ اس نے بادشاہت سے استعفیٰ دے دیا ہے اور اب بادشاہ سردار عنایت اللہ خاں ہے، لہٰذا میرے سر پر جھنڈا مت لہراؤ ، لیکن جب دوسرے ہی دن خبر پہنچ گئی کہ عنایت اللہ خاں بادشاہت چھوڑ کر انگریزوں کی حمایت میں ہندوستان چلا گیا ہے تو امیر امان اللہ خاں نے نئے سرے سے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا ۔ جسے انگریزوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ساتھ ہی دوسری یورپین طاقتوں نے جن کی سفارتیں کابل میں موجود تھیں ، نے بھی اس اعلان کو غیر قانونی قرار دیا اور خلع کے بعد امیر امان اللہ خاں کو پھر تخت شاہی پر بیٹھنے کا مستحق نہ سمجھا ، لیکن خواہ کچھ بھی ہو اہل قندھار نے اس کا ساتھ دیا ۔

کابل سے یورپین ممالک کے باشندوں اور ان کی سفارتوں کا انخلا

امیر امان اللہ خاں کے کابل اور قندھار سے بے دخل ہوتے ہی سوائے روس کے ، باقی تمام یورپین طاقتوں نے اپنی سفارتوں کو حکم دے دیا کہ افغانستان میں مستقل امن و امان کے بحال ہونے تک وہ وہاں سے چلی آئیں اور اپنے شہریوں کو بہ حفاظت تمام اس ملک سے نکال لائیں ۔ انگریزی سلطنت نے ان ممالک کو تخلیہ کے لیے اپنے ہوائی جہاز پیش کر دیے تھے چنانچہ عنایت اللہ خاں کے چلے جانے کے بعد روزانہ انگریزوں کے ہوائی جہاز کابل کے ہوائی میدان میں اترتے اور جرمنی ، فرانس ، اٹلی اور دیگر سفارتوں کے اعضا اور ملازم پیشہ لوگوں کو کابل سے نکال کر پشاور پہنچاتے ۔ اتفاق سے ان ایام میں برصغیر کے بہت سے مسلمان اپنی ملازمتوں کے سلسلے میں کابل میں مقیم تھے ۔ ان کے ساتھ ان کے اہل و عیال بھی تھے ۔ وہ سب کے سب انقلاب کے خونیں واقعات سے گھبرائے ہوئے مضطرب اور پریشان تھے اور چاہتے تھے کہ انگریز انھیں ہوائی جہازوں کے ذریعے

پشاور پہنچا دیں - انگریزی سفارت نے اس وقت گورے اور کالوں میں امتیاز روا کر رکھا تھا -

اسی حال میں ہندوستانیوں نے ایک جلسہ کیا جس میں انھوں نے مجھ سے استدعا کی کہ میں اس بارے میں ان کی مدد کروں اور جس صورت میں انگریز ان کے تخلیہ پر تیار نہ ہوں تو میں ان کے لیے روس سے مدد کی درخواست کروں -

میں نے اسی جلسے میں اپنی ذمے داری پر اعلان کر دیا کہ اگر انگریزی سفارت ان ہندوستانی ملازمین کے تخلیہ کرنے میں گورے اور کالے کا امتیاز روا رکھے گی تو میں روسیوں سے درخواست کروں گا کہ وہ اپنے ہوائی جہازوں کے ذریعہ انھیں قندھار پہنچا دیں - جہاں سے وہ چمن اور کوئٹہ کے راستے اپنے اپنے بال بچوں سمیت محفوظ طریق پر اپنے گھروں کو جا سکیں گے - اس اعلان پر ہندوستانی ملازمین نے میرا شکریہ ادا کیا اور میں نے اسی وقت سفارت روسیہ سے درخواست کر دی - جنھوں نے فوراً آمادگی ظاہر کی کہ سوویت یونین کی حکومت اپنے ہوائی جہازوں کے ذریعے ان ہندوستانی ملازمین کو کابل سے قندھار پہنچانے کے لیے تیار ہے -

یہ ایک بڑی کاری ضرب تھی جو میں نے اس وقت برٹش پرسٹیج اور اس کی گورے کالے میں فرق و امتیاز کرنے کی پالیسی پر لگائی تھی جس کا فوری اثر یہ ہوا کہ انگریزی سفارت نے ہندوستانی ملازمین کا تخلیہ بھی اپنے ذمے لے لیا -

ان ہندوستانی ملازمین اور ان کے بال بچوں کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی تھی چنانچہ ان کا بھی ساتھ ساتھ تخلیہ ہوتا گیا -

صوفی غلام محمد ترک اور میرے بعض رشتے دار

شنواریوں کی بغاوت سے ذرا پہلے میرے بعض رشتے دار جن میں غالب تعداد عورتوں اور بچوں کی تھی ، باقاعدہ پاسپورٹ کے ذریعہ مجھ سے اور میرے بال بچوں سے ملاقات کی غرض سے کابل آئے ہوئے تھے - ان کے آنے کے تھوڑی مدت بعد بغاوت شروع ہو گئی تھی جو بڑھتے بڑھتے انقلاب کی صورت اختیار کر گئی - اس قافلے میں مردوں میں میرا ایک بہنوئی سیٹھ عبدالخالق اور ایک بھانجی داماد شیخ حبیب اللہ اور صوفی غلام محمد ترک تھا - راستے تمام بند ہو چکے تھے - صرف قندھار کا ایک راستہ کھلا تھا سو وہ بھی مخدوش تھا - میں نے صوفی غلام محمد ترک اور اپنے بہنوئی عبدالخالق کو جو ایک

کاروباری شخص تھا ہزارہ قوم کے ایک فوجی افسر کے ساتھ قندھار کے راستے سے ہندوستان کی طرف روانہ کر دیا مگر عورتوں اور بچوں اور اپنے بھانجی داماد کو راستے کے پر خطر ہونے کی وجہ سے ان کے ساتھ نہ جانے دیا ۔ یہ تمام مصیبت کے وقت میرے ساتھ رہے ۔ شیخ حبیب اللہ میرا بھانجی داماد ریلوے میں ملازم تھا اور یہ کہ اس کی رخصت کے ایام پورے ہو چکے تھے اور یہ واپس جانے کے لیے بے قرار ہو رہا تھا ۔

جب ہندوستانی ملازمین کا تخلیہ شروع ہوا تو میری بڑی ہمشیرہ نے مجھے مشورہ دیا کہ میں اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے بیوی بچوں کو بھی ان کے ساتھ پشاور روانہ کر دوں کیونکہ نہ معلوم افغانستان میں کیا حادثات اور واقعات پیش آئیں اور پھر خدا نخواستہ اگر آپ پر کوئی مصیبت آئی تو کون ہوگا جو ہم میں سے آپ تک پہنچ سکے گا ۔ میں نے اس کا یہ مشورہ قبول کر لیا اور چونکہ میری بیوی کے پاس انگریزی حکومت ہند کا پاسپورٹ تھا ، اس نے بھی اپنے جانے کی ایک درخواست لکھکر سفارت انگریزی میں بھیج دی اور درخواست میں لکھ دیا کہ چونکہ میرے ساتھ دو چھوٹے شیر خوار بچے بھی ہیں اس لیے مجھے اور میرے رشتے دار مہمانوں کو ایک ہی جہاز میں جگہ دی جائے ۔

انگریزی سفارت نے جہاں تک بچوں اور عورتوں کا تعلق تھا انھیں دو جگہ تقسیم کر دیا ۔ میری بیوی اور اس کی چار اولادوں کو جن میں دو شیر خوار بھی تھے ، ایک علیحدہ جہاز میں جگہ الاٹ کر دی اور میری دو ہمشیروں اور میرے پانچ بھانجے بھانجیوں اور صوفی غلام محمد ترک کے دو لڑکوں کو جو پیچھے رہ گئے تھے ، ایک دوسرے جہاز میں جگہ الاٹ کر دی اور پھر ستم ظریفی یہ کہ ایک ہوائی جہاز کی پرواز کا ایک دن اور دوسرے کی پرواز کا جس میں میری بیوی بچوں کے لیے جگہ الاٹ کی گئی تھی ، دوسرا دن مقرر کر دیا اور جہاں تک شیخ حبیب اللہ میرے بھانجی داماد کی درخواست کا تعلق تھا ، اس کے متعلق کہہ دیا گیا کہ جب مردوں کے تخلیہ کی نوبت آئے گی ۔ اس وقت اس کا نمبر آئے گا ۔

میری بیوی نے یہ تفریق اور تقسیم سن کر میرے ساتھ مرنا جینا قبول کیا مگر دو شیر خوار بچوں اور دو دوسری بچیوں کے ساتھ اکیلا جانا منظور نہ کیا ۔ اگلے دن ہم نے صوفی غلام محمد ترک کے دو بچوں کو اپنی ہمشیرگان اور ان کے بچوں کے ساتھ سوار کر دیا اور وہ بخیر و عافیت اسی دن ایک گھنٹہ کے بعد پشاور پہنچ گئے اور جب دوسرا دن ہوا تو ہم میں سے کوئی ہوائی جہاز کے میدان میں نہ پہنچا ۔ انگریزی سفارت کے

افسران جو درخواستوں کے مطابق جہاز میں سیٹوں کو الاٹ کرتے تھے، جب میری بیوی اور بچوں کی سیٹیں خالی دیکھیں تو فوراً سفارت کی ایک موٹر پر میرے گھر اور میرے ریسٹورنٹ کی طرف اپنے آدمی دوڑائے کہ جلدی آؤ ہمارا جہاز لیٹ ہو رہا ہے ۔ میں اگرچہ ان کے اس رویے سے متاثر ہوا لیکن میری بیوی کسی طرح ابھی دو بچوں کو گود میں اٹھائے اور دو کو انگلیوں سے لگائے ضروری اسباب کے ساتھ اکیلی جانے پر راضی نہ ہوئی ۔ اس دن تقریباً ایک گھنٹہ جہاز لیٹ اڑا اور ایک ساتھ ہی پانچ سیٹیں جہاز میں خالی گئیں ۔

اس کے چوتھے دن میرے بھانجی داماد کی نوبت تھی میں اپنی موٹر میں اس کے ساتھ ہوائی میدان میں گیا ۔ اس کے پاس دو بکس تھے ایک بکس کو سفارت والوں نے منظور کر لیا اور دوسرے کو زیادہ کہہ کر بڑے غصے سے واپس کر دیا ۔ اس کے بعد نہ معلوم کیا ہوا کہ تھوڑی دیر بعد یہ اعلان کیا گیا کہ جہاز میں کچھ نقص ہو گیا ہے جہاز نہیں جائے گا ۔ مسافر جہاز سے نکل آئے مگر کوئی دو گھنٹے بعد وہی جہاز کئی سواریاں لے کر اڑ گیا ۔

اس کے بعد معمول کے مطابق ہر روز ہوائی جہاز آتے اور کبھی سفارتوں کے باقی ماندہ آدمیوں کو اور کبھی ہندوستانی ملازموں کو لے جاتے لیکن میرے بھانجی داماد یعنی شیخ حبیب اللہ صاحب کا نمبر ہی نہ آتا ۔ وہ اس سے بہت دلگیر اور مغموم ہو گیا اور اسے براہ راست انگریزی سفارت کی مجھ پر ناراضگی کا باعث سمجھا اور مجھ سے مصر ہوا کہ اگر آپ سفارت تک میرے ساتھ نہیں جائیں گے تو میری نوکری بھی میرے ہاتھ سے جاتی رہے گی ۔ میں اس کے ساتھ سفارت میں گیا اور شیخ محبوب الٰہی انڈین سیکرٹری سے ملا ۔ اس نے میرا بڑے تپاک کے ساتھ خیر مقدم کیا اپنے آدمیوں کو فوراً چائے تیار کرنے کا حکم دیا ۔ اعلیٰ قسم کے سگرٹوں سے میری تواضع کی اور افغانستان کی داخلی شورش و انقلاب کے متعلق میرے ساتھ گفتگو کرنے میں محو ہو گیا ۔ ہم دونوں کوئی ڈیڑھ گھنٹہ تک گفتگو کرتے رہے ۔ موضوع سخن یہ تھا کہ آیا افغانستان کی یہ داخلی شورش جلد ختم ہو جائے گی یا قبائلی جنگ کی شکل اختیار کر لے گی ۔ وہ اپنے سفیر کا خیال بیان کر رہا تھا کہ یہ شورش ایک طویل قبائلی جنگ کا پیش خیمہ ہے میں نے کہا کہ آپ کے سفیر کا خیال بھی ایک حد تک درست ہے لیکن افغانستان میں ایک شخصیت بھی باقی ہے جو ہر وقت پہنچ گئی تو افغانستان خانہ جنگی سے بچ جائے گا ۔ اس نے پوچھا کہ وہ کون ؟ میں نے کہا محمد نادر خاں !

اس نے ذرا اچھل کر مجھ سے کہا کہ میں نے بھی اپنے سفیر صاحب سے یہی کہا تھا لیکن ان کا خیال ہے کہ موجودہ حالات کو دیکھ کر حکم لگایا جا سکتا ہے کہ اب کوئی شخصیت افغانستان کو نہیں بچا سکتی ۔

ہمارا روئے سخن پھر ہندوستان کی آزادی کے مسئلہ کی طرف پھر گیا ۔ وہ پہل کر کے کہنے لگا کہ آزاد افغانستان اور امیر امان اللہ خاں کے وجود سے ہندوستان کو کچھ نفع پہنچتا یا نہ مگر ایک بات ضرور مسلم تھی وہ یہ کہ دریائے اٹک کا علاقہ جس میں ہم رہتے ہیں ضرور آزادی حاصل کر لیتا ۔ پھر ذرا دم لے کر کہنے لگا کہ امیر امان اللہ خاں کی بربادی کا آپ لوگوں سے بڑھ کر ہمیں سخت صدمہ ہے ۔ آپ آزاد ہوتے یا نہ ہوتے اس کے جانے سے ہم غلام رہ گئے ہیں ۔

شیخ محبوب اللٰہی خاں کے کہنے میں ایک حقیقت پنہاں تھی جو پختونستان کا مسئلہ بن کر ہمارے سامنے آئی ۔

آخر شیخ محبوب اللٰہی سے میں نے مسکراتے ہوئے کہا کہ بھئی میں تو آپ کا ایک باغی ہوں لیکن یہ میرا داماد تو آپ کا ایک وفادار غلام ہے آپ نے اس بیچارے کی سیٹ کو کیوں کینسل کر رکھا ہے ؟

اس نے کہا کہ میں آج ہی سفیر صاحب سے اس کے متعلق کہوں گا ۔ شیخ حبیب اللہ اپنی درخواست لکھ کر لے گیا ہوا تھا ۔ وہ اس نے شیخ محبوب اللٰہی کو دے دی اور ہم دونوں اس سے رخصت ہو کر گھر آ گئے ۔ تیسرے دن میرے بھانجی داماد کو سیٹ مل گئی اور وہ ہوائی جہاز کے ذریعہ پشاور پہنچ گیا ۔

بچہ سقاؤ اور مہاجرین : میری گرفتاری

بچہ سقاؤ کو کابل میں آتے ہی کسی طرح علم ہو گیا تھا کہ مہاجرین بھی ملک کی سیاسیات میں کچھ دخل رکھتے ہیں ۔ وہ خود تو پڑھا لکھا تھا نہیں لیکن پس پردہ چند ایک امیر امان اللہ خاں کے عہدے دار اور حاکم اس کے ساتھ تھے جو لوگ اس کی پشت پر تھے جانتے تھے کہ افغانستان کی مملکت اس خانہ جنگی اور انقلاب کے بعد اگر سنبھالی جا سکتی ہے تو صرف محمد نادر خاں کے ذریعے اس لیے وہ چاہتے تھے کہ جس قیمت پر بھی ہو محمد نادر خاں کو با عزت و احترام واپس بلایا جائے اور اسے بچہ سقاؤ کا وزیر اعظم یا وزیر دفاع بنا دیا جائے اور آہستہ آہستہ چوروں کا غلبہ

بچہ سقاؤ پر سے کم کیا جائے اور صرف بچہ سقاؤ کی شخصیت کو ایکسپلائٹ کرتے ہوئے افغانستان کا نظم و نسق معتبر ہاتھوں میں سونپ دیا جائے ۔

اس گروہ نے بچہ سقاؤ کو ''خادم دین رسول اللہ امیر حبیب اللہ'' کا لقب و خطاب دیا ۔ بچہ سقاؤ کو سب سے پہلے جو کام اہم نظر آیا وہ سمت جنوبی کی بیعت کو حاصل کرنا تھا لیکن چونکہ محمد نادر خان سے آشتی منظور تھی اور امیر امان اللہ خان ابھی قندھار میں بیٹھا ہوا تھا وہ سمت جنوبی کے برخلاف لام کشی نہ کرنا چاہتا تھا ۔ اس مہم کو سر کرنے کے لیے اس نے دو تدبیریں کیں ایک یہ کہ محمد نادر خان کے ایک بھانجے کو بہت سا روپیہ دے کر ہندوستان کے راستے روانہ کیا کہ وہ فرانس جا کر محمد نادر خان کو افغانستان لے آئے اور دوسرے سردار شاہ محمود محمد نادر خان کے سب سے چھوٹے بھائی کو جو جرنیل تھا مقرر کیا کہ وہ سمت جنوبی جا کر جاجی قبائل اور جدران اور منگلوں کی فوجوں سے اس کے حق میں بیعت لے کر آئے ۔

سردار شاہ محمود نے بچہ سقاؤ کا حکم سن کر دربار میں تو ہاں کر دی مگر جی میں گھبرایا کہ وہ تنہا کیسے اس کام کو سر انجام دے سکے گا ۔ اس نے اپنے ارد گرد نظر دوڑائی ، خیال دوڑایا اسے سوائے ہم مہاجرین کے کوئی قابل اعتماد نظر نہ آیا ۔ اس نے بھٹ اللہ نواز خان کو بلایا ۔ اس سے کچھ مشورہ کیا اور اسے میرے پاس بھیجا ۔

سردار شاہ محمود کا میرے نام پیغام یہ تھا :

''مجھے خطرہ ہے کہ انگریز ہندوستان کے راستے سے سردار سپہ سالار (محمد نادرخان) کو افغانستان میں نہیں آنے دیں گے ۔ آپ اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے روسی حکومت کو اس بات پر آمادہ کیجیے کہ وہ براہ روس محمد نادر خان کو افغانستان آنے کی اجازت دیں ۔''

میں نے کہا کہ میں ابھی سفارت روس کو مطلع کر کے آپ کے لیے جواب حاصل کیے دیتا ہوں ۔ چنانچہ اسی شام مجھے جواب آ گیا کہ سفارت نے ماسکو خبر کر دی ہے کہ وہ اپنے سفیر متعینہ پیرس کے ذریعے آپ کا پیغام محمد نادر خان کو بھجا دیں ۔

تیسرے دن مجھے سفارت نے اطلاع دی کہ ہمارے سفیر متعینہ پیرس نے یہ اطلاع دی ہے کہ آپ کا پیغام پہنچنے سے چند گھنٹے پیشتر محمد نادر خان اور اس کے دو بھائی بذریعہ بحری جہاز فرانس کی بندرگاہ مارسیلز سے حرکت کر چکے ہیں ۔

میں نے یہ خبر شاہ محمود کو پہنچا دی'۔

شاہ محمود مر چکا ہے۔ میں اسے گواہی پر طلب نہیں کر سکتا لیکن اللہ نواز خاں اگر اب تک زندہ ہے تو وہ ضرور شہادت دے گا کہ یہ بات واقعی اسی طرح پر تھی اور اگر وہ زندہ نہ ہو یا شہادت دینے سے گریز کرے تو روسی ریکارڈ کو یقیناً اب تک دیمک نہیں چاٹ گئی ہوگی مستفسرین وہاں سے معلوم کر سکتے ہیں کہ یہ واقعہ اسی طرح پر تھا۔

سردا شاہ محمود اور مولوی اللہ نواز خاں کے سمت جنوبی کی طرف چلے جانے کے بعد حکیم محمد اسلم پشاوری نے ایک اپچ لی اور مجھ ستاؤ کے گورنر والی' محسن سے رابطہ پیدا کر لیا ۔ اس شخص نے نہ معلوم کیا بکواس کی کہ والی' محسن نے اسی کو حکم دیا کہ جس قدر مہاجرین کابل کے اندر ہیں ان کی لسٹیں تیار کرکے حاضر کرو ، پھر جب وہ لسٹیں تیار کرکے لے گیا تو والی نے اسے حکم دیا کہ فلاں روز سب مہاجرین کو میرے حضور میں پیش کرو ۔

مجھے یقین ہوگیا کہ ہم گرفتار کر لیے جائیں گے ۔ بہرکیف میں نے عبداللہ شاہ جی سے کہا کہ ہم سب والی محسن کے سامنے پیش ہونے کے لیے جائیں گے ،مگر آپ نہیں جائیں گے اور اگر کوئی حادثہ ہمیں پیش آئے تو آپ باہر رہ کر دوڑ دھوپ کریں گے اور ساتھ ہی ہمارے گھروں کی خبر گیری کرتے رہیں گے اور اگر آپ دیکھیں کہ ہماری جانوں کے بچانے کا مسئلہ موجود ہوگیا ہے تو بین الاقوامی صیانت حاصل کرنے کے لیے آپ روسی سفارت سے تاس پیدا کریں گے ۔

یہ ہدایات عبداللہ شاہ جی کو دے کر میں جملہ مہاجرین کے ہمراہی میں والی محسن کے سامنے پیش ہونے کے لیے حکیم اسلم کے ساتھ روانہ ہو گیا ۔

جب ہم کو اندر بلایا گیا تو ہم سب کو تین طرف ایک قطار میں کھڑا کر دیا گیا ، والی محسن کے ایک منشی نے نام بہ نام وہ فہرست پڑھنی شروع کی ، بعض مہاجرین کے نام جب پڑھے جاتے اور وہ حاضر نہ ہوتے تو والی محسن حکیم اسلم سے خطاب کرتا کہ یہ کہاں ہے اور کیوں حاضر نہیں ہوا اور جب اس سے جواب بن نہ آتا تو وہ حکیم اسلم کو گالیاں دینے لگتا ۔ آخر جب ہر چھ سات ناموں کے بعد ایک نام غیر حاضر نظر پڑنا شروع ہوا تو والی نے غصے سے فہرست کو تو ایک طرف پھینک دیا اور حکیم اسلم کو گالیاں دیتے ہوئے سپاہیوں سے کہنے لگا کہ اسے بندی خانے میں لے جاؤ پھر سب مہاجرین کی طرف نظر دوڑاتے ہوئے جب مجھ سے اس کی نگاہ دو چار ہوئی تو کہنے لگا کہ اس

(لمبو) یعنی لمبے آدمی کو بھی لے جاؤ اور باقیوں سے کہہ دیا کہ جاؤ اور اپنے گھروں میں آرام سے بیٹھو اور شرارتیں مت کرو۔

ہم دونوں کو سپاہی باہر لے آئے۔ پھر دفعۃً کسی نے ہمارے انچارج افسر کو اندر بلایا اور پھر جیسے ہی وہ باہر نکلا ہمارے جانے کا رخ زندانؐ سے بدل والی کے گھر کی طرف کر دیا۔

والی محسن نے سردار عنایت اللہ کا شاہی محل اپنی اقامت گاہ کے لیے تاکا تھا۔ اسی عمارت کے ایک حصے میں اوپر کی منزل میں سپاہیوں نے ہم دونوں کو لا کر منتقل کر دیا۔

ہم چند دن وہاں رہ کر ارک میں منتقل کر دے گئے۔

هندوستان میں میری موت کا آوازہ

ایک دو دن ہمیں اتنی سخت بدبو دار جگہ میں رکھا گیا کہ ہم اس کی کسی طرح تاب نہ لا سکتے تھے۔ شاید ایک دو دن اگر ہم وہاں رکھے جاتے تو بدبو اور تعفن کی تاب نہ لاتے ہوئے جاں بحق ہو جاتے مگر حسن اتفاق سے ان ہی چور پہرہ داروں میں حکیم اسلم کا ایک شناسا نکل آیا جس نے حکیم کو پہچان کر شاہ صاحب شاہ صاحب کہنا شروع کر دیا۔ واضح رہے کہ افغانستان کے لوگ اہل سادات کی عقیدۃً بڑی عزت کرتے ہیں۔ حکیم محمد اسلم نے اطراف کابل میں اپنے آپ کو سید مشہور کر رکھا تھا۔ اس کا یہ جھوٹ عین ایسے وقت ہمارے کام آیا جب کہ ہمیں اپنی جان کے لالے پڑے تھے۔ اس چور کی مہربانی سے ہمیں ایک دوسری کوٹھری میں جو اس مقام سے ذرا دور تھی جگہ مہیا کر دی۔ ابھی دو چار دن نہیں گذرے تھے کہ ہماری اسی کوٹھری میں شہزادہ ہدایت اللہ خاں امیر امان اللہ خاں کا بھائی محمود خاں یاور گورنر کابل عبدالرحمان خاں مستشار اول (چیف سیکرٹری) وزارت خارجہ عبدالحمید خاں رئیس شورائے ملی اور ایک دو اور معزز لوگ پایہ زنجیر بھیج دے گئے۔ صرف شہزادہ ہدایت اللہ خاں کو انھوں نے بیڑیاں نہیں ڈال رکھی تھیں۔ باقی سب کو بیڑیاں پڑی تھیں۔ خوش قسمتی سے انھوں نے ہمیں بھی بیڑیوں سے مستثنیٰ کر رکھا تھا۔

شہزادہ ہدایت اللہ خاں کو تو وہ رات پڑتے ہی کسی اور جگہ لے گئے اس کے

بعد کسی نے اس کا منہ نہ دیکھا ۔ اس بے چارے کو ایک رات وہیں اس کی کوٹھری میں انھوں نے پھانسی دے دیا ۔ باقی سب ہمارے ساتھ رہے ۔

قارئین پر واضح رہے کہ جس رات ارک میں ہمیں منتقل کیا گیا ۔ اس کے اگلے دن شاہ جی بھی کابل چھوڑ کر بھاگ گیا ۔ مہاجرین میں میرا ایک سیکرٹری غلام محمد اور دو ایک اور مہاجر جو میرے ذاتی ملازم تھے ، میرے گھر کی خبر گیری کرنے کو رہ گئے تھے ۔ اس وقت کابل میں میری بیوی اپنی تین چھوٹی بچیوں اور ایک شیر خوار بچے کے ساتھ کابل میں بے سہارا موجود تھی ۔ مجھے خبریں ملیں کہ میرے ریسٹورنٹ کو لوٹ لیا گیا ہے اور میرے سٹور کی دوکان میں بھی انھوں نے کچھ باقی نہیں چھوڑا ۔ میری ایک فیئٹ موٹر کار بھی وہ زبردستی لے گئے ہیں اور میرے گھر پر جو اسلحہ اور میگزین وغیرہ تھا اسے ڈر کے مارے میری بیوی نے اپنے نوکروں کے ہاتھوں گھر کے کنوئیں میں ڈلوا دیا ہے ۔ بندوقوں کی نالیوں کو جدا کرکے انھیں توڑ مروڑ ڈالا ہے اور قبضوں کو آگ میں جلا دیا ہے وغیرہ ۔ وغیرہ ۔

انھی دنوں میں بچہ سقاؤ کا وزیر خزانہ کچھ پوچھ گچھ کرنے کے لیے ہماری کوٹھری میں محمود خان گورنر کابل کے پاس آیا ۔ باتوں باتوں میں ہمارا بھی تعارف ہو گیا ۔ میں نے وزیر صاحب تجارت سے کہا کہ جناب میرا ایک پیغام ہے اگر امیر صاحب تک پہنچا دیں تو میں بہت ممنون ہوں گا ۔ وہ کہنے لگا بیان کرو ۔ میں نے کہا کہ ہم آپ کے ملک میں مہاجر پناہ گزین ہیں ، ہمیں آپ کے داخلی کاموں سے کوئی سروکار نہیں ۔ ہم تو ارک کے گنبد پر اس سرخ جھنڈے کو دیکھتے ہیں ، یہ جس کے سر پر لہرا رہا ہو ، وہی ہمارا بھی امیر ہے اور یہ آپ لوگوں کا کام ہے کہ وہ کس کے سر پر لہرائے پس اگر آج یہ آپ کے امیر کے سر پر لہرا رہا ہے تو وہی ہمارا بھی امیر ہے ۔ وہ یہ سن کر خوش ہوا اور کہنے لگا "خوش گفتی" خوب کہا ہے تو نے ، میں ضرور خادم دین سے اس کا ذکر کروں گا ۔

اس نے یہ ذکر کیا ہو گا اور ضرور کیا ہو گا کیونکہ ہم مہاجر ہندیوں کو دوسرے ہی دن اجازت مل گئی کہ اپنی کوٹھریوں کی چھت پر چڑھ کر ایک آدھ گھنٹہ چل پھر لیا کریں ۔

دوسرا مہینہ ہمیں قید میں گزر رہا تھا امیر امان اللہ خان شکست کھا کر افغانستان سے چلا گیا تھا ۔ محمد نادر خان ہندوستان کے راستے سے سمت جنوبی خوست کے

علاقے میں داخل ہو چکا تھا - تدبیریں کی جا رہی تھیں کہ اسے کسی طرح رام کیا جائے کہ ایک دن گھر سے مجھے خبر ملی کہ آپ کی والدہ ہندوستان سے صوفی غلام محمد ترک کے ساتھ پٹھانی بھیس بدل کر حاجیوں کے قافلے میں کابل پہنچ گئی ہے - دریافت پر معلوم ہوا کہ ہندوستان کے اخبارات میں افغانستان کی شورش اور انقلاب کے ضمن میں جو خبریں شائع ہوئیں - ان میں ایک یہ خبر بھی تھی کہ عزیز ہندی اس شورش و انقلاب میں مارا گیا ہے - میری والدہ کو تاب نہ آئی - پشاور میں ہمارا ایک ایجنٹ تھا جس کے ذریعے روپیہ پیسہ آتا جاتا تھا - یہ ایک ہندو آڑھتی تھا جسے امیر چند بولا کہا کرتے تھے - اس سے میرے دیرینہ تعلقات تھے - صوفی غلام محمد ترک اس کے پاس آیا اس نے میری والدہ اور صوفی غلام محمد ترک کا ایک قافلے کے ساتھ انتظام کر دیا - چنانچہ یہ کوئی پندرہ سولہ دنوں کے اندر خچروں کے ذریعے کابل پہنچنے میں کامیاب ہو گئے - راستے بھر میں سڑکیں ویران کر دی گئی ہوئی تھیں - دو طرفہ درختوں کو کاٹ کاٹ کر سڑکوں کو پاٹ دیا گیا تھا - راستہ بجز پگڈنڈیوں کے اور کہیں نہ ملتا تھا - جگہ جگہ ڈاکہ زنی اور رہزنی کی وارداتیں زوروں پر تھیں - ان حالات میں ایک بوڑھی عورت کا یہ عزم سفر ہر طرح قابل داد و تحسین تھا -

میری والدہ نے گھر پہنچتے ہی پیغام بھیجا کہ میری تسکین نہیں ہوئی - میں ایک نظر تجھے دیکھنا چاہتی ہوں - میں نے انہیں کہلا بھیجا کہ میری کشش آپ کو یہاں تک لے آئی ہے - اب آپ کی کشش کی باری ہے کہ مجھے کھینچ کر آپ سے ملا دے -

میری رہائی اور کابل میں نظر بندی

ہم مہاجرین کی رہائی کے لیے عبداللطیف کوہاٹی کو خدا نے فرشتہ نجات بنا کر ترکستان سے کابل کی طرف بھیج دیا - قارئین کو یاد ہو گا یہ وہی عبداللطیف مہاجر تھا جو تحریک ہجرت کے شروع میں میرے کابل پہنچنے پر امین العسس شجاع الدولہ کے گھر پر مجھے ملا تھا - اس نے بخارا میں حکومت افغانستان کی بعض خدمات انجام دی تھیں جس کے صلہ میں کابل میں اس کو ایک گھر بھی سرکاری طور پر رہنے کے لیے دیا گیا تھا - اس کا بھائی محمد نعیم خاں فوج میں کپتان کا عہدہ رکھتا تھا - یہ دونوں بھائی ''زینت الحرم'' کے معاملے میں جس کا تفصیل کے ساتھ میں نے اپنی کتاب ''زوال غازی''

میں ذکر کیا ہے ۔ امیر امان اللہ خاںؒ کے معتوب قرار پا کر ترکستان کی طرف فرار کر دیے گئے تھے ۔ محمد نعیم خاں سے زبردستی امیر امان اللہ خاں نے ''زینت‌الحرم'' کو طلاق دلوائی تھی ، اس لیے وہ امیر امان اللہ خاں کا سخت مخالف تھا اور موقع ہاتھ آتے ہی اس نے اور اس کے بھائی عبداللطیف نے ترکستان کے لوگوں سے بچہ سقاؤ کے حق میں بیعتہ لینی شروع کر دی تھی ۔ ہمیں زندان ہی میں ان کے آنے کی خبر مل گئی تھی چنانچہ ہم نے ''بندی وان'' کے ذریعے انھیں پیغام بھجوایا کہ وہ آ کر ہم سے ایک دفعہ ملاقات کریں ۔

واضح رہے کہ ہم مہاجرین کی متفقہ سعی و کوشش کے نتیجے کے طور پر ان دونوں بھائیوں کو امیر امان اللہ خاں کے زندان سے نجات حاصل ہوئی تھی ، اس لیے وہ اخلاقاً بھی ہمارے مشکور تھے ۔ چنانچہ دوسرے دن عبداللطیف خاں ارک کے زندان میں ہم سے ملنے کے لیے آیا اور دیکھتے ہی کہنے لگا کہ شکر ہے ۔ کہ میں موقع پر پہنچ گیا ہوں وگرنہ یہاں تو لوگوں نے (میری طرف اشارہ کرتے ہوئے) تمھیں ختم کر دینے کا فیصلہ کر رکھا تھا ۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ کابل میں جو کچھ اس حکومت کے خلاف ہو رہا ہے ۔ وہ سب اس شخص کی ہدایات کے ماتحت ہو رہا ہے ۔

ہماری گرفتاری کے عین دوسرے دن بچہ سقاؤ پر ایک بم پھٹ چکا تھا ۔ اس کا الزام بھی مجھ ہی پر تھوپا گیا تھا ۔ میں نے اسے یقین دلایا کہ ان باتوں میں ہمارا قطعاً کوئی ہاتھ نہیں تھا اور یہ سب انگریزی ایجنٹوں کی ہم پر کذب تراشی تھی ۔

جب عبداللطیف خاں کو واقعی یقین آ گیا کہ میں اس سے سچ کہہ رہا ہوں تو اس نے سب کی نجات کا ذمہ اٹھا لیا ۔

خدا اس کو مغفرت کرے (کیونکہ وہ بعد میں محمد نادر خاں کے حکم سے مارا گیا) اس نے اپنا وعدہ نبھایا ۔ اس نے پہلے تو شیر محمد خاں وزیر دربار کو رام کیا اور پھر بچہ سقاؤ کے دربار میں خم ٹھونک کر کہنے لگا کہ اگر امیر صاحب (بچہ سقاؤ) مجھ پر اعتماد کرتے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ یہ بے گناہ ہیں ۔ میری ضمانت پر انھیں رہا کر دیا جائے ۔

بچہ سقاؤ نے اس کی بات مان لی اور ہماری رہائی کا حکم دے دیا مگر کہا کہ

سب کے سب اپنے گھروں سے نہ نکلیں اگر کوئی باہر دیکھا گیا تو گولی سے مار دیا جائے گا -

چنانچہ ہم ضمانتیں دے کر جیل سے باہر اپنے گھروں میں نظر بند ہو گئے - یہ نظر بندی چھ مہینوں تک طول کھینچ گئی -

صوفی غلام محمد ترک ان دنوں وہیں تھا یہ واقعات اس کے سامنے پیش آئے تھے - اب مزے دار بات سنیے کہ میں پاکستان بننے کے بعد ۱۹۴۹ع میں سرحدات آزاد سے اغوا کر لیا گیا اور ۱۹۶۶ تک خفیہ طور پر افغان جیل میں رہا چونکہ میں بالکل لا پتہ ہو گیا تھا اور کسی جگہ سے بھی میرے زندہ موجود ہونے کی کوئی خبر نہ ملتی تھی ، لہٰذا صوفی غلام محمد ترک نے اپنی سوانح عمری کے طور پر جو کتاب لکھی اور شائع کی اس میں میری زندگی کے بہت سے حادثات اور واقعات اپنی طرف منسوب کر لیے -

میری سیاسی پوزیشن کابل میں اس وقت ایسی تھی کہ جب تک ملک کے حالات کاملاً پر سکون نہ ہو جائیں ، مجھے اپنے متعلق خطرہ ہی خطرہ تھا - اس لیے میں نے سب سے پہلے اپنے بیوی بچوں اور والدہ کو ، صوفی غلام محمد ترک کے ہمراہ واپس بھیجنے کا فیصلہ کیا - چنانچہ کرایہ کشوں کے ایک قافلے کے ساتھ ان کے روانہ کرنے کا بندوبست کیا گیا - یہ لوگ دو ہفتے کے سفر کے بعد بخیر و عافیت پشاور پہنچ گئے -

اب میں اپنے ایک ملازم اور دو مہاجر ساتھیوں کے ہمراہ کابل میں آزاد اور تنہا تھا -

عبداللطیف خاں کوہاٹی اور محمد نادر خاں

سردار محمد نادر خاں اس وقت تک خاموش بیٹھا رہا ، جس وقت تک امان اللہ خاں مغر اور غزنین کے درمیان شکست کھا کر افغانستان سے ہمیشہ کے لیے رخصت نہیں ہو گیا - اس کے بعد اس نے سمت جنوبی میں اپنی سرگرمیاں شروع کر دی تھیں اور وہاں کے اندرونی قبائلی سرداروں کے ساتھ ملک کو بچہ سقاؤ کے ہاتھوں سے نجات دینے کے لیے جرگے کرنے شروع کر دیے تھے - اس کا اثر و رسوخ گردیز تک ہو چکا تھا - یہی وہ وقت تھا جب کہ بچہ سقاؤ نے عبداللطیف کوہاٹی کو مامور کیا تھا کہ وہ گردیز جا کر اس سے بات چیت کرے اور اسے بچہ سقاؤ کی طرف سے یقین دلائے کہ اس کی عزت اور اس کا

عہدہ بحال رکھا جائے گا اور وہ بچہ سقاؤ کے مشیر اعلیٰ کی حیثیت میں سلطنت کے امور میں اس کا شریک کار رہے گا ۔

پھر بچہ سقاؤ نے خفیہ طور پر عبداللطیف خان کوہاٹی کو یہ ہدایت بھی کر رکھی تھی کہ اگر محمد نادر خان اس کی بات نہ مانے تو وہ احمد زی قبائل کو جہاں وہ اس وقت موجود تھا ، اکسا کر اُسے بھی گرفتار کرنے کی کوشش کرے ۔

ظاہر ہے کہ محمد نادر خان سپہ سالار اور مولوی اللہ نواز خان نے اس کی پیشکش کو قبول نہ کیا اور جب وہ ان کے برخلاف سازش میں مصروف نظر آیا تو انھوں نے پیش دستی کرکے اپنے آپ کو اس کی سازش کی شر انگیزی سے محفوظ کر لیا ۔

طرفین میں یہی وہ بغض و رنج تھا ، جس نے محمد نادر خان کی کامیابی پر عبداللطیف خان اور اس کے بھائی کو قتل و موت کی مصیبت سے دو چار کیا اور گو ہم نے ان کی جانیں بچانے کے لیے لاکھ جتن کیے مگر کامیاب نہ ہو سکے ۔

کابل میں ہماری سرگرمیاں

کابل میں بچہ سقاؤ نے نو مہینوں تک حکومت کی ۔ اس دوران کابل میں امیر امان اللہ خان کے ہوا خواہوں اور اعلیٰ عہدے داروں کی قلابازیوں کے وہ وہ نظارے دیکھنے میں آئے کہ جن سے چشم حیرت و عبرت بار بار بھڑک اٹھے ۔ تاہم ایسے نوجوانوں کی کمی نہ تھی جو افغانی ننگ و عزت سے مملو ہوکر بچہ سقاؤ کی حکومت کو ختم کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگانے کو تیار تھے ۔ میں جیل سے نکل کر ایسے افراد کی ٹوہ میں لگ گیا ۔

ہماری خلاصی کے دوسرے یا تیسرے ہفتے شیر محمد خان وزیر دربار نے ہم سب مہاجرین کو اپنی جائے رہائش پر مدعو کیا ۔ پہلے چائے سے ہماری تواضع کی پھر اٹھ کر ایک تقریر کی جس کا لب لباب یہ تھا کہ مہاجرین ہمارے بھائی ہیں اور ہم ان کے علم و فضل اور تجربہ و سیاست سے پوری طرح فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں ۔ حالات ذرا پر سکون ہو لیں ہم انھیں بڑے بڑے ذمے داری کے عہدے دیں گے اور ان کی خدمات سے بھر پور فائدہ اٹھائیں گے ۔ امید ہے کہ آپ مہاجرین بھی سب مل کر ہم سے تعاون کریں گے اور ہماری حکومت کے ہاتھ مضبوط کرنے میں ہماری مدد کریں گے ۔ اس کے بعد اس نے ایک حاضر باش سے کچھ اشارہ کیا ۔ وہ ایک پطنوس اٹھا لایا جسے اس نے

پارے سامنے کی ایک میز پر رکھ دیا پھر اس نے سر پوش اٹھا دیا اور شیر محمد خاں وزیر دربار نے ہم سے مخاطب ہوکر کہا یہ آپ کی میوہ خوری کے لیے ہے ۔ آپ اسے قبول کر لیں۔۔اس میں خالص چاندی کے سکوں کے تین سو روپے تھے ۔

گویا یہ افغانی رسم و رواج کے مطابق ایک اعزاز تھا جو ہمیں دیا گیا ۔ حکیم محمد اسلم نے ایک نظر روپوں پر ڈالی اور دوسری نظر سے مجھے دیکھا ۔ میں نے کہا کہ ہاں اٹھا لو ۔

میں نے وزیر دربار کا شکریہ ادا کیا اور خیر و عافیت سے گھروں کو لوٹے اس کے بعد ہم نے خانہ نشینی کی پابندی کی زیادہ پرواہ نہ کی ۔

ہم سپہ سالار محمد نادر خاں پر بچہ سقاؤ کو ہر گز ترجیح نہیں دے سکتے تھے ۔ اس لیے یہ ہم سے ممکن نہ تھا کہ ہم شیر محمد خاں کی باتوں پر کان دھرتے اور چونکہ ہم ہر حال میں غازی محمد نادر خاں کی مدد لازمی تھی ، اس لیے ہم باوجود پابندیوں کے پر سکون نہ رہ سکتے تھے ۔ سوائے معدودے چند مہاجرین کے باقی سب آہستہ آہستہ خفیہ طور پر محمد نادر خاں کے کیمپ میں پہنچنا شروع ہوئے ۔ بچہ سقاؤ کی فوجوں اور محمد نادر خاں کے جمع کردہ قومی لشکروں میں جو ایک آدھ جھڑپ ہوئی ، اس میں بعض قبائل کی دو دلی کی وجہ سے قومی لشکروں کو چنداں کامیابی نہ ہوئی ۔ محمد نادر خاں کو اپنا کیمپ خوست کے مقام تک پیچھے ہٹانا پڑا ۔ سمت جنوبی کے غالب حصے پر بچہ سقاؤ کی فوجیں چھا گئیں اور یہ گمان ہو رہا تھا کہ شاید محمد نادر خاں مزید پسپا ہو کر جلد ہی انگریزی علاقے میں داخل ہو جانے پر مجبور ہو جائے ۔

اس رجعت قہقری کو بدلنے کے لیے کابل میں ایک سخت کاروائی کرنے کی ضرورت تھی ، میں اس کے لیے جاں نثارانہ طور پر تیار ہوگیا ۔ سب سے پہلے میں نے اپنی والدہ اور اپنی بیوی بچوں کو صوفی غلام محمد ترک کے ساتھ پشاور کی طرف روانہ کر دیا ۔

قارئین گمان نہ کریں کہ یہ کوئی معمولی کام تھا ۔ میری بیوی کی گود میں اس وقت تین شیر خوار بچے تھے ؛ ایک چالیس روزہ لڑکی آئینہ خانم ، جمیلہ خانم پانچ سالہ اور سعیدہ خانم نو سالہ ۔ ان کی سواری کے لیے کوئی موٹر کار نہ تھی ۔ گھوڑا گاڑی نہ تھی ۔ صرف قافلے کے اندر خچریں تھیں ۔ جن میں سے ایک پر دو جانب کجاوے بندھے ہوئے تھے ۔ ایک جانب میری بیوی اور تین بچے اور دوسری جانب میری والدہ اور دو

بچوں کو بیٹھنا تھا ۔ ان کجاؤں کے اندر بیٹھ کر سفر کرنا بجائے خود ایک پر درد اور صبر آزما کام تھا اور جب ان خچروں کو راہ سے ہٹ کر پہاڑوں کی پگڈنڈیوں کے نشیب و فراز سے گذرنا پڑتا ۔ جس میں ہر آن قتل و غارت گری کا خوف دامن گیر ہو سکتا تھا اور کابل سے تورخم تک پورے ایک سو چالیس میل کے لمبے راستے میں کبھی بھی امن و امان موجود نہ تھا اور شیر خوار بچوں کے لیے راستے میں دودھ تک کا میسر آنا بھی اک امر محال سا نظر آتا تھا اور سفر بھی پورے دو ہفتوں میں طے ہونا تھا تو ایسے سفر کا اذن و فتویٰ کوئی ایسا مجنوں حال قلب ہی دے سکتا تھا جسے اپنے خاندان کے نیست و نابود ہو جانے کی کوئی پرواہ نہ ہو ۔ بہر حال جو فتویٰ بھی مجھ پر لگایا جائے مجھے یہ کام کرنا تھا کیا ۔ اب میں فارغ ہوکر اصل کام کی طرف متوجہ ہو گیا ۔

ہمیں محمد نادر خاں سپہ سالار اور اس کے بھائیوں کی سرگرمیوں کے متعلق اس وقت جو خبریں آ رہی تھیں وہ متوحش کن تھیں ۔

ان تاریک اور مایوس کن حالات میں میں نے افغان نوجوانوں سے مل کر جن میں بیشتر عنصر فوجی افسروں کا تھا ، اسکیم بنائی کہ کابل اور اس کے مضافات میں عام انقلاب برپا کر کے پہلے بچہ سقاؤ سے مرکزی حکومت کا پایہ تخت چھین لیا جائے ۔

بچہ سقاؤ کے پہلے حملہ کابل کے وقت امیر امان اللہ خان کے حکم سے پایہ تخت کے لوگوں کو مسلح کیا جا چکا تھا ۔ ان کے پاس میگزین بھی کافی تھا ۔ اس کے علاوہ ہزارہ فوج کا وہ عنصر جو کابل میں بچہ سقاؤ کے آخری حملے کے بعد منتشر ہوا تھا ، وہ بھی کابل کے مضافات میں گم صم موجود تھا ، لہذا ہمیں انقلاب کی آمادگی کے لیے جو کام کرنا تھا ، وہ صرف اسی قدر تھا کہ ہم کابل شہر کو متعدد سیکٹروں میں تقسیم کرکے انھیں علیحدہ علیحدہ فوجی افسروں کی کمان میں دے دیں تاکہ کسی ایک موزوں وقت ایک دم بزن عام بول دیا جائے ۔

ہم نے اس کے لیے ایک خفیہ فوجی تنظیم کی بنا ڈالی ۔ جو بڑے صبر و سکون کے ساتھ اس کام کو بتدریج انجام دے ۔ اس وقت میدان میں بادشاہت کے دو دعوے دار تھے: ایک سردار علی احمد جان جسے نوجوان طبقہ بالکل نہ چاہتا تھا ، دوسرا محمد نادر خاں جو اگرچہ نوجوانوں کے فکر و خیال میں بادشاہت کا دعوے دار تھے ، تاہم اس نے ابھی

اپنی بادشاہت کے سوال کو ہرگز نہیں اٹھایا تھا ۔ جو قبائل اس کے ساتھ تھے ، ان سے وہ یہی کہتا تھا کہ پہلے پایہ تخت اور افغانستان کو چوروں سے نجات حاصل ہو پھر سب اہل افغانستان مل کر لوئے جرگہ میں جسے ملک کی زمام حکومت سپرد کریں اسی کے نام کا سکہ و خطبہ جاری ہو ۔

وہ تمام افغانی نوجوان جو میرے ساتھ مل کر اس وقت کام کر رہے تھے ، سب کے سب افغانستان کے لیے پارلیمنٹری حکومت چاہتے تھے جسے وہاں کی اصلاح میں "مشروط حکومت" کہتے تھے اور چونکہ وہ مجھے جانتے تھے کہ میں محمد نادر خاں کی شخصیت کے علاوہ اور کسی کو پسند نہیں کرتا اس لیے ان کا سمجھوتہ میرے ساتھ یہی تھا کہ اگر محمد نادر خاں کامیاب ہو جائے تو یہ میرا ذمہ ہو گا کہ میں افغانستان میں اس کے ذریعے مشروط حکومت کا اعلان کرواؤں ۔

قارئین پر واضح رہے کہ میں نے یہ ذمہ داری یونھی اپنے سر پر نہیں لی تھی بلکہ جس دن مولوی اللہ نواز خاں اور سردار شاہ محمود خاں نے مجھ سے روسیوں کی مدد طلب کی تھی ، میں نے اس شرط کو ان کے سامنے رکھا تھا اور انھوں نے محمد نادر خاں کی طرف سے اس شرط کو اپنی ذمہ داری پر قبول کر لیا تھا ۔ چنانچہ میں نے اس وقت سے اس کا چرچا افغان نوجوانوں اور سیاست دانوں میں شروع کر دیا تھا تاکہ محمد نادر خاں کی شخصیت کے لیے افغانستان میں کامیابی کی راہ ہموار ہو ۔

سردار شاہ محمود خاں جو بعد میں وزیر اعظم سلطنت بھی ہوئے ۔ اس وقت زندہ موجود نہیں ہیں ، لیکن مولوی اللہ نواز خاں غالباً زندہ ہیں ۔ نیز افغانستان کے چوٹی کے سیاست دانوں میں سردار عبدالہادی خاں داوی جو اس وقت مجلس اعیان مملکت کے صدر ہیں اور سردار فیض محمد خاں جو ترک کے سفیر اور افغانستان کے وزیر خارجہ بھی رہ چکے ، ہیں زندہ موجود ہیں اور کچھ اور لوگ بھی ہیں جن کا نام میں یہاں نہیں لے رہا ۔ یہ سب اس بات کی شہادت دیں گے کہ یہ واقعہ اسی طرح پر ہے ۔

غازی محمد نادر خاں کی غائبانہ مدد ۔

پہلے کہا جا چکا ہے کہ غازی محمد نادر خاں مایوس کن حالات میں گردیز سے خوست کی طرف جا چکا تھا ۔ گردیز پر بچہ سقاؤ کا قبضہ ہو چکا تھا اور اب وہ اس کام میں مصروف تھا کہ خوست کی طرف بڑھنے سے پہلے سمت جنوبی کے اس حصے کے قبائل

کو جو اس کے قبضے میں آ چکا تھا ، پوری طرح اپنے بس میں کر لے اور پھر آگے بڑھے ۔ دوسری طرف غازی محمد نادر خاں بھی اس کوشش میں تھا کہ منگل اور جدران کے قبائل کو جو اس کے طرف دار تھے اپنے سے کٹ کر علیحدہ نہ ہونے دے ۔ نہ اس کے پاس اس وقت کوئی پیسہ تھا اور نہ حکومت ہی اس کے ہاتھ میں تھی ۔

جو دو ایک لاکھ کا حقیر سرمایہ محمد نادر خاں اور اس کے بھائیوں کے پاس تھا وہ خرچ ہو چکا تھا ۔ پشاور کے دوا فروش نے قسمت آزمائی کے طور پر اسے تیس ہزار روپے کلدار امداد یا قرض کے طور پر بھیجے تھے ۔ یہی کل اس کا سرمایہ تھا جو خوست پہنچنے پر اس کے پاس باقی رہ گیا تھا ۔ ان حالات میں اس کی آخری نگاہ امید صرف آزاد سرحدات کے ان قبائل پر تھی جو سمت جنوبی سے متصل آباد تھے یعنی وزیرستان کے وزیری ۔

للہذا اپنے مایوس کن حالات میں اس نے خوست سے وزیریوں کے پاس جرگہ بھیجا کہ ننگ و ناموس افغانی کے نام پر اس کی مدد کریں اور جس قدر مسلح قومی لشکر وہ اس کی حمایت کے لیے بھیج سکیں اس سے اعتراض نہ کریں ۔ بد قسمتی سے یہ جرگہ وزیریوں کے پاس جب پہنچا تو انھوں نے محمد نادر خاں کی کامیابی پر شک کرتے ہوئے آنے سے صاف انکار کر دیا ۔

اس انکار کے بعد اب محمد نادر خاںؒ کے لیے کچھ باقی نہ رہا تھا ۔ وہ بڑی حسرت اور مایوسی کے ساتھ ہندوستان میں اپنے اور اپنے بھائیوں کے لیے انگریزی حکومت ہند سے سیاسی پناہ ڈھونڈھنے کے متعلق سوچ رہا تھا ۔ ایسے نازک ترین اور آڑے وقت پر اگر کوئی اس کے کام آیا تو وہ ہم مہاجرین ہی تھے ۔ جن کا اثر و رسوخ اپنی انقلابی جد و جہد کی وجہ سے وزیرستان تک میں پھیلا ہوا تھا ۔ للہذا مولوی اللہ نواز خاں خود گیا اور مہاجرین کے اعتماد کی ذمہ داری پر وزیری قبائل کو غازی محمد نادر خاں کی امداد کرنے پر ابھار آیا ۔ چند ہی دنوں میں تین ہزار وزیری لشکر غازی محمد نادر خاں کی امداد کو آ موجود ہوئے جس سے محمد نادر خاں کی ڈھارس بندھ گئی اور وہ قبائل جو اس کی حمایت میں ڈھل مل یقین ہو رہے تھے حوصلہ مند ہو کر قوی دل کے ساتھ اس کے ساتھی بن گئے ۔

اس جگہ بے شک غازی محمد نادر خاں کی جنگی بصیرت کام کر گئی ۔ اس نے تین ہزار وزیریوں کے لشکر کو اپنے بھائی جرنیل شاہ ولی خاں کی ماتحتی میں دے دیا

اور اسے حکم دیا کہ وہ پہاڑی دروں اور وادیوں کو رات کی تاریکی میں عبور کرتا ہوا اور گردیز کی قلعہ بندیوں کو چھوڑتا ہوا نہایت مخفی طور پر سیدھا کابل کی طرف رخ کرے اور لوہگڑ میں اتر جائے ، جہاں سے کابل تک صرف چالیس پچاس میل کا فاصلہ رہ جاتا ہے -

وزیریوں کے آ جانے پر غازی محمد نادر خاں نے منگل اور جدران قبائل پر شتمل ایک دوسرا لشکر تیار کیا اور اسے ہمارے عبداللہ شاہ جی کی ماتحتی میں دیا اور سے حکم دیا کہ وہ سردار شاہ ولی خاں سے پہلے گردیز پہنچ کر رات کی تاریکیوں سے ائدہ اٹھاتے ہوئے وہاں کی قلعہ بندیوں کا محاصرہ کر لے اور فائرنگ شروع کر دے تا کہ چہ سقاؤ کی فوجیں جو ان قلعہ بندیوں میں موجود ہوں اچانک اس حملے سے مدافعانہ وزیشن میں ہو جائیں جب تک کہ سردار شاہ ولی خاں اپنی تین ہزار فوج کے ساتھ وہاں ے گزر جائے -

یہ تدبیر کار گر رہی عبداللہ شاہ جی اگرچہ خود جنگی سپاہی نہ تھا لیکن اس ے ہمت کر کے اس کارنامہ کو کر ڈالا - وہ بڑی بے جگری اور شجاعت کے ساتھ گردیز ی جانب بڑھا اور جاتے ہی اس کا محاصرہ کرنے میں کامیاب ہو گیا - سقاوی فوجوں کا انڈر ایک مشہور ڈاکو پرول خاں تھا - اس نے لاکھ لاکھ جتن کیے مگر وہ محاصرہ کو توڑ سکا - اتنے میں جرنیل شاہ ولی خاں وزیری لشکروں کے ساتھ کابل میں پہنچ گیا - لشکر آتے ہی کابل کے اطراف میں پہاڑوں پر پھیل گیا اور رات کی تاریکی میں اس نے ھا دھند فائرنگ شروع کر دی - بچہ سقاؤ اسی وقت قلعہ بند ہو گیا اور اس نے بھی ف کے اندر سے بغیر ہدف کو معلوم کیے ہر طرف آتشباری شروع کر دی تمام رات فین سے شدید آتشباری ہوتی رہی ، یہاں تک کہ صبح دم کابل میں بچہ سقاؤ کے جو بھی اظتی انتظامات تھے ، وہ اپنی اپنی جگہیں چھوڑ کر منتشر ہو گئے - صبح کابل کا شہر ؛ ہو چکا تھا مگر ارک پر بدستور بچہ سقاؤ کی فوجوں کا قبضہ تھا - کابل کے اطراف ایک اور قلعہ بھی تھا جسے جنگی قلعہ کہتے تھے یہ انگریزوں کے زمانے کا بنایا ہوا - یہاں بھی بچہ سقاؤ کی محافظ فوج تھی اور جرنیل شاہ ولی خاں کی فوج ان قلعوں کے پاس مختلف جگہوں پر پھیلی ہوئی تھی -

ہم انقلابیوں نے صبح سویرے ہی اپنے گھروں سے نکل کر ایک دوسرے کو ک باد دینی شروع کر دی اور اپنی نجات پر خوشیاں منانے لگے -

صبح ہوتے ہوتے شہر اور مضافات میں بچہ سقاؤ کی فوجی پوسٹیں اور پکٹیں جہاں جہاں بھی تھیں ، خوف سے خود بہ خود منتشر ہوکر نو دو گیارہ ہوگئیں اور جب دس بجے کے قریب ہمارے فوجی افسروں کی ہمت سے ''توپ قلعہ'' سے ارک پر توپوں نے گولے برسانے شروع کر دیے تو اتفاق سے ایک گولہ ارک کے میگزین میں جا گرا ۔ جس سے میگزین میں آگ لگ گئی ۔ پھر کیا تھا ۔ بچہ سقاؤ میں ہمت نہ رہی کہ وہ مزید مقاومت کر سکتا ۔ اس نے ایک بار باہر نکل کر جنگی قلعے سے وزیری لشکریوں سے دو گھنٹوں تک زبردست جنگ کی اور ان کے پاؤں میدان سے اکھاڑ دیے ۔ لیکن شام ہوتے ہی وزیری پھر اپنی پہلی پہاڑی پوزیشنوں میں آ کر جم گئے اور اب وہ تنہا نہ تھے بلکہ سارا کابل اور ان کے ساتھ کابل اور مضافات کے من چلے نوجوان بھی ان کے ساتھ ہوگئے تھے اور یہ خبریں آناً فاناً ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچنی شروع ہوگئی تھیں کہ کابل میں وزیری لشکر پہنچ گئے ہیں ، ارک کے میگزین میں آگ لگ گئی ہے اور بچہ سقاؤ محصور ہو چکا ہے ۔ اس خبر کے پھیلتے ہی وہ لوگ بھی جو بچہ سقاؤ کی حکومت سے بیعت کر چکے تھے ، اس سے منحرف ہوکر نادر خاں کے لشکریوں سے آ کر مل گئے ۔ بہتیرے لوٹ مار کی طمع سے بھی آ موجود ہوئے ۔ غرضیکہ دیکھتے ہی دیکھتے بچہ سقاؤ کی قسمت کا پانسہ پلٹ گیا ۔ وہ کابل کے ارک میں تین طرفوں سے گھر چکا تھا ۔ اس کا ساتھی سید حسین ترکستان میں ایک ماہ کی مسافت پر اس سے دور تھا جو اگر اس تک پہنچنا بھی چاہتا تو نہ پہنچ سکتا تھا ۔ اس کا واقعی ایک قابل اور معتمد سپہ سالار پردل خاں تھا لیکن وہ گردیز میں محصور ہو چکا تھا ۔ اس کے لیے صرف ایک راہ کھلی تھی اور وہ سمت شمالی یعنی اس کے وطن کی طرف جانے کی راہ تھی ۔ جہاں اگر وہ چلا بھی جائے تو بھگوڑا کہلا کر ہی جا سکتا تھا اور افغانستان کا دستور یہ ہے کہ بھگوڑوں کو پھر پناہ نہیں دیتے ۔ اگر ارک کے میگزین میں آگ نہ لگتی تو شاید وہ ارک سے بھاگ کر نکل نہ جاتا ارک کا مشرقی حصہ قریباً سارے کا سارا ہر قسم کے بے شمار میگزین اور اسلحہ سے پر تھا ابھی آگ توپوں کے بڑے بڑے گولوں کارتوسوں کی پیٹیوں اور ڈائنامیٹ اور بموں کے ذخائر تک نہ پہنچی تھی اور ایک حصے سے دوسرے حصے تک آگ کے جلد پھیلنے میں ہوا کے رخ میں جلد جلد تبدیلی مانع ہو رہی تھی ۔ بچہ سقاؤ کا کابل کو فتح کرنا بھی ایک معجزہ تھا اور بچہ سقاؤ کا کابل سے بچ کر بھاگ نکلنا بھی ایک معجزہ تھا ، جسے دیکھنے والی آنکھ ہی کچھ صحیح طور پر محسوس کر سکتی تھی ۔

سردار شاہ ولی خاں کی شہامت و شجاعت

سردار شاہ ولی خاں سے مجھے نا دانستہ کچھ تکلیف پہنچی ہے ۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں اس کی تعریف نہ کروں ۔ اگر محمد نادر خاں کے بعد اس کے کسی بھائی کے ساتھ مجھے زیادہ رغبت تھی تو وہ بھی سردار شاہ ولی خاں تھا ۔ یہ اپنے بڑے بھائی کی طرح وجیہ ، خوش خلق ، متین و بردبار تھا ۔ اس کی شجاعت اور حوصلہ مندی کا مرقع اس دن دیکھنے میں آیا ، جس دن کابل پر اس کے ماتحت وزیری لشکروں نے قبضہ کر لیا تھا اور بچہ سقاؤ ارک میں محصور ہو چکا تھا ۔ خاندان نادر کے اہل و عیال بچہ سقاؤ کے قبضے میں ارک کے اندر محبوس تھے اور ہر آن خطرہ محسوس ہو رہا تھا کہ کہیں ضد اور دشمنی میں آ کر بچہ سقاؤ انھیں کوئی گزند نہ پہنچا دے ۔ فاتح کابل شاہ ولی خاں کے حکم سے باغ عمومی میں ارک کے عین سامنے کوئی دو فرلانگ کے فاصلے پر توپیں نصب کردی گئی تھیں اور سردار شاہ ولی خاں کی آمد آمد کا انتظار ہو رہا تھا کہ وہ حکم دے تو توپوں کے دھانے کھول دیے جائیں تا کہ ارک کی دیوار مسمار ہو اور فوجیں آگے بڑھیں اور لڑ بھڑ کر ارک پر قبضہ کر لیا جائے ۔ میں اس موقع پر خود وہاں موجود تھا ۔ اتنے میں سردار ولی خاں چند افسروں کے جھرمٹ میں جھومتا ہوا آیا اور توپ کے سر پر آ کھڑا ہو گیا ۔ ایک افسر نے آگے بڑھ کر کہا کہ کیا حکم ہے ۔ ہم نے اب تک اس لیے گولہ باری شروع نہیں کی کہ ارک کے اندر خاندان نادری کا ناموس موجود ہے اور ہم پر ان کی حفاظت اور ان کا بچانا فرض ہے ۔ اس پر سردار شاہ ولی خاں نے اس افسر سے مخاطب ہو کر کہا کہ آج ہماری ملت کا ناموس اور ہمارے خاندان کا ناموس دونوں خطرے میں ہیں ۔ میں آج اپنی ملت کے ناموس کو بچاؤں گا ۔ خواہ ہمارا اپنا ناموس بچ سکے یا ہلاک ہو جائے اور پھر تن کر کہا کہ ہاں گولہ باری شروع کر دو ۔

ایک دو تین یکے بعد دیگرے تین فائر کیے گئے ۔ تیسرے گولے نے دیوار میں شگاف پیدا کر دیا ۔

اور پھر معاً دیکھا گیا کہ ارک پر سفید جھنڈا لہرایا گیا ۔ یہ نشان تھا کہ بچہ سقاؤ تسلیم ہونا چاہتا ہے ۔ فائر بند کر دیے گئے ۔ ارک سے دو افسر جھنڈیاں لیے ہوئے باہر آئے ۔ ان کے ساتھ سردار شاہ ولی خاں کا ایک ہمشیر زادہ بھی تھا ۔ بچہ سقاؤ نے اس کے ذریعہ اپنے اور اپنے اہل و عیال اور اپنے ساتھیوں کے لیے امان طلب کی تھی

اور وہ شرطیں جو فاتح پیش کرنا چاہے - گویا بچہ سقاؤ اور خاندان نادر کے درمیان عارضی صلح برقرار ہو چکی تھی اور اب شرطیں طے ہونا باقی تھیں تا کہ اس کے بعد بچہ سقاؤ افغانستان کی سلطنت خاندان نادر کے سپرد کر دے -

کوئی دو گھنٹے کے اندر اندر شرطیں بھیج دی گئیں - بچہ سقاؤ اور اس کے ساتھیوں کو امان دینا منظور کر لیا گیا اور اب بچہ سقاؤ کی طرف سے آخری جواب کا انتظار کیا جانے لگا۔

امان اللہ خاں کے صحنہ سیاست سے چلے جانے کے بعد ہماری مضبوطی کے ساتھ رائے یہی تھی کہ افغانستان کو خانہ جنگی کی آگ سے بچا لیا جائے اور اس کے بچنے کی صرف یہی ایک صورت تھی کہ غازی محمد نادر خاں افغانستان کے تخت سلطنت پر قابض ہو جائے - پس ہم دل و جان سے غازی محمد نادر خاں کے طرف دار اور اس کی کامیابی کے لیے کوشاں تھے -

مگر روسی طرز تفکر بچہ سقاؤ کو میدان میں غالب دیکھ کر اس کی طرف جھک رہا تھا اور وہ بجائے اس کے کہ محمد نادر خاں کی شخصیت کو بچہ سقاؤ کے مقابلے میں وزن کرتے - اسے اب تک انگریزوں کا ایک نمائندہ سمجھ رہے تھے اور بچہ سقاؤ کو عمومی انقلاب کا ایک ہیرو -

روسیوں سے میرا اختلاف اسی نقطہ سے شروع ہوا جو بڑھتے بڑھتے میرے اور ان کے درمیان ایک خلیج بن گیا -

محمد نادر خاں کی کامیابی پر میں نے اس کے چند قلمی خط کسی طرح حاصل کر کے روسی سفارت کو عکس برداری کے لیے بھیج دیے تا کہ روسی حکومت معلوم کر لے کہ پیرس سے کابل کے تخت تک پہنچنے میں انگریزی حکومت نے محمد نادر خاں کی کوئی امداد نہ کی تھی اور یہ کہ وہ اسے انگریزی نمائندہ سمجھنے میں سخت غلطی پر تھے -

افغانستان کی داخلی شورش و انقلاب کے دوران ہندوستان کی آزادی کے متعلق ہماری تنظیمات کا سارا نظام درہم برہم ہو چکا تھا - میرا روسیوں کے ساتھ اختلاف بھی ہوچکا تھا - محمد نادر شاہ کے سرپر آرائے سلطنت ہونے سے کچھ نئے مسائل بھی پیدا ہوچکے تھے - جن کی روشنی میں حالات کا نئے سرے سے جائزہ لیا جانا ضروری تھا اور

چونکہ اس کے بعد میں نے خود بھی ہندوستان کی واپسی کا عزم کر لیا تھا - اس لیے روسیوں سے تجدید تعلقات کی ضرورت ہی نہ سمجھی گئی - نہ میں نے کوشش کی اور نہ ان کی طرف سے اس ضمن میں کوئی سلسلہ جنبانی ہوئی -

محمد نادر خاں کا دورۂ کابل

ارک پر گولہ باری کے دوسرے دن بچہ سقاؤ اپنے خاندان اور معتمدین سمیت ارک کے عقبی دروازے سے کوہستان سمت شمالی کی طرف فرار ہو چکا تھا - اس کی فراری کی اطلاع سردار محمد نادر خاں کو لوہگڑ میں دی گئی اور وہ وہاں سے اپنے ارد گرد جمع شدہ قبائلی لشکروں اور ان کے ملک اور خوانین کی معیت میں فاتحانہ داخلہ کے لیے کابل کی طرف چل پڑا - ہم نے دارالامان کی سڑک پر آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا اور ''ناجیٔ افغانستان زندہ باد'' کہہ کر اس کے نام کے نعرے لگائے - کوئی بات خفیہ تھی جو ملک کے خوانین اور خاندان نادر کے درمیان طے پا چکی تھے - جسے اس وقت صیغۂ راز میں رکھا گیا تھا عام طور پر کابل کے انقلابی عناصر کا گمان یہ تھا کہ محمد نادر خاں کے فاتحانہ ورود کابل کے بعد کل افغانستان کے نمائندوں کا ایک جرگہ بلایا جائے گا جس میں آئندہ کے لیے محمد نادر خاں کی قیادت تلے مشروط یعنی پارلیمانی طرز کی حکومت کا اعلان کیا جائے گا - لیکن بر خلاف اس مذکورہ ظن و گمان کے محمد نادر خاں اپنے ہمراہیوں سمیت فوجی ہیڈ کوارٹر کی طرف جانے کے بجائے سیدھا ''سلام خانہ'' کی طرف گیا اور پہنچ کر ایک مہاجر مولوی فضل ربی نے جو مانسہرہ کے علاقے کا رہنے والا تھا - مولوی اللہ نواز خاں کے ایماء پر کھڑے ہو کر محمد نادر خاں کی بادشاہت کا اعلان کر دیا - مولوی فضل ربی کی تقریر میں کہا گیا کہ ملک کے اندر امن و سکون قائم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے نئی مرکزی حکومت کا قیام عمل میں لایا جائے - اس لیے میں (مولوی فضل ربی) سب سے پہلے اعلیٰحضرت محمد نادر شاہ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں - اس کی بیعت کے بعد اور سب لوگوں نے جو اس وقت سلام خانے میں موجود تھے، یکے بعد دیگرے بیعت کی اور اعلیحضرت محمد نادر شاہ کی بادشاہت کا اعلان شام سے پہلے پہلے کابل اور اس کے اطراف میں پھیل گیا -

مجلس امدادیۂ ملی کا قیام

ہم نے فوراً ہی منظم طریق پر اپنی خدمات پیش کرنے کے لیے ایک ملی ادارہ قائم کیا، جس کا نام مجلس امدادیۂ ملی رکھا - غنڈمشر (بریگیڈ) غلام دستگیر خاں قلعہ بیگی

اس مجلس کا رئیس قرار پایا اور مجھے اس کا سیکرٹری جنرل بنایا گیا ۔

ہم نے اعلان کر دیا کہ حکومت کا اسلحہ اور ہر شے جو لوگوں کے پاس ہو وہ مجلس امدادیہ ملی میں آ کر جمع کروائی جائے اور جن لوگوں پر کچھ ظلم ہوا ہو اس کی رپورٹ بھی مجلس امدادیہ ملی کو دی جائے ۔

اس کے بعد ہم نے اس مجلس کے فروغ کے لیے ایک قومی ہفتہ تجویز کیا اور تمام مشرقی اور انقلابی عناصر کو اس میں ضم کر لیا اور بالآخر اعلحضرت محمد نادر شاہ کی حکومت پر اعتماد کی تجویز منظور کرنے کے لیے ملت کا ایک کھلا اجلاس طلب کیا جس کی صدارت سردار عبدالهادی خان داوی نے کی اور جس میں فاتح کابل مارشل شاہ ولی خان کو بطور مہمان خصوصی کے مدعو کیا گیا ۔ یہ کھلا اجلاس باغ عمومی کابل میں منعقد ہوا ۔

اسی اجلاس میں لوگوں نے میری خدمات کو مد نظر رکھتے ہوئے مجھے ''عزیز افغان'' کا لقب عطا کیا ۔ در اصل یہ لقب مجھے ہفتہ ملی کے آغاز پر دیا گیا تھا ۔ اس اجلاس میں اس کی مزید توثیق کی گئی ۔

مجلس امدادیہ ملی کے ارکان کی حضور شاہ میں باریابی

ہماری خدمات کا چرچا ملت میں بہت جلد پھیل گیا ۔ اعلحضرت محمد نادر شاہ نے قصر دل کشا میں اراکین مجلس سے ملاقات کی اپنے ساتھ فوٹو کھنچوائے ۔ اخبار اصلاح میں میری خدمات کا ذکر کیا گیا اور ساتھ ہی ''عزیز افغان'' کے لقب پر مجھے مبارک باد دی گئی ۔

انقلاب افغانستان کا مجھ پر اثر

یقیناً ہم مہاجرین نے افغانستان کو مزید داخلی شورشوں میں مبتلا ہونے سے بچا لیا تھا ۔ ان اوراق کے مطالعہ کرنے والے اس حقیقت کو درک کرنے میں ناکام نہیں رہیں گے کہ شروع سے آخر تک افغانستان کو نجات دینے کی مہم میں خاندان نادر نے جس گروہ پر سب سے زیادہ اعتماد کیا ، وہ ہم مہاجرین کا گروہ تھا ۔ گویا مہاجرین اور خاندان نادر کسی ایک متفقہ مقصد کے حاصل کرنے کے لیے دوش بدوش کام کر رہے تھے ۔ وہ متفقہ مقصد صرف افغانستان کی نجات نہ تھا بلکہ اس مقصد کے دور نما میں ہندوستان کی آزادی کا حصول بھی مضمر تھا ۔

یہاں مجھ سے کوہ ہمالیہ جتنی بڑی غلطی ہوئی ۔ میں نے ایسے وقت میں ہندوستان کی واپسی کا عزم باندھا ۔ جب کہ مجھے افغانستان میں رہنا چاہیے تھا ۔ تمام افغانی نوجوان عنصر نے دم گرفتگی کے ساتھ اس عزم کو دیکھا ، لیکن میں اعلیحضرت محمد نادر شاہ سے عہد لے کر ہندوستان واپس آیا تھا کہ وہ ہندوستان کے انقلاب میں میری ویسے ہی مدد کرے گا جیسی کہ ہم نے اسے تخت افغانستان پر بٹھانے کے سلسلے میں کی ہے ۔ اس نے صاف لفظوں میں ہم مہاجرین کو یقین دلایا تھا کہ اس کی حکومت افغانوں کی حکومت نہیں بلکہ مہاجرین کی حکومت ہے اور شاید خدا اگر اسے اور زندگی بخشتا تو وہ اپنے اس مذکورہ قول کو نباہ کر ہی دم لیتا ۔ یہ اس لیے کہ وہ تاریخ عالم میں اپنا ایک بلند مقام چھوڑنا چاہتا تھا ۔

ہم مہاجرین کو خاندان نادر سے بھی ویسے ہی توقعات تھیں ، لیکن افسوس ہے ہماری وہ توقعات پوری نہ ہو سکیں ۔

اعلیحضرت محمد نادر شاہ سے میری آخری ملاقات

افغانستان کے انقلاب نے میری طبیعت پر جو اثرات مرتب کیے ، ان کے ماتحت ہندوستان کی آزادی کے متعلق میری حس شدید طور پر تیز اور تند ہو چکی تھی ۔ بین الاقوامی حالات کچھ اس قسم کے تھے کہ میرا اندازہ تھا کہ دوسری عالم گیر جنگ ۱۹۳۵ء میں شروع ہو جائے گی اور اس سے پہلے کہ جنگ شروع ہو ، ضرورت اس امر کی تھی کہ ہندوستان کے انقلابی عناصر سے مل کر باہم متحدہ پلیننگ کی جائے اور اس کے لیے رو در رو ملاقاتوں کی ضرورت تھی ۔ میرے واپس ہندوستان جانے میں البتہ یہ خطرہ موجود تھا کہ انگریزی حکومت مجھے غالباً آزاد نہ چھوڑے گی اور مجھے قید و بند کا سامنا ضرور کرنا پڑے گا ، لیکن آزادی کے حصول کی تیز و تند حسیات کے سامنے میں اسے خاطر میں نہ لا سکا ۔ مجھے یقین تھا کہ افغانستان تمام و کمال میری پشت پر ہو گا اور جنگ چونکہ سرمایہ دار ممالک کے درمیان لڑی جائے گی اس لیے خواہی نخواہی میں روس کی حمایت اور امداد حاصل ہو کر رہے گی ۔ میں نے ان خیالات کے ماتحت اپنے عزم کا انکشاف اعلیحضرت محمد نادر شاہ پر کرنا چاہا اور ان سے ایک طویل محرمانہ ملاقات کی اجازت چاہی ۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ آپ پہلے سردار محمد ہاشم خاں صدر اعظم افغانستان سے مل کر تبادلہ خیالات کر لیں پھر میں آخر میں آپ سے ملاقات کروں گا ۔ واضح رہے کہ مولوی اللہ نواز خاں ان دنوں شدید بیمار تھا اس لیے وہ اس ماجرائی

مرحلہ میں ہمارا شریک کار نہ تھا ۔ علاوہ اس کے میں اسے اعلیٰ سطح کا ایک سیاست دان بھی نہ سمجھتا تھا اور وہ اس لحاظ سے میرے ساتھ ایک رقیبانہ حس بھی رکھتا تھا ۔ مگر میں اس کے راستے میں ہرگز حائل نہ ہونا چاہتا تھا ۔ اسے اعلیحضرت نادر شاہ کا اعتماد مجھ سے بدرجہا بڑھ کر حاصل تھا ۔ اس لیے میں چاہتا تھا کہ اسے ایک ایسی پوزیشن میں اپنے پیچھے افغانستان میں چھوڑ جاؤں کہ وہ وقت پر ہم سب کے کام آ سکے ۔

میں نے حسب الحکم اعلیحضرت محمد نادر شاہ دوسرے دن سردار محمد ہاشم خاں وزیر اعظم افغانستان سے ملاقات کی ۔ اس ملاقات کا بندوبست خود اعلحضرت محمد نادر شاہ نے فرما دیا تھا یعنی ہم دونوں کو معلوم تھا کہ ہم اگلے دن جملہ سیاسی حالات پر تبصرہ کریں گے ۔

میں اس روز مقررہ وقت پر قریباً ساڑھے نو بجے ارک میں پہنچ گیا ۔ اس وقت تک صدارت کا دفتر وہیں ارک ہی میں تھا ۔ قارئین تعجب نہ کریں اگر میں یہ حقیقت بیان کروں کہ ہم دونوں نے پورا ایک دن باہمی تبادلہ خیالات میں صرف کر دیا ۔ میں نے جو کچھ روسیوں کی امداد اور شرکت سے افغانستان کی خیر و بہبودی کے لیے افغانستان میں انگریزی ڈپلومیسی کی شکست کے لیے سرحدات آزاد میں قبائلی تنظیم اور انگریزوں کی فارورڈ پالیسی کی روک تھام کے سلسلے میں قبائل کو مسلح کرنے کے لیے اس وقت تک کیا تھا ایسے سب کچھ کہہ سنایا اور ہندوستان میں جو کچھ ہم کر چکے تھے اسے بھی اس کے ذہن نشین کر دیا اور اس اختلاف کو بھی اس پر فاش کر دیا جو میرے اور روسیوں کے درمیان خاندان نادر کو بر سر اقتدار لانے کے سلسلے میں موجود ہو چکا تھا ۔

اور آئندہ دوسری عالمی جنگ کے چھڑنے تک افغانستان کو اپنے پاؤں پر نئے سرے سے پھر کھڑا کرنے کے لیے کونسی حکمت عملی وضع ہونی چاہیے اس پر گفتگو کی گئی ۔

گفتگو کے آخری مرحلے پر ہمارے ساتھ حاجی ترنگ زئی کا صاحبزادہ بادشاہ گل بھی شریک ہو گیا ۔ میں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سے کہہ دیا کہ میں نے تمام راز صدر اعظم صاحب پر منکشف کر دیے ہیں کیونکہ میں نے صلاح اسی میں سمجھی ہے کہ ہماری حکومت اپنے آغاز میں کسی چیز سے بے خبر نہ رہے ۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا کہ بہت اچھا ۔

اس ملاقات کے تیسرے دن میں اعلحضرت محمد نادر شاہ سے ملا اور جب میں نے اس پر اپنا ارادہ فاش کیا تو وہ سن کر حیران اور ششدر رہ گیا ۔ مگر وہ بے حد روشن ضمیر شخص تھا فوراً سنبھالا لیتے ہوئے کہنے لگا کہ کیا تم نہیں سمجھتے کہ تمھیں انگریزی حکومت ہندوستان میں کبھی آزاد نہ چھوڑے گی ۔ میں نے اس کے جواب میں کہا کہ میں سات سال کی نظر بندی کا تصور اپنے ذہن میں رکھ کر یہ اقدام کر رہا ہوں ۔ آپ کے وجود نے ہمیں افغانستان کی طرف سے بے فکر کر دیا ہے اگر ہم دوسری عالم گیر جنگ کے آنے تک ہندوستان کو انقلاب کے لیے تیار کر سکے تو پھر افغانستان کی امداد سے ہندوستان پر اسلامی پرچم لہرانے میں کوئی مشکل در پیش نہ ہو گی ۔

در حقیقت اعلحضرت محمد نادر شاہ اس وقت نہیں چاہتا تھا کہ میں افغانستان سے کہیں باہر جاؤں اور جب اس نے مجھے مصر دیکھا تو کہا کہ میں اس طرح آپ کو اجازت نہ دوں گا ۔ آپ تین دن سوچتے رہیں پھر تین دن کے بعد آپ میرے پاس آئیں اور مجھے اپنا آخری فیصلہ سنائیں ۔

افسوس کہ میرا فیصلہ اٹل تھا میں تین دنوں کے بعد ارک میں گیا ۔ اس اثناء میں اعلحضرت کا یاور (سیکرٹری) اللہ نواز خاں بیماری سے قدرے صحت یاب ہو کر اپنے دفتر میں موجود تھا ۔ میں نے مختصر لفظوں میں اس سے اپنا ماجرا بیان کیا ۔ وہ عجیب انداز سے سر کو جنبش دیتا ہوا اعلحضرت محمد نادر شاہ کے کمرے میں گیا ۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے مجھے بلوا بھیجا ۔ جب میں وہاں پہنچا تو وہ شاہ کے کمرے سے نکل رہا تھا ۔ اس نے گرم جوشی سے میرا ہاتھ دباتے ہوئے کہا کہ مجھے دیکھتے ہی شاہ نے تمھاری نسبت مجھ سے کہا کہ ''وہ تو جا رہا ہے'' میں نے اسے جواب دیا کہ ''جا رہا ہے تو جائے''۔۔۔۔۔اور یہ کہنے کے بعد پھر فوراً ہی کہا کہ اعلحضرت نے مجھ سے کہا ہے کہ عزیز ہندی کو چالیس جریب زمین (ایک مربع کے قریب) شش کوہی میں دینے کا فرمان لکھ دو ۔

میں نے سنتے ہی اللہ نواز خاں کو تھم جانے کے لیے کہا اور کہا کہ اللہ نواز ! میرا فیصلہ ملی بنیادوں پر ہے میں نہیں رکوں گا ۔ وہ یہ سنتے ہی الٹے پاؤں اعلحضرت کے پاس گیا اور تھوڑی دیر کے بعد باہر نکلا اور مجھ سے کہا کہ اعلحضرت نے آپ کو جانے کی اجازت دے دی ہے اور مجھے کہا ہے کہ مبلغ دو ہزار روپے زاد راہ کے طور پر خزانۂ سلطنت سے عزیز ہندی کو دے دیے جائیں ۔

میں نے اسی وقت محسوس کیا کہ میرا یہ اصرار اعلیٰحضرت محمد نادر شاہ کی ناراضگی کا باعث ہوا ہے مگر تقدیر کا تیر اپنے چلہ سے نکل چکا تھا - اس کا واپس لوٹنا ممکن نہ تھا -

یہ شمہ ان حالات کا ہے جو تحریک ہجرت میں مجھے پیش آئے - یہ ۱۹۲۰ سے ۱۹۳۰ء تک کے واقعات ہیں جو میں جناب سید رئیس احمد جعفری کی فرمائش پر ''اوراق گم گشتہ'' کے لیے اعراضاً قلمبند کر رہا ہوں - البتہ اس کے بعد ہندوستان میں پاکستان کے حصول کے لیے میں نے کیا کچھ کیا ہے اور کیا مصیبتیں جھیلی ، ہیں اس کا لکھنا ابھی باقی ہے -

والسلام •
عزیز ہندی

نوٹ : میں افغانستان میں اپنی ساری پراپرٹی اعلیٰ حضوت محمد نادر شاہ کی ہدایت کے ماتحت مولوی اللہ نواز خان یاور حضور کی نگرانی میں چھوڑ آیا تھا - اس کی واپسی ابھی تک نہیں ہوئی ، پاکستان اور افغانستان کی حکومتوں کے درمیان اس سلسلے میں خط و کتابت جاری ہے -

ایک تاریخ ساز ہستی

میجر جنرل سرفراز خان

لعب با شمشیر و خنجر می کنم
بوسہ بر ساطور و پیکاں می زنم

مرد غازی

صبح طرب را مهر درخشان
شام شرق را مهر منور

در باغ دانش سرسبز گلشن
در بحر بینش یک دانه گوهر

صیت کمالش بر هفت گردون
ذکر جمیلش در هفت کشور

ایک حقیقت ، ایک کہانی !

اسلام کی تاریخ جنگی معجزات سے بھری ہوئی ہے ، بدر کے میدان میں مسلمانوں نے اپنے سے تین گنا دشمن کو شکست فاش دی ۔ یہ مسلمان چشم ظاہربیں میں اس قابل بھی نہ تھے کہ ان سے کوئی معمولی جنگی خدمت لی جاتی ، نہ سرمایہ ، نہ وسائل و ذرائع ، نہ ساز و سامان ، نہ اسلحہ اور ہتھیار ، نہ بار برداری کے لیے مویشی اور سواری کے لیے اونٹ اور گھوڑے ، لیکن جب رن پڑا تو یہ مٹھی بھر مسلمان اپنے سے سہ گنا لشکر کو پاش پاش کر چکے تھے ۔ عہد رسالت کے غزوات ، خلافت راشدہ کے مجاہدات اور بعد میں مسلمان بادشاہوں کے فتوحات اس حقیقت کا واضح ثبوت ہیں ۔

سلطان محمد نے جب قسطنطنیہ فتح کیا تو اس کی اور دشمن کی قوت میں زبردست فرق تھا ۔ ایک معمولی سا فرماں روا اور دوسرا دنیائے عیسائیت کا شہنشاہ ۔ ترک جب ہنگری اور آسٹریا کی طرف پیش قدمی کرتے اور فتح پر فتح حاصل کرتے چلے گئے تو ان کی افواج کی تعداد دشمن کے متحدہ لشکر کے مقابلے میں بہت کم تھی ۔ طارق نے جب مٹھی بھر آدمیوں کے ساتھ دنیا کی ایک وسیع اور مہذب و متمدن مملکت اندلس کو چشم زدن میں فتح کر لیا تو یہ ایسا کارنامہ تھا کہ جس پر دنیا انگشت بدنداں رہ گئی ۔ محمود غزنوی نے جب سر زمین ہند پر فتح و ظفر کا پرچم لہرایا تو کون باور کر سکتا تھا کہ ایک جیالا مرد میداں تھوڑی سی فوج کے ساتھ میدان و صحرا طے کرتا ، راستے کے تمام موانع اور رسد کی تمام مشکلات کو پاؤں تلے کچلتا سومنات تک چلا جائے گا ۔ شہاب الدین غوری ، علاؤ الدین خلجی اور ظہیر الدین بابر میدان میں اترے اور دیکھتے دیکھتے دشمن کے مور و ملخ کے سے لشکر کو شکست دے دی ۔ بختیار خلجی غوری کا ایک غلام اور معمولی سپاہی گنے چنے سپاہیوں کے ساتھ آگے بڑھا اور بہار، بنگال ، آسام اور تبت تک فتح کرتا چلا گیا ۔ آخر میں احمد شاہ ابدالی نے مرہٹہ ایمپائر کے خواب شیریں کو مرہٹوں کے بے اندازہ وسائل اور راجگان ہند کی متحدہ اعانت اور تعاون کے باوجود خواب پریشاں میں تبدیل کر دیا ۔ کیا یہ تاریخ کا بہت بڑا معجزہ نہیں ہے ؟

پاکستان عالم وجود میں آیا۔

لیکن ہندوستان کی چالیس کروڑ آبادی رکھنے والی قوم نے آٹھ کروڑ کے اس ملک کو صرف بادل نا خواستہ اور دکھاوے کے طور پر قبول کیا۔ سچے دل سے قبول کیا ہوتا تو ستر لاکھ مہاجرین کیوں سر زمین پاکستان پر دھکیل دیے جاتے۔ ہزاروں مسلمان عورتوں اور بچوں کا جرم بے گناہی میں پانی کی طرح خون کیوں بہتا۔ مسلمان نوجوان اور بوڑھوں کے گلے بھیڑ بکری کی طرح کیوں کاٹے جاتے اور سارے ہندوستان میں بلکہ ہندوستان کے اکثر شہروں میں مسلمانوں کی جان، مال، عزت، آبرو اور قومی تشخص کو کند چھری سے ذبح کرنے کی کوشش کیوں کی جاتی؟

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اقوام متحدہ کے ایوان میں ساری دنیا کو گواہ اور شاہد بنا کر بار بار کشمیریوں سے استصواب رائے عامہ کا پختہ اور محکم وعدہ کرنے کے باوجود کیوں اسے فراموش کر دیا جاتا اور جب کشمیری اپنے اس حق یعنی حق خود ارادیت کا مطالبہ کرتے تو جواب دلیل اور منطق کے بجائے توپ اور بندوق سے کیوں دیا جاتا؟

دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد دنیا کے تقریباً سارے ملکوں نے آزادی اور خود مختاری حاصل کر لی لیکن دنیا کے ایک نو آزاد ملک بھارت نے جس کی غلامی کی بیڑیاں ابھی ابھی کٹی تھیں، پچاس لاکھ کی آبادی پر مشتمل کشمیر کو اپنا محکوم بنانے کے لیے سارے وسائل خرچ کر دیے اور جب اسے استصواب کا وعدہ یاد دلایا گیا تو وہ بغیر اعلان جنگ کے جنگ پر تیار ہو گیا۔

پاکستان کا وجود ایک معجزہ تھا۔

اور اس معجزے کے ظہور کو روکنے کے لیے باطل کی تمام قوتیں متحد ہو گئیں انگریز یہ بات اپنے استعماری مفاد کے خلاف سمجھتے تھے کہ پاکستان عالم وجود میں آئے۔ بھارت کی ہندو اکثریت جو بہت جلد ایک سامراجی حکومت بننے والی تھی کسی قیمت پر آمادہ نہیں تھی کہ آٹھ کروڑ مسلمانوں کا حق خود ارادیت تسلیم کر لے۔ پٹیل، نہرو، گاندھی ہر طرح کے فکری اختلافات کے باوجود اس امر پر متحد تھے کہ پاکستان نہ بننے دیا جائے۔ کوئٹ انڈیا (Quit India) یعنی ہندوستان خالی کر دو کی سرا سر تخریبی تحریک اسی لیے عدم تشدد کے پرستاروں نے پوری بہیمیت خون آشامی اور درندگی کے ساتھ شروع کی تھی کہ انگریز مجبور ہو جائیں اور پاکستان نہ بننے دینے کے معاملے میں ان سے تعاون کریں۔

پھر جب ایٹلی کے ہاتھ میں برطانیہ کی وزارت عظمیٰ آئی تو اس وزارت نے اور زیادہ ہندو اکثریت کی پیٹھ ٹھونکی ۔ ایٹلی قائد اعظم اور پاکستان کے تصور کا بدترین دشمن تھا ۔ اس نے ویول کو واپس بلا لیا اور ماؤنٹ بیٹن کو وائسرائے بنا کر بھیجا جو نہرو کا ذاتی دوست تھا ۔

ماؤنٹ بیٹن نے جبروت شاہی سے کام لے کر پاکستان کی راہ میں روڑے اٹکانے کی بڑی سچائی اور خلوص کے ساتھ کوشش کی ۔ وہ چاہتا تھا کہ مسلمان پاکستان کا نام نہ لیں اور اگر اپنی ضد سے باز نہ آئیں تو ہندوستان گیر فسادات کے ذریعے ان کی ایسی سرکوبی کی جائے کہ وہ زندگی بھر یاد رکھیں اور ہمیشہ کے لیے خائف ہو جائیں ۔

برطانوی استعمار اور ہندو سامراج کی تائید و اعانت کے لیے جمعیت علماء ہند ، مجلس احرار ، خاکسار جماعت ، یونینسٹ پارٹی ، مسلم مجلس اور مسلم نیشنلسٹ کانفرنس وغیرہ موجود تھیں ۔ ان مسلمان جماعتوں نے سارا زور اس پر صرف کر دیا کہ ہندوستان کے مسلمان تقسیم ہند کا نام نہ لیں اور متحدہ ہندوستان میں ایک اقلیت کی زندگی بسر کریں ۔ یہ لوگ ایک مسلم حکومت کی تشکیل پر آمادہ نہ تھے، اس پر تیار تھے کہ ہندو حکومت کے زیر سایہ نماز و اذان کی اجازت حاصل کر کے اپنی تہذیب ، اپنے تمدن ، اپنی ثقافت اور اپنی تاریخ کو فنا کے گھاٹ اتار دیں ۔

ان بہت ساری طاقتوں یعنی انگریز ، ہندو اور نیشنلسٹ مسلمان کا مقابلہ ایک دبلے پتلے ، دھان پان اور کمزور و نحیف ، عمر رسیدہ قائد نے کیا ۔ اس نے سب کو للکارا اس نے سب سے جنگ کی ، اس نے سب کا چیلنج قبول کیا ، کسی سے مرعوب و دہشت زدہ نہیں ہوا اور بالآخر کامیاب ہو گیا ۔ اور سچ تو یہ ہے کہ "یہ دبلا اور بوڑھا آدمی تنہا کب تھا ، پوری قوم اس کی پشت پر تھی ۔ میاں بشیر احمد نے شاعری نہیں کی ہے حقیقت بیان کی ہے :

رکھتا ہے دل میں تاب و تواں نو کروڑ کی
کہنے کو ناتواں ہے محمد علی جناح

بہر حال پاکستان عالم وجود میں آ گیا ـــــ دن گنے جاتے تھے جس دن کے لیے پاکستان عالم وجود میں آیا لیکن کس طرح ؟

پاکستان کی جو قیمت مسلمانوں نے ادا کی ہے دنیا کی کسی قوم نے آج تک ادا نہیں کی ۔ تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے ۔

جب سے تاریخ کا فن وجود میں آیا ہے، آج تک کسی قوم نے حصول مقصد کی خاطر اس طرح پروانہ وار جان نہیں دی۔

بہار میں لاکھوں مسلمان اسی جرم میں قتل کیے گئے، لوٹے گئے، بے آبرو کیے گئے کہ پاکستان کا نام کیوں لیتے ہیں۔ گڑھ مکتیشر میں ہزاروں مسلمان آن کی آن میں تہہ تیغ کر دیے گئے تا کہ مطالبہ پاکستان کی سزا دی جا سکے۔ کلکتہ میں ایک عرصے کی خفیہ فوجی تیاریوں کے بعد مسلمانوں کو اس طرح بھون کر رکھ دیا گیا جیسے بھاڑ میں چنے بھونے جاتے ہیں۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ پاکستان کا نعرہ ان کی زبان پر تھا۔ بمبئی، گوالیار، اجین، اندور، ناگپور، کٹک، شیلانگ اور دوسرے مقامات پر مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہایا گیا، تا کہ وہ غلامی پر قناعت کر لیں اور آزادی کا نام نہ لیں۔

انگریز وائسرائے، صوبوں کے انگریز گورنر اور برطانیہ کا وزیر اعظم یہ ہولناک مناظر ایک غیر جانب دار تماشائی کی طرح دیکھتے رہے۔ امن و امان قائم رکھنے کی ذمہ داری ان کی تھی، اقلیت کو اکثریت کی دست برد سے بچانا فرض ان کا تھا، لیکن یہ اپنی ذمہ داری فراموش کر چکے تھے اور فرض بھول چکے تھے۔ انھیں صرف ایک بات یاد تھی کہ مال دار ہندو اکثریت کو ہر حالت میں اور ہر قیمت پر خوش رکھا جائے۔ مذکورہ واقعات کو پاکستان کی تمہید سمجھنا چاہیے۔

غرض جب ہر طرح کے مخالفانہ مساعی کے باوجود پاکستان قائم ہو گیا تو اسے ختم کرنے کا منصوبہ تیار کیا گیا۔ امر واقعہ یہ ہے قیام پاکستان سے قبل ہی ماؤنٹ بیٹن، نہرو اور پٹیل وغیرہ نے یہ منصوبہ تیار کر لیا تھا۔ چنانچہ اس منصوبے کے ماتحت پنجاب اور بنگال کے زرخیز علاقے کاٹ کر ہندوؤں کے حوالے کر دیے گئے۔ ریڈ کلف اوارڈ نے رہی سہی کسر پوری کر دی اور گورداسپور ہندوؤں کو دے کر کشمیر کا راستہ ان کے لیے کھول دیا گیا۔

پاکستان کی نئی حکومت کے پاس نہ سکریٹریٹ تھا، نہ دفاتر، نہ عملہ، نہ قلم، نہ کاغذ، نہ روشنائی اس کے حصے کی ننھی منی سی فوج بھی غیر ممالک میں بکھری پڑی تھی۔

ایک نیا ابتلا یہ پیش آیا کہ اس کے حصے کا جو زر نقد ریزرو بنک آف انڈیا کی تحویل میں تھا، اس کی ادائی سے حکومت ہند نے انکار کر دیا۔ علاوہ ازیں اس کے حصے کا ساز و سامان جنگ، گولہ بارود، ہتھیار اور اسلحہ ہر چیز روک لی۔ پاکستان کے سرکاری

ملازمین کی جو اسپیشل ٹرینیں دہلی سے لاہور کی طرف روانہ ہوئیں، انھیں راستے میں روک کر مسافروں میں سے بہتوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا - سرکاری دستاویزات جلا دیے گئے اور سامان لوٹ لیا گیا - یہی حشر بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ بد تر حشر ان ستر لاکھ بے گناہ مہاجرین کا ہوا جنھیں جبراً پاکستان کی طرف دھکیل دیا گیا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ پاکستان کی معیشت تباہ ہو جائے ، اس کا دوالہ نکل جائے ، مجبور ہو کر وہ ہندوستان کے آگے گھٹنے ٹیک دے اور استدعا کرے کہ ہم آزادی سے باز آئے ہمیں پھر غلام بنا لو -

لیکن ایسا نہیں ہوا -

ایسا ہو بھی نہیں سکتا تھا -

قائد اعظم نے بالکل صحیح فرمایا تھا :

''پاکستان مٹنے اور فنا ہونے کے لیے نہیں - قائم اور برقرار رہنے کے لیے عالم وجود میں آیا ہے -''

حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کو صحیح معنوں میں دولت خدا داد کہا جا سکتا ہے - یہ ملک کسی طرح اور کسی قیمت پر عالم وجود میں نہیں آ سکتا تھا ، اگر تائید ایزدی شامل نہ ہوتی -

بہر حال ہر طرح کے مشکلات و شدائد کا ہمت اور حوصلے کے ساتھ پاکستان نے مقابلہ کیا -

لیکن ابھی ایک حادثہ اور باقی تھا -

آزادی کے بعد بعض ہندو ریاستیں اپنے سرحدی اتصال کے باعث پاکستان سے الحاق کرنے پر مصر تھیں - جس کی تفصیل وی - پی - مینن نے اپنی کتاب "The Story of the Integration of the Indian States" میں پیش کی ہے -

جو ریاستیں پاکستان سے الحاق چاہتی تھیں ماؤنٹ بیٹن ان کے سامنے شمشیر آبدار بن کر نمودار ہوا - اس نے دباؤ دھمکی ، جبر اور تخویف سے کام لے کر ہر ہندو ریاست کو بھارت کے ساتھ الحاق پر مجبور کر دیا - اور دلیل یہ دی کہ تہذیب ، تمدن ، معاشرت مذہب ، روایات ، تاریخ ، تقویم ہر اعتبار سے تمہارا جوڑ پاکستان کے ساتھ نہیں ، ہندوستان کے ساتھ ہے - لیکن جب ہری سنگھ نے گاندھی ، نہرو ، کرشنا مینن اور وی - پی - مینن وغیرہ کی ترغیب و تحریص سے متاثر ہو کر کشمیر کا الحاق ہندوستان کے ساتھ کرنا چاہا تو ماؤنٹ بیٹن کی سرپرستی میں استصواب عام کا وعدہ کر کے بے تامل اس کا الحاق کر لیا -

اس موقع پر ماؤنٹ بیٹن کو یہ یاد نہیں آیا کہ تہذیب ، تمدن ، معاشرت ، مذہب ، روایات تاریخ ، تقویم ہر اعتبار سے کشمیر کا الحاق صرف پاکستان کے ساتھ ہو سکتا تھا - ہندوستان کے ساتھ نہیں کسی طور سے بھی نہیں -

پاکستان قائم ہوا، اور استحکام حاصل کرتا گیا -

کشمیر غلام بنا ، لیکن حصول آزادی کے لیے سر گرم عمل ہوتا گیا -

پاکستان کے استحکام اور کشمیر کی تحریک حریت نے ہندوستان کے ارباب اقتدار کو بہت زیادہ حواس باختہ کر دیا -

روس اور امریکہ سے اسلحہ کا جو ڈھیر اس نے چین کے نام پر حاصل کیا تھا اس کے استعمال کا انتظار شدید کے بعد بہترین موقع حاصل ہو گیا -

سب سے پہلے بے بات کی بات پر رن کچھ میں اس نے جنگ چھیڑی اور منہ کی کھائی - اس کا پورا ایک بریگیڈ محاصرے میں آ گیا تھا اور اس کا ایک ایک آدمی جنگی اصول و قانون کے مطابق قتل کیا جا سکتا تھا ، لیکن صدر ایوب کے رحم و کرم نے یہ بات گوارا نہ کی - سب کی رہائی کا فرمان صادر ہو گیا - اس ذلت اور شکست نے ہندوستان کو اتنا زیادہ برہم کر دیا کہ وہ سب کچھ کر گزرنے پر تیار ہو گیا -

چنانچہ رن کچھ کا انتقام لینے کے لیے کشمیر کی آڑ لے کر اس نے پاکستان کو نشانہ بنانے کا فیصلہ کر لیا -

کشمیر کے حریت پسندوں نے حق خود ارادیت کی جد و جہد زور شور سے شروع کر رکھی تھی - پاکستان نے اپنی حمیت ملی اور غیرت قومی سے مجبور ہو کر ان کا ساتھ دیا - ہندوستان نے بغیر اعلان جنگ کے پاکستان پر حملہ کر دیا ——— ہولناک مہیب اور حد درجہ لرزہ خیز حملہ -

بھارت نے پاکستان پر کئی طرف سے حملہ کیا ، کئی محاذ کھولے ، لیکن اس کی سب سے بڑی آرزو اور تمنا یہ تھی کہ لاہور پر قبضہ کر لے -

لاہور پر قبضہ کرنے کے معنی یہ تھے کہ ہر پاکستانی دل شکستہ ہو جاتا ، ہر پاکستانی کی گردن جھک جاتی -

لاہور صرف ایک شہر نہیں پاکستان کا دل ہے - دل اگر زخمی ہو جائے یا نوک خنجر سے چھید ڈالا جائے تو نہ دل کی خیر ہے ، نہ جسم سلامت رہ سکتا ہے !

یہی سوچ کر کئی طرف سے بھارت نے لاہور پر پوری شدت اور زیادہ سے زیادہ سامان جنگ کے ساتھ حملہ کر دیا -

پاکستان کے جیالے سپاہیوں نے اور پیکر شجاعت کمانداروں نے ہر محاذ پر ڈٹ کر مقابلہ کیا اور دشمن کو آگے نہیں بڑھنے دیا -

لاہور کا محاذ میجر جنرل سرفراز خاں کی قیادت میں تھا - شجاعت انھیں ورثے میں ملی ہے - قیام پاکستان سے پہلے برما کے محاذ پر اس شان سے دشمن کے چھکے چھڑا چکے ہیں کہ انگریز انھیں گیلنٹری ایوارڈ دینے پر مجبور ہو گیا - کیوں نہ ہو سپہ گری ان کا خاندانی فن ہے ــــــــــــ سو پشت سے ہے پیشۂ آباء سپہ گری -

دشمن نے جم خانہ کلب میں مے نوشی کا پروگرام بنایا تھا اور اپنا مور و ملخ کا سا لشکر لے کر چڑھ دوڑا - ہمارا یہ سپہ گر دشمن کے خون سے ہولی کھیلنے کے لیے میدان جنگ میں اتر آیا ــــــــ اس حوصلے کو دیکھیے اور ہم کو دیکھیے -

پاکستان بھارت سے بہت چھوٹا ملک ہے ، یہی تناسب اس کے ساز و سامان جنگ کا بھی ہے ، پھر اس کی نفری اور اسلحہ کو کسی ایک محاذ پر مرتکز بھی نہیں کیا جا سکتا - اس لیے کہ دشمن ہر طرف دباؤ ڈال رہا تھا - ہر جگہ سپاہیوں اور سامان جنگ کی ضرورت تھی -

میجر جنرل سرفراز خاں کے سپاہیوں کی تعداد دشمن سے بہت کم تھی - اسی طرح ان کا اسلحہ بھی دشمن کے مقابلے میں کم سے کم تھا -

لیکن جنگیں سامان جنگ کی افراط اور سپاہیوں کی تعداد بے حساب کے بل پر نہیں لڑی جاتیں - وہ لڑی جاتی ہیں عزم و حوصلے کے بل پر - شجاعت اور دلیری کے بل پر - استقامت اور عزیمت کے بل پر - موت سے نہ ڈرنے اور موت کا استقبال کرنے کے بل پر -

دوسری جنگ عظیم میں اٹلی کے پاس کس چیز کی کمی تھی ؟ لیکن ہر محاذ پر اسے شکست ہوئی اور ڈھور ڈنگر کی طرح اس کے سپاہی جنگی قیدی بنتے چلے گئے -

بھارت کے پاس بھی سب کچھ تھا ، کسی چیز کی کمی نہ تھی ، لیکن ہمت اور دلیری کہاں سے خریدتا ؟ شجاعت اور تہور کس سے مول لیتا ؟ مر مٹنے کا جذبہ اور ولولے کے ساتھ موت کا استقبال کرنے کا حوصلہ کہاں بکتا تھا کہ جاتا اور روپے دے

لے آتا ؟ اس کے پاس اگر کمی تھی تو بس یہی اور ہمارے پاس پونجی اگر تھی تو بس یہی -

زور دار مقابلہ ہوا ، زبردست ٹکر ہوئی اور دشمن نرجن پرشاد کی طرح بھاگ کھڑا ہوا - بات یہ تھی کہ کمی اسلحہ اور قلت سپاہ کے باوجود میجر جنرل سرفراز خاں نے صرف دفاعی جنگ پر اکتفا نہیں کیا تھا ، جارحانہ حملہ بھی کیا تھا ، یہی جرأت رندانہ کام کر گئی - دشمن حواس کھو بیٹھا - حواس کے ساتھ میدان بھی کھو بیٹھا - اب اس کے پاس صرف ایک لمبی سی رہ گزر تھی——راہ فرار اور اس پر بے تحاشا موج آب کی طرح رواں دواں پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر بڑھتا چلا گیا -

لاہور بچ گیا -

پاکستان سلامت رہ گیا -

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

یوں تو اس جنگ میں حصہ لینے والے ہر سپاہی اور کمانڈار کو دیکھنے اور اس سے ملنے کی تمنا دل میں مچل رہی تھی - کیسے کیسے عظیم اور لا زوال کارنامے انجام دیے تھے اللہ کے ان بندوں اور وطن کے ان مجاہدوں نے جو تاریخ حربیات عالم کا ایک ناقابل فراموش باب بن چکے ہیں -

لیکن مجھ جیسا پا شکستہ جاتا کہاں ؟ اور بار کہاں پاتا ؟

لاہور میں میجر جنرل سرفراز خاں موجود تھے - شام ہمدرد میں دور کا جلوہ دیکھ چکا تھا - جی چاہا انہیں کا جی بھر کے دیدار کر لوں ، انہیں دیکھ لیا ، گویا سب کو دیکھ لیا -

ایک دن جرأت قلندرانہ سے کام لیا - دستک دی ، دروازہ کھلنے میں ذرا دیر نہ لگی - ایک فاتح کے سامنے ایک مفتوح بیٹھا تھا -

دل میں خیال یہ تھا کہ میجر جنرل ہیں ، بہت بڑا معرکہ سر کر کے بین الاقوامی شہرت اور منزلت حاصل کر چکے ہیں ، بڑے دبدبے اور تنطنے کے آدمی ہوں گے - رعونت اور نخوت نہ سہی ، کچھ نہ کچھ پندار اور انانیت کا جوہر تو ضرور ہوگا -

لیکن یہ خیال غلط نکلا -

وہ تو سراپا لطف و کرم - سراپا اخلاق و نوازش اور سراپا انکسار و فروتنی نظر آئے - یہ احساس ہی نہیں ہو رہا تھا کہ سامنے ایک مرد آہن بیٹھا ہے - میٹھی باتیں تپاک ، گرم جوشی اور تواضع کی آمیزش کے ساتھ -

میں یہ تواضع دیکھ کر حیران رہ گیا - سلسلہ کلام شروع کرنے کے لیے میں نے کہا :

"آپ نے تو بہت بڑا معرکہ سر کیا ہے ، ساری پاکستانی قوم کا سر فخر سے اونچا کر دیا ہے -"

انتہائی عجز و نیاز سے کہنے لگے :

"میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا ، جو کچھ کیا خدا نے کیا - میرے پاس نہ صرف میرے پاس بلکہ ہم سب کے پاس بظاہر ہار جانے کے وسائل کافی تھے ، لیکن خدا نے دشمن کے دل پر ہیبت بٹھا دی ملک بچ گیا قوم کا نام بلند ہو گیا - میں بھی تو اسی قوم کا ایک فرد ہوں - میرا نام بھی لوگوں نے اچھالا اور خوب اچھالا لیکن حقیقت صرف اتنی ہے کہ میں صرف آلۂ کار تھا - کار فرما ہستی تو خدائے تبارک و تعالیٰ کی تھی جو بات اس نے دل میں ڈال دی ، جو خیال اس نے دماغ میں پیدا کر دیا ، جو تدبیر اس نے سجھا دی ، آنکھ بند کر کے ہر طرح کے خطرات سے بے نیاز ہو کر وہی کر گزرا - جب یہ سب کچھ قدرت الٰہی کا کرشمہ ہے تو اس کا کریڈٹ خود کیسے لے لوں ؟"

یہ سن کر میں چوکنا سا ہو گیا - سوچنے لگا یہ سپاہی ہے یا کوئی مرد با خدا - بہر حال سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہوئے میں نے کہا :

"آپ نے بڑی جرأت اور دلیری اور شجاعت کا ثبوت دیا ہے اس معرکہ میں"

آنکھوں میں کچھ چمک سی پیدا ہوئی - چہرے پر کچھ الم انگیز تأثرات ابھرے اور فرمایا :

"یہ نہ کہیے - جرأت ، دلیری اور شجاعت تو ان کا حصہ تھی ، جنھوں نے اپنی جان اپنے مذہب اور اپنی ملت پر قربان کر دی - میں تو زخمی بھی نہیں ہوا ، بھلا چنگا بیٹھا ہوں !"

یہ باتیں سن کر میں دل ہی دل میں متعجب ہو رہا تھا - یہ کیسا کماندار اور کیسا مرد میدان ہے جو کسی بات کا بھی کریڈٹ لینے پر آمادہ نہیں - جس کے منہ سے

جو بول نکلتا ہے اس میں خدا کی ، اس کی کارسازی کا ، اس کی مشیت اور قدرت کا ذکر ضرور ہوتا ہے ۔

دفعتہً دل سے آواز اٹھی :

''ہاں اس شخص کو ایسا ہی ہونا چاہیے تھا ۔ اقبال نے کہا تو ہے :

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو تلوار ہے مومن

میرے سامنے وہی مرد مومن بیٹھا تھا جو رزم حق وباطل میں شمشیر خارا شگاف بن گیا تھا اور اب اس وقت اپنے ایک پاکستانی ہم قوم کے ساتھ یکسر تواضع و مدارات بنا ہوا تھا ۔ میں نے ایسا محسوس کیا جنرل صاحب صدر ایوب کے خلوص ان کی حربی برتری اور ملی فدائیت کا اپنے دل پر گہرا نقش رکھتے ہیں ۔ ان کا جب ذکر آتا ہے تو جنرل صاحب کا خراج تحسین چند ہی الفاظ کے بعد اظہار عقیدت میں تبدیل ہو جاتا ہے ۔ فوجی زندگی سے کنارہ کشی کے بعد بھی اپنے پرانے ساتھی اور موجودہ صدر مملکت سے یہ والہانہ تعلق خاطر میرے دل پر اثر انداز ہوا ۔ میں ان کے اس خلوص اور سچائی سے بہت متاثر ہوا ۔ موصوف کے علاوہ جب جنرل صاحب اپنا اور اپنے ساتھیوں کا اور ہم عصروں کا ذکر کرتے ہیں تو سب کو قوم کے سپاہیوں کے زمرے میں رکھتے ہیں اور اس پر نازاں بھی بہت ہیں ۔

ہماری باتیں جاری تھیں کہ اطلاع ملی کسی کا فون آیا ہے ۔ جنرل صاحب اٹھے اور دوسرے کمرے میں تشریف لے گئے ۔

اس موقع پر بیگم سرفراز خاں بھی تشریف رکھتی تھیں ۔ میزبانی کے فرائض وہی ادا کر رہی تھیں ۔

جنرل صاحب کی شخصیت کچھ اتنی سحر طراز ہے کہ جب تک وہ بیٹھے رہے باتیں انھیں سے کرتا ، رہا ، اب ذرا دیر کو فون رسیو کرنے دوسرے کمرے میں گئے تو خیال آیا بیگم سرفراز خاں سے کچھ گفتگو ان کے شوہر کے بارے میں کرنی چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ یہ اپنے شوہر کے بارے میں کیا رائے رکھتی ہیں ۔

میرا خیال ہے شوہر کے بارے میں جتنی سچی اور صحیح رائے بیوی کی ہو سکتی ہے ، کسی اور کی نہیں ہو سکتی ۔ وہ شب و روز کی ساتھی ہوتی ہے ۔ شوہر کی زندگی کا ہر پہلو اس کی نظر کے سامنے ہوتا ہے ۔

آدمی دوسروں سے اپنی شخصیت چھپا سکتا ہے، دوسروں کے سامنے اپنی کمزوریوں کو فاش نہیں ہونے دے سکتا اس لیے کہ دوسروں سے ملاقات وقتی ہوتی ہے چند گھنٹے یا چند دن ۔ یہ ایسی مدت ہے کہ انسان اپنے جذبے پر عادات پر، طور و طریق پر کردار و سیرت پر ملمع کر سکتا ہے اور اس ملمع کو قائم بھی رکھ سکتا ہے ۔

لیکن بیوی تو رفیق حیات ہے وہ اسے سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے، کام کرتے اور باتیں کرتے، خوش ہوتے اور غصہ میں آتے، ایمان داری کرتے اور بے ایمانی کرتے، خدا کو یاد کرتے اور خدا سے غافل رہتے ہر رنگ میں دیکھتی ہے ۔ اس کی سیرت اور کردار کا کوئی پہلو اخفا کی سعی بلیغ کے باوجود اگر کسی سے نہیں چھپ سکتا تو وہ صرف اور صرف بیوی ہے ۔

کسی آدمی کے بڑے یا چھوٹے ہونے کا فیصلہ افراد اور اشخاص، اخبارات و صحائف، ہم عصر اور رفیق کار نہیں کر سکتے ۔ یہ فیصلہ صرف رفیقۂ حیات ہی کر سکتی ہے اور یہ قطعی اور آخری فیصلہ ہوتا ہے ۔ اس کی صداقت کو چیلنج کرنے کی کوئی جرأت نہیں کر سکتا ۔ یہ ایسی مہر ہے جو ایک مرتبہ لگ گئی تو پھر اس کا نقش مٹائے نہیں مٹتا ۔

یہی کچھ سوچ کر اور موقع سے فائدہ اٹھا کر میں نے بیگم سرفراز خاں سے جو ایک نستعلیق، مہذب اور تعلیم یافتہ خاتون ہیں ۔ عرض کیا :

"جہاں تک جنرل صاحب کے وضع و طریق اور گفتار و تکلم کا تعلق ہے وہ یقیناً بہت بڑے آدمی نظر آتے ہیں لیکن آپ کی رائے کیا ہے ان کے بارے میں ؟"

یہ ایک عجیب سا سوال تھا ۔ شاید آج تک کسی نے ان سے یہ بات نہیں پوچھی تھی ۔ وہ ذرا چوکنا سی ہو گئیں، پھر انتہائی متانت کے ساتھ تبسم کرتے ہوئے گویا ہوئیں :

"آپ کا یہ سوال تو بڑا حیرت انگیز ہے ۔ جو شخص ملک میں اپنے ایمان و عمل کا جھنڈا گاڑ چکا ہے اور قوم و ملت کے لیے جان کی بازی لگا چکا ہے جس کی شجاعت، سپہ گری اور جنگی مہارت کا اعتراف یکساں طور پر ملک کے اندر اور ملک کے باہر ہو چکا ہے، اس کے بارے میں آپ کا میری رائے دریافت کرنا کچھ عجیب سی بات

ہے ۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا جواب دوں ۔ میں گھر میں بیٹھنے والی کہہ بھی کیا سکتی ہوں ۔"

میں نے دل چسپی کے ساتھ موصوفہ کی یہ باتیں سنیں ، جن کا ایک ایک لفظ شوہر کی محبت میں ڈوبا ہوا تھا ؛ مگر میں اپنے سوال کا جواب حاصل کرنے پر تلا ہوا تھا ۔ میں نے عرض کیا :

"وہ تو آپ نے صحیح فرمایا ۔ جنرل صاحب بحیثیت ایک سپاہی اور کمانڈر کے واقعی ایک بہت بڑے آدمی ہیں اور ان کی زندگی کا یہ پہلو ایسا ہے کہ اس کے بارے میں نہ آپ رائے دے سکتی ہیں ، نہ میں آپ کی رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں ۔"

وہ اور زیادہ حیرت بھری نظروں سے مجھے دیکھنے لگیں پھر پوچھا :

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں ؟"

میں نے اپنا مدعا ان پر واضح کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا :

"کسی آدمی کی آدمیت کا معیار یہ نہیں ہے کہ گھر کے باہر وہ کتنی عظیم و جلیل شخصیت رکھتا ہے ——"

وہ قطع کلام کرتی ہوئی بولیں :

"پھر کیا ہے ۔"

میں نے سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا :

"انسان کا صحیح روپ صرف گھر میں دکھائی دیتا ہے اور اس کے بارے میں صرف بیوی ہی اظہار خیال کرنے کی مجاز ہے ۔"

وہ اور زیادہ متحیر ہو کر میری یہ انوکھی بات سنتے ہی مجھے دیکھنے لگیں میں نے اپنا مقصد ان پر واضح کرتے ہوئے کہا :

"انسان کی بڑائی کی اصل کسوٹی یہ ہے کہ وہ گھر میں کیسا ہے ۔"

میری ان باتوں پر ان کا استعجاب بڑھتا ہی جا رہا تھا ۔ بے ساختہ انھوں نے

میرے الفاظ دہرائے :

''وہ گھر میں کیسا ہے۔''

میں نے انھیں مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہوئے عرض کیا :

''جی ہاں ۔ دیکھنے اور غور کرنے کی چیز یہ ہے کہ آدمی گھر کے اندر کیسا ہے ۔ انسان یا شیر ۔''

وہ ہنس پڑیں ۔ انھوں نے پوچھا :

''انسان یا شیر ، اس کا مقصد ؟''

میں نے عرض کیا :

''دیکھنے کی چیز یہ ہوتی ہے کہ انسان کا اپنی بیوی کے ساتھ ، بچوں کے ساتھ ، ملازموں کے ساتھ برتاؤ کیا ہے ۔ صرف سخت گیر آقا کا یا ہمدرد دوست اور ساتھی کا ۔ بیوی سے بچوں سے ملازموں سے اکثر خلاف طبع حرکتیں سرزد ہوتی رہتی ہیں ، ان کے ہاتھوں دانستہ یا نا دانستہ طور پر چھوٹا یا بڑا نقصان بھی ہوتا رہتا ہے ۔ فکر و نظر کا ، پسند و نا پسند کا اختلاف بھی ابھر کر سامنے آتا ہے ۔ قابل غور چیز یہ ہے کہ ایسے مواقع پر اس کی آنکھوں میں محبت کی چمک ہوتی ہے یا برہمی کا شعلہ ۔ عفو و در گزر کا جذبہ ہوتا ہے یا تعزیر و انتقام کا جوش ۔''

بڑی توجہ سے میری باتیں موصوفہ سنتی رہیں ، پھر زیر لب تبسم کے ساتھ فرمایا :

''آپ نے بڑا ٹیڑھا ، لیکن بہت دل چسپ سوال کیا ہے ۔ میں اس کا جواب ضرور دوں گی ـــــ پہلے چائے پی لیجیے ۔''

میں نے کہا :

''چائے کے ساتھ ساتھ اگر گفتگو کا سلسلہ بھی جاری رہے تو کیا مضائقہ ہے ۔''

ایک تاثر کے عالم میں انھوں نے جواب دیا :

''یہ سوال اگر آپ نے ان کے سامنے کیا ہوتا تو انھیں چھیڑنے کے لیے دو چار

جھوٹی سچی شکائتیں بیان کر کے شاید میں بات ختم کر دیتی لیکن اس وقت وہ نہیں ہیں میرا جواب نہ انھیں خوش کر سکتا ہے ، نہ ناخوش - لہٰذا میں آپ کو بتاتی ہوں کہ واقعی وہ بہت اچھے آدمی ہیں - ان سے اچھا آدمی میری نظر سے نہیں گزرا - مجھے اس پر فخر ہے کہ میں ان کی رفیقہ حیات ہوں - وہ مجھ سے جھگڑتے نہیں ، خفا نہیں ہوتے ، بگڑتے نہیں - گھر کی ذمہ داری انھوں نے مجھے سونپ رکھی ہے اور کبھی یہ سوال نہیں کیا کہ میں کیا کرتی ہوں اور کیا نہیں کرتی - میں نے ایسا کیوں کیا اور ویسا کیوں نہ کیا - میرے کسی کام پر انھوں نے اعتراض نہیں کیا - اعتراض تو بڑی چیز ہے ، ناک بھوں بھی نہیں چڑھائی ان کی ساری زندگی اس طرح گزری ہے کہ انھیں ذمہ داریاں سونپی گئیں اور جب ذمہ داری سونپی جاتی ہے تو جواب دہی کے مواقع بھی آتے ہیں۔ لیکن اس گھر میں میری ہستی ایسی ہے ، جس کے ہاتھ میں ساری ذمہ داریاں تو ہیں لیکن آج تک جواب دہی کا سوال کبھی نہیں پیدا ہوا -"

وہ یہ کہہ رہی تھیں اور میں ان کی باتیں سن رہا تھا - رفتہ رفتہ ان کے تاثر کی شدت بڑھتی جا رہی تھی - سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے وہ بولیں :

"بچوں کے لیے بھی وہ محبت و شفقت کے سوا کچھ نہیں ہیں - ان بچوں نے باپ سے محبت بہت زیادہ پائی ہے - جھڑکیاں شاذ و نادر------کیا آپ کے سوال کا جواب مل گیا ؟"

میں نے جواب میں عرض کیا :

جی ہاں مل گیا اور میں کہہ سکتا ہوں ، بہت شافی جواب ملا - مگر وہ کہنے لگیں :

"ابھی آپ کا ایک سوال اور باقی ہے ، اس کا جواب بھی سن لیجیے -"

میں مستفسرانہ نظروں سے ان کی طرف دیکھنے لگا ، انھوں نے کہا :

"آپ یہ بھی تو جاننا چاہتے تھے ، ملازموں کے ساتھ ان کا برتاؤ کیا ہے ؟ اس کا بہت مختصر سا جواب یہ ہے کہ وہ ان کے ساتھ حد درجہ نرم خو ہیں - چپراسی اور خانساماں سے بھی جب مخاطب ہوں گے تو کبھی "تم" نہیں کہیں گے ہمیشہ "آپ" کہہ کر مخاطب ہوں گے - کیا یہ اخلاق ، شرافت نفس اور احترام آدمیت کی بہترین مثال نہیں ہے ؟"

میں نے جواب دیا :

''بے شک ہے ۔''

اب سورج غروب ہو گیا تھا ، ہماری گفتگو ختم ہوئی ۔ اتنے میں دوسرے کمرے سے جنرل صاحب تشریف لائے میں نے اجازت چاہی اور مصافحہ کر کے رخصت ہوا ۔ راستے بھر اقبال کا یہ شعر ذہن و دماغ میں گردش کرتا رہا ۔

نگہ بلند سخن دلنواز جاں پر سوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لیے